بہاولپور
کی سیاسی تاریخ
مسعود حسن شہاب
مکتبہ الہام بہاولپور

بہاول پور کی سیاسی تاریخ

مسعود حسن شہاب

مکتبہ "الہام" بہاول پور

نام کتاب ــــــــــ بہاول پور کی سیاسی تاریخ

مؤلف ــــــــــ مسعود حسن شہاب دہلوی

طابع ــــــــــ نقوش پریس، لاہور

ناشر ــــــــــ مکتبہ الہام بہاولپور

بار اوّل ــــــــــ ۱۹۷۷ء

قیمت ــــــــــ ۳۵ روپے

پیکرِ اخلاص
میر زاہد حسین کے نام
بہاولپور میں جنکی سیاسی خدمات تاریخ ساز حیثیت رکھتی ہیں۔

میرزا حسین

ترتیب

کا اضطراب (۲۴) بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات (۲۵) صدر ایوب کے اعتماد کا ووٹ (۲۶) ڈویژنل کونسل کا قیام (۲۷) بلدیات کے انتخابات (۲۸) بہاول پور ڈویژن کی نئی تشکیل (۲۹) صدارتی نظام حکومت کی حمایت (۳۰) نہری پانی کا معاہدہ (۳۱) بہاول پور کی نمائندگی کمشنر کے ذمہ (۳۲) سیاسی سرگرمیوں سے ثقافتی سرگرمیوں کی طرف (۳۳) سیرت کانفرنس کا انعقاد (۳۴) سرکاری اور عوامی نمائندوں میں کشمکش (۳۵) بہاولپور کے ساتھ ناانصافیوں کا شکوہ (۳۶) نئے آئین کا نفاذ (۳۷) بہاول پور کی نمائندگی (۳۸) انتخابی سرگرمیاں (۳۹) انتخابی نتائج (۴۰) صوبائی اسمبلی میں بہاولپور کی محرومیوں کے خلاف پہلی آواز (۴۱) سیاسی جماعتوں کی بحالی (۴۲) دو مسلم لیگوں کا ظہور (۴۳) صوبائی کابینہ میں بہاول پور کی نمائندگی۔ (۴۴) ڈسٹرکٹ کونسل بہاول نگر کا مطالبہ (۴۵) بلدیہ بہاول پور کے نئے وائس چیئرمین (۴۶) صوبائی اسمبلی کی رکنیت کا ضمنی انتخاب (۴۷) کونسل لیگ کے لیڈروں کا دورۂ بہاول پور (۴۸) دو خطرے (۴۹) کنونشن مسلم لیگ اور صدر ایوب (۵۰) انتخابات کی تیاریاں

(۵۱) بہاول پور کی شکایات کا ازالہ (۵۲) ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں میں سیاست کی آمیزش (۵۳) مخدوم زادہ حسن محمود کی سرگرمیاں (۵۴) صدارتی امیدوار (۵۵) صدر ایوب کا خطاب (۵۶) بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات (۵۷) مادر ملت کی بہاولپور میں آمد (۵۸) انتخاب کی تیاری اور کنویسنگ کی مہم (۵۹) صدارتی انتخاب (۶۰) قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات (۶۱) صوبائی کابینہ میں بہاولپور کی نمائندگی (۶۲) پاک بھارت جنگ (۶۳) بنیادی جمہوریتوں کے چیئرمینوں کا انتخاب (۶۴) ڈسٹرکٹ کونسلوں اور ڈویژنل کونسل کے انتخابات (۶۵) کنونشن مسلم لیگ کے نئے سیکرٹری جنرل (۶۶) خاندانِ عباسیہ کا آخری چراغ گل ہوگیا۔ (۶۷) نواب صاحب کے جانشین (۶۸) بہاولپور کے ترقیاتی منصوبے (۶۹) مسلم لیگ کی تنظیم جدید (۷۰) مخدوم زادہ کی سیاست میں واپسی (۷۱) صدر ایوب کی بہاول پور میں آمد کے انتظامات (۷۲) گورنر موسیٰ کی بہاول پور میں آمد (۷۳) صدر ایوب کے نوکر (۷۴) دس سالہ ترقی کا جشن (۷۵) مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری (۷۶) وکلاء کا مظاہرہ (۷۷) تحریک جمہوریت کا جلوس (۷۸) جمہوری مجلس عمل کا احتجاج (۷۹) صدر ایوب لیگ کے دوبارہ صدر چن لئے گئے۔

حرفِ آغاز

بہاول پور کی سیاسی تاریخ جدوجہد، سعی و عمل جرأت و بیباکی اور ایثار و قربانی کی تاریخ ہے۔ بہاولپوری عوام غلامی کی دوہری زنجیروں میں جکڑے رہے ہیں۔ ایک طرف انگریزی سامراج تھا تو دوسری طرف ریاست کے امراء کی مطلق العنانیت، ان حالات میں ریاستی باشندوں نے اپنے سیاسی حقوق کی جدوجہد کا کس طرح آغاز کیا۔ اس راہ میں کیسی کیسی مشکلات پیش آئیں اور آمریت کے جنگل سے نکل کر جمہوریت کی راہ پر کیسے گامزن ہوئے۔ پھر دورِ جمہوریت میں کیا کیا تجربے ہوئے اور بہاول پور ریاست سے صوبہ پنجاب کے ایک ڈویژن میں کس طرح تبدیل ہوا۔ یہ ایک طویل، دلچسپ اور سبق آموز داستان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ داستان ضبطِ تحریر میں آئی اور میں اسے اپنے اہلِ وطن کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوا۔

حقیقت میں یہ کام جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ یوں بھی کسی علاقے کی تاریخ اور وہ بھی سیاسی تاریخ جو عموماً وقت کی گرد میں دب کر رہ جاتی ہے مرتب کرنے کیلئے شاہین کے سے تجسس اور چیتے کے سے جگر کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ تحقیق کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ تاریخ کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

بہاول پور کی تاریخ اگرچہ دو سو ڈھائی سو سال سے زیادہ پرانی نہیں لیکن اس دور میں جو سیاسی واقعات یہاں رونما ہوتے رہے ہیں انہیں نہ کبھی کسی نے مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ انکا ریکارڈ ہی محفوظ رکھا گیا۔ عوامی نوعیت کی جو سیاسی تحریکات یہاں جنم لیتی رہی ہیں انہیں بھی وقت کے ساتھ ہی فراموش کیا جاتا رہا ہے خاص طور پر ریاست کی مطلق العنانی کے دور میں پیش آنیوالے سیاسی واقعات بالکل نسیاً منسیاً ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو مطبوعہ مواد تھا وہ بھی متعلقہ حضرات نے احتساب کے ڈر سے تلف کر دیا۔

ان احوال میں صحیح واقعات کی کھوج لگانا اور ضروری مواد تک رسائی حاصل کرنا نہایت دشوار تھا۔ کچھ ایسے لوگ جن کے سینوں میں پرانے دور کی یادیں محفوظ تھیں یا تو اللہ کو پیارے ہو گئے، یا عمر رسیدگی کی وجہ سے حافظے نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بہرحال ان حوصلہ شکن حالات میں بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری رکھا۔

یقیناً اس مشن میں میرے چند شفیق احباب کی کوششیں بارآور ہوئیں اور ان کے توسط سے بہاولپور کی سیاست کے اس دور کی کچھ کڑیاں بھی میرے ہاتھ لگ گئیں جس دور میں یہاں سیاست کی بات کرنا جرم تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ میرے شکریئے کے مستحق جناب منشی عبدالحمید قریشی ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنی یادداشتوں سے مجھے مستفیض کیا بلکہ ضروری ریکارڈ کی فراہمی میں بھی میری مدد کی۔ بہاولپور کی سیاسی جماعتوں کا بڑا قیمتی ریکارڈ میرے مرحوم دوست، حافظ احمد یار صاحب کے پاس محفوظ تھا لیکن ان کی وفات کے بعد اس تک رسائی حاصل کرنا میرے لئے خاصا دشوار تھا۔ یہ مشکل بھی جناب منشی عبدالحمید صاحب نے حل کی اور حافظ صاحب مرحوم کے صاحبزادگان سے مذکورہ تمام ریکارڈ حاصل کر کے میرے استفادے کیلئے میرے حوالے کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر منشی صاحب میری دستگیری نہ کرتے تو بہاولپور کی سیاسی تاریخ کا یہ قلعہ سر نہ ہو سکتا۔

میں برادر مکرم جناب میرزا زاہد حسین کا بھی شکرگذار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنی گرانقدر لائبریری پرانے اخبارات کے فائلوں اور اپنی یادداشتوں پر مشتمل مضامین سے مجھے استفادے کا موقع عطا فرمایا بلکہ بعض اہم سیاسی دستاویزات بھی مجھے عنایت کیں۔ حقیقتاً اس کتاب کی تالیف کے محرک بھی وہی ہیں اور ان کا برادرانہ خلوص و تعاون مسلسل میرے شریک حال رہا ہے۔

یہاں اس امر واقعہ کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ میں نے زیرِ نظر کتاب خالصتہً تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی ہے اور جو تاریخی مواد یا سیاسی واقعات میرے علم میں آئے ہیں انہیں اچھی طرح چھان پھٹک کر استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرتے سے میرا مقصود نہ کسی کی بے جا خوشامد یا مدح و ثنا ہے نہ کسی کی بلا سبب دل آزاری یا اہانت ہے میں نے حتی الامکان ان دونوں پہلوؤں سے اپنے قلم کو آلودہ ہونے سے بچایا ہے تاہم اگر اس کے مندرجات میں سے کوئی بات کسی کو ناگوارِ خاطر گذرے تو اسے میری غیر جانبدارانہ تاریخ نویسی کی ضرورت پر محمول کیا جائے

مجھے امید ہے کہ تاریخ کے طالب علم اس کتاب کو ذوق و شوق سے پڑھیں گے۔ خاص طور پر جو لوگ قیام پاکستان سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد ریاستوں کی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہو گا۔

شہاب دہلوی

۱۴ر جولائی ۱۹۷۷ء

ہزہائینس نواب سَر صادق محمد خاں خامس

باب اول

ریاست بہاولپور کا قیام اور اسکا سیاسی پس منظر

بہاولپور میں سیاست کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب نواب صادق محمد خاں اول کو مخدوم عبدالقادر خامس سجادہ نشین اوچ گیلانی کی سفارش پر نواب حیات اللہ گورنر ملتان نے چوہدی کا علاقہ بطور جاگیر دیکر انہیں یہاں آباد ہونے کی اجازت دی تھی۔ یہ سنہ ۱۱۴۰ھ کی بات ہے اس زمانہ میں یہ علاقہ ملتان کی عملداری میں شامل تھا۔ جگہ جگہ قبائلی سرداروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر رکھی تھیں مغلیہ سلطنت کے اضمحلال نے مرکز کی گرفت کمزور کر دی تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق جس کے پاس تھوڑی بہت عسکری طاقت تھی وہ بزعم خود اپنے علاقے کا حکمران بن بیٹھتا تھا۔ عموماً کاروبار حکومت میں گورنر سپید وسیاہ کے مالک تھے۔ جو علاقائی سرداروں کی مدد سے سرکاری محاصل وصول کیا کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں کسی قسم کی سرکشی ہوتی تھی ان کے ذریعہ اس کا تدارک کرتے تھے۔ ملتان کے گورنر کو بھی اس وقت ایسے ہی مسائل درپیش تھے ایک طرف ڈیرہ غازی خاں میں آئے دن قبائلی سر اٹھاتے رہتے تھے اور دوسری طرف جیسلمیر کے باغی کاروبار حکومت میں رخنہ ڈالتے تھے ان باغیوں اور سرکشوں سے نمٹنے کے لئے ایسے بہادروں کی ہر وقت ضرورت ہوتی تھی جو ان کی مخالفانہ و معاندانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکیں چونکہ نواب صادق محمد خاں کو شجاعت و دلیری ورثہ میں ملی تھی اور ان کا خاندان سندھ میں اپنی جرأت و بہادری کے بار ہا مظاہرے کر چکا تھا۔ اس لئے ان کے اس عسکری پس منظر کی وجہ سے گورنر ملتان نے انہیں نہ صرف یہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی بلکہ جاگیر بھی دی تاکہ وہ طمانیت قلب کے ساتھ یہاں رہ سکیں۔

نواب صادق محمد خاں کا تعلق سندھ کے اس اولوالعزم خانوادے سے تھا جو حضرت عباسؓ عم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نسبی رشتہ رکھتا تھا۔ بغداد اور مصر سے جب اس خاندان کی

حکومت ختم ہوئی تو امیر سلطان احمد ثانی جو مصر کے خلیفہ اول ابوالقاسم احمد کی پانچویں پشت میں تھا اپنی مختصر سی جماعت کے ساتھ (۶۹۶ تا ۱۱۷۰ھ) سندھ میں آیا اور یہاں سکونت اختیار کر کے رفتہ رفتہ اس ملک کے کافی حصہ پر قابض ہو گیا۔

امیر چنی کی حاضر دماغی

امیر سلطان احمد ثانی کی اولاد میں امیر چنی خاں بڑا دانشمند اور ذہین شخص گذرا ہے۔ اسے سلطنت مغلیہ سے پنج ہزاری کا منصب اور "حامی دین" کا خطاب حاصل تھا۔ اس کی حاضر دماغی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

شہزادہ محمد مراد بخش (اکبر بادشاہ دہلی کا بیٹا) ملتان آیا تو سندھ ٹھٹھہ اور دوسرے علاقوں کے تمام زمینداروں نے شہزادہ کی خدمت میں تحفے پیش کئے۔ امیر چنی خاں بھی بیش بہا تحائف لے کر شہزادہ کی خدمت میں پہنچا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کی باریابی ہو کچھ حاسدوں نے سازش کر کے اس کے تحائف غائب کر دیئے اور جن صندوقوں میں وہ تحائف تھے ان میں مٹی اور کنکر بھر دیئے۔ جب تحائف کے یہ صندوق شہزادہ کے سامنے کھولے گئے تو قدرتی طور پر شہزادہ کے چہرے سے برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔ امیر چنی خاں بھی دل ہی دل میں اس واقعہ سے سخت پریشان اور حیران تھا اس نے سوچا کہ اگر اس موقعہ پر اس نے حاسدوں کی شکایت کی اور تبدیلی تحائف کا الزام ان پر لگایا تو شاید بات نہ بن سکے گی اس لئے جونہی شہزادہ نے خشمگیں نگاہوں سے استفسار کے انداز میں امیر چنی خاں کی طرف دیکھا تو اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ عالیجاہ ! یہ سنگریزے وہی ہیں جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے ابوجہل کے ہاتھوں میں آپ کی صداقت اور نبوت کی شہادت دی تھی اور مٹی مدینہ منورہ نجف اشرف اور کربلا کی ہے۔ جو بزرگوں سے ہمیں ورثہ میں ملی ہے ہم اور ہمارے بزرگ ان تبرکات کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ چونکہ شہزادہ بلند قدر کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے میری نظر میں اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہ تھا اس لئے جناب کی نذر کے لئے یہی لے آیا ہوں"۔

شہزادہ امیر چنی خاں کی اس فصیح اور دلپذیر گفتگو سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے مٹی اور سنگریزوں کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ امیر کو خلعت شاہانہ اور منصب داری سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی حامی دین کا لقب عطا کیا۔

اسی امیر کے دو بیٹے داؤد خاں اور محمد مہدی خاں تھے۔ داؤد خاں کی اولاد داؤد پوترہ اور محمد مہدی خاں کی اولاد اس کے لڑکے کلہوڑہ کے نام کی مناسبت سے کلہوڑہ کہلائی۔ داؤد پوتروں اور کلہوڑوں میں رقابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو امیر صادق محمد خاں اول داؤد پوترہ نے اس خاندانی کشمکش سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سندھ کو خیرباد کہہ دیا۔ اور وہ تمام علاقہ جو اس نے اپنے زور بازو یا مغل بادشاہوں سے اپنی خدمات کے صلے میں حاصل کیا تھا چھوڑ کر قلعہ خانپور میں سکونت اختیار کر لی۔ مگر دشمنوں نے اسے یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ اور وہ وہاں سے بھی ترک سکونت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب کے اس نے ڈیرہ غازی خاں کا رخ کیا اور یہاں بیٹ دبلی کے مقام پر قیام کیا۔

اس زمانہ میں اوچ شریف کے مخدوم شیخ عبدالقادر خامس دربار قادریہ کے سجادہ نشین تھے ان کا حکومت میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ انہوں نے امیر صادق محمد خاں کو اوچ میں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۱۱۳۹ھ کے لگ بھگ وہ اوچ آ گئے۔ کچھ دن بعد ان کی خواہش پر مخدوم صاحب نے گورنر نواب حیات اللہ خاں سے ان کی سفارش کی۔ امیر صادق محمد خاں خود بھی گورنر ملتان سے ملے جس نے انہیں چوہدری کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا۔

ریاست کا سنگ بنیاد اور مقبوضات میں توسیع کا سلسلہ

حصول جاگیر کے بعد امیر صادق محمد خاں چوہدری کے علاقہ میں منتقل ہو گئے۔ یہاں انہوں نے ایک شہر بسایا جو اللہ آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شہر ریاست بہاولپور کے قیام میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہیں سے امیر صادق محمد خاں کے مقبوضات میں توسیع کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے سب سے پہلے ان قبیلوں کو زیر کیا جنہوں نے اپنی خود مختاریاں قائم کر رکھی تھیں اور جو عموماً حکومت کے کاروبار میں خلل انداز ہوتے رہتے تھے۔ جیسلمیر کا راجہ راول اکھی سنگھ بڑا خود سر تھا۔ سرحدی زمیندار بھی اس کے مطیع تھے۔ جب اس نے امیر صادق محمد خاں کا اس علاقے میں اثر بڑھتا ہوا محسوس کیا تو اس نے امیر کو پریشان کرنا شروع کیا۔ امیر نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے دانت کھٹے کر دیئے یہاں تک کہ اس کے بھائی نہر سنگھ کو گرفتار کر لیا۔ اس کامیابی سے امیر صادق محمد خاں کی بہادری کی اس علاقہ میں دھاک بیٹھ گئی۔

جیسلمیر کی سرحد سے بے فکر ہونے کے بعد امیر صادق محمد خاں نے شہر فرید پر اپنی توجہ مبذول کی۔ یہاں کھوکھروں نے انتظام حکومت کو تہہ و بالا کر رکھا تھا۔ وہ سرکاری محاصل وصول کرنے کے

ذمہ دار تھے۔ لیکن وہ جو کچھ وصول کرتے سرکاری خزانہ میں جمع نہیں کراتے تھے۔ اس سرکشی کے ساتھ ساتھ انہوں نے علاقہ میں قتل و غارتگری کا بازار بھی گرم کر رکھا تھا۔ نواب حیات اللہ خاں گورنر ملتان نے ان کی سرکوبی کے لئے امیر صادق محمد خاں کو مقرر کیا۔ جنہوں نے لکھویروں کو زیر کیا۔ اور ان کے قلعہ بھٹ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کارگذاری کے صلے میں اس علاقہ کی تمام جاگیر انہیں مل گئی۔ اس کے بعد انہوں نے علاقہ کی خوشحالی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ ان دنوں بہاولپور کا شمالی حصہ بالکل بنجر اور غیر آباد تھا۔ انہوں نے اس کی آبادی کی طرف توجہ دی اور اپنے ان ساتھیوں اور قبیلہ داروں کو جنہوں نے مختلف مہمات میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ یہاں شہر اور قلعے تعمیر کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح ایک بڑی جمعیت اس علاقے میں ان کے ہمنواؤں اور خیر خواہوں کی پیدا ہو گئی۔

قلعہ ڈیراور پر قبضہ

سنہ ۱۱۴۶ھ میں امیر صادق محمد خاں نے راجہ جیسلمیر راول اکھی سنگھ سے جنگ کر کے قلعہ ڈیراور فتح کر لیا۔ یہ قلعہ فوجی نقطہ نظر سے بڑا اہم تھا۔ اس کا محل وقوع ایسا مقام تھا جو حد نگاہ تک ریت کے ٹیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ دور دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ کوئی دشمن جان ہتھیلی پر رکھ کر ہی یہاں پر پہنچنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے امیر صادق محمد خاں اور ان کے جانشینوں نے اسے اپنا اولین دار الحکومت بنایا۔

نادر شاہ والیٔ کابل کی اطاعت

سنہ ۱۱۵۲ھ میں نادر شاہ بادشاہ کابل کی قلمرو میں سندھ۔ ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں شامل ہوئے تو نواب صادق محمد خاں نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور اسکی مصلحت حکمرانی کو پیش نظر رکھتے رہے۔ اس حکمت عملی کا یہ فائدہ ہوا کہ جب نادر شاہ نے سندھ کی از سر نو تقسیم کی تو تسکار پور معہ پرگنہ لاڑکانہ۔ سیوستان د پھتر وغیرہ امیر صادق محمد خان اول کی تحویل میں دیدئے گئے۔

داؤد پوتروں کے سندھ میں دوبارہ اثر و نفوذ نے خاندان کلہوڑہ میں آتش حسد بھڑکا دی اور انہوں نے امیر صادق محمد خاں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ خود امیر کا معتمد شیخ صادق محمد جو نادر شاہ کے دربار میں اس کی وکالت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کے خلاف سازش میں شریک ہو گیا تھا یہ شخص، تادیبی کاروائی کے دوران امیر صادق محمد خان کے حامیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ مخالفین کو اس واقعہ سے امیر صادق محمد خاں کے خلاف نادر شاہ کو انگیخت کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے طرح طرح سے امیر اور ان کے اقارب کو تنگ کرنے کی کوشش کی۔ امیر نے اس صورت حالات کو رد براہ لانے کے لئے اپنی پہلی فرصت میں دربار نادری میں پہنچ کر اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ

جب امیر نے اصفہان پہنچ کر نادر شاہ کے سامنے صحیح واقعات پیش کئے تو نہ صرف اس کا دل صاف ہو گیا بلکہ وہ ان کی صاف گوئی، شجاعت اور فصاحت لسانی سے اس قدر متاثر ہوا کہ امیر صادق محمد خاں کو غزنی کی جاگیر دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

شہر بہاولپور کی تعمیر

امیر صادق محمد خاں اول کے بعد ان کے ولیعہد امیر محمد بہاول خان اول تخت نشین ہوئے۔ ان کی مدت حکمرانی اگرچہ صرف ۳ سال رہی اور سوائے اندرونی خلفشار کے اس عہد میں کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا۔ تاہم ایک بات جس نے ریاست کی تاریخ میں ایک نیا موڑ پیدا کیا وہ شہر بہاولپور کی تعمیر ہے۔ امیر محمد بہاول خاں کو ایک ایسے مرکزی مقام کی اشد ضرورت تھی۔ جسے وہ اپنا دارالحکومت قرار دیں۔ اور جہاں سے وہ اپنے تمام مقبوضات کا انتظام و انصرام خوش اسلوبی کے ساتھ کر سکیں۔ اس غرض کے لئے انہوں نے بہاولپور شہر کا موجودہ مقام پسند کیا۔ یہ جگہ دریائے ستلج کے اس پار ہونے کی وجہ سے مخالفوں کے فوری حملوں سے بچاؤ کے لئے بھی موزوں تھی۔ اور صوبہ داری ملتان کے قرب میں واقع ہونے کی بنا پر اس سے پولیٹیکل تعلقات و روابط کو قائم رکھنے کی آسانی بھی فراہم کرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۱۶۲ھ میں یہاں شہر کی بنیاد ڈال کر اس کے گرداگرد فصیلیں تعمیر کرائیں۔ اور اسے اپنے نام سے موسوم کیا۔ بعد میں اسی شہر بہاولپور کے نام پر پوری ریاست کا نام بہاولپور قرار پایا۔

احمد شاہ درانی کی خفگی اور اس کا ازالہ

نادر شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ درانی سریر آرائے سلطنت ہوا تو امیر صادق محمد خاں کے جانشین امیر محمد مبارک خان بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ لیکن بعض بد خواہ اس دفعہ احمد شاہ درانی کو امیر محمد مبارک خاں کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے۔ دراصل امیر محمد صادق خاں نے اپنے جانشینوں کو جو مستحکم اور طاقتور حکومت دی تھی اس سے ہمسایہ امراء خائف تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ کسی طرح ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کر دیا جائے۔ احمد شاہ درانی کو بھی یہی بتایا گیا کہ اگر داؤد پوتروں کی طاقت اسی طرح بڑھتی رہی تو یہ بات خود بادشاہ کے لئے خطرہ کا موجب ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے جہان خاں قزلباش کو امیر محمد مبارک خاں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ ملتان کا صوبہ دار جاں نثار خاں امیر سے خوشگوار تعلقات رکھنے کے باوجود بادشاہ کابل کے حکم کی وجہ سے جہان خاں کی مہم میں اس کا شریک ہو گیا۔ سردار جہان خاں اور امیر محمد مبارک خاں کی فوجوں میں جنگ ہوئی۔ سردار جہان خاں پسپا ہوا اور امیر محمد مبارک خاں کامیاب۔ تاہم امیر نے سردار جہان خاں سے دشمنی پسند نہ کی۔ اور اس سے

صلح کرلی جس کے بعد اس کی طرف سے احمد شاہ درانی کی خفگی بھی دور ہو گئی۔

امیر محمد مبارک خاں نے بادشاہ کابل احمد شاہ درانی کی خوشنودی کا یہاں تک خیال رکھا کہ جو طلائی اور نقرئی سکے ریاست میں جاری تھے ان کے ایک جانب دار الریاست بہاولپور کے الفاظ نقش تھے۔ تو دوسری جانب سکہ ہمایوں شاہ محمود (والی کابل) کے الفاظ کندہ تھے۔

بھنگی سکھوں سے مڈبھیڑ

امیر محمد مبارک خاں کا عہد ۲۲ سال کے عرصہ پر (۱۱۶۴ھ تا ۱۱۸۶ھ) محیط ہے۔ اس عرصہ میں اندرونی اور بیرونی طور پر کافی سنگین حالات پیش آئے۔ لیکن امیر کی دور اندیشی اور تدبر سے ہر معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ اسی زمانہ میں ۱۱۸۴ھ میں ہری سنگھ بھنگی سکھوں کی فوج لے کر ملتان کی طرف بڑھ رہا تھا کہ راستہ میں داؤد پوتروں سے مڈبھیڑ ہو گئی دونوں طرف سے حدود سلطنت میں تجاوز کا اعتراض کیا جا رہا تھا۔ آخر مذاکرات کے نتیجے میں پاک پٹن کی جاگیر کو ریاست کی حد فاصل تسلیم کیا گیا۔ اور ہری سنگھ اس طرف کا رخ کرنے سے باز آیا۔ اسی دور میں میلسی۔ لودھراں اور مظفر گڑھ کا بہت سا علاقہ بہاولپور کی قلمرو میں شامل ہوا۔

ریاست میں اندرونی و بیرونی شورش

۱۱۸۶ھ تا ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) کا زمانہ تمام ہندوستان کے لئے بڑا انقلابی تھا۔ ہندوستان میں مرہٹوں نے اودھم مچا رکھی تھی اور پنجاب سکھا شاہی کی زد پر تھا۔ اس پر آشوب دور میں کسی امیر کی امارت محفوظ تھی نہ کسی رئیس کی ریاست ہر جاگیر دار اور تعلقہ دار کسی بڑی طاقت سے وابستہ ہونے میں اپنی عافیت سمجھتا تھا۔ بہاولپور پر بھی ہمسایہ ملکوں کے دانت تھے اور وہ بار بار حملے کر کے اسے تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ء) میں تیمور شاہ بادشاہ کابل سندھ کے انتظام کے لئے آیا تو مخالفوں کی انگیخت پر بہاولپور کو نشانہ ستم بنا گیا۔ اس نے قلعہ ڈیراور پر حملہ کیا اور کافی نقصان پہنچا کر صاحبزادہ مبارک خاں کو بطور یرغمال اپنے ساتھ کابل لے گیا۔ صاحبزادہ مبارک خاں ایک سال تک کابل میں رہ کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرتے رہے۔ آخر ریاست کی سند حکومت لے کر واپس لوٹے اور یہاں آ کر اپنے والد امیر محمد بہاول خاں ثانی کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ جو لوگ پہلے سے امیر محمد بہاول خان کے خلاف تھے انہیں باپ بیٹے کی اس مخالفت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اوچ گیلانی کے سجادہ نشین مخدوم حامد گنج بخش بھی جن کے دل میں امیر کی طرف سے کافی کدورت تھی۔ صاحبزادہ مبارک خاں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ امیر محمد بہاول خاں نے بڑی مشکل سے اس بغاوت پر قابو پایا۔ مخدوم حامد گنج بخش کو پشیمانی اٹھانی پڑی۔ اوچ شریف اب تک بہاولپور کی قلمرو میں شامل نہ تھا۔ اس واقعہ کے بعد مخدوم صاحب نے اوچ

کے قلعہ کی چابیاں امیر محمد بہاول خاں کے حوالہ کر دیں۔ اور ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس وقت سے اوچ بھی بہاولپور کی حکومت میں شامل ہو گیا۔

انگریزوں سے روابط کا آغاز

غرض یہی وہ حالات تھے جو امیر محمد بہاول خاں ثانی کو بھی کسی بڑی طاقت کی حمایت حاصل کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ ان کی نظر سرکار انگلشیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت پر تھی۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ مستقبل میں یہی حکومت سارے ہندوستان پر چھا جانے والی ہے۔ چنانچہ ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء میں آنریبل مان اسٹوارٹ الفنسٹن حکومت برطانیہ کی جانب سے کابل کی سفارت پر جاتے ہوئے بہاولپور سے گذرے تو امیر محمد بہاول خاں ثانی نے ان کی زبردست پذیرائی کی اور بیش قیمت تحائف ان کی خدمت میں پیش کئے۔ اس موقعہ پر انہوں نے سرکار انگریزی سے یگانگت و اتحاد کے تعلقات استوار کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب رنجیت سنگھ کی ہوس ملک گیری عروج پر تھی اور وہ بہاولپور کو ہڑپ کرنے کے لئے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ امیر بہاول خاں نے پیش بینی سے کام لے کر اگر انگریزی حکومت سے دوستی کی بنیاد نہ ڈالی ہوتی تو بہاولپور کبھی کا سکھا شاہی کی نذر ہو چکا ہوتا۔

ریاست پر سکھوں کا حملہ

۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء میں نواب محمد بہاولپور خاں ثالث تخت نشین ہوئے اس وقت بھی پنجاب پر سکھوں کا غلبہ . . اور وہ برابر قرب و جوار کے علاقوں کو ہتھیانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہاولپور بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں تھا۔ نواب صاحب نے اس موقع پر سکھوں سے محاذ آرائی کی بجائے دوستی بڑھانے میں اپنی عافیت سمجھی۔ جو علاقہ سکھوں کی طرف سے انہوں نے خود اجارہ پر حاصل کر رکھا تھا۔ اس کا زر مستاجری ادا کرنے کے علاوہ وقتاً فوقتاً وہ تحفے تحائف بھی رنجیت سنگھ کو بھیجتے رہتے تھے۔ تاہم سکھ بہاولپور پر قبضہ جمانے کے بہانے تلاش کر رہے تھے۔ اتفاق سے ایک دفعہ نواب صاحب کے کارندوں کی غفلت سے زر اجارہ کی قسط رنجیت سنگھ کو وقت پر نہ پہنچ سکی جس کو بہانہ بنا کر اس نے بہاولپور پر حملہ کر دیا۔ اور بہاولپور کے مقبوضات کا وہ تمام علاقہ جو دریائے ستلج کے شمالی جانب تھا۔ اپنے قبضے میں لے لیا۔

نواب صاحب کو اس ابتلا کے وقت سرکار انگلشیہ کو یاد کرنا پڑا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے معتمد خاص سید غلام مصطفےٰ شاہ کو گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بنٹنگ کے پاس بھیجا۔ جنہوں نے صورت حالات سے اسے مطلع کیا۔ اور بہاولپور کی سرپرستی کی درخواست کی۔ لارڈ ولیم بنٹنگ نے اس درخواست پر نواب صاحب سے اظہار ہمدردی کیا اور اسی وقت رنجیت سنگھ کے نام یہ ہدایت

جاری کی کہ وہ بہاولپور کو اپنی مزید دست درازی کا نشانہ نہ بنائے۔ سرکار انگریزی کی اس بروقت دخل اندازی کا یہ فائدہ ہوا کہ سکھوں کی فوج جو ریاست پر حملہ کرنے کے لئے مامور تھی۔ واپس بلالی گئی اور اس طرح بہاولپور سکھوں کی مزید یلغار سے بچ گیا۔

حکومت انگلشیہ سے دوستی کا معاہدہ

اس سال گورنمنٹ انگلشیہ اور بہاولپور کے مابین باقاعدہ ایک معاہدہ دوستی طے پایا۔ اس کام کے لئے گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے لدھیانہ کے پولیٹیکل افسر کیپٹن سی۔ایم۔ ویڈ مقرر تھے جنہوں نے ۱۶ دفعات پر مشتمل مندرجہ ذیل معاہدہ مرتب کیا۔

۱۔ دوستی واتحاد ہمیشہ کے لئے فیمابین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی ونواب محمد بہاول خاں اور اس کے ورثاء جانشینوں کے قائم رہے گا۔

۲۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اقرار کرتی ہے کہ وہ ہرگز سرکار بہاولپور کے علاقہ موروثی یا غیر موروثی میں دست اندازی نہ کرے گی۔

۳۔ نواب درباب انتظام ملک واختیارات وحقوق متعلقہ رعایا خود مختار ہیں۔

۴۔ جو عہدیدار پنجاب سرکار انگریزی دربار نواب میں رہنے کے لئے مقرر ہوگا وہ ہمیشہ حسب منشائے شرط بالا انتظام نواب میں مداخلت کرنے سے پرہیز کرے گا اور ہمیشہ ہر دو سرکار کے دوستی کے قیام کو مدنظر رکھے گا۔

۵۔ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر دریائے سندھ اور ستلج وراستہ ہا علاقہ بہاولپور میں سوداگران کی آمدورفت کی نسبت سرکار بہاولپور یہ منظور فرماتی ہے کہ ان کے علاقہ میں سوداگران کی آمدورفت کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ پروانہ راہداری ان کے پاس ہو۔

۶۔ سرکار بہاولپور اقرار کرتے ہیں کہ بہ اتفاق سرکار انگریزی محصول مناسب وواجبی اشیائے تجارت پر جو مذکورہ بالا راستوں سے گذرے مقرر کریں گے۔ اور اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ مگر بر رضامندی فریقین۔

۷۔ یہ بھی وعدہ کیا جاتا ہے کہ فہرست محصول جو حسب بیان گذشتہ تجویز ہوگا۔ واسطے اطلاع عام مشتہر کی جائے گی۔ اور اہلکاران پرمٹ ومستاجران مالگذاری علاقہ بہاولپور کو ہدایت قطعی دی جائے گی تاکہ تاجروں کو بعد لینے محصول مقررہ کے کسی حد

نہ روکیں یعنی بہانہ محصول جدید یا کسی اور حیلہ سے ان کا سدراہ نہوں۔
۸۔ جو محصول برائے لین دین مذکورہ بالا مقرر ہوگا۔ صرف انہی اشیائے تجارت سے متعلق ہوگا۔ جو اس کے راستہ سے گذر کریں گے۔ اور اس کو کچھ واسطہ اس محصول سے نہ ہوگا۔ جو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گذرنے کے لئے مقرر ہو جو کہ گھاٹ پر لیا جاتا ہے۔ القصہ دونوں قسم کے محاصل مثل سابق قائم اور برقرار رہیں گے۔
۹۔ جو تاجر لین مذکورہ گذر کریں ان کو لازم ہے کہ جب تک علاقہ نواب میں رہیں اس وقت تک حکومت نواب کا بہت لحاظ رکھیں اور کوئی امر خلاف انتظام ملک و مذہب ساکنان ملک کے عمل میں نہ لا دیں۔
۱۰۔ جس قدر محصول کا استحقاق نواب صاحب کو ہوگا۔ اسی قدر اس کے اہلکاروں کی معرفت مقررہ مقامات پر وصول کیا جائے گا۔
۱۱۔ جو اہلکار واسطے تلاشی اشیائے اور تحصیل محصول کے منجانب سرکار بہاولپور مامور ہوں گے۔ وہ مقامات مٹھن کوٹ اور ہری کے قیام کریں گے۔ اور سوائے مقامات مذکورہ کے کسی اور مقام پر کشتیاں روکی نہ جائیں گی اور نہ تلاشی اسباب کی ہوگی۔
۱۲۔ جب اشخاص کشتیاں اپنی خوشی سے کسی مقام پر ٹھہرائیں یا کچھ اسباب وہاں اتاریں یا کچھ اسباب لائیں تو ایسے اسباب پر محصول سرکار بہاولپور اسباب کے لادنے سے پہلے اور اترنے کے بعد حسب منشائے شرط ہشتم لیں گے۔
۱۳۔ جو سپرنٹنڈنٹ مٹھن کوٹ میں ٹھہرے گا۔ وہ اسباب کی تلاشی لے کر اور محصول وصول کر کے پروانہ راہداری دے گا جس میں تفصیل اسباب و سواری درج ہوگی۔ جب یہ کشتی ہری کے پہنچے گی تو سپرنٹنڈنٹ مقام مذکورہ کا فہرست راہداری کا مقابلہ اسباب سے کرے گا۔ اور جو اسباب زائد پایا جائے گا۔ اس پر زائد محصول لیا جائے گا۔ اور باقی اسباب جس کا محصول کوٹ مٹھن پر لیا جائے گا۔ بلا روک ٹوک جانے دیا جائے گا۔
۱۴۔ یہی طریق نسبت اس اسباب کے مرعی رہے گا۔ جو مقام ہری کے سے مٹھن کوٹ جائے گا۔

۵۔ اہلکاران نواب صاحب ان سوداگروں کی جو آمدورفت کریں حتی المقدور حفاظت کریں گے اور تاجر کسی مقام پر اگر شب باش ہوں تو ان کو لازم ہے کہ وہ تھانہ دار یا کسی اور ذی اختیار اہلکار کو پروانہ راہداری دکھا کر حفاظت کریں۔

۱۶۔ شرائط عہد نامہ ہذا من کل الوجوہ خواہ بناپر انتظام ملک نواب اور خواہ درباب تجارت جو ہیں سب کا لحاظ دونوں سرکاروں کو رہے گا۔ اور وہ سب واسطہ اتحاد ابدی فیمابین ہر دو سرکار کے ہوں گے۔

المرقوم مقام بہاولپور — تاریخ ۲۲ فروری ۱۸۳۳ء

مہر کمپنی — دستخط ڈبلیو سی بنٹنگ

ایسٹ انڈیا کمپنی سے ریاست کا ایک اور معاہدہ

اس معاہدے کی تصدیق گورنر جنرل نے کونسل کے اجلاس میں ۱۳ ستمبر ۱۸۳۳ء کو کی۔ اور اس کی دفعہ ۴ کے منشاء کے مطابق لیفٹیننٹ میکسن بہاولپور کے پہلے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۸۳۳ء کو ایک اور معاہدہ ہوا۔ جس کی حسب ذیل شرائط تھیں۔

۱۔ دوستی و اتفاق و یکجہتی فیمابین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب بہادل خاں بہادر اس کے ورثاء و جانشین کے جاری رہے گا۔ اور ایک فریق کے دوست دشمن دوسرے فریق کے دوست دشمن تصور کئے جائیں گے۔

۲۔ سرکار انگریزی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ دارالریاست بہاولپور و ملک بہاولپور کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ نواب بہادل خاں اور اس کے ورثاء جانشین سرکار انگریزی کے تابع رہیں گے۔ اور اس کی حکومت اعلیٰ کو تسلیم کریں گے۔ اور کسی اور رئیس یا حکومت سے تعلق نہیں رکھیں گے۔

۴۔ نواب اور اس کے ورثاء و جانشین کسی رئیس و حکومت غیر سے بلا اطلاع و منظوری سرکار انگریزی دوستی و اتفاق نہیں کریں گے۔ مگر معمولی تحریرات دوستانہ اپنے دوست و یگانوں سے جاری رکھیں گے۔

۵۔ نواب اور اس کے ورثاء و جانشین کسی پر زیادتی نہ کریں گے۔ مگر اتفاقاً کسی سے تکرار اگر واقع ہو گی تو وہ سپرد ثالثی سرکار انگریزی کی جائے گی۔

۶. سرکار بہاولپور وقت ضرورت فوج سے سرکار انگریزی کی مدد کرے گی۔

۷. نواب اور اس کے ورثاء و جانشین حاکم کل اپنے ملک کے رہیں گے۔ اور انتظام انگریزی اس علاقہ میں داخل ہوگا۔

اس عہد نامہ پر لفٹیننٹ میکس نے سرکار انگریزی کی جانب سے اور منشی چوکس رائے نے سرکار بہاولپور کی طرف سے دستخط کئے۔ جسے گورنر جنرل اور نواب بہاول خاں نے منظور کیا۔ اور ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بمقام شملہ اس کی باقاعدہ تصدیق و منظوری ہوئی۔

معاہدوں کا دو طرفہ مفاد

فی الحقیقت اس معاہدے کی دونوں حکومتوں کو ضرورت تھی ہندوستان پر مکمل قبضہ و تسلط کے لئے انگریزوں کو بھی ایسے حامیوں اور مددگاروں کی تلاش تھی۔ جو سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی میں ان کی مدد کر سکیں۔ ایسے رئیس اور تعلقہ دار جو انگریزوں کی مداخلت کے خلاف تھے اکثر شورش برپا کرتے رہتے تھے۔ انہیں مقامی امداد و اعانت کے بغیر زیر کرنا آسان نہ تھا۔ خود سکھوں کی روز افزوں قوت انگریزوں کے لئے ایک مستقل چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ نواب بہاولپور کو بھی سب سے زیادہ خطرہ سکھوں کی طرف سے تھا۔ آئے دن ان کی شورشوں نے اندرون ریاست امن و امان میں بھی خلل ڈال دیا تھا اور سرحدوں پر بھی حالت جنگ کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ الغرض ان حالات نے نواب بہاولپور کو انگریزوں کے قریب کیا۔ اور انگریزوں نے خود اپنی مصلحتوں کی وجہ سے انہیں اپنے سینے سے لگایا۔

اس سے قبل نواب بہاولپور نے لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل ہندوستان کے ایماء سے شاہ شجاع الملک کا استقبال بڑے تزک و احتشام سے کیا تھا۔ ان کے کیمپ کے لئے رسد۔ بار برداری اور دوسرے انتظامات کئے تھے وہ کابل پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ اس مہم میں نواب صاحب نے بڑی مدد کی۔ اپنی فوج بھی اس غرض کے لئے مامور کی جس نے جان توڑ کوشش سے کابل کی مہم کو سر کیا۔

۱۸۳۹ء / ۱۲۵۹ھ میں رنجیت سنگھ مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب میں اس کی حکومت کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اور پنجاب مکمل طور پر انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ نواب صاحب نے اس خوشی میں ریاست میں چراغاں کیا اور سلامی کی توپیں سر کیں۔ گورنر جنرل نواب صاحب کی خدمات سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ ان کی سفارش پر گورنمنٹ انگریزی نے کوٹ سبزل، بھونگ اور بھارہ کا علاقہ نواب صاحب کو عطا کر دیا۔

والیان ریاست کی انگریزوں سے وفاداری

۱۸۴۲ء ۱۲۶۱ھ میں والئی کابل نے انگریزوں کے خلاف ایک سازش میں نواب بہاولپور کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی. اس سلسلے میں اس نے دو خط بھی نواب صاحب کے نام بھیجے جن میں انگریزوں کے خلاف ان سے مدد کی درخواست کی گئی. نواب صاحب نے یہ دونوں خط پیر ابراہیم ظہیر ایجنٹ بہاولپور کے ہاتھ کیپٹن طامسن اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جزل ہند کو بھجوا دیئے اور اس طرح والئی کابل کی سازش اور نواب صاحب کی انگریزوں سے وفاداری کا نقش حکومت انگلشیہ کے دل پر بیٹھ گیا. فروری ۱۸۴۴ء میں ریاست بہاولپور کی مشرقی سرحد کی حد بندی ہوئی تو نواب صاحب نے سرکار انگریزی کی خواہش پر علاقہ ولوان جس سے نواب صاحب کو مالیہ کی صورت میں ۲۵ ہزار روپے سالانہ آمدنی ہوتی تھی حکومت انگلشیہ کو بلا معاوضہ دے دیا. نواب صاحب کی یہ فراخدلی انگریزوں کی مزید خوشنودی کا باعث ہوئی.

بہاولپور. راجپوتانہ اور بیکانیر کی سرحدوں کا تعین

مارچ ۱۸۴۵ء میں ریاست کی حدود متعین کرنے کی ضرورت تھی نواب صاحب ریاست کو راجپوتانہ اور بیکانیر کی طرف سے ہر قسم کی جارحانہ کارروائی سے محفوظ کرنا چاہتے تھے. انگریزوں نے اس کام کو اپنی نگرانی میں نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا. اور راجپوتانہ. بیکانیر اور بہاولپور کی سرحد قائم کر کے یہاں پختہ برجیاں تعمیر کرا دیں جس کے بعد ان ریاستوں کے مابین سرحدی تنازعات کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا.

دیوان مولراج سے انگریزوں کی جنگ. نواب بہاولپور کی مدد

۱۸۴۸ء میں ملتان کا نظم و نسق دیوان ساون مل سے منتقل ہو کر اس کے لڑکے دیوان مولراج کے ہاتھ میں آیا تھا. اسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا. چنانچہ گورنمنٹ انگلشیہ کے افسروں نے اس سے ملتان کا چارج مانگا تو اس نے انکار کر دیا. گورنمنٹ نے اس حکم عدولی کو بغاوت پر محمول کیا. اور اس کی سرکوبی ضروری سمجھی. نواب صاحب بہاولپور سابقہ معاہدوں کی رو سے انگریزوں کے باقاعدہ حلیف تو بن چکے تھے. لہٰذا اس موقع پر بھی ان سے امداد طلب کی گئی نواب صاحب نے اپنی فوج اس مہم پر روانہ کی جس نے انگریزی فوج کے ساتھ مل کر مولراج کے خلاف کارروائی کی. اس میدان کارزار میں مولراج کو شکست ہوئی. اور اس نے خود کو سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا.

انگریزوں کی طرف سے نواب صاحب کا وظیفہ

فوجی مہم میں نواب صاحب کی اس امداد سے انگریز بے حد خوش تھے۔ انہوں نے اس خوشی میں نواب صاحب کا ایک لاکھ روپے سالانہ وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا۔ ملتان میں جشن کامیابی کے طور پر ایک دربار بھی منعقد ہوا۔ جس میں لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے اپنے ہاتھ سے نواب صاحب کو طلائی کنگن پہنائے ایک بیش بہا مرصع ولائتی شمشیر کمر میں باندھی اور ان کی امداد کا شکریہ ادا کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نواب بہاولپور کا کردار

۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں غدر سے موسوم ہے۔ لیکن در اصل یہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے خلاف پہلی تحریک تھی جس میں عوام و خواص سبھی شامل تھے۔ البتہ وہ رؤسا جنہوں نے اپنے حریفوں کے خلاف انگریزی حکومت کی امداد سے اپنا تحفظ کر رکھا تھا۔ وہ نہ صرف اس تحریک سے الگ تھلگ تھے بلکہ انگریزوں کے معین و مددگار تھے۔ نواب بہاولپور کا شمار بھی ایسے ہی روساء میں تھا وہ سکھوں کی یلغار سے بچنے کے لئے ۱۸۳۳ء میں جو معاہدہ کر چکے تھے اس کی رو سے ان پر لازم تھا۔ کہ وہ اس مشکل وقت میں انگریزوں کا ساتھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس موقع پر سرکار انگلشیہ کی نہ صرف مالی امداد کی بلکہ حسب ضرورت ان کی حمایت میں فوج کو بھی حرکت میں لائے اور یہ کوشش کی کہ یہاں کوئی ایسی تحریک جڑ نہ پکڑ سکے جس کے ڈانڈے انگریز دشمن کی تحریک سے ملتے ہوں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ریاست کے ان افراد کے خلاف کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کیا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ تحریک آزادی سے ہمدردی رکھتے تھے

جنگ آزادی کے شہید

اس دارو گیر کی وجہ سے عام طور پر تو ریاستی عوام اس تحریک سے الگ رہے تاہم بعض افراد نے اس ماحول میں بھی کلمۂ حق بلند کرنے سے گریز نہ کیا اور چاہے انہیں اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونے پڑے لیکن شہیدانِ آزادی میں وہ اپنا نام لکھوا گئے

ایسے ہی سرفروشوں میں مولانا امام بخش بہاولپوری بھی شامل تھے۔ یہ بہاولپور کی مشہور چنبڑ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مولانا غلام رسول چنبڑ کے عم زاد تھے انہیں یہ بھی دکھ تھا کہ ریاست میں مجاہدین آزادی کو ناحق کچلا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس صورت حالات کے خلاف نواب صاحب کو کئی خط لکھے جس میں ان کی انگریز پرستی پر

اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ انگریز کے خلاف قدم اٹھانے میں مجاہدین اسلام کا ساتھ دیں

نواب صاحب کو مولانا امام بخش کی یہ جرأت ناگوار گذری اور انہوں نے کسی سپاہی کو بھیج کر انہیں شہید کرا دیا۔ ان کا مزار بھٹی لوک شاہ کے گورستان میں[1] مولانا غلام رسول چنڑ کے مزار کے عقب میں ہے۔

جنگ آزادی کی ناکامی پر ریاست میں چراغاں

۲۲ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جب انقلابی تحریک ناکام ہو گئی اور انگریزی حکومت دہلی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تو اس خوشی میں ریاست کے متعدد مقامات پر چراغاں کیا گیا۔ بہر حال انگریز پرستی کا یہ مظاہرہ نواب صاحب کی سیاسی ضرورت کے تابع تھا۔ اور وہ اس کے لئے مجبور تھے۔ آئندہ واقعات سے یہ حقیقت مزید آشکار ہوگی کہ اگر نواب صاحب عوامی امنگوں کے خلاف انگریزی حکومت کی سرپرستی نہ کرتے تو ان کی ریاست جو مسلسل مخالف طوفانوں کی زد پر تھی کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں نے نہ صرف ان کی مدد کی بلکہ دوسری ریاستوں کے برعکس جنہیں انگریزوں نے ختم کر دیا تھا۔ اسے ختم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

برطانوی حکومت سے وفاداری کی جو روایت پہلے حکمرانوں نے قائم کی تھی۔ اسے نواب صادق محمد خان خامس نے بھی قائم رکھا اور کوئی موقعہ اس کی خدمت کا ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۹ء تک جتنی جنگیں برطانیہ نے لڑیں ان سب میں ریاست بہاولپور نے دامے درمے اور قدمے سخنے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء کی دوسری عالمگیر جنگ میں خود نواب صاحب برطانیہ کی طرف سے مشرق وسطیٰ کے محاذ پر گئے۔ اس محاذ پر برطانوی حکومت نے خاص طور پر نواب صاحب کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ وہ اپنے اثرات سے وہاں کے حالات کو حکومت برطانیہ کے حق میں کر سکیں۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں نواب صاحب نے اپنے اسٹاف کے ہمراہ عراق کا سفر کیا اور وہاں ایک ماہ قیام کر کے عراق اور برطانیہ کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کرایا۔

---

[1] قلمی مخطوطہ ص ۱۲۱ مملوکہ قاضی فضل رسول جاپوری مرحوم۔ قلمی مخطوطہ ص ۱۴۲ مملوکہ مولانا عبید المجید خیرپوری۔ بحوالہ مضمون مولانا اسد نظامی مطبوعہ ترجمان اہلسنت (جنگ آزادی نمبر) جولائی ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۶۵-۱۶۴

باب دوم

ریاست کا نظم و نسق انگریزوں کے ہاتھ میں

۱۷ مارچ ۱۸۶۶ء کو نواب صادق محمد خاں رابع تخت نشین ہوئے تو ان کی عمر ۴ سال سات ماہ چار دن تھی۔ مخالفین اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے بغاوتوں اور سازشوں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ رونما ہوتا رہتا تھا۔ خاص طور پر خود نواب صاحب کے اہل خاندان کمسن نواب کو تخت سے محروم کر کے اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں تھے۔

خیر خواہان نواب کے لئے یہ صورت حالات خاصی تشویشناک تھی۔ اور وہ اس سے بجید حراساں تھے۔ البتہ کمسن نواب کی والدہ جو نہایت مدبر اور دور اندیش خاتون تھیں وہ بڑے عزم و حوصلہ سے حالات کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ آخر شورہ پشتوں کی روز افزوں کارروائیوں سے مجبور ہو کر انہوں نے اراکین سلطنت کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ نواب کے بالغ ہونے تک ریاست کا نظم و نسق انگریزی حکومت کو سونپ دیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور حسب قرار داد ایک درخواست اس مضمون کی مرتب کر کے لفٹیننٹ گورنر لاہور اور کمشنر ملتان کی خدمت میں بھیجی گئی کہ نواب صاحب کی نابالغی کی وجہ سے ان کے لئے امور ریاست کی انجام دہی ممکن نہیں اور بدخواہ ریاست کے نظم و نسق کو تہہ و بالا کرنے کے درپے ہیں اس لئے سرکار انگلشیہ اس وقت تک کے لئے ریاست کے نظم و نسق کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے جب تک نواب بالغ ہو کر خود کاروبار حکومت کو چلانے کے قابل نہ بن جائے۔

کمشنر ملتان نے یہ درخواست گورنر لاہور کو بھیجدی۔ انہیں اس اقدام میں قدرے تامل تھا۔ تاہم جب ریاست کے حالات انہیں تفصیل کے ساتھ بتائے گئے تو وہ آمادہ ہوئے اور انہوں نے وائسرائے ہند سے اس کی منظوری لے کر مندرجہ ذیل خط نواب صاحب کے نام تحریر کیا۔

"نواب صاحب مشفق مہربان کرمفرمائے مخلصان سلامت!

بعد اشتیاق ملاقات مسرت آیات کرشمل شرافت واوضاع گرامی پایاں پذیر نیست مکشوف خاطر صفا ماثر گردانیدہ می آید۔

حسب خواہش دلی آں مہربان مندرجہ خریطہ غرہ ماہ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ وابستہ عا مشیران ریاست بہاولپور جناب نواب مستطاب معلی القاب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے مداخلت سرکار انگریزی انتظام امور ریاست بہاولپور میں اور کرنا انتظام امورات کا بذریعہ ایک صاحب عہدیدار، انگریزی تا سن تمیز آں مشفق منظور فرمایا ہے جو انتظام کیا جائے گا۔ بنام آں مشفق اور آپ کے فائدے کے واسطے کیا جائے گا۔

سب لوگوں کے واجب حقوق اور دعووں کا لحاظ کیا جائے گا۔ جہاں تک ممکن ہوگا قدیم متوسلین ریاست جو نمک حلال اور مطیع رہیں گے۔ بدستور ملازم رکھے جائیں گے اور حتی الامکان سب لوگوں کے حقوق رسی کے باب میں حکم مناسب دیا جائے گا۔

اہلکاران اور سپاہیان ریاست بہاولپور بدستور نوکر رہیں گے اور ان کے مواجب قاعدہ کے ساتھ برابر ملتے رہیں گے ریاست کی آمدنی کا قاعدہ کے ساتھ ٹھیک ٹھیک حساب رکھا جائے گا۔ اور جس وقت آں مشفق کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی کل انتظام ریاست آں مشفق کے سپرد کر دیا جائے گا۔

چنانچہ ولیم فورڈ صاحب کمشنر ملتان پولیٹیکل ایجنٹ و سپرنٹنڈنٹ ریاست بہاولپور مقرر ہوتے ہیں۔ صاحب ممدوح انتظام امورات ریاست باحسن وجوہ فرما دیں گے اور جو خرچ اس انتظام میں ہوگا وہ ریاست سے ہوگا۔

مدام از سامی نامجات مشعر صحاح مزاج مودت امتزاج مسرور و محظوظ میفرمودہ باشند۔

مرقومہ ۴ ماہ اگست ۱۸۶۶ء

منجانب طامس ہنری تھارنٹن صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

پنجاب لاہور

اس کے بعد ریاست کا انتظام براہ راست حکومت انگلشیہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور نومبر [illegible]ء تک یعنی تقریباً تیرہ سال حکومت انگلشیہ نواب بہاولپور کے نام پر یہاں حکومت کرتی

رہی۔ اس عرصہ میں جہاں انگریز حکام نے ریاست میں قیام امن اور اصلاح و ترقی کے منصوبے بنا کر ان پر عمل کیا۔ وہاں کمسن نواب صادق محمد خاں رابع کی تعلیم و تربیت کا بھی نہایت عمدہ انتظام کیا۔ ان کے لئے اعلیٰ صلاحیتوں کے استاد اور اتالیق مقرر کئے۔ بعد میں چیفس کالج لاہور میں انہیں داخل کیا گیا۔ جہاں انہوں نے انگریز استادوں کی نگرانی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ امور ریاست کی انجام دہی کے لئے ہر شعبہ کا اہتمام ایک یورپین افسر کے سپرد تھا جنہوں نے ریاست کی آمدنی بڑھانے اور غیر ضروری اخراجات کم کرنے کی کوشش کی۔ اس دور میں دریا سے نالے احداث کرائے گئے جس سے زرعی معیشت کے وسائل میں اضافہ ہوا۔ سب سے پہلے نالہ فورڈ واہ جاری ہوا۔ جس کی بدولت ہزار سالہ ریگستان کی آبادی کی صورت پیدا ہوئی۔ انڈس ویلی اسٹیٹ ریلوے کا اجرا بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ اس کے تحت ڈیڑھ میل لمبی ریلوے لائن یہاں بچھائی گئی۔ اس وقت یہی ریلوے لائن پنجاب اور سرحد کو سندھ اور بلوچستان سے ملانے کا ذریعہ ہے بہاولپور میں صحافتی سرگرمیوں کا آغاز بھی اسی زمانہ میں ہوا۔ ریاستی حکومت نے مطبع صادق الانوار کے نام سے ایک پریس اور صادق الاخبار کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا ابلاغ عامہ کے ان ذریعوں نے آگے چل کر ریاست کے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں بڑی مدد کی

نواب صادق محمد خاں رابع کو اختیارات حکمرانی سپرد کر دیئے گئے

۲۸ نومبر ۱۸۷۹ء کو ایجنسی کا زمانہ ختم ہوا۔ اور لفٹننٹ گورنر پنجاب آنریبل سر رابرٹ ایجرٹن نے ایک دربار میں نواب صادق محمد خاں رابع کو اختیارات حکمرانی منتقل کرنے کا اعلان کیا۔ یہ دربار نور محل میں منعقد ہوا تھا۔ اور اس میں دوسری ریاستوں کے نوابوں اور مہاراجاؤں کے علاوہ معتمدین اور امراء و روسا بھی شامل تھے۔ اس تقریب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ گورنر پنجاب نے جو تقریر کی تھی وہ اردو میں تھی۔ اور غالباً یہ پہلی اردو تقریر تھی جو کسی یورپین حاکم نے ہندوستان کے کسی خطے میں کی تھی۔ اس میں گورنر پنجاب نے دور مداخلت سے پہلے کے حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انگریزوں کی تیرہ سالہ عملداری میں کی جانے والی اصلاحات کا ذکر کیا تھا۔ تقریر میں جہاں جا بجا حکومت انگریزی کی ریاست اور ریاست کے رئیس سے غیر معمولی دلچسپی و ہمدردی کا اظہار تھا۔ وہاں یہ بھی جتایا گیا تھا کہ سرکار انگریزی سے ان کی وفاداری نہایت ضروری ہے۔ گورنر پنجاب نے اس تقریر میں نواب صاحب کو چند نصیحتیں بھی کی تھیں جو ایک کامیاب و مقبول عام حکمران کے لئے بہت مفید تھیں۔ اس تقریر کا پورا متن یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ تاکہ نواب صاحب کے انگریزوں کے ساتھ سیاسی روابط کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

"مجھ کو بہاولپور آتے میں کبھی اس قدر مسرت نہیں ہوئی. جیسا کہ اس موقع سعید پر ہوئی ہے یہ وہ موقع ہے کہ منجانب عالیجناب فلک رکاب حضرت علیا ملکۂ معظمہ قیصرہ ہند وجناب مستطاب معلی القاب نواب نائب السلطنت مجھ پر اس صوبہ میں یہ نہایت معزز کام عاید ہوا ہے کہ عالیجناب نواب صادق محمد خاں بہادر کو ان کے بزرگوں کی مسند پر بٹھاؤں اور ریاست کے کامل اختیار ان کو تفویض کروں. تیرہ برس کا عرصہ ہوا کہ بہاولپور کے کل عمائد اور نواب صاحب کے صغیر سن کے مشیروں اور وزیروں نے ان کے خاندان کے اراکین کی دلی اور متواتر درخواست پر گورنمنٹ برطانیہ نے قبول فرمایا تھا. کہ ریاست بہاولپور کا انتظام ایک صاحب انگریز ریذیڈنٹ کے توسط سے پنجاب گورنمنٹ کے متعلق کیا جائے. اس وقت یعنی ۱۸۶۶ء میں ریاست برسوں سے بحالت ابتری دفتور مبتلا تھی. نواب صاحب کے والد کے عہد کی تاریخ یعنی ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۶ء تک کے واقعات، ان متواتر غداروں کا ایک طویل اور درد انگیز افسانہ ہے. جن کے سبب ملک ویران ہوا. محاصل رائیگاں گئے اور رونق کی صورت ناممکن ہوگئی. جس دن سے حضرت علیا جناب فلک رکاب ملکۂ معظمہ قیصرہ ہند کی گورنمنٹ نے بہاولپور کو اپنے سایہ عاطفت میں لیا ریاست میں برابر امن وامان رہا ہے. افسران ممتاز نے جو بہت احتیاط سے منتخب ہوئے تھے. ریاست کا ایسے طریق پر انتظام کیا کہ روٴسا ورعایا سب کو امنیت حاصل رہی اور ان کی موروثی جائداد اور محنت کے مفاد سلامت رہے. ۱۸۶۵ء میں محاصل کی یہ صورت تھی کہ وصول نہیں ہو سکتے تھے. سال آئندہ میں سب انتظام قائم ہوا تو آمدنی کی تعداد ۱۴ لاکھ روپے ہوگئی. اور اب سالانہ اوسط بیس لاکھ روپے تک پہنچ گئی ہے. اور آئندہ زیادہ تر اور جلد جلد ترقی کی امید ہے سڑکیں پل اور عمارات مفید عام تیار ہوئی ہیں. پرانی نہریں کشادہ کی گئی ہیں اور ان کی مرمت ہوئی ہے. نئی نہریں کھودی گئی ہیں. اور اس سبب سے اڑھائی لاکھ ایکڑ یعنی پانچ لاکھ بیگہ اراضی آبی زیادہ ہوگئی ہے. گورنمنٹ نے نہیں چاہا کہ محاصل کو بچا کر جمع کرے اور رئیس کے لئے بیکار خزانہ مہیا کردے جو محض فضول خرچی اور عیش ذاتی کے لئے ترغیب ہے اس نے بہاولپور کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جیسا ایک دانا اور دور اندیش سرپرست اپنے محفوظ نابالغ کے ملک کا انتظام کرتا ہے یعنی اخراجات ریاست سے

جو روپیہ بچا اس کا بڑا حصہ ایسے کاموں میں صرف کیا گیا جن سے آئندہ بھاری مفاد
حاصل ہو۔ جو فوائد ریاست کو گورنمنٹ انگلشیہ کے طفیل حاصل ہوئے ہیں۔ ان میں
ریل کی ایک وہ سڑک جس کو انڈس ویلی اسٹیٹ ریلوے کہتے ہیں کچھ کم نہیں ہے اور
یہ ریل نواب صاحب کی مملکت میں ڈیڑھ سو میل تک گذرتی ہے اس آہنی سڑک کی
تعمیر کے واسطے جس سے ریاست کی آمدنی زیادہ ہو جائے گی اور پیداوار ملک کم کرایا اور
مفاد سے سمندر کو روانہ ہو سکے گی۔ بہاولپور سے کوئی حصہ اخراجات کا نہیں طلب ہوا
"پنجاب میں جو صاحبان لفٹیننٹ گورنر مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں ان کی اور میری
دلی خواہش یہی رہی ہے کہ بہاولپور کا انتظام اس طرح پر کیا جائے کہ جب یہاں کی عنان
حکومت صاحب ریذیڈنٹ کے ہاتھ سے نواب صاحب کے سپرد ہو تو نہ کسی طرح کا
خوفناک صدمہ عاید ہو اور نہ انتظام کا سلسلہ ٹوٹے۔ جب گورنمنٹ نے انتظام ریاست
اپنے ہاتھ میں لیا تو ریاست میں بڑی درہمی برہمی تھی۔ اور وہ شئے جس کو انتظام کہتے ہیں
بالکل مفقود تھی۔ یہاں ملک کے اندرونی جدال و قتال کے ایام میں سرکردہ اور لائق رئیسوں
کی موت اور جلاوطنی کے باعث اس قدر نقصان عظیم ہوا کہ کئی ایک ایسے اہلکاران
سرکار انگریزی کے بلانے کی ضرورت ہوئی۔ جو گورنمنٹ ہند کے صیغہ ہائے مال و دیوانی
و فوجداری سے واقف ہوں لیکن ان چند سال گذشتہ سے میری یہ کوشش رہی کہ جہاں
تک ہو سکے غیر وطن کے اہلکاروں کو خواہ وہ اہل یورپ ہوں یا دیسی ریاست سے علیحدہ
کیا جائے اور امور ریاست ان ملازمان کے ہاتھ میں چھوڑے جاویں جن کو آئندہ زیر
ہدایت نواب صاحب اہتمام کرنا ہوگا۔ جو دیسی ریاستیں رئیس کی نابالغی کے سبب
گورنمنٹ کے اہتمام میں آئی ہیں۔ وہاں ان دقیق اور پیچیدہ قواعد کو جو ممالک مقبوضہ
سرکار انگلشیہ میں پائے جاتے ہیں، جاری کرنا بڑی غلطی ہے۔ ہمارے اپنے صوبوں میں
حکام اور واضعان قانون کی کوششیں یکساں اس بارہ میں مصروف رہنی چاہییں کہ جہاں
تک ہو سکے ضابطہ کو سہل کیا جائے یہ نہ ہو کہ بے علم رعایا پر جو بے سمجھے متابعت کی
جاتی ہے وہ ایسا بوجھ نہ ہو جائے جس کو وہ سہار نہ سکے۔ یہ بات بر حق ہے کہ انگریزی
تہذیب کا اعلیٰ درجہ اور ضبط و ربط قوانین گورنمنٹ ہند پر بہت سے ایسے فرائض
عائد کرتے ہیں۔ جن سے گورنمنٹ ہند سبکدوشی حاصل نہیں کر سکتی اور یہ ساری باتیں

صوبہ جات سرکاری اور ریاستہائے توابعین کے نظم و نسق میں سرکار انگریزی کو ایک ایسا دقیق و طویل ضابطہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اس سے کاربراری تکمیل سے ہوتی ہے اور کام کے اچھی طرح سرانجام پانے کی نگرانی بھی بوجہ احسن ظہور میں آئی ہے لیکن گورنمنٹ پنجاب نے اوائل ایام الحاق صوبہ پنجاب سے زیر حکومت سلسلہ افسران ممتاز یعنی سر ہنری جان لارنس و سر رابرٹ منٹگمری و سر ڈانلڈ منگلوڈ و سر ہنری ڈیورنڈ و سر ہنری ڈیوس نے ہمیشہ یہ سعی کی ہے کہ گورنمنٹ اور رعایا میں کوئی پردہ حائل نہ رہے اور رعایا کے خاص رواج و قوانین و رسوم برقرار رہیں۔ دیسی ریاستیں مثلاً پٹیالہ۔ کپورتھلہ یا بہاولپور یا چمبہ یا سکیت جو عارضی طور پر گورنمنٹ کے خاص انتظام میں آئیں ان کا انتظام اس طور پر ہوا ہے کہ سب صیغوں کی نگرانی اسی ریاست کے موروثی اہلکاروں کی تفویض میں بزیر حکم صاحب پولیٹیکل ریذیڈنٹ کے رہی ہے اور جہاں تک ممکن ہوا ہے وہاں کے قدیم دستورات میں بہت ہی کم مداخلت روا رکھی گئی ہے اور ان ریاستوں میں جہاں کے رئیس با اختیار ہیں۔ لفٹیننٹ گورنر نے نہ کسی قسم کی مداخلت کی اور نہ کسی ریذیڈنٹ یا پولیٹیکل ایجنٹ کے تقرر کی تحریک کی۔ بلکہ پنجاب کے حسن انتظام کی بہ زور تاثیر اور عالی منزلت رئیسوں کی ارادت و خلوص نمایاں طور پر جو حضرت ملکہ معظمہ کی ذات کے ساتھ ان کو ہے اعتماد رکھا۔

"جو کچھ میں نے کہا ہے یہ بلا وجہ خاص معنی کے نہیں ہے۔ آج کا دن پنجاب کے لیے بڑا دن ہے اور قابل یادگار ہے۔ ہو نہیں سکتا۔ کہ ہم اس کو ایسا خیال نہ کریں یہ وہ دن ہے کہ ایسی رؤسائے ہندوستان کی نسبت گورنمنٹ انگلشیہ کی حسن نیت اور خیر سگالی بہت واضح اور صاف اور نمایاں طور پر روشن ہوتی ہے۔ آج وہ دن ہے کہ ایک ریاست مثل بہاولپور جس کو سرکار انگلشیہ کی مداخلت نے بربادی اور بدنظمی سے بچایا ہے۔ روز معہود پر اس کے موروثی حاکم کے حوالہ کی جاتی ہیں۔ اور اس صورت سے کہ ملک نے از سر نو رونق پائی ہے۔ ہر طرف شادابی و سرسبزی و خوشحالی نمایاں ہے۔ ملک آباد ہے۔ رعایا فرمانبردار اور مطیع اور خلوص شادمانی کے ساتھ اجرائے حکومت جدیدہ کی منتظر ہے جس سے ہم کو اور ان کو، دونوں کو بہت کچھ امید ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستانی رؤسا خود مختار قوت عظیمہ یعنی

گورنمنٹ عالیہ سے خوف کھائیں یا اس کی مقاصد کی بے اعتباری کریں۔ جو وعدے علیا حضرت ملکہ معظمہ نے اس وقت مرحمت شاہانہ سے فرمائے تھے۔ جب ملک ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی وہ پورے ہوئے اور صداقت کے ساتھ ان کا ایفا کیا گیا۔

"اے نواب صاحب! آپ سے اور اسی طرح روسائے کشمیر و پٹیالہ و جنید و نابھہ و کپورتھلہ و فریدکوٹ و جملہ دیگر رئیسان سے جو آج اس جلسہ میں اصالتاً و وکالتاً موجود ہیں۔ استمزاج کرتا ہوں کہ گورنمنٹ انگریزی کے تعلق کے سبب سے آپ کو مفاد ہے یا نقصان۔ آپ جانتے ہیں کہ سارا جہان یہی جانتا ہے کہ آپ کا مرتبہ بڑھایا گیا ہے۔ آپ کے علاقہ جات وسیع کیے گئے۔ اور آپ کی حکومت دوامی اور مستحکم کی گئی۔ اے روسائے پنجاب! اعلیحضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی گورنمنٹ جو بے شمار آدمیوں پر حکمراں ہے سطح زمین کا ساتواں حصہ اس کے قبضہ اقتدار میں ہے اور ملک ہند اس سلطنت کا آٹھواں حصہ ہے۔ یہ نہیں چاہتی کہ آپ کے اختیارات اور شان و شوکت میں کمی کی جائے۔ مگر اپنا یہ واجب گردانتی ہے کہ آپ اپنی رعایا پر عدل یا انصاف کے ساتھ حکومت کریں اور اگر کسی وقت گورنمنٹ کو ضرورت پڑے تو مستعدی اور خوشی سے خدمات ادا کریں۔ امور متذکرہ بالا آپ پر بخوبی واضح ہیں اور ان امور کی واقفیت نے گورنمنٹ اور روسائے پنجاب کے درمیان نہایت سود مند موافقت پیدا کی ہے۔ یعنی ایک طرف سے اطمینان مستحکم اور دوسری جانب سے پر جوش ارادت نمایاں ہے۔ اے نواب صاحب! میں آپ کی اور دیگر روسا با اختیار قوم سکھ و راجپوت و مسلمان کی۔ جنہوں نے حسب الطلب گورنمنٹ اپنی چیدہ فوج سرحد پر بھیجی اور یہ امر گوارا کیا کہ اگر ضرورت ہو تو اس کو افغانستان میں خدمات کے لئے روانہ کیا جائے۔ اس عام موقع پر خوشی سے تحسین کرتا ہوں۔ جس مستعدی سے روسا نے گورنمنٹ کی امداد کے لئے تقدیم کی اس پر جناب مستطاب معلی القاب نائب السلطنت نے گرم جوشی کے ساتھ خوشنودی فرمائی۔ اور حضرت اعلیٰ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند نے بنظر الطاف خسروانہ انگلستان سے روسائے پنجاب کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مجھ کو جو مدت سے آپ کے درمیان رہا ہے اور جس نے کئی دلیانا"

ریاست کو بچہ سے جوان ہوتے دیکھا ہے یہ امر خوشی کے قابل ہے کہ رئیسان پنجاب کو یہ اعزاز و افتخار حاصل ہوا۔ میرے لئے خصوصاً یہ بات باعث مسرت و تفاخر ہے کہ میں بحیثیت لفٹیننٹ گورنری اس مشہور و معروف صوبے کی جو سپر ہندوستان ہے جانتا ہوں کہ ان رؤسائے عظام نے جو میری گورنمنٹ سے پولیٹکل تعلقات رکھتے ہیں اپنے آپ کو لائق اعتبار ظاہر کیا ہے۔ اور انہوں نے ۱۸۵۷ء میں بھی اول ہی درخواست پر اپنی قرارداد کے ایفا کرنے اور تاج برطانیہ کی حفاظت کرنے کے لئے فوراً ہتھیار اٹھائے۔

نواب صادق محمد خاں صاحب! اب میں جناب مستطاب معلی القاب نواب نائب السلطنت کی طرف سے اور اپنی جانب سے اس موقع مسعود پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ کل کی بات ہے کہ آپ بچے تھے آج نوجوان ہیں اور اس جوانی کے ساتھ ایک حکمران رئیس کی ذمہ داریاں اور اختیارات نیک و بد لگے ہوئے ہیں۔ اگر آج آپ کی درازئ عمر اور حکومت کی بہرہ مندی کی مبارکبادی کے ساتھ کچھ الفاظ مصلحت خیز اور نصیحت آمیز ملائے جائیں تو آپ ان کو شگون نحس نہ خیال فرمائیں۔ بلکہ ان کو ایسا تصور کریں جیسے ایک بزرگ معاملات دنیا میں داخل ہونے کے وقت مشفقانہ اور نصیحتانہ الفاظ اپنے فرزند کے گوش گذار کرتا ہے۔ انسان کی عمر ہمیشہ پر از خوشی و خورمی نہیں ہے۔ اور یہ امر بنی نوع انسان کے لئے خوش قسمتی کا باعث ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ آرام اور غفلت میں رہ کر اپنی قوت و چستی اور مادہ معروفیت کو جوان کے شرف کا باعث ہے کھو بیٹھتے۔ بخصوصاً یہ حالت ایک رئیس ریاست کی ہے۔ کیونکہ اس کو اپنی رعایا کی بابت خیال کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر شب و روز ان کی بہتری کے لئے توجہ سے محنت نہ کرے تو وہ اپنی بلندی طالع کے قابل نہیں ہے۔ حاکموں کے وجود کا باعث ان کی رعایا کی بہتری ہے نہ کہ وجود رعایا برائے بہبودی حکام۔ اگرچہ یہ معاملہ دنیا میں کم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس امر کے تسلیم کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے سے واضح ہے کہ گورنمنٹ حضرت عالیہ جناب ملکہ معظمہ نے دنیا کے اطراف میں جملہ اشخاص کا اعتقاد حاصل کیا ہے اور وہ اشخاص ان کی حکومت عادلانہ کے بخوشی ماتحت رہتے ہیں۔

"نواب صاحب! آپ کو وہ تمام مفاد تعلیم اور نظیر کے جو سرکار انگریزی آپ کو دے سکتی تھی دیئے ہیں۔ آپ کی تعلیم کی نگرانی ایک ایسے شریف معلم نے کی جسکی توجہ متوازی رہی ہے اور جس کی نسبت یہ سن کر میں خوش ہوا کہ آپ اس کو کچھ اور عرصہ تک اپنی انگریزی کی تکمیل کے لئے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ انگریزی زبان وہ زبان ہے جس میں مستوجب دستزاوار ہے کہ جملہ نوجوان رئیس مہارت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ کرنیل مینن صاحب نے جو آج موجود ہیں اور جن کے آپ نواب صاحب اور ریاست بہاولپور زیر احسان ہیں۔ اور میجر گرے صاحب نے جن کو علالت طبع نے اس جلسہ میں شریک ہونے سے باز رکھا۔ دونوں نے آپ کی تعلیم کی نگرانی میں اور آپ کو ترقی کرنے کی تحریص دلانے میں آپ کو بالکل ایسا بنانے میں جیسے داؤد پوترہ خاندان کے رئیس کو ہونا چاہیئے۔ یعنی مرد دلیر اور تربیت یافتہ اور روشن ضمیر رئیس بنانے میں۔ کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ میں ان دونوں صاحبان کا اور کونسل کے اراکین کا جن کی امداد سے آپ نے ریاست کے دقائق کو منضبط کر لیا ہے اور کارروائی ریاست میں شامل ہو گئے ہیں یعنی وزیر فیروزالدین کا۔ آغا محمد کا۔ راجہ فتح خاں کا اور دیوان جتومل کا گورنمنٹ کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس موقع پر میجر بکٹ صاحب بہادر اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جن کی کوشش اور سعی سے بہاولپور کی فوج نے جو واسطے خدمات سرحدی کے متعین ہوئی تھی۔ آئین لشکری، پابندی قاعدہ اور نیک چلنی میں وہ خوبی حاصل کی کہ فوج سرکار برطانیہ کے اعلیٰ افسران نے اس کو بہت سراہا۔ نیز مسٹر بارنس کو بھی ہم نہیں بھول سکتے۔ جن کی کوشش اور ہنری منڈی نے ریاست کو نہروں سے شاداب کر دیا ہے اور یہ نہریں سال بسال ریاست کی آمدنی اور عام خوشحالی کو بڑھادیں گی۔

"نواب صاحب! آپ کو یہ نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اعلیحضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کے ساتھ ارادت رکھیں۔ قبل اس کے کہ سرکار انگریزی کے ساتھ آپ کی ریاست کے تعلقات ایسے قریب ہوئے۔ جیسے کہ اب ہیں اور قبل اس کے کہ سرکار انگلینڈ کی حکومت صوبہ پنجاب پر مسلط ہوئی۔ آپ کے پیچھے نامور خاندان اور سرکار انگریزی کے مابین دوستی اور اتحاد تھا۔ اور آپس میں ایک دوسرے

کی مدد ہوتی رہی۔ جب سرکار انگریزی کی افغانستان سے پہلی لڑائی آ گر پڑی۔ اس وقت میں اور ۱۸۴۸-۴۹ء کے ہنگاموں میں آپ کے بزرگوں نے سرکار کی بلا توقف بڑی مدد کی میں نے سر ہربرٹ اڈورڈ صاحب کی کتاب موسومہ "خدمت یکسالہ برحد پنجاب" کو دیکھا ہے۔ یہ کتاب آپ کے پڑھنے کے لائق ہے اور ایسے شخص کی تصنیف ہے جو پرلے درجے کا جری اور نیک سرشت تھا۔ اس نے نہایت مشکوری کے ساتھ اس عمدہ امداد کا ذکر کیا ہے جو ایک موقع پر ضرورت کے وقت ہم کو آپ کے جد امجد نواب محمد بہاول خاں سے ملی تھی۔ آپ کے جد امجد کے سوا رؤسائے پٹیالہ و نابھہ و جنید و کپور تھلہ و فرید کوٹ بھی جو آپ کے قریب ہیں۔ سرکار انگریزی کی ہوا خواہی کی نظیر ہیں۔ ان کی خوش نصیبی ایسی ہے کہ آپ بھی اس کی تقلید کریں۔

آج آپ رؤسائے حکومت پنجاب کی نامور جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ وہ رؤسا۔ بہادری اور شیر سنگالی اور ان عمدہ صفات میں جو حاکموں کے شایان ہیں۔ ہندوستان کے کسی رئیس سے کم نہیں ہیں۔ آپ اپنے تئیں ہم جلیسوں کے مقابلہ میں لائق دکھائیں اور نیز یہ بھی ثابت کریں کہ جو اعتماد گورنمنٹ آپ پر رکھتی ہے۔ آپ اس کے لائق ہیں۔ آپ کی بہبودی اور آپ کی رعایا کی خوشحالی کا مجھ کو ہمیشہ بہت خیال رہے گا۔ اور یہ توقع میں آپ سے رکھوں گا۔ کہ آپ اپنے طریق معاشرت اور کارروائی سے دنیا پر ثابت کر دیں کہ جو اعتماد میں نے آپ پر کیا ہے وہ بجا ہے اور نیز یہ کہ سرکار انگریزی کے جن قوت و عظمت کے ساتھ آپ کی اور آپ کی رعایا کی قسمت وابستہ ہے آپ ہمیشہ دل سے شکر گذار ہیں۔

"اے محمد صادق خاں بہادر رکن الدولہ۔ نصرت جنگ۔ حافظ الملک۔ مخلص الدولہ نواب بہاولپور!

میں اب جناب مستطاب معلی القاب نواب وائسرائے بہادر کے حکم سے اور اعلیٰحضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ آپ ریاست بہاولپور کے حاکم با اختیارات کاملہ ہیں۔"

اختیارات حکمرانی سنبھالنے کے بعد نواب صادق محمد خاں رابع نے جہاں امور حکومت کو انہیں خطوط پر چلانے کی کوشش کی جو انگریزوں نے متعین کر دیئے تھے۔ وہاں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ

وفاداری و ارادتمندی کے تعلقات کو مزید استوار کرنے پر بھی خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ ۱۸۸۷ء میں ملکہ انگلستان کی پچاس سالہ جوبلی ہوئی تو نواب صاحب نے اس کی خوشی بہاولپور میں بھی منائی۔ اور ایک عالیشان دربار منعقد کیا۔ جس میں بہت سے یورپین اور دیسی افسروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ دس سال بعد ملکہ کی ۶۰ سالہ جوبلی ہوئی۔ تو اس کی بھی حسب سابق خوشی منائی گئی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایسا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا جو سرکار انگریزی سے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا۔ ۱۸۷۸ء میں جنگ افغانستان کے موقع پر اسلحہ۔ فوج اور باربرداری کے جانوروں سے انہیں نے انگریزوں کی مدد کی۔ ۱۸۸۰ء میں قندھار ۶ سٹیٹ ریلوے کے اجرا کے سلسلہ میں انگریزوں کو اسلحہ کی ضرورت پیش آئی تو نواب صاحب نے بخوشی اس مطالبے کو پورا کیا۔ ۱۸۸۵ء میں مصر کی پولیٹیکل مہم میں بھی نواب صاحب نے باربرداری اور سواری کے اونٹ بہم پہنچائے۔ ۱۸۸۹ء میں افغانستان کی سرحد پر سرکش قبائلیوں کی سرکوبی کے لئے ۱۱۷۶ اونٹ بطور امداد انگریزوں کو بھیجے۔ غرض انگریزوں کی خوشنودی کے لئے وہ ہمیشہ مستعد رہے۔ اور انگریز بھی انہیں اپنی حکومت کا "صادق دوست" سمجھتے رہے۔

عوام میں سیاسی شعور کا آغاز

کونسل کا تیرہ سالہ دور اس اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کہ اس میں عوام کے سیاسی شعور کو بیدار ہونے کا پہلی مرتبہ موقع ملا۔ ویسے بھی سارے ہندوستان میں انیسویں صدی کے اختتامی سال۔ سیاسی بیداری کے سال سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں دنوں یعنی ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس معرض وجود میں آئی تھی۔ عوام کا تعلیم یافتہ طبقہ ملک کے معاملات میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ لہذا ہندوستان کے ان اثرات کا یہاں پہنچنا بعید از قیاس نہیں۔ چنانچہ باایں ہمہ کہ اس دور میں انتظامی۔ اقتصادی۔ اور معیشتی امور میں ایسے متعدد اقدامات کئے گئے تھے۔ جن کا عوام کو براہ راست فائدہ ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں یہاں انگریزی حکومت کا عمل دخل پسند نہ تھا۔ اور وہ اس دور کو دور مداخلت سے تعبیر کرتے تھے۔ عام تاثر یہ تھا کہ انگریزوں نے نواب صاحب کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر ریاست پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ انہیں انگریز حکام ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نواب صاحب جلد از جلد ریاست کا انتظام خود سنبھالیں اور انگریزوں کو یہاں سے رخصت کریں۔ ان جذبات کا اظہار کسی نہ کسی شکل میں برابر عوام کی طرف سے ہوتا رہتا تھا چنانچہ نواب صاحب کے پیرومرشد حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک دعائیہ قصیدے میں برملا اس عوامی خواہش کا اظہار کر دیا۔ خواجہ صاحب کے ان اشعار کو عوام کی سیاسی بیداری میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اور یہ اس دور کے سیاسی رجحان کے صحیح آئینہ دار ہیں۔

صبح صادق خاں صاحبی ماتے — پا سہرے گانے گاہ ٹے
نبھوں پھلوں سیجھ سہاتوں — بخت تے تخت کوں جوڑ جھکاتوں
اپنی نگری آپ وسیاں توں — پٹ انگریزی تھانے

یعنی اے صبح صادق سہرے اور گہنے پہن کر تخت حکومت کو رونق بخش پھولوں سے سیج کو آراستہ کر اور تخت و بخت کی زینت بڑھا. ریاست کو خود آباد کر اور انگریزوں کے قائم کردہ تھانے اور چوکیاں اکھاڑ پھینک.

انجمن موید الاسلام کا قیام

انگریز ویسے تو حسب معاہدہ نواب صاحب کے بالغ ہونے پر انہیں اختیارات حکومت سونپ کر یہاں سے نومبر ۱۸۷۹ء میں چلے گئے تھے. لیکن اصل حاکم اب بھی وہی تھے. اور نواب صاحب کی ریاست کا قیام ان کی خوشنودی پر منحصر تھا ان وجوہات کی بنا پر جہاں نواب صاحب کو خود محتاط رہنے کی ضرورت تھی. وہاں ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا. کہ وہ ریاست میں ایسی فضا پیدا نہ ہونے دیں. جو انگریزوں کی ناراضگی کا موجب ہو. چنانچہ ان حالات میں یہاں کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں کی توقع کیسے ہو سکتی تھی. البتہ عام سیاسی بیداری کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ پڑھے لکھے لوگ ملک میں پیش آنے والے واقعات پر باہم تبادلہ خیالات کی ضرورت محسوس کرنے لگے. اصلاح معاشرہ کا خیال بھی ان کے دلوں میں پیدا ہوا. خاص طور پر مسلمان جو اب تک تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے تھے انہیں اس کمی کو دور کرنے کا احساس ہوا. چنانچہ ۱۸۹۱ء میں یہاں پہلی بار ایک رفاہی انجمن قائم ہوئی جس کا نام[1] انجمن موید الاسلام رکھا گیا. اکثر عمائدین شہر اس کے رکن اور میر ناصر علی[2] مرحوم سیکرٹری تھے. اس انجمن کا مقصد مسلمانوں میں علم کا ذوق پیدا کرنا تھا. اس کے ارکان غریب طلباء کے تعلیمی اخراجات کی کفالت کا بندوبست کرتے تھے. لیکن وقتاً فوقتاً یہ باہم جمع ہو کر ملکی حالات پر بھی تبادلہ خیالات کر لیتے تھے. لیکن چونکہ ان ارکان کی

---

[1] ماہنامہ العزیز جلد ۵ شمارہ ۱ ماہ جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۳

[2] میر صاحب راقم السطور کے نانا میر افضل حسن مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے. ان کے والد میر اشرف علی مرحوم نواب صاحب کے اتالیق کی حیثیت سے بہاولپور آئے. نواب صاحب نے تخت نشینی کے بعد انہیں اپنا مشیر خاص بنا لیا. ۱۸۹۱ء میں ان کا انتقال بنارس میں ہوا. جہاں وہ سرکاری کام کی غرض سے گئے ہوئے تھے. میر ناصر علی مرحوم کا تقرر پہلے ایلکار دربار کے عہدہ پر ہوا تھا. بعد میں محکمہ پولس میں مختلف عہدوں پر تعینات رہنے کے بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے. ان کے بڑے بھائی میر افضل حسن جو میرے حقیقی نانا تھے ریاست میں منصف (جج) کے عہدے پر تعینات تھے.

اکثریت سرکاری ملازمان پر مشتمل تھی اس لئے وہ کھلم کھلا اس سلسلے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

تقریباً ۰ ۲ سال کامیاب حکومت کرنے کے بعد نواب صادق محمد خاں رابع نے ۱۴ر فروری ۱۸۹۹ء کو انتقال کیا۔ اور ان کی جگہ ان کے صاحبزادے محمد مبارک خان بہاول خاں خامس کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ یہ بھی اپنے والد کے انتقال کے وقت ۱۶ سال کے تھے۔ اور زیر تعلیم تھے۔ اس لئے سابقہ روائت کے مطابق ان کے سِن بلوغت کو پہنچنے تک ریاست کا انتظام انگریز افسروں کے ہاتھ میں رہا۔ ان کی ولیعہدی کا زمانہ خاصا عجیب سا تھا۔ نواب صاحب مرحوم کی پہلی بیوی کے بطن سے جو بچہ پہلے پیدا ہوا تھا۔ وہی ولیعہد نامزد ہوا تھا۔ لیکن کوئی تین سال کی عمر میں آتشزنی کے ایک حادثہ نے اس کی جان لے لی۔ اس کے بعد نواب صاحب کی دوسری بیوی کے بطن سے نواب بہاول خاں پیدا ہوئے اور ولیعہد قرار دیئے گئے تو ان کی سوتیلی والدہ ازراہ حسد ان کے درپۓ آزار ہوگئیں۔ اس وجہ سے انہیں شاہی محل سے دور قلعۂ دیراور میں اپنے بچپن کا زمانہ گذارنا پڑا۔ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں انہیں ایچیسن چیفس کالج لاہور میں داخل کرایا گیا۔ جہاں سے انھوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ زمانۂ طالبعلمی میں وہ ریاست کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہے۔ جب بھی کالج کی چھٹیوں میں وہ یہاں آتے ریاست کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے اور امور ریاست پر عمائدین ریاست سے تبادلۂ خیالات کرتے۔

سیاسی نوعیت کا پہلا واقعہ

ابھی اختیارات حکمرانی انہیں منتقل نہیں ہوئے تھے کہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۰۲ء کو ایک غیر معمولی واقعہ بہاولپور میں پیش آیا۔ جو سیاسی نوعیت کا تھا۔ ہوا یہ کہ نواب صاحب کے حکم سے ایک بھینسہ ذبح کرکے اس کا گوشت خیرات کیا گیا۔ غالباً بھینسہ کا ذبیحہ سرعام کیا گیا تھا۔ جو ہندوؤں کے اشتعال کا موجب ہوا۔ اور انہوں نے اس واقعہ پر غم وغصہ کے اظہار کے طور پر شہر میں ہڑتال کر دی۔ نواب صاحب نے اس شورش کا فوری نوٹس لیا اور بہ نفس نفیس اس معاملے میں ہندوؤں کے سرکردہ افراد سے گفتگو کی۔ اور انہیں اصلیت سے آگاہ کر کے مشورہ پشتی اور لوگوں کی انگیخت سے بچنے کا مشورہ دیا۔ غرض نواب صاحب کی فوری مداخلت سے یہ شورش دب گئی اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

نواب بہاول خاں خامس کی مسند نشینی

۱۲ر نومبر ۱۹۰۳ء کو آپ حقیقی معنوں میں مسند نشین ہوئے جب کہ ہزایکسیلنسی بیرن کرزن دِ وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے بہاولپور آکر ان کو باقاعدہ اختیارات حکمرانی تفویض کئے۔

چونکہ ریاست بہاولپور سابقہ معاہدوں کے بعد براہ راست حکومت انگریزی کی سرپرستی میں آ چکی تھی۔ اور ریاست کے رئیسوں کا تقرر حکومت کی منظوری کے تابع تھا۔ اس لئے نواب بہاول خاں کو بھی اپنی مسند نشینی کے لئے حکومت کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چنانچہ حکومت انگریزی نے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ نواب بہاول خاں انتظامات ریاست سنبھالنے کے قابل ہیں۔ انہیں اختیارات حکمرانی سونپنے کی رسم ادا کرنے کے لئے وائسرائے ہند کو بہاولپور بھیجا۔ جس نے یہاں پہنچ کر ایک دربار میں جو اسی غرض کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ نواب صاحب کے بااختیار ہونے کا اعلان کیا۔

نواب بہاول خاں خامس کا عہد حکومت اگرچہ صرف چار سال کے مختصر عرصہ پر محیط رہا لیکن اس عرصہ میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جو اہم قدم اٹھائے گئے وہ بڑے دور رس اور ہمہ گیر نوعیت کے تھے نواب صاحب کے دل میں بچپن سے خدمت خلق کا جذبہ موجزن تھا۔ زمانۂ طالبعلمی میں بھی جب انہیں ریاست کے انتظامی امور اور اپنی رعایا کے مسائل پر غور کرنے کا موقع ملتا وہ ان میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے انہوں نے ریاست کے لاوارث اور یتیم بچوں کی نگہداشت کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کیا۔ معززین شہر روسائے شہر اور افسران سرکار کے لئے بہاول کلب کے نام سے ایک کلب کی بنیاد ڈالی تاکہ انہیں باہم مل بیٹھنے اور آپس میں تبادلۂ خیالات کا موقع مل سکے۔ نہر صادقیہ شرقیہ میں توسیع کی جس سے علاقہ کی زرعی معیشت کو استحکام حاصل ہوا۔ آپ نے ولیعہد کے نام پر ضلع بہاولنگر میں منڈی صادق گنج کے نام سے فروغ تجارت کے لئے ایک منڈی کی بنیاد ڈالی۔ بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال کے لئے ایک عمدہ عمارت تعمیر کرائی۔ تعلیم نسواں کو عام کرنے کے لئے بہاولپور میں ایک زنانہ مدرسہ جاری کیا۔ ان تعمیری اقدامات کے علاوہ انتظامی مشینری کی اصلاح کے لئے بھی متعدد تجاویز بروئے کار میں لائی گئیں۔ محکمہ پولیس کو نئے خطوط پر استوار کیا گیا اور محکمہ تعلیم کے لئے اخراجات میں اضافہ منظور کیا گیا۔

نواب بہاول خاں خامس بڑے بیدار مغز رئیس تھے۔ وہ حالات کے تقاضوں کو سمجھتے تھے انہیں احساس تھا کہ ریاست کے نظم و نسق کو کامیابی سے چلانے کے لئے عوام کے دلوں پر حکومت کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے وہ عوام سے براہ راست ربط ضبط بھی رکھتے تھے۔ اور ان کی نجی تقریبات میں بے تکلف شریک ہوتے تھے۔

بہاول کلب کا قیام

بہاول کلب کا قیام بھی ان کے اسی جذبۂ عوام دوستی کا آئینہ دار تھا۔ وہ عوام کی طرز معاشرت اور طریق زندگی میں اصلاح کے متمنی تھے انہوں نے کلب کے لئے پرانی کوٹھی کی عمارت کا ایک حصہ وقف کر دیا تھا۔ اس میں کھیل اور ورزش کے سامان

کے علاوہ کتابوں اور اخباروں کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس کلب کے قواعد و ضوابط بھی خود نواب صاحب نے مرتب کئے تھے۔ از روئے قواعد ہر ممبر پر لازم تھا۔ کہ وہ سال میں کم از کم ایک بار ممبرانِ کلب کو دعوت دے۔ ان دعوتوں میں نواب صاحب خود بھی شریک ہوتے تھے۔ نواب صاحب کی سرپرستی میں اس کلب نے بہت ترقی کی۔ اور سرکاری افسروں کے علاوہ اعلیٰ طبقے کے زمیندار بھی اس میں شرکت کرنے لگے۔

بہاولی کلب کی سیاسی اہمیت

حقیقت میں نواب صاحب کی غیر معمولی دلچسپی نے بہاولی کلب کو ایک اسمبلی یا مجلس خاص کی حیثیت دے دی تھی۔ جس میں اراکین کلب تفریحی مشاغل کے علاوہ ملکی امور پر غور کرنے کیلئے بھی جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۰۵ء کی ایک دعوت میں نواب صاحب شریک ہوئے تو انہوں نے شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے جو تقریر کی وہ ریاست کی ترقی کے متعلق عملی اقدامات کا ایک جائزہ تھا۔ تقریر کا متن ملاحظہ ہو

"صاحبان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آج رات یہ ظاہر کردوں کہ میری رعایا کے حقوق مجھ پر کیا ہیں۔ اور میری کیا ذمہ داریاں ہیں۔ بہ حیثیت انسان ہونے کے میں بھی ایک فرد بشر ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایک جماعت کثیر کی تمام اختیار میرے ہاتھ میں دی ہے۔ جن کی صلاح و فلاح کا خیال رکھنا میرا ایک ضروری فرض ہے۔ اگرچہ میں ایک حاکم یا یا والئی ملک کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہوں۔ لیکن فی الحقیقت میرا اصلی کام یہ ہے کہ میں اپنی رعایا کی خدمت کروں۔ چونکہ یہ مہتم بالشان کام ایک تنہا انسان سے ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے میں نے آپ صاحبوں کو اس خدمت کے ... اچھی طرح سرانجام کرنے کے لئے اپنے ساتھ شامل کیا ہے اور اس معنی میں تم بھی میرے ساتھ رعایا کی خدمت گذاری پر مامور ہو۔ پس ہم سب کا کام یہ ہے کہ خداوند کریم نے جو اختیار ہمیں دیا ہے اس کو اس طرح استعمال کریں جس میں عوام کی فلاح و بہبود مقصود ہو۔ اگر ہم خادم بن کر یہ خدمت ادا کریں گے تو ہم اس قول کے مصداق ہوں گے۔ سید القوم خادمہم برٹش گورنمنٹ کی برکت سے یہ مدعا تو حاصل ہے۔ کہ میری رعایا بیرونی حملہ آوروں اور اندرونی خانہ جنگیوں سے محفوظ ہے۔ اور ہماری کل طاقت ان کی اصلاح۔ معاشرت میں صرف ہونی چاہیئے قریباً دو سال ہوئے جبکہ تمام اختیار میرے ہاتھ آئی ہے۔ میں نے دورہ جات میں موقعہ پر پہنچ کر لوگوں کے حالات معلوم کئے اور ان کی تکالیف کو رفع کیا ہے۔ سال حال میں دو نئے ہسپتال رفاہِ عام کے لئے کھولے گئے ہیں۔ اور اس وقت ہسپتالوں کی تعداد

ایسی کافی ہے کہ جس میں اور ایزادی کی ضرورت نہیں۔ انتظام ریاست میں جو اصلاحات
ضروری تھیں وہ کر دی گئیں چیفس کالج سے آنے کے بعد جو بڑی اصلاح میں کرنا چاہتا تھا،
وہ اپنی رعایا کو تعلیم دلوانا تھا۔ جس کے متعلق جون ۱۹۰۳ء میں ایک کمیشن تعلیم مقرر کی جس
نے تمام ریاست میں دورہ کرکے اس تعلیم کے متعلق جو پہلے جاری تھی۔ تحقیقات کی
اہل الرائے لوگوں سے مفصلات اور صدر مقامات میں رائے لی اور سال گذشتہ میں اصلاحات
کے متعلق رپورٹ کی جواب تک میرے زیر غور ہے۔ یونیورسٹی ایکٹ کے شائع ہونے پر مزید
اصلاحات کے متعلق غور ہو رہا ہے اور آخر کار اس تجویز کو میں نے اپنے نوٹ کے ساتھ
اسٹیٹ کونسل میں مزید غور کے لیے بھیجا۔ جن کی رپورٹ آج تیسرا دن ہے کہ میرے سامنے
پیش ہو کر احکام جاری کیے گئے ہیں۔ اور اصلاح تعلیم کے لئے تیرہ ہزار روپے سالانہ
علاوہ اخراج سابقہ منظور کرکے احکام جاری کئے ہیں۔ کالج اور ہائی سکول کی ضروریات
کے لیے للعہ روپیہ کی یکمشت رقم کی منظوری دی ہے۔ عمارات کالج۔ بورڈنگ ہاؤس
اور کھیل کے میدان کے لئے اسٹیمیٹ کے پیش ہونے کا حکم دیا ہے۔ بہاولپور خاص
میں کالج اور بورڈنگ ہاؤس کی شاندار عمارات بیرون شہر تعمیر ہونی تجویز ہوئی ہیں۔
بورڈنگ ہاؤس میں امرا اور متوسط اور غربا کے لیے حسب حیثیت مکانات رہائش
تیار ہوں گے۔ جس میں ہندو مسلمانوں کے لئے الگ الگ قسم کا سامان آسائش مہیا ہو
گا۔ میرا مذہب گو مسلمان ہے لیکن مجھ کو اپنی رعایا کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب و ملت
کی ہو بر حیثیت والی ملک ہونے کے یکساں ہمدردی ہے۔ اور ان کے حقوق مجھ پر مساوی
ہیں۔ لیکن یہ سب عمارات ایک ہی سلسلہ میں ہوں گی۔ تاکہ سب قسم کے طلبا کو باہم ملنے
جلنے اور کھیل کود کا فائدہ حاصل رہے۔ مفصلات میں ہر ایک مڈل سکول کے متعلق ایک
ایک بورڈنگ ہاؤس ہوگا۔ جس سے دیہات کے لوگوں کو فائدہ کثیر پہنچے گا۔ مجھے امید
ہے کہ اس سے جو محض رفاہ عام کے لئے کیا گیا ہے۔ خاص و عام فائدہ اٹھائیں گے۔
جو میرے متعلق تھا میں نے کر دیا۔ اب آپ صاحبوں کا کام ہے کہ اس اسکیم کو حسن
انتظام سے چلائیں اور فائدہ اٹھائیں۔ میری کوشش ہر وقت یہی رہے گی کہ ایسی رعایا
کو جو تعلیم میں بہت پیچھے ہے ہندوستان کی تعلیم یافتہ اقوام کے ہم پلہ بنانے کی تدبیر
سوچتا رہوں۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو اس ارادہ میں کامیابی ہو۔ اور آپ صاحبان کی

سعی مشکور ہو۔"

نواب صاحب کی تقریر کے بعد چودھری نجیب خاں سکریٹری کلب اور مولوی محمد الدین مشیر تعلیمات اور مولوی عبد المالک مشیر انہار نے تقریریں کیں اور تعلیم کے فوائد بیان کرنے کے علاوہ تعلیم کے سلسلے میں نواب صاحب کی دلچسپی کو سراہا۔

لارڈ کرزن کی تاریخی تقریر نواب صاحب کو اختیارات حکمرانی سونپتے وقت وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے حکمرانی کے جو رموز بتائے تھے ان پر ان کا پورا عمل تھا۔ افسوس ہے ان کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ جس نہج پر اپنی ریاست کا نظام استوار کرنے کی سعی کر رہے تھے اس پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو سکے۔ ان پر انگریزی تعلیم کا اچھا خاصا اثر تھا۔ لارڈ کرزن نے اپنی تقریر میں جو نصیحتیں انہیں کی تھیں وہ انہوں نے گرہ میں باندھ لی تھیں اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہ جاتے تو ان سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ عوامی اختیارات و حقوق کی جس جد و جہد میں ریاستی عوام کو تقریباً نصف صدی کا عرصہ لگا وہ شاید اس سے کہیں پہلے انہیں حاصل ہو جاتے۔ لارڈ کرزن کی تقریر کا پورا متن یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے دیسی ریاستوں میں انگریز کی حکمت عملی کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

"یور آنرز۔ یور ہائی نس۔ سرداران و دیگر صاحبان!

بہاولپور آنے سے میری غرض یہ ہے کہ نوجوان نواب صاحب کو ان کی ریاست کی مسند پر بٹھاؤں۔ ریاست بہاولپور شمالی ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں بڑی ریاست ہے اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس ریاست اور اس کے فرمانروا کے ساتھ سرکاری اور ذاتی دل بستگی کی علامات کو اس طرح ظاہر کروں جس طرح میں نے اس ملک میں ہندو ریاستوں اور ہندو راجوں کے ساتھ ظاہر کئے یہ موقع ایک سرکاری موقع ہے کیونکہ شہنشاہ معظم کا نائب السلطنت ہونے کی حیثیت سے میں نوجوان نواب صاحب کو کامل اختیارات حکمرانی عطا کرنے والا ہوں۔ لیکن اس موقعہ پر ذاتی تعلق بھی وابستہ ہے کیونکہ میں اس وقت نواب صاحب اور ان کی رعایا پر اپنی وہ پر جوش دلچسپی ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں ان کے زمانہ آئندہ کی نسبت رکھتا ہوں۔ جب کہ مسند نشینی جیسے اہم موقعہ پر تاج برطانیہ اور فرمانروایان ہندوستان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح باہم ہوں کہ ایک جانب تو شہنشاہ کا نائب السلطنت ہو اور دوسری جانب فرمانروایان موصوف میں سے ایک فرمانروا ہو۔ تو خلاف فطرت نہیں کہ کچھ دیر کے لئے ہمارے دل

میں ان روابط کی نوعیت کا خیال آئے جن کے سبب سے یہ ربط قائم ہے۔ یہ روابط اپنی قسم میں عجیب۔ جہتم بالشان ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسے ہیں کہ روئے زمین کے کسی ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ ہندوستان کا نظام مملکت نہ فیوڈل ازم ہے نہ فیڈرلیشن سارے کا سارا ایک ضابطہ کا تابع نہیں اور ہر حالت میں معاہدات پر بھی مبنی نہیں۔ لیگ سے اس کو کوئی مناسبت نہیں۔ یہ نظام مملکت ایک ایسے سلسلہ ہائے روابط کو ظاہر کرتا ہے۔ جنہوں نے تاج برطانیہ اور تاجداران دیسی کے باہم نہایت مختلف تاریخی حالات میں نشو و نما پایا۔ لیکن وہ سلسلہ ہائے روابط ایسے ہیں جو مرور زمدت میں رفتہ رفتہ ایک ہی طرح و وضع اختیار کر چکے ہیں۔ تاج شاہی کا اقتدار و وقار ہر جگہ مسلّم ہے۔ اپنے حقوق شاہی کی حدود کو اس لئے خود ہی قائم کیا ہے ریاستہائے کے فرائض اور ان کی خدمت کا بہت صاف طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور دیانتداری کے ساتھ ان کو ادا کیا جاتا ہے بس اقتدار اور آزادی خیالات کے فرائض کا ذاتی لحاظ اور حقوق کے ساتھ اس طرح باہم شیر و شکر ہوتا ہے جو افسری تاج سلطنت برطانیہ کے زمانہ میں ہندوستان کو تمام ان ممالک سے ممیز کرتا ہے۔ جن کا ذکر صفحات تاریخ میں ہے۔

جن حلقوں سے یہ ربط سلطنت بہم ہے۔ وہ آہنی جولان نہیں جو کسی کمزور کے لئے کسی زبردست نے تیار کئے ہوں۔ نہ وہ مصنوعی جوڑ ہیں۔ جو کسی غیر معمولی بوجھ کے پڑتے ہی کھل جائیں۔ بلکہ وہ رشتہ ہائے ریشم ہیں جو فخر اور فرض اور ایثار اور قدر کے باہمی احساس کے ذہن قوی کی صورت میں گتھ گئے۔ والیان ریاست دیسی کے ان حالات کو جو ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے پر تھے۔ موجودہ حالات سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو جو اختلاف ظاہر ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کسی اختلاف کا قیاس کرنا ممکن نہیں۔ اس زمانہ میں ان کو ایک دوسرے پر اعتبار نہ تھا۔ سلطنت عظمیٰ پر ان کو بھروسہ نہ تھا۔ ذاتی سازشوں اور حسد کے سبب ان کو تسکین قلبی نصیب نہ تھی۔ انتظام ملکی کی طرف سے ان کو استغنا تھا۔ یا اس میں ذاتیات کو زیادہ دخل دیتے تھے۔ کسی مدعائے شاہی یا بلند تر فرض سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ اب ان کی ہمدردی ان کے علم کے ساتھ وسعت پکڑ گئی ہے اور ذمہ داری کا احساس اس اعتبار کی مناسبت سے بڑھ گیا ہے جو ان پر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی ریاست کی جانب

اپنی ذمہ داریوں کو اور تخت شاہی کی جانب اپنے فرض کو سمجھتے ہیں۔ تاج برطانیہ بھی کوئی خیالی بات نہیں بلکہ ایک مجسم اور جوش کے پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ غرض بجائے اسکے کہ وہ چھوٹے چھوٹے پارٹوں کے ایکٹر ہوں۔ والیان ریاست ہائے دیسی اب ایک بڑے سٹیج کے اراکین ہیں۔

"میرا خیال یہ ہے کہ اس عمل تغیر کی رفتار کے ساتھ والیان ریاست ہائے دیسی کے اقتدار میں بجائے کمی کے ترقی ہوئی ہے ان کا درجہ گھٹا نہیں۔ از دست ان کے حقوق زیادہ تر محفوظ ہو گئے ہیں۔ جو حفاظت ان کو حاصل ہے اس کے لئے ان کو حصہ دینا پڑتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اس سے ان کو فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اب وہ سلطنت کے افراد منفرد نہیں رہے بلکہ اس کے شریک اور رکن ہیں۔ وہ ایوان شاہی کی عمارتی آرائش نہیں رہے۔ بلکہ وہ اس کے ستون بن گئے ہیں۔ وہ اس کی عظیم الشان سقف کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ ہے نوعیت اس منصب کی جس کا وارث یہ نوجوان چیف اب پانے کو ہیں۔ اور جس منصب کے حقوق اور ذمہ داریاں اب یہ میرے ہاتھ سے حاصل کرنے کو ہیں۔ میرے نزدیک جو پسندیدہ منظر ان کے سامنے ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ منظر کسی شخص کے سامنے نہیں ہو سکتا۔ گورنمنٹ کی حمایت۔ اپنی رعایا کی محبت اور سب کی نیک خواہی ان کے ساتھ ہے۔ صورت موجودہ میں نواب صاحب کو معتدبہ فوائد بھی حاصل ہیں۔ ان کی ریاست پر کوئی قرضہ نہیں۔ خزانہ میں دو سال کی کلیہ آمدنی سے زیادہ روپیہ موجود ہے۔ خود انہوں نے چیفس کالج میں تعلیم پائی ہے جہاں وہ امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس تعلیم کے بعد انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انتظام مملکت کے واسطے غیر معمولی قابلیت رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ اپنی پبلک سلسلہ زندگی کا آغاز مبارک حالات میں کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی مشکلات ان نوجوان چیف کی راہ میں حائل نہیں ہوں گی۔ برخلاف اس کے میں خیال کرتا ہوں۔ کہ مشکلات جو ان کے سامنے ہیں تعداد میں زیادہ اور تشویش آور ہیں۔ مشرقی لوگوں کے خیالات قدیمانہ کی پابندی کو مغربی تہذیب سے اخذ کئے ہوئے اصولات کے ساتھ بہم کرنے کی مشکل ان کے سامنے ہے ان خواہشات اور جذبات کو روکنے کی مشکل ان کے سامنے ہے جو بہ حیثیت انسان ان میں پیدا ہوں اور بہ حیثیت مالک سلطنت ان کے فرائض سے متناقض ہوں۔ بہ

مشکل مگر منزلِ ضرورت ان کے سامنے ہے کہ سرکاری اور ذاتی خرچ میں ایک حد قائم رکھیں اور یاد رکھیں کہ آمدنی ریاست لوگوں کا مال ہے نہ کہ چیف کا۔ یہ مال اگر ایک صورت سے رعایا دیوے تو اس کا بہت سا حصہ [illegible] دوسری صورت میں اسے واپس دینا چاہیئے۔ یہ مشکل ان کے سامنے ہے کہ ایک درجہ اوسط مابین بہت کچھ کرنے کی خواہش کرنی اور بہت کم کر سکنے کی قائم کریں۔ لیکن یہ تمام مشکلات اسی لئے ہیں کہ ان پر غلبہ پایا جائے۔ ان سے کسی راست عقل اور اپنی طبیعت پر ضبط رکھنے والے آدمی کو خطرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

"یور ہائی نس۔ اب میں آپ کو آپ کی ریاست کے پورے اختیارات نظم و نسق عطا کرنے کو ہوں۔ یہ آپ کی زندگی میں ایک ایسا اہم موقع ہے۔ کہ جس سے اس اچھے یا اس کے برعکس شہرت کا پتہ لگے گا۔ جو ایک نہ ایک روز آپ کے نام سے منسوب کیجائے گی۔ خود میں تو یہ یاد کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ شہرت اول الذکر قسم کی ہوگی اور نہ موخر الذکر قسم کی اور یاد کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ جیسے کہ آپ میں استعداد ہے۔ منجملہ حکمرانوں کے ہونا چاہتے ہیں۔ جن کے نام احسان مندی سے لئے جاتے ہیں اور ادب سے یاد رکھے جاتے ہیں۔ میں اس وقت کہ آپ کار عظیم کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں پانچ فرائض آپ پر عائد کرتا ہوں۔ اپنے بادشاہ کے ساتھ وفادار رہیئے کہ وہی آپ کے اختیارات کا ذریعہ اور ان اختیارات کی ضمانت ہے۔ جس گورنمنٹ کے ماتحت آپ رکھے گئے ہیں۔ اس کو اپنا کفیل حفاظت اور کفیل یار سمجھیئے۔ جس پولیٹیکل افسر سے آپ کا تعلق ہو اس کو اپنا اتالیق یا استاد نہ سمجھئے بلکہ اسے اپنا صلاح کار اور دوست سمجھیئے۔ اپنی ریاست کے امرائکے ساتھ الطاف اور مآل اندیشی کا برتاؤ کیجئے۔ آپ پر ان کا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ ان پر آپ کا۔ سب سے اخیر یہ کہ کوئی دن ایسا نہ گذرنے دیجئے کہ آپ کو اپنی رعایا کا خیال نہ آئے اور خدا سے التجا ہو کہ آپ جو اس قدر استطاعت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے جو استطاعت میں اتنے ہی کم ہیں کچھ نہ کچھ کر سکیں اگر یہ ہوں وہ اصول جس سے آپ اپنا طریق عمل منضبط کریں گے۔ تو آپ کی رعایا اور آپ کے دوست آج کے دن کو تماشہ نہ سمجھیں گے۔ جو ختم ہوتے ہی فراموش ہو جاتا ہے بلکہ یاد رکھیں گے کہ آج ریاست بہاولپور کے روشن اور با اقبال زمانہ کا طلوع ہوا۔"

لارڈ کرزن نے اپنی تقریر میں جو پانچ فرائض نواب صاحب کے گنوائے تھے انہیں ادا کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ بادشاہ انگلستان کی وفاداری تو خیر ان کی گھٹی میں پڑی تھی وہ اس کو اپنا کفیل و محافظ پہلے ہی سمجھتے تھے۔ پولیٹیکل افسر کو بھی انہوں نے کبھی ناراض نہ کیا امرائے کے ساتھ الطاف و مال اندیشی کے فرض کو بھی انہوں نے حرز جان بنا رکھا تھا۔ جہاں تک رعایا کا تعلق تھا اس باب میں بھی وہ بے حد مستعد تھے اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے تھے۔

نواب بہاول خاں خامس امرائے بہاولپور میں سے پہلے امیر تھے جنہیں ریاست کے مسند اختیارات پر متمکن کرنے وائسرائے ہند آئے تھے۔ اسی سے اس دور کے سیاسی حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انگریز ہندوستان میں آزادی کی تحریکات سے خاصے پریشان تھے۔ ہر طرف شورا شوری اور غوغا آرائی تھی۔ اس عالم میں انگریزوں کو کہیں امید کی کرن نظر آتی تھی تو وہ یہ ریاستیں ہی تھیں۔ چونکہ ریاست بہاولپور شمالی ہند کی سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی اس لئے یہ قدرتی طور پر ان کی خصوصی توجہ کا بھی مرکز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نواب صاحب کی مسند نشینی کے لئے وائسرائے ہند نے خود بہ نفس نفیس یہاں آنا ضروری سمجھا ان کی مندرجہ بالا تقریر میں بھی جس امر پر خصوصیت سے زور دیا گیا ہے وہ تاج برطانیہ سے نواب صاحب کی وفاداری کی نصیحت ہے۔ وائسرائے نے اپنی تقریر میں نواب صاحب کو یہ بھی جتا دیا تھا کہ ان کے اختیارات کی ضمانت بادشاہ برطانیہ کی وفاداری ہے اور وہی ان کا "کفیل حفاظت" اور "کفیل بار" ہے۔

نواب صاحب کی جوابی تقریر

نواب بہاول خاں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے بھی اپنی جوابی تقریر میں حکومت انگلشیہ سے اپنے تعلق کے اس پہلو کو خاص طور پر پیش نظر رکھا۔ ان کی تقریر کا متن بھی یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"ہز ایکسیلنسی!

میں اس غرض سے اٹھتا ہوں کہ اس مہتم بالشان اعزاز کا اعتراف وفادارانہ ممنونیت کے احساس عمیق کے ساتھ کروں جو یور ایکسیلنسی نے اس وقت مجھ کو بخشا ہے یور ایکسیلنسی کی ذات کو میں شہنشاہ خدیو عالم پناہ ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم کا مقتدر نائب پاتا ہوں۔ ساتھ ہی میں آپ کو ایک خالص فیاض دوست سمجھتا ہوں۔ جس نے نہ صرف اپنی فراخدلی ہمدردی سے واقعات گذشتہ کو زیر نظر رکھا بلکہ جس نے اس قدر فاصلہ دور دراز سے اپنی عنایات پر مہر استقلال ثبت کرنے کے واسطے یہاں تک

تشریف لانے کی تکلیف گوارا کی۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ علیٰ رؤس الاشہاد شہنشاہ عالم کے ساتھ اعتراف اطاعت کروں اور تاج برطانیہ کے ساتھ راسخ وفاداری میں اپنے اسلاف عالی کی تقلید کروں۔ میرا یہ بھی فرض ہے کہ یور ایکسیلینسی کا شکریہ خلوص دل سے ادا کروں کہ آپ نے ذاتی دلچسپی میری بہبودی میں ہمیشہ ظاہر فرمائی ہے اور جواب تمام ہندوستان پر ثابت و ہویدا ہو چکی ہے۔ تاریخ بہاولپور میں آج کا دن ہمیشہ کے لئے ایک یوم عظیم ہوگا۔ اور ایسا ہی سمجھا جایا کرے گا۔ اور کبھی فراموش نہ ہوگا۔

میری ریاست اور میں اس امر کا فخر کرتے ہیں کہ فرمانروایان بہاولپور میں سے میں پہلا رئیس ہوں۔ جس کو ایک وائسرائے نے مسند اختیارات ریاست پر متمکن کیا۔ اور دوسرا رئیس ہوں جس کو ہز ایکسیلینسی بیرن کرزن آف کیڈلسٹن نے اختیارات حکومت عطا فرمائے اس افتخار کے ساتھ مجھ کو یقین ہے کہ میں ان ذمہ داریوں کا بھی احساس کرتا ہوں جو اس اعزاز سے وابستہ ہیں اور یہی خیال ان اختیارات کے جو مجھکو تفویض ہوئے ہیں۔ مناسب طور پر کام میں لانے کے واسطے ایک قوی تحریک ہے۔

چھ سال سے زیادہ ہوئے کہ گورنمنٹ پنجاب کی مشفقانہ مشورت پر میں ایچیسن کالج میں داخل ہوا۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ جو فوائد مجھ کو ایچیسن کالج کی تعلیم سے حاصل ہوئے وہ مستحکم تھے۔

فروری ۱۸۹۹ء میں میری زندگی پر ابر غم چھا گیا۔ کہ والد مرحوم کی ذات نے کم سنی میں ان کا سایہ سر سے اٹھا لیا۔ لیکن گورنمنٹ کی مشفقانہ تربیت کا مشکور ہوں کہ ریاست کرنل گرے صاحب سپرنٹنڈنٹ کی نگرانی میں دے دی گئی اور ان کی ہدایت سے ریاست نے ہر پہلو سے ترقی کی۔ دو سال ہوئے کہ میں لاہور سے ریاست میں واپس آیا۔ اس وقت سے مجھ کو ہر ایک محکمہ کے کام میں تعلیم دی گئی۔ اور تمام ریاست میں دورے کر کے میں نے اپنی رعایا اور ان کی ضروریات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی جو نصیحت اور حوصلہ افزائی کے الفاظ یور ایکسیلینسی نے ارشاد فرمائے میرے گوشہ دل میں ہمیشہ صدر نشین رہیں گے۔ اور فرائض منصبی میں انہماک کی جو مثال یور ایکسیلینسی نے تمام ہندوستان کے واسطے قائم کی ہے وہ میرے واسطے ایک دائمی رہنما اور محرک ہمت رہے گی۔ میرا آج مدعا یہ ہوگا کہ اس حیثیت کا جیسا کہ یور ایکسیلینسی نے ایک واقعہ پر فرمایا تھا۔ ہندوستان

کی نظام شاہی کا ایک جزو عظیم بن کر مستحق ثابت ہوں۔ میں انکسار نفس کے ساتھ یور ایکسیلینسی کو یقین دلاتا ہوں کہ آٹھ لاکھ بندگان خدا کی (جن کو خداوند عالم نے میرے سپرد کیا ہے) بہبودی پر میری اولین اور بہترین توجہ صرف ہوگی۔ گذشتہ آٹھ ماہ سے ریاست کا انتظام آنریبل سر چارلس ریواز کی مشفقانہ ہدایت اور میرے دوست میجر جے۔ آر ڈنلپ کمتھ کی مہربانی آمیز مشورہ سے خود کر رہا ہوں اور میرے دل کی غایت مسرت اسی میں ہو گی کہ ان امور میں جہاں تجربہ کی نصیحت اور مودت کے مشورہ کی ضرورت ہو۔ ان کی امداد لوں۔ آج میں زندگی کے ایک نئے زمانہ میں داخل ہوتا ہوں۔ اس ساعت کا واقعہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے لئے ایک یادگار مناسب ہونی چاہیئے۔ اس لئے میں نہائت انبساط سے اعلان کرتا ہوں کہ اس موقع کی یادگار میں میں نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ شہر بہاولپور میں واٹر ورکس قائم کردوں جس کا نام باجازت یور ایکسیلینسی کرزن واٹر ورکس ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ ہزآنر نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر اجازت دیں گے کہ ایک تمغہ طلائی موسوم بہ ریواز گولڈ میڈل تجویز کردوں جو ایچیسن چیفس کالج لاہور کے اول پاس شدہ طالبعلم کو دیا جائے گا۔ آخر میں اس ذاتی اعزاز بخشی پر یور ایکسیلنسی کا شکریہ دوبارہ ادا کرتا ہوں اور درگاہ خداوندی میں نہایت عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ جلشانہٗ مجھ کو قوت اور لیاقت دے کہ جو مواقع مجھ کو عطا ہوں وہ اس کی اعلا عظمت اور اپنی نیک نامی اور اپنی رعایا کی دائمی خوشحالی میں کام میں لاؤں۔"

نواب صاحب کو خدا نے دینی شغف سے بھی نوازا تھا۔ وہ میلاد شریف کی محفلیں بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ منعقد کرتے تھے۔ ایف۔ سی کالج لاہور اور نور محل بہاولپور کی مسجدیں ان کی یادگار ہیں۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۶ء کو وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے گئے تھے۔ عمائدین ملک، احباب اور علما کی خاصی بڑی تعداد شریک سفر تھی مناسک حج ادا کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں طبیعت خراب ہوئی اور ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

باب سوم

سیاسی تحریکات کا دور

یہ دور جو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عرصہ پر محیط ہے سیاسی تحریکات کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اسی دور میں خلافت اور ترکِ موالات کا غلغلہ بلند ہوا۔ تحریکِ ریشمی رومال نے جنم لیا۔ دوسری جنگِ عظیم کا آغاز و انجام ہوا۔ ختمِ نبوت کی تحریک نے زور پکڑا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان رسہ کشی نے عروج حاصل کیا۔ اور دنیا کے نقشہ پر مسلمانوں کی ایک نئی مملکت کا ظہور ہوا۔

ان سیاسی تحریکات سے باشندگانِ ریاست بہاولپور بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ جب مارچ ۱۹۰۹ء میں سرکاری طور پر ہندوستان میں سیاسی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان ہوا۔ اور اس سلسلے میں مختلف تنظیمیں اور تحریکیں معرضِ وجود میں آئیں تو ریاستی عوام بھی کاروبارِ حکومت میں شریک ہونے کے متعلق سوچنے لگے لیکن یہاں ابھی ایسی فضا پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کھل کر اپنی خواہشات کا اظہار کر سکتے۔ انگریزوں کا دبدبہ خاص طور پر اس راہ میں حائل تھا۔ جن کا بہاولپور کے نظم و نسق سے گہرا تعلق تھا۔ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ کہ یہاں ایسی تحریکیں جنم لیں جو آگے چل کر ان کے لئے دردِ سر کا موجب ہوں۔ ریاستوں میں انہوں نے نوابوں اور راجاؤں کے نام پر بالواسطہ حکمرانی کی جو داغ بیل ڈالی تھی اس میں بڑی مصلحت یہی تھی کہ عوام شخصی نظام کی گرفت میں رہیں۔ اور انہیں براہ راست حکومت کے خلاف زبانیں کھولنے کا موقع نہ ملے۔

کونسل آف ریجنسی کا قیام نواب محمد بہاول خان خامس کی وفات کے بعد ۱۵ رمئی ۱۹۰۷ء کو ان کے بیٹے نواب صادق محمد خان خامس وارثِ تخت قرار پائے اسوقت ان کی عمر پونے تین سال تھی۔ اس لئے ان کے سنِ بلوغ کو پہنچنے تک حکومتِ انگلشیہ نے یہاں ایک کونسل آف ریجنسی قائم کر دی جو انتظامِ ریاست کی ذمہ دار تھی۔ اس کے صدر مولوی سر رحیم بخش اور اراکین میں مرزا سلطان احمد[1] ریونیو منسٹر خان بہادر مولوی عبدالرحمٰن ملٹری ممبر اور دیوان آسانند فنانس ممبر شامل تھے۔

---

[1] یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند تھے۔

ان کے علاوہ پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر ڈی نوف اور کرنل ایلیٹ اور فوجی امور کے مشیر کرنل رالنس کونسل کو انتظامی اور فوجی معاملات میں مشورہ دیا کرتے تھے۔ کونسل کی تشکیل اور ممبران کی نامزدگی کا اختیار برطانوی حکومت کو تھا۔ جو وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلی کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مرزا سلطان احمد کے بجائے راجہ طالب مہدی اور نواب خدا بخش خاں ٹوانہ کونسل کے ریونیو ممبر مقرر ہوئے۔

حکومت برطانیہ نے کمسن نواب کی تعلیم و تربیت کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ مزید براں انگریز حکام نواب صاحب کی تعلیم و تربیت اور انتظامات ریاست کا جائزہ لینے کے لئے بھی اکثر ریاست کا دورہ کرتے رہتے تھے۔

نواب سر صادق محمد خاں خامس

نواب سر صادق محمد خاں خامس شروع سے بڑے ذہین و فطین تھے انہیں فوجی امور سے خاص طور پر بڑی دلچسپی تھی۔ ابھی عمر کی ساتویں منزل میں تھے کہ انہیں دہلی کے مشہور کارونیشن دربار میں شرکت کا موقع ملا۔ یہاں انہوں نے ریاستی فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے مارچ پاسٹ کیا۔ یہ کام انہوں نے ایسی مستعدی اور قابلیت سے سرانجام دیا کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے۔ ۱۹۱۳ء میں انہیں ریاستہائے بھولکیاں کے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر اے ایم۔ اٹیکنسن کے ہمراہ انگلستان بھیج دیا گیا۔ وہاں سے واپسی پر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۱ء تک لاہور کے ایچیسن چیفس کالج میں تعلیم حاصل کی۔ مولوی غلام حسین صاحب ان کی مذہبی تعلیم پر مامور تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کے ایڈی کانگ بنائے گئے۔ اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دینے پر ۳؍ستمبر ۱۹۲۲ء کو انہیں حکومت برطانیہ نے کے۔ سی۔ وی۔ او کا خطاب دیا اور ریاست کے صیغہ ہائے فوج، تعلیم، جیلخانہ جات اور محکمہ جوڈیشل کا انچارج بنایا۔ ۱۹۲۳ء میں انکی حسن کارکردگی سے مطمئن ہو کر کونسل آف ریجنسی کا صدر بنا دیا گیا۔ اور ۸ مارچ ۱۹۲۴ء کو وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ نے ریاست بہاولپور کی حکومت کے کامل اختیارات ان کو تفویض کر دئے۔

کونسل آف ریجنسی سترہ سال تک (۱۹۰۷ء تا ۱۹۲۴ء) قائم رہی۔ اس دوران حسب مقدرت نواب صاحب بھی امور مملکت میں دلچسپی لیتے رہے۔ لیکن عملی طور پر ریاست کے تمام اختیارات کونسل میں ہی مرکوز رہے اور کونسل وہی کرتی رہی جو انگریزوں کی پالیسی اور مصلحت کا تقاضا تھا۔

ریاست میں ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کے اثرات

یہ زمانہ ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کے عروج کا تھا۔ تقسیم بنگال کے نتیجے میں ہندوؤں نے جو دہشت گردی اور شورش برپا کی تھی۔ اس نے مسلمانان ہند کو اپنی جداگانہ تنظیم قائم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں نواب وقار الملک کی کوششوں سے ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا

جسکا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ غرض ہندو اور مسلمان الگ الگ اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے کوشاں تھے۔ عوام کو میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں نیابت کا حق مل چکا تھا۔ لیجسلیٹو اسمبلیوں میں بالواسطہ نیابت کا اصول بھی تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ان بھرپور سیاسی سرگرمیوں کے باوجود بہاولپور ابھی ان معاملات میں سکوت کا شکار تھا برطانوی حکومت بھی ان کی طرف سے بے فکر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ریاستوں کے عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے والیان ریاست کافی مستعد ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے انہیں ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی جبکہ باشندگان ہند کے لئے حکومت برطانیہ سیاسی اصلاحات نافذ کر کے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی اسے کچھ خیال تھا۔ تو والیان ریاست کا۔ اس غرض کے لئے انگریزوں نے والیان ریاست کا ایک علیحدہ ایوان قائم کیا۔ جسمیں ۱۰۸ والیان ریاست اور بارہ دوسرے ارکان تھے۔ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ اس ایوان کے قیام سے والیان ریاست اور حکومت ہند کے سابقہ طریق عمل میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ایوان کی حیثیت مشاورتی ہو گی اور اسے کسی ریاست کے اندرونی انتظامی معاملات یا ذاتی ریاست کی شخصیت کو معرض بحث میں لانے کا اختیار نہ ہو گا۔

ویسے بھی ریاست بہاولپور کے حکمرانوں اور برطانوی حکومت کے مابین جو معاہدے تھے ان کی رو سے نواب بہاولپور کو اندرونی معاملات میں کامل خود مختاری حاصل تھی۔ حتیٰ کہ سر صادق محمد خاں خامس کے عہد میں ریاستی حکومت کی اپنی ٹکسال تھی۔ جس میں دھیلے اور پیسے کے سکے ڈھلتے تھے۔ اور ریاست میں چلتے تھے[1]۔

مقامی قوانین کے مطابق کسی کو ریاست میں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ یہاں کوئی سیاسی جماعت بنائی جا سکتی ہے۔ ہندوستان میں سیاسی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے انگریزی حکومت نے ۱۹۰۸ء کا بو ترمیمی ضابطہ فوجداری اور بنگال ریگولیشن جاری کر رکھا تھا۔ وہی قانون کچھ ترمیم کے ساتھ ریاست میں نافذ تھا۔

ریاست میں تعلیمیافتہ لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اخبارات پڑھنے کا شوق بہت کم لوگوں کو تھا۔ تمام ریاست میں تقریباً سو پرچے روزانہ آتے تھے۔ جن کے قارئین زیادہ تر شہری ہندو تھے۔ مروجہ قوانین کی موجودگی کے سبب ہندو، مسلمان یا سکھ کوئی سیاسی جلسہ یا کھلے بندوں تقریر نہ کر سکتے تھے۔

---

[1] سندھ کی مشہور سیاسی شخصیت مسٹر ہاشم گزدر جو قیام پاکستان کے بعد پہلی پاکستان دستور ساز اسمبلی کے نائب صدر بنے۔ اس ریاستی ٹکسال کے مہتمم رہ چکے تھے۔

تحریک ریشمی رومال اور بہاولپور

تاہم جو سیاسی تحریکات ہندوستان کے مختلف گوشوں سے ابھرتی تھیں ان کے کچھ نہ کچھ اثرات بہاولپور میں بھی پہنچتے تھے۔ چنانچہ غدر کی ناکامی کے بعد جب ہندوستان میں ایک اور آزادی کی تحریک شروع ہوئی جو "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے مشہور ہے تو اس میں اس ریاست کے بعض افراد نے عملی حصہ لیا۔ اس تحریک کے قائد مولانا محمود الحسن تھے۔ جنہوں نے منصوبات عشرہ کے نام سے بڑی رازداری کے ساتھ آزادئ ہند کے منصوبے تیار کئے تھے۔ جن کے تحت برصغیر میں منظم طور پر ایک ہمہ گیر قسم کا انقلاب برپا کر کے انگریزوں کو اقتدار سے محروم کرنا تھا۔ اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا عبیداللہ سندھی۔ ڈاکٹر انصاری۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ لالہ لاجپت رائے۔ اور راجندر پرشاد کے علاوہ بہت سے دوسرے مسلمان سکھ اور ہندو رہنما بھی شامل تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو ہندوستان کے ہر حصہ میں بیک وقت بغاوت کرائی جائے اور ترکی افواج افغانستان کے راستے ہندوستان پر حملہ کر کے اور اسے انگریزی تسلط سے آزاد کرا کے انقلابی حکومت کے حوالے کر دیں۔ اس کے عوض انقلابی حکومت ترکی کو برطانیہ کے خلاف مالی اعانت کے علاوہ رضاکاروں کی صورت میں امداد دے گی۔ اس تحریک کے مراکز میں ترنگ زئی (شمالی قبائلی علاقہ) اتمن زئی (سرحد) پانی پت۔ راندیر (کاٹھیاواڑ) لاہور۔ امروٹ (سندھ) اور کراچی کے علاوہ ریاست بہاولپور کا دین پور بھی شامل تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے والئ افغانستان امیر حبیب اللہ سے برصغیر ہند کے انقلابیوں کی جانب سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ افغان حکومت ترک افواج کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک سے گذرنے دے گی۔ یہ معاہدہ ایک زرد رنگ کے ریشمی رومال پر تحریر کیا گیا تھا۔ اور اس پر امیر حبیب اللہ خاں کے علاوہ ان کے صاحبزادوں نے اور ہندوستان کی طرف سے مولانا عبیداللہ سندھی نے دستخط کئے تھے یہ رومال انتہائی رازداری کے ساتھ کابل سے پشاور بھیج دیا گیا۔ شیخ عبدالحق نے جو کابل سے یہ رومال لائے تھے کسی خطرے کے پیش نظر خان بہادر حق نواز کے سپرد کر دیا۔ اور انہوں نے ۱۹ گھنٹوں کے اندر اندر اسے خانپور (ریاست بہاولپور) کے قریب دین پور میں تحریک کے کارکن مولانا ابوالسراج خواجہ غلام محمد کے پاس پہنچا دیا۔ یہاں سے دوسرے دن یہ رومال سندھ بھیج دیا گیا۔ شیخ عبدالرحیم یہاں اس کے پہلے سے منتظر تھے۔ انہیں اس رومال کو لیکر مکہ معظمہ جانا تھا۔ جہاں مولانا محمود الحسن مقیم تھے۔ انہیں اس انقلابی تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے اس پر دستخط کرنے تھے۔ اور مکہ میں متعین ترک نمائندے انور پاشا کی معرفت افغانستان و ہند کا یہ معاہدہ ترکی حکومت کو پیش کرنا تھا۔ لیکن عین اس وقت جب شیخ عبدالرحیم فقیرانہ بھیس بدل کر وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ اور

رومال کو اپنی گدڑی میں سی رہے تھے۔ کہ انگریزی فوج دیواریں پھاند کر مکان کے اندر داخل ہوگئیں اور رومال برآمد کرلیا۔ غالباً سی۔ آئی۔ ڈی کی مخبری کے علاوہ خود امیر حبیب اللہ نے اپنی طبعی کمزوری کے باعث انگریزوں کو اس راز سے آگاہ کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے پولیس اور فوج ریشمی رومال اور اس کے محرکین کا تعاقب کررہی تھی اور جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب "تحریک ریشمی رومال" میں لکھا ہے۔

"دین پور شریف سے یہ امانت (ریشمی رومال) دس بجے صبح سندھ روانہ کردی گئی تھی مگر چار بجے فوج پہنچ گئی۔ مکان کا محاصرہ کرلیا گیا۔ تلاشی ہوئی۔ رات کے دس بجے تک فوج مکان میں تلاشی لیتی رہی۔ کچھ برآمد نہ ہوا۔ خواجہ غلام محمد (امیر تحریک مرکز دین پور) کو پہلے بہاولپور پھر فیروزپور لے جاکر پوچھ گچھ کی گئی مگر انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ چار ماہ بعد ان کو رہا کردیا گیا۔"

گویا ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے وقت بہاولپور میں اپنے مخصوص حالات کی بنا پر مجبوری و معذوری کا جو انداز نظر آتا تھا۔ اس میں اب اتنی تبدیلی رونما ہوئی تھی کہ کچھ لوگ علانیہ نہ سہی خفیہ طور پر ہی بیرون ریاست کی سیاسی تحریکات سے منسلک ہونے لگے تھے۔

تحریک خلافت کے اثرات

رفتہ رفتہ ان اثرات میں اتنا اور اضافہ ہوا کہ بہاولپور کے وہ مذہبی حلقے جن کا بیرون ریاست کے مذہبی رہنماؤں سے اعتقادی تعلق تھا۔ یا وہ نوجوان جنہیں دوران تعلیم بیرونی تعلیمی اداروں سے منسلک ہونے کی وجہ سے بعض سیاسی لیڈروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ برصغیر میں جنم لینے والی سیاسی تحریکوں کی حمایت کرنے لگے۔ چنانچہ جب ہندوستان میں تحریک خلافت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور انگریزوں کی مخالفت نے ایک جذباتی صورت اختیار کی تو مصلحتوں کی دیواریں خود بخود یہاں گرنے لگیں۔ یہ بیسویں صدی کے اوائل کا زمانہ تھا۔ جنگ طرابلس اور بلقان نے مسلمانوں کی رگوں میں بڑی حرارت پیدا کردی تھی۔ خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں کا زور تھا۔ ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف منافرت کا جو جذبہ اب تک اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا۔ وہ اب ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ بہاولپور کے ریاستی ماحول میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا۔ دو جرأتمند ریاستی افسروں نے سرکاری ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیا۔ ان میں ایک مولوی عبدالعزیز ضلعدار تھے۔ اور دوسرے غلام قادر اوورسیئر انہوں نے اپنے استعفے میں لکھا تھا۔

"ریاست بہاولپور کا نظام کونسل آف ریجنسی کے ہاتھ میں ہے۔ جو انگریزی حکومت کی نمائندہ ہے۔ اور انگریزی حکومت کی ملازمت جائز نہیں"

ان حضرات کے علاوہ تاج محمد خاں درانی جو جامعہ ملیہ دہلی اور علی گڑھ سے تعلیم پا کر انہیں دنوں بہاولپور

آئے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر سے بے حد متاثر تھے۔ تحریک خلافت کا زور بھی وہ ہندوستان میں دیکھ آئے تھے۔ لہٰذا ان کی وجہ سے بھی اس تحریک نے یہاں خاصی گرمی پیدا کی۔ درانی صاحب کا رابطہ مولانا محمد علی جوہر سے قائم تھا۔ ان کی ہی ہدایت پر وہ تحریک خلافت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے سندھ بھی گئے۔
ماسٹر عبدالمجید رحمانی۔ مولوی عبدالرحمٰن۔ حاجی عبدالرحمٰن سوداگر اور مولوی سراج الدین بھی اسی سلسلے میں بڑے سرگرم تھے۔ ہندوستان سے تحریک خلافت کے سلسلے میں جو وفد یورپ گیا تھا جس کے امیر مولانا محمد علی جوہر تھے اس کے اخراجات کے لئے خطیر رقم جمع کرکے انہوں نے بھجوائی تھی

پھر ہجرت افغانستان کے سلسلہ میں جب سندھی مہاجرین کی اسپیشل ٹرین بہاولپور سے گذری تو ان نوجوانوں نے انہیں نقد رقوم بھی پیش کیں اور کھانے سے بھی ان کی تواضع کی۔

۱۹۲۲ء کی عدم تعاون کی تحریک میں جہاں مولوی عبدالعزیز صاحب اور غلام قادر اوورسیر نے ملازمت سے استعفےٰ دے کر جرأت رندانہ کا ثبوت دیا تھا وہاں یہ نوجوان بھی اس تحریک کو آگے بڑھانے میں پیش پیش تھے اس کی پاداش میں انہیں ریاستی حکومت کی خفگی کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ماسٹر عبدالمجید کے والد جنرل عبدالرحمٰن ملٹری ممبر تھے۔ پریذیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ماسٹر عبدالمجید کی سرگرمیوں کی وجہ سے ان سے ناراض تھے۔ لیکن یہ نوجوان برابر اپنا کام کئے جا رہے تھے انہوں نے بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ کرایا اور کھدر کا پرچار کیا۔

مولوی عبدالعزیز صاحب کے ماموں مولوی محمد دین کونسل آف ایجنسی کے رکن تھے۔ انہیں مولوی عبدالعزیز صاحب کے استعفےٰ سے رنج پہنچا تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ وہ اس اقدام سے باز آجائیں۔ اور استعفےٰ نہ دیں۔ لیکن وہ نہ مانے اور اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی۔ جس سے ان کے سیاسی معتقدات کافی پختہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ملازمت سے مستعفی ہو کر بہاولپور شہر کے بازار بھابھڑاں (شاہی بازار) میں ایک کپڑے کی دوکان کھول لی تھی۔ یہ دوکان جہاں معیشی تقاضوں کو پورا کرنے کا موجب تھی۔ وہاں مسلمانوں میں تجارت کا شوق پیدا کرنے میں ایک تحریک عمل کی حیثیت بھی رکھتی تھی مسلمان اب تک تجارت کے معاملے میں بہت پیچھے تھے۔ ریاست کی منڈیوں پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ اگرچہ آبادی کا

تقریباً ۸۵ فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ اور باقی ۱۵ فیصد میں تقریباً ۱۳ فیصد ہندو اور باقی دو فیصد میں دیگر غیر مسلم اقوام مثلاً سکھ اور عیسائی وغیرہ شامل تھے۔ لیکن تجارت میں ہندوؤں کی اجارہ داری نے مسلمانوں کو ان کا دستنگر بنا رکھا تھا۔ بعد کے پیش آنے والے واقعات نے جہاں ریاستی مسلمانوں کے سیاسی شعور میں مزید اضافہ کیا۔ وہاں اس ضرورت کا احساس بھی شدید کر دیا۔ کہ انہیں اقتصادی و معیشی اعتبار سے بھی مستحکم ہونا چاہیئے۔

دینی حمیّت کا ایک واقعہ

بہاولپور کے لوگوں کی ایک خصوصیت ان کی دین داری تھی۔ یہاں اسلامی شعائر کی پاسداری ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے زیادہ تھی۔ ہندو آبادی بھی مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتی تھی اور کوئی ایسی حرکت نہ کرتی تھی جس سے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ لیکن جب ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں ہندو مسلم کشمکش کا آغاز ہوا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو زِچ کرنے کے لئے اسلام اور بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریر و تقریر کے ذریعے ناروا حملے شروع کئے تو بہاولپور میں بھی کچھ ہندوؤں نے سر اٹھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ ۲۰-۱۹۱۹ء کی بات ہے کہ ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر لالہ چمپت رائے نے ایک کتاب لکھی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نازیبا حملے کئے۔ یہ کتاب منظر عام پر آئی تھی کہ بہاولپور کے مسلمانوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا ماسٹر عبدالمجید رحمانی جو ان دنوں زیر تعلیم تھے میدان میں نکل آئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ماسٹر مذکور کے خلاف زبردست ایجی ٹیشن کیا جس کے نتیجے میں لالہ چمپت رائے کو ریاست بدر کر دیا گیا اور کتاب ضبط کر لی گئی۔ لالہ چمپت رائے جس کو چموپتی بھی کہتے تھے ریاست بدر ہونے کے بعد لاہور چلا گیا اور وہاں ہندوؤں کی ایک تنظیم آریہ پرتھی ندھی سبھا کا رکن بن گیا۔ عام خیال یہ تھا کہ رنگیلا رسول کے نام سے جو کتاب چھپی تھی جس کے پبلشر کو علم الدین نے قتل کر دیا تھا اس کا مصنف بھی یہی چموپتی تھا۔

بندش شراب کی تحریک

۱۹۲۳ء میں مسلمانوں نے بہاولپور میں بندش شراب کے سلسلے میں ایک تحریک چلائی۔ اس سلسلے میں نوجوان پیش پیش تھے انہوں نے احتجاجی جلوس نکالے اور سر بازار شراب کی بوتلیں توڑ کر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے شراب کی دکانوں پر پکٹنگ بھی کی۔ انسداد شرب کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل

کی گئی تھی جو لوگوں کو اس ام الخبائث سے باز رہنے کی تلقین کرتی تھی۔ بعض محبان شراب نے اس تحریک کے حامیوں کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلایا جس کا مقصد اس تحریک کو ضعف پہنچانا تھا۔ بہر حال کچھ عرصہ بعد یہ تحریک دب گئی اور شراب کے رسیا اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

پہلا عوامی احتجاج

قصہ یہ تھا کہ ریاست کی ہندو آبادی جو مہاسبھائی اور آریہ سماجی لیڈروں سے متاثر تھی وہ اپنے حقوق کے لئے ریاست میں منظم ہو رہی تھی۔ یہ لوگ بیرونی ہندو سیاستدانوں کی شہ پر یہاں کوئی نہ کوئی ایسی شورش برپا کرتے رہتے تھے۔ جس سے ان کا مقصود اپنی سیاسی قوت کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ چنانچہ یہاں انکم ٹیکس کا ایک نیا قانون نافذ ہوا۔ تو اس کی منسوخی کے لئے ہندوؤں نے احتجاج کیا اور اظہار ناراضگی کے طور پر ساری ریاست میں ہڑتال کرائی۔ یہ غالباً ریاست کی تاریخ میں پہلا عوامی احتجاج تھا۔ چونکہ ریاست کی تجارت پر ہندوؤں کا اجارہ تھا۔ اس لئے انکم ٹیکس کے نئے قانون کو وہ براہ راست اپنے خلاف سمجھتے تھے۔ مکھی دریا بخش جسے پنجاب کے آریہ سماجی لیڈروں کی حمایت حاصل تھی اس تحریک کا سرغنہ تھا۔ اس وقت مولوی سر رحیم بخش کونسل آف ایجنسی کے پریذیڈنٹ اور مرزا سلطان احمد ریونیو منسٹر تھے۔ بعض صاحبان نے مولوی سر رحیم بخش صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ مکھی دریا بخش کو جیل میں ڈال دیں تو ہندوؤں کا سارا ہنگامہ خود بخود فرو ہو جائے گا۔ مولوی صاحب بڑے جہاندیدہ آدمی تھے۔ انہوں نے اس مشورے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اگر مکھی دریا بخش کو قید کیا گیا تو وہ سچ مچ ہندوؤں کا ایکا لیڈر بن جائے گا۔ کچھ دن بعد خود بخود یہ ایجی ٹیشن ختم ہو گیا اور ہندو انکم ٹیکس ادا کرنے لگے۔ لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کی سرگرمیاں ختم نہ ہوئیں۔ وہ کوئی نہ کوئی موقع نکال کر اپنی قوت کے مظاہرے کا سامان پیدا کر لیتے تھے۔ چنانچہ

مسجد گھمن والی کی تالہ بندی

مسجد گھمن والی جو شہر بہاولپور کے مچھلی بازار کے ایک ملحقہ محلہ کوچہ گھمن میں واقع تھی۔ کئی باران کی شورہ پشتی کا ذریعہ بنی۔ یہ جگہ کسی زمانہ میں سرکاری غلہ کے گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ غلہ جمع کرنے کے لئے آنے والے مسلمان نماز کے وقت یہیں نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ نماز پڑھنے والی جگہ نے رفتہ رفتہ ایک مسجد کی صورت اختیار کر لی یہ صورت حالات ہندوؤں کو سخت ناگوار گذری چونکہ کوچہ گھمن ہندوؤں کی آبادی پر مشتمل تھا۔ اس لئے انہوں نے اس محلے میں مسجد کے وجود کے خلاف صرف اپنی ناپسندیدگی کا ہی اظہار نہ کیا بلکہ اس پر ہنگامہ کھڑا کر کے ایک فرقہ وارانہ سوال پیدا کر دیا۔ مسلمان بھی ہندوؤں کے اس طرز عمل سے برافروختہ تھے۔ حکومت نے اس کشیدگی کے پیش نظر مسجد والی جگہ پر تالہ ڈال دیا۔ اور مسلح پہرہ بٹھا دیا۔ مسلمانوں کو حکومت کا یہ اقدام بہت ناگوار خاطر تھا

ان کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس سلسلے میں ناراضگی اور غم وغصہ کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔ ادھر ہندو بھی اس معاملے میں بہت جذباتی تھے۔ اسی عالم میں ایک دن کسی نوجوان مسلمان نے مسجد میں گھس کر اذان دے دی اس پر بڑا شور برپا ہوا۔ حکومت نے ہندوؤں کو مطمئن کرنے کے لئے متعدد لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ مولوی غلام رسول جو ڈسٹرکٹ جج کے سررشتہ دار تھے۔ مسجد واگذار کرانے کی تحریک میں پیش پیش تھے۔ انہیں بھی بارہا ہندوؤں کی مخالفت اور حکومت کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔

مسجد شہید گنج لاہور کے اثرات

انہی دنوں لاہور کی مسجد شہید گنج کا تنازعہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کی واگذاری کے لئے جگہ جگہ مظاہرے ہو رہے تھے۔ بہاولپور میں بھی اس کے اثرات پہنچے اور یہاں بھی مسلمانوں نے مسجد شہید گنج کی واگذاری کے مطالبے کے حق میں جلوس نکالے۔ دراصل کوچہ گھمن والی مسجد کے واقعہ کی مطابقت نے اس تحریک میں یہاں خاصا زور پیدا کر دیا تھا۔ مزید برآں یہ ہوا کہ تحریک کے قائد حضرت پیر جماعت علی شاہ بہاولپور کے دورے پر آرہے تھے۔ کہ عین وقت پر حکومت بہاولپور نے ان کے داخلے پر پابندی لگادی۔ اس سے مسلمانوں کے جذبات اور مشتعل ہوگئے۔ وہ حکومت کی عائد کردہ پابندی کے باوجود بڑی تعداد میں شاہ صاحب کا استقبال کرنے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض حضرات نے اس موقع پر سرعام تقریریں بھی کیں۔ اور بڑے غم وغصہ کے انداز میں یہ کہا کہ "جب ہماری اسلامی ریاست نے ایک مسجد کو مقفل کر رکھا ہے تو فرنگی حکومت سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اسے واگذار کر دے گی۔" حکومت نے عوام کو اسٹیشن پر جانے سے روکا جس سے کافی بدمزگی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پولیس کے ایک افسر کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ بہرحال مسلح پولیس نے ریلوے روڈ کو بند کر دیا اور مجبوراً لوگوں کو منتشر ہونا پڑا۔

ہندوؤں کا ایک کامیاب احتجاج

۱۹۳۲ء میں ایک بار پھر ہندوؤں نے ہنگامہ برپا کیا۔ اب کہ ماچس اور صابن کی اجارہ داری کے خلاف انہوں نے ہڑتال کی تھی۔ نبی بخش محمد حسین وزیراعظم ریاست نے اپنی کسی دوست فرم کو ریاست بہاولپور کے لئے ماچس اور صابن کا ٹھیکہ دے دیا تھا۔ اس کے خلاف ہندوؤں نے جلوس نکالے اور جلسے کرکے تقریریں کیں۔ یہ ہنگامہ روز بروز بڑھتا جارہا تھا کہ نواب صاحب نے ذاتی مداخلت کرکے اسے ختم کرایا۔ نتیجۃً فرم مذکور کا اجارہ منسوخ ہوگیا۔ اور ہندو تاجر فتح یاب ہوگئے۔

ریاستی حسد و رقابت کا مظاہرہ

ریاستوں میں حسد اور رقابت کی روایات ہمیشہ سے چلی آتی ہیں بہاولپور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے اس مخصوص ذہنی افتاد پر روشنی پڑتی ہے

سر سکندر حیات کی برطرفی

سر سکندر حیات خاں ۱۹۲۸ء میں ریاست کے وزیر اعظم مقرر ہو کر آئے تھے۔ انہیں وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالتے ہی جس اہم مسئلے سے واسطہ پڑا وہ ستلج ویلی پراجیکٹ کے سلسلے میں قرضہ کی ادائیگی کا تھا۔ ریاست کی مالی حالت ابھی اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس قرضہ کو آسانی سے ادا کر سکتی۔ ادھر حکومت برطانیہ کی طرف سے برابر یہ دباؤ بڑھ رہا تھا کہ وہ قرضہ کی ادائیگی کا سلسلہ شروع کرے۔ ان دنوں ریاست کے ہوم منسٹر مولوی غلام حسین صاحب تھے جو نواب سر صادق محمد خاں خامس کے اتالیق رہ چکے تھے۔ ان کا ریاست میں طوطی بولتا تھا۔ خود نواب صاحب کے مزاج میں ان کا اتنا دخل تھا کہ ان کی مرضی کے بغیر ریاست کا پتہ تک نہیں ہل سکتا تھا۔ نواب صاحب ہمیشہ ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر ملا کرتے تھے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں انکی رائے یہ تھی کہ نواب صاحب اس سلسلے میں حکومت برطانیہ سے اس تمام اراضی کے معاوضہ کا مطالبہ کریں۔ جو ریاست کے وسط میں ریلوے لائن بچھانے کی وجہ سے اس کے استعمال میں آئی ہے۔ سکندر حیات اس تجویز کے حق میں نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ریلوے لائن کا تعلق ایک دوسرے معاہدے سے ہے۔ جس میں اراضی زیر استعمال کی قیمت کی ادائیگی کا ذکر نہیں اور ستلج ویلی پراجیکٹ جس معاہدے کے تحت مکمل ہوا ہے اس کی رو سے ریاست کے ذمہ جو رقم واجب الادا ہے اس کی ادائیگی کی بہر حال ریاستی حکومت ذمہ دار ہے۔ اسی کے ساتھ غالباً سکندر حیات خاں نے برطانوی حکومت کو بھی صورت حال سے مطلع کر دیا۔ جس کے بعد دفتر ہند میں اس تجویز پر غور کیا جانے لگا۔ کہ چونکہ ریاست بہاولپور اپنے واجب الادا قرضہ کی ادائیگی سے اجتناب کر رہی ہے اس لئے ریاست کا کچھ حصہ جو قرضہ کی مالیت کے برابر ہو۔ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔

قائد اعظم کا مشورہ

یہ اطلاع نواب صاحب کے لئے خاص تشویش کا موجب تھی۔ مولوی غلام حسین صاحب نے نواب صاحب کو یہ باور کرایا کہ یہ سب کچھ سکندر حیات خاں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کا ریاست سے اخراج ضروری ہے۔ نواب صاحب کو سکندر حیات کے خلاف کارروائی کرنے میں تامل تھا۔ تاہم روایت کے مطابق انہوں نے اس سلسلے میں قائد اعظم محمد علی جناح سے بحیثیت ریاست کے قانونی مشیر کے رجوع کیا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ "جس افسر کی تقرری کا آپ کو اختیار ہے اسے آپ برخواست بھی کر سکتے ہیں۔ نیز اس سلسلے میں جو قدم آپ اٹھانا چاہتے ہیں وہ فوراً اٹھائیں۔"

قائد اعظم کے اس مشورے کے بعد ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء کو نواب صاحب نے سر سکندر حیات کو نہ صرف برخاست کر دیا بلکہ انہیں فوری طور پر ریاست چھوڑنے کا بھی حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل سکندر حیات خاں سے رات کے گیارہ

بے کرائی گئی۔ اور وہ اسی وقت انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں ریاست کو خیرباد کہہ کر لاہور چلے گئے۔

مولوی غلام حسین صاحب کا ریاست سے اخراج

سر سکندر حیات خاں جانے کو تو ریاست سے چلے گئے۔ لیکن نچلے وہ بھی نہ بیٹھے۔ حکومت ہند میں ان کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ انہوں نے حکومت کے سامنے مولوی غلام حسین صاحب کے کارنامے ایسے بھیانک رنگ میں پیش کئے کہ حکومت نے اپنے پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعہ نواب صاحب پر دباؤ ڈلوا کر مولوی صاحب کو ریاست بدر کرا دیا۔ اور اس طرح سکندر حیات خاں مولوی صاحب سے اپنا انتقام لینے میں کامیاب ہوگئے۔

نواب صاحب نے مولوی صاحب کو ریاست بدر کا حکم باول نخواستہ دیا تھا۔ ورنہ جہاں تک ان کی عزت و تکریم کا تعلق تھا۔ وہ پھر بھی نواب صاحب کے دل میں رہی

حاصل مولوی صاحب کو اندرونِ ریاست حاسدوں سے بھی واسطہ تھا۔ کچھ لوگوں کو ان کا غیر معمولی اقتدار ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اور وہ وقتاً فوقتاً ان کے خلاف اشتہارات پمفلٹ اور اخبارات کے ذریعہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر ملتان کے اخبارات کعبہ، حقیقت اور ویر کیسری اس مخالفانہ پروپیگنڈے کے لئے وقف تھے۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں حافظ غلام قادر خان پنشنر مشیر مال نے "جناب مولوی غلام حسین ہوم منسٹر ریاست بہاول پور کا پروپیگنڈہ اور اس کی حقیقت کا انکشاف" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں عمال ریاست بالخصوص مولوی غلام حسین صاحب کے خلاف زہر افشانی کی گئی تھی حکومت نے یہ پمفلٹ ضبط کر لیا اور متذکرہ اخبارات کا ریاست میں داخلہ بند کر دیا۔

مولوی غلام حسین صاحب کے خلاف جو گروہ مصروف کار تھا اس کے یہ نام قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محمد امین خان پنشنر سپرنٹنڈنٹ پولس۔ ۲۔ حافظ غلام قادر خان پنشنر مشیر مال
۳۔ لطف اللہ خان سابق انسپکٹر پولس ۴۔ مولوی عبدالرشید پبلک پراسی کیوٹر
۵۔ ماسٹر چمن لال ۶۔ نور محمد سندھڑ ۷۔ قاضی علی اکبر
۸۔ حافظ غلام حسین سابق سپرنٹنڈنٹ بہاول نگر

اس گروہ کی سرگرمیاں اب بھی ختم نہیں ہوئی تھیں اور وہ مختلف طریقوں سے مولوی صاحب کے خلاف پراپیگنڈہ کر رہا تھا۔ اور نواب صاحب کی ذات کو بھی اس میں ملوث کر رہا تھا جس کی وجہ سے

حکومت بہاولپور کو خاص طور پر ۵ رجون ۱۹۳۰ء کو صادق الاخبار کا ایک ضمیمہ شائع کرنا پڑا جسمیں
از پیشگاہ سرکار عالی یہ اعلان کیا گیا کہ

"عوام الناس کے بعض طبقہ میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ معاملات ریاست ایک خاص جماعت
کے زیر اثر سرانجام ہو رہے ہیں چونکہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا حکومت کے نظم و نسق اور ایڈمنسٹریشن
پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اسلئے حضور اینجانب اس امر کا اعلان قرین مصلحت اور ضروری خیال
فرماتے ہیں کہ ہمیں ان جملہ ذمہ داریوں کا جو کہ ایک رولنگ چیف پر عائد ہوتی ہیں پوری طرح احساس
ہے۔ اور مابدولت پوری بیداری سے ہر معاملہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ کاغذات جو منسٹر صاحبان ہمارے
پیش کرتے ہیں حضور اینجانب ہر قسم کی تجاویز پر پورے غور و خوض کے بعد اپنی رائے قائم فرما کر معاملات
کو طے فرماتے ہیں۔ عزت نشان محسن الملک مولوی غلام حسین صاحب سابق ہوم منسٹر جنوری گذشتہ سے پنشن
پر سبکدوش ہو چکے ہیں۔ انتظام ریاست اور مابدولت کی ذات خاص سے ان کا کوئی واسطہ اور تعلق اب
نہیں ہے علی ہذا میجر شمس الدین محمد اشاف سے حسب استدعا چیف منسٹر صاحب فنانشل سیکرٹری کے
عہدہ پر مقرر ہو چکے ہیں ان کا بھی اب ذات خاص اینجانب اور معاملات سٹاف سے کوئی تعلق نہیں ہے
"اس اعلان کے ساتھ ہی حضور اینجانب حکومت ریاست کے خلاف اس قسم کے غلط پروپیگنڈوں
کے انسداد کی خاطر بہ نظر مناسب یہ حکم دیتے ہیں کہ آئندہ جو شخص عوام میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا کرنے
کے لئے غلط روایتوں کی تشہیر کرے گا اس کے خلاف سخت نوٹس لیا جائے گا۔

تحریر ۱۰ رجون ۱۹۳۰ء مطابق ۱۲ ر محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

نواب صاحب کی طرف سے اس وضاحتی اعلان کے باوجود مولوی صاحب کے خلاف پروپیگنڈا جاری رہا سکندر حیات
کو برطانوی حکومت میں مولوی صاحب کے خلاف محاذ بنانے میں اس سے مدد ملی اور
اس طرح برطانوی حکومت کی خوشنودی کی خاطر بادل نخواستہ نواب صاحب مولوی
صاحب کو ریاست بدر کرنے پر مجبور ہو گئے تاہم چونکہ نواب صاحب کے دل میں مولوی
صاحب کیلئے حد احترام تھا۔ اس لئے انہوں نے مولوی صاحب کو ریاست بدر کرنے
سے پہلے ان کا استعفیٰ لے کر باعزت طور پر سبکدوش کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ
۱۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کو مندرجہ ذیل حکم جاری کیا گیا۔

"عزت نشان محسن الملک مولوی غلام حسین صاحب کو حسب استدعا ان کے

عہدہ ہوم منسٹری سے ریٹائر کیا جا کر بصلہ خدمات جلیلہ دس ہزار روپیہ سالانہ پنشن پچیس ہزار روپیہ بونس اور بیس ۲۰ مربع زمین نہر مستقل پر عطا کی جانی منظور ہوئی "

مولوی صاحب نے جلا وطنی کی زندگی کچھ عرصہ لاہور اور کراچی میں اور پھر ملتان میں گذاری۔ لیکن ان کی اولاد بدستور ریاست میں رہی اور ان کے ساتھ نواب صاحب کے الطاف خسروانہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ان کے بڑے صاحبزادے میجر شمس الدین محمد ریاست کے وزیر تعلیم۔ دوسرے صاحبزادے کیپٹن ضیاالدین صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور تیسرے صاحبزادے مولوی نظام الدین حیدر ڈائریکٹر پنچایت تھے۔

کچھ عرصہ بعد نواب صاحب کی ذاتی سفارش پر حکومت ہند نے مولوی صاحب کو واپس ریاست میں آنے کی اجازت دے دی۔ انہیں ذاتی طور پر اگرچہ اب وہ اقتدار حاصل نہیں رہا تھا۔ لیکن ان کی اولاد برسراقتدار تھی۔ علاوہ ازیں نواب صاحب کے مولوی صاحب سے دلی روابط کا اندازہ اس سے کیجئے کہ انہوں نے اپنے ولیعہد صاحبزادہ محمد عباس عباسی کا عقد ان کی پوتی یعنی میجر شمس الدین محمد صاحب کی صاحبزادی سے کیا۔

مولوی غلام حسین مرحوم جنہیں محسن الملک اور عزت نشان کے خطابات بھی حاصل تھے ریاست کے محسنین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بہاولپور میں ترقی تعلیم کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جامعہ عباسیہ (موجودہ اسلامیہ یونیورسٹی) کے قیام کا سہرا انہیں کے سر ہے۔

باب چہارم

بہاولپور کی سیاسی سرگرمیاں

جمعیت المسلمین کا قیام

اب تک مسلمانوں کی کوئی ایسی تنظیم نہ تھی۔ جو عوامی مسائل پر غور و خوض کی ضرورت پوری کرتی۔ سوائے انجمن موید الاسلام کے جو ۱۸۷۹ء میں محض فروغِ تعلیم کے لئے معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اس انجمن کا بعد میں پھر احیاء کیا گیا۔ لیکن اب بھی اس کی سرگرمیاں اصلاح معاشرہ تک محدود تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ہندوؤں کے سیاسی اثرات بڑھتے جا رہے ہیں جنہیں خود کو منظم کئے بغیر زائل نہیں کیا جا سکتا ۱۹۲۵ء میں جمعیت المسلمین کے نام سے ایک جماعت قائم کی اس کے صدر خان غلام حسن خاں۔ نائب مشیر مال اور نائب صدر مولانا عبدالعزیز سابق ضلعدار تھے ممبران میں خان تاج محمد خاں درانی انسپکٹر مدارس اور ماسٹر عبدالمجید رحمانی شامل تھے۔ یہ جماعت بظاہر تو مذہبی اور اصلاحی قسم کے کام کرتی تھی۔ لیکن در پردہ اس کے مقاصد سیاسی تھے۔ کبھی کبھار اس جماعت کے ارکان بہاولپور کی جامع مسجد میں سیاسی نوعیت کی تقریریں بھی کر لیتے تھے۔ ایک آدھ بار ان تقریروں کی پاداش میں ریاستی حکومت نے بنگال ریگولیشن کے تحت بغیر مقدمہ چلائے نظر بند بھی کیا لیکن ریاست کے حکمران چونکہ ان لوگوں کو ریاست کا بدخواہ نہیں سمجھتے تھے اس لئے ان سیاسی مزاج کے سرکاری افسروں کیخلاف کبھی تحکمانہ کاروائی نہ کی گئی۔

نوجوان میدان عمل میں

جمعیت المسلمین کے متذکرہ کارکنوں کے علاوہ کچھ نوجوان بھی قومی زندگی میں حصہ لینے کے لئے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ دراصل وہ جمعیت کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے۔ اُن کی خواہش تھی۔ کہ مسلمان سیاست میں بھرپور کردار ادا کریں۔ اور تمام مصلحتوں

کو بالائے طاق رکھ کر میدان عمل میں کود پڑیں۔ تاہم اس سلسلے میں ریاستی قوانین ان کی راہ میں بھی حائل تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز اصلاحِ معاشرہ کے کاموں سے کیا۔ ان نوجوانوں میں منشی عبدالحمید صاحب کا نام سرِفہرست ہے۔ یہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بطور مدرس تعینات ہوئے تھے۔ کچھ دن بعد اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہوگئے۔ جامعہ عباسیہ کی مدرسی کے زمانہ میں ان کی نظر ایک ہونہار طالبعلم پر پڑی جنھیں انہوں نے شاگردی کے رتبہ سے بڑھا کر اپنا رفیق و صلاح کار بنالیا۔ یہ شاگرد رشید حافظ احمد یار مرحوم تھے۔ جو آگے چل کر سیاسی تحریکات میں منشی عبدالحمید صاحب کے دستِ راست ثابت ہوئے۔ منشی صاحب کا بیان ہے کہ ان کے سیاسی افکار کو جہاں دہلی کے ہفت روزہ "دین و دنیا" سے جلا بخشی وہاں حافظ احمد یار مرحوم کی رفاقت نے انہیں مزید مستعد اور سرگرم کردیا ان دونوں صاحبان نے پہلے پہل اصلاح رسوم کا بیڑا اٹھایا۔ اور اس غرض کے لئے ایک بے نام جماعت تشکیل دی۔ جس کے دوسرے ارکان میں محمد عبدالرشید اہلکار مال (منشی صاحب کے برادر بزرگ) شیخ غوث محمد ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ منشی محمد اسلم خوشنویس اور اللہ بچایا (باربر) شامل تھے۔ انہیں مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ آپ جہاں اپنے وعظ میں رسوم بد سے لوگوں کو روکتے تھے وہاں ان افراد کے ساتھ جاکر مسلمانوں کو بُری اور نقصان دہ رسوم سے باز رہنے کی تلقین بھی کرتے تھے اس بے نام جماعت کا کام بری رسوم کو ختم کرانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو مقدمہ بازی کی لعنت سے بچایا جائے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ لوگ مقدمہ بازی میں زیربار ہونے کی بجائے باہم افہام تفہیم سے اپنے تنازعات طے کریں۔

اسی کے ساتھ ساتھ "اخوان الصفا" کے نام سے بھی ہمخیال دوستوں کی ایک جماعت قائم تھی جو گھر گھر جاکر لوگوں کو نماز روزہ کی تبلیغ کرتی تھی۔ قاضی عظیم الدین صاحب اس کے سرگرم رکن تھے۔ منشی عبدالحمید صاحب نے اصلاح اطفال کا بیڑا بھی اٹھایا تھا۔ یہ بچوں میں اچھے اخلاق پیدا کرنے اور اسرافِ بے جا سے بچنے کی ترغیب دیتے تھے۔

یہ اصلاحی کام بہاولپور میں کافی مقبول ہوا۔ عام لوگ ان کارکنوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب بھی ان میں سے کوئی کارکن کسی گلی میں سے گذر جاتا تو لوگ اُسے دیکھکر احتراماً کھڑے ہوجاتے اور اس کی ہر طرح پذیرائی کرتے۔

آہستہ آہستہ ان کارکنوں نے اپنی سرگرمیوں کا رخ سیاست کی طرف موڑنا شروع کیا۔ چونکہ عوام میں ان کا مقام [illegible] کافی پیدا ہوچکا تھا اس لئے اپنے سیاسی اقدامات میں انہیں عوام سے کبھی

مایوسی نہیں ہوئی۔ چنانچہ انہی دنوں کی بات ہے کہ بہاولپور کے چند مرزائیوں نے سکریٹریٹ کے پلاٹ میں ایک جلسہ کرنے کا اعلان کیا تو منشی عبدالحمید معہ اپنے ساتھیوں کے جلسہ گاہ میں پکنگ کے لئے پہنچ گئے اور کسی مسلمان کو جلسہ گاہ میں نہ آنے دیا۔

اس کے کچھ دن بعد گاؤکشی کے ایک واقعہ پر ہندوؤں نے شورش برپا کی تو مسلمانوں کے یہ نوجوان کارکن بیدھڑک میدان میں آگئے۔ قصہ یہ تھا کہ بہاولپور کے محلہ امام شاہ میں ایک مسلمان کی گائے اپنے چبوترے پر کھڑی تھی کہ اچانک گر پڑی اور گر کر تڑپنے لگی۔ گائے کے مالک نے چارپائیوں کی اوٹ کر کے گائے کو ذبح کر دیا۔ کیونکہ اس محلے کی آبادی آدھے سے زیادہ ہندوؤں کی تھی اس لئے انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور گائے کے مالک کے خلاف شارع عام پر گائے ذبح کرنے کے سلسلہ میں کارروائی کا مطالبہ کیا۔ حکومت حکومت نے ان کے مطالبے پر گائے کے مالک کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔

مسلمانوں میں اس واقعہ کا ردعمل ہونا قدرتی تھا۔ چنانچہ منشی عبدالحمید صاحب نے مسلمانوں کی جانب سے محاذ سنبھالا اور جامع مسجد میں حکومت کے اس اقدام کے خلاف نہایت جوشیلی تقریر کی۔ اتفاق سے نواب صاحب ڈیرہ نواب سے بہاولپور تشریف لا رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے فوراً ایک جلوس ترتیب دیا اور چوک فوارا پر پہنچ کر ان کی خدمت میں مسلمانوں کے جذبات پیش کرنے کا پروگرام بنایا۔ اگرچہ پولیس نے کذب بیانی سے کام لے کر نواب صاحب کے دورے کے پروگرام کی منسوخی کی خبر سنا کر جلوس کو منتشر کر دیا تاہم احتجاج کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کا اضطراب برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ حکومت گائے کے مالک کو رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اسی زمانہ میں ایک ہندو محلے میں ایک دیوار جو کہ حکومت کی نظر میں ناجائز طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ حکومت نے اپنے رعب داب کا مظاہرہ کرتے ہوئے پولیس کی مدد سے گروا دی۔ لیکن ہندوؤں نے اس پر احتجاج کیا تو حکومت پسپا ہو گئی اور اس نے خود وہ دیوار دوبارہ بنوا دی۔

خدام الدین کا قیام

حکومت اور ہندوؤں کی سیاسی قوت کے اس عدم توازن اور حکومت کی کمزوری کو مسلمانوں کے باشعور طبقے میں بری طرح محسوس کیا جا رہا تھا۔ خاص طور پر نوجوان اس صورت حالات سے بہت متفکر تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی بھی کوئی جاندار سیاسی جماعت قائم ہو۔ حسن اتفاق سے ان دنوں مشہور دیوبندی عالم سید مرتضیٰ حسن بہاولپور میں قیام پذیر تھے۔ یہ نوجوان ان سے ملے اور ان کے سامنے ہندوؤں کی بڑھتی ہوئی قوت اور حکومت کی کمزوری کے واقعات رکھ کر یہ مشورہ طلب کیا کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے مسلمانوں

کی ایک فعال جماعت کی تشکیل کا مشورہ دیا جس کے بعد انجمن خدام الدین کے نام سے ایک جماعت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

انجمن خدام الدین کا پہلا اجلاس ۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوا۔ اس کے ابتدائی رکن منشی عبدالحمید اور حافظ احمد یار تھے۔ بعد میں مولانا محمد داؤد۔ عبدالرشید صاحب، محمد شفیع صاحب، اور فیض محمد چوڑیگر بھی انجمن کے رکن بن گئے۔ انجمن کی مجلس عاملہ کی رکنیت کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ رکن اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بطور داخلہ فیس اور بیسواں حصہ بطور ماہانہ چندہ ادا کرے (بعد میں ۱/۵۰ اور ۱/۱۰۰ کر دیا گیا) مجلس عاملہ کے رکن کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ کم از کم ایک گھنٹہ روزانہ انجمن کے دفتر میں آکر کام کرے۔ ان شرائط کا مقصد یہ تھا۔ کہ کم از کم جماعت کی عاملہ اور شوریٰ میں ایسے لوگ ضرور ہوں۔ جو حساس۔ درد مند اور ایثار پیشہ ہوں۔ انجمن کا صدر مولانا داؤد اور سیکرٹری منشی عبدالحمید کو چنا گیا۔

انجمن خدام الدین نے باقاعدہ اپنا دفتر قائم کیا۔ ریڈنگ روم کھولا اور رضا کار بھرتی کئے۔ رضاکاروں کی تربیت کے لئے پریڈ کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ پھر جلسے منعقد کر کے باہر کے علما کو تقریریں کرنے کے لئے بھی مدعو کیا جانے لگا۔ اسی کے ساتھ اصلاحی پروگرام بھی مرتب کیا گیا۔ جس کے تحت چکلوں پر پکٹنگ کی گئی۔ لوگوں کے باہمی تنازعات میں ثالثی کی خدمات انجام دی گئیں۔ علاوہ ازیں اگر حکومت کوئی کام مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کرتی تو اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ انجمن اپنے اخراجات کے لئے عوام سے کوئی چندہ نہیں لیتی تھی۔ بلکہ اس کے ارکان ہی اس کی کفالت کرتے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے انجمن کی سرگرمیاں کافی بڑھ گئیں۔ اب وہ ہر ایسے معاملے میں جس کا تعلق مسلمانوں کی معاشی معاشرتی یا مذہبی زندگی سے ہوتا تھا۔ دلچسپی لیتی تھی۔ اپریل ۱۹۳۳ء کی بات ہے کرنل مقبول حسن صاحب وزیر تعلیم تھے انہوں نے صوفی عبدالغفور نامی ایک شخص کو ایجوکیشنل سپرنٹنڈنٹ مقرر کر کے یہ ڈیوٹی سونپی کہ وہ ریاست کے مدارس کا معائنہ کرے۔ یہ شخص مرزائی تھا اور خطرہ تھا کہ پڑتال کنندہ کی حیثیت سے جب یہ مدارس میں جائے گا تو اسے اپنی مرزائیت کی تبلیغ کا موقع ملے گا۔ اور بلاوجہ اساتذہ کا ایمان خراب ہو گا۔ چنانچہ طے پایا کہ اس حکم کے خلاف احتجاج کیا جائے حکیم محمد یار صاحب کی قیادت میں ایک وفد بھی مرتب کر کے وزیر موصوف کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وفد کے دوسرے اراکین میں مولانا محمد داؤد۔ ماسٹر عبدالمجید فیض محمد چوڑیگر۔ منشی عبدالرشید۔ حاجی اللہ ڈیوایا۔ حافظ احمد یار اور منشی عبدالحمید شامل تھے۔ یہ وفد جب وزیر صاحب سے ملا تو انہوں نے بڑے خشمگیں انداز میں کہا کہ عبدالغفور اپنے سرکاری فرائض کے دوران مرزائیت

کی کوئی تبلیغ نہیں کرے گا۔ آپ نے خواہ مخواہ قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا ہے۔ وفد کے سربراہ تو اس جواب پر خاموش ہو گئے لیکن وفد کے نوجوان ارکان اس استدلال کو نہ ماننے اور وہ حکم کی واپسی کا ہی مطالبہ کرتے رہے۔ چنانچہ گفتگو میں تلخی پیدا ہوئی۔ اللہ ڈیوایا صاحب نے کہا کہ اگر آپ نے یہ حکم واپس نہ لیا تو ہم سرکاری اسکولوں کے مقابلے میں اپنے پرائیویٹ اسکول کھول دیں گے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اسکولوں میں الو بولے گا۔ کوئی بھی وہاں پڑھنے نہیں جائے گا۔

منشی عبدالحمید صاحب بھی خاصے گرم تھے ان کے لب ولہجے کی تندی کو محسوس کرتے ہوئے وزیر صاحب نے دریافت کیا "آپ کون ہیں"؟ انہوں نے بتایا کہ وہ اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہیں۔ اس پر وزیر صاحب نے کہا کہ "آپ نے اپنے افسر سے پیشگی اجازت حاصل کئے بغیر مجھ سے ملاقات کی ہے جو سرکاری ملازمت کے ضابطے کے خلاف ہے میں کل دیکھوں گا۔ آپ کی ملازمت کو" منشی عبدالحمید صاحب نے جواب دیا "جناب وہ تو آپ مجھے کل ملازمت سے برطرف کرائیں گے۔ اس وقت تو آپ اس معاملے میں بات کریں۔ ہم ملازمتوں کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں"۔

غرض یہ انداز تھا اس دور کے سیاسی کارکنوں کا۔ انہیں نہ کوئی وزیر مرعوب کر سکتا تھا۔ اور نہ وہ ملازمتوں کی پرواکرتے تھے بہرحال ان کے احتجاج کے نتیجے میں صوفی عبدالغفور صاحب غفرلہ ہو گئے اور مرزائیت کے پھیلنے کا خطرہ ٹل گیا۔

یہاں یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ جب صوفی عبدالغفور صاحب بطور ایجوکیشنل سپرنٹنڈنٹ مدارس کے معائنہ پر تعینات تھے تو ایک دن صادق ڈین ہائی اسکول کے معائنہ کے لئے بھی گئے اور نچلی منزل میں ہیڈ ماسٹر سے ملے بغیر ہی معائنہ شروع کر دیا۔ ان دنوں اسکول کے ہیڈ ماسٹر رخصت پر تھے اور ان کی جگہ ماسٹر حفیظ اللہ انچارج ہیڈ ماسٹر تھے۔ یہ اوپر کی منزل میں تھے انہیں صوفی صاحب کے آنے کی اطلاع دی گئی مگر یہ اپنے کمرے میں بیٹھے رہے۔ اور چپراسی کو ہدایت کر دی کہ وہ کسی آنے والے کو نہ روکے چنانچہ جب صوفی صاحب بغیر اطلاع ان کے کمرے میں پہنچے تو انہوں نے کڑک کر کہا۔ "آپ کون ہیں اور بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں آئے ہیں"؟ صوفی صاحب نے تعارف کرایا لیکن ماسٹر صاحب یہی کہتے رہے کہ میں یاد نہیں کر سکتا کہ آپ کوئی افسر ہیں۔ آپ کو تو ملاقات کا سلیقہ ہی نہیں۔ مجھے آپ کی تقرری کا کوئی علم نہیں۔ آپ مہربانی کرکے فوراً میرے دفتر سے چلے جائیں"۔ اور صوفی صاحب پشیمانی اور شرمندگی کے عالم میں کمرے سے باہر چلے گئے۔

واضح ہو کہ ماسٹر حفیظ اللہ صاحب کے بھائی محمد شفیع شاہ صاحب انجمن کے باقاعدہ رکن تھے خود ماسٹر صاحب انجمن کے معاونین میں سے تھے اور انجمن کی کارکردگی اور پروگرام سے متاثر تھے۔

انجمن خدام الدین جہاں خود بڑی سرگرم عمل تھی وہاں اس کی خواہش تھی کہ انجمن مؤید الاسلام اور جمعیت المسلمین بھی حرکت میں آئیں۔ چنانچہ اس کے ارکان نے ان انجمنوں کی رکنیت بھی قبول کی اور اس طرح انہیں متحرک کرنے کی بھی کوشش کی۔ جمعیت المسلمین کو انجمن خدام الدین کے ارکان کے متعلق یہ گمان تھا کہ یہ لوگ شاید نواب صاحب بہاولپور کے خلاف ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کی شمولیت جمعیت المسلمین کے لئے مشکلات اور پریشانیوں کا موجب بن جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں باقاعدہ ان سے وضاحت طلب کی گئی اور جب تک ان ارکان نے اپنے متعلق پورا اطمینان نہیں دلا دیا انہیں جمعیت کا رکن نہیں بنایا گیا۔ حقیقتاً یہ لوگ ریاست یا امیر بہاولپور کے بدخواہ نہیں تھے۔ بلکہ یہ چاہتے تھے کہ ریاست میں اسلامی شعائر فروغ پائیں اور مسلمان اقتصادی معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے منظم و مستحکم ہوں۔ لیکن چونکہ یہ لوگ زیادہ تر نوجوان تھے۔ اور ان کے جذبات میں بھی خاصی شدت تھی اس لئے بوڑھے کارکن ان سے خائف رہتے تھے بہر حال ان کی بدولت ریاست میں سیاسی گہما گہمی کا آغاز ہوا۔ اور مسلمانوں میں اب تک جمود اور بے حسی کی جو کیفیت تھی وہ دور ہو گئی۔

دینی حمیت کا ایک اور واقعہ

انجمن خدام الدین کے کارکن دینی حمیت کے معاملے میں بھی بڑے حساس تھے اور وہ اکثر ایسے اقدامات کرتے رہتے تھے جن سے دینی حمیت آشکارا ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے ردی میں بکنے والے اور سودا سلف میں استعمال ہونے والے ایسے کاغذوں کو بے حرمتی سے بچنے کے لئے زبردست مہم چلائی جن پر قرآن و حدیث اور اللہ و رسولؐ کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں احمد پور شرقیہ کے صابن ساز لیلا رام اور شو مرچنٹ بہاری لعل سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ صابن اور جوتوں پر احمد پور کا ٹھپہ لگانا بند کر دیں کیونکہ اس طرح لفظ پاک "احمد" کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

مسلمانوں میں تجارت کی تحریک

ایک مرتبہ ریاست کے ہندوؤں نے اپنے کچھ فرقہ وارانہ مطالبات کی آڑ میں ہڑتال کی۔ تمام بازار بند ہو گئے۔ چونکہ ریاست کی تجارت کلیتہً ہندوؤں کے قبضے میں تھی اور بازاروں میں سوائے نانبائیوں کے کوئی دوکان مسلمانوں کی نہیں تھی اس لئے مسلمانوں کو سودا سلف خریدنے میں بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس صورتِ حالات نے مسلمانوں کو دوکانداری کی طرف مائل کیا ادھر انجمن خدام الدین اور جمعیت المسلمین کے کارکنوں نے بھی مسلمانوں کو تجارت میں حصہ لینے پر راغب کیا۔ جگہ جگہ ان کی دوکانیں کھلوائیں اور پھر گاؤں گاؤں قریہ قریہ جا کر یہ تبلیغ کی کہ مسلمان اپنی ضرورت کی اشیاء مسلمان دوکانداروں سے خریدیں۔ چنانچہ بہاولپور شہر کے عین چوک میں ہندوؤں کے بالمقابل ایک دوکان جنرل مرچنٹس کی چوہدری رحمت اللہ صاحب کو کھلوائی گئی۔ یہ ان دنوں محکمہ مال میں پٹواری تھے۔ انہیں ملازمت سے استعفیٰ دلوایا گیا تھا۔ اور کاروبار کے لئے کئی دوسرے صاحبان نے دوکان میں اپنا حصہ ملایا تھا۔ اسی

طرح سبزی منڈی میں حاجی خلیل احمد اور غلہ منڈی میں حاجی محمد اشرف کو دوکانیں لیکر دی گئیں اسکے بعد ۱۹۳۹ء میں ایک تجارتی ادارہ مسلم ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے قائم کیا گیا جس نے تجارتی لائسنس اور برآمدی پرمٹ حاصل کر کے تجارتی سرگرمیوں کو کافی آگے بڑھایا مسٹر علی احمد فرحت کمپنی کے منیجر تھے کہتے ہیں کہ کمپنی کو پہلے سال ۶۲ ہزار روپے کا منافع ہوا۔

انجمن خدام الدین کی سرگرمیاں اصلاح رسوم تک محدود نہیں رہی تھیں۔ اب انجمن خدمت خلق ترقی تعلیم انسدادِ مرزائیت تبلیغ واشاعت اسلام۔ اصلاح دیہات۔ تنظیم مساجد اور ترقی تجارت کے سلسلے میں بھی کوشاں تھی۔ انجمن کے ہر رکن پر انجمن کے کاموں میں عملی طور پر حصہ لینا ضروری تھا۔ انجمن کے قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ قوانین ناقابل تنسیخ تھے حتیٰ کہ مجلس شوریٰ کو بھی انہیں کالعدم کرنے کا اختیار حاصل نہ تھا۔

سیاسی حقوق کا مطالبہ

انجمن نے دینی اور فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات میں بھی دلچسپی لینی شروع کی اور جمعیۃ المسلمین کے ساتھ مل کر اس کام کا آغاز کیا۔ عموماً جو سیاسی مطالبات ہوتے تھے وہ جمعیت کی طرف سے ہی پیش کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جب اس کی سرگرمیاں بڑھیں تو حکومت کے عتاب کا بھی اسی کو سامنا کرنا پڑا۔ جمعیۃ نے مسلمانان بہاولپور کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسے کئی اشتہار شائع کئے تھے۔ جن میں ریاست کی بہبودی کے لئے میونسپل بورڈ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اور لیجسلیٹو کونسل کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومت نے اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے جمعیۃ کے ارکان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کرائی اس میں یہ کہا جاتا تھا۔ کہ جمعیۃ نے محض فتنہ پردازی اور ریاست کی پرامن فضا کو مکدر کرنے کے لئے یہ مطالبات پیش کئے ہیں۔ ورنہ ان مطالبات کو پبلک کی حمایت حاصل نہیں۔

اس صورتِ حالات سے نمٹنے کے لئے یکم اگست ۱۹۴۳ء کو انجمن خدام الدین کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں یہ طے کیا گیا کہ انجمن اور جمعیۃ مل کر مسلمانان بہاولپور کے سیاسی مطالبات مرتب کریں اور انہیں باقاعدہ اعلیحضرت امیر بہاولپور کی خدمت میں پیش کیا جائے چنانچہ ۲ اگست ۱۹۴۳ء کو ایک مشترکہ اجلاس میں مطالبات کا مسودہ مرتب کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حضرات شریک مشورہ تھے :-

(۱) سردار غلام حسن خانصاحب (۲) حکیم محمد عبدالرشید صاحب (۳) حاجی محمد عبدالعزیز صاحب (۴) مولوی شیخ محمد (۵) حافظ لعل دین صاحب (۶) منشی کریم بخش صاحب (۷) منشی محمد عظیم صاحب۔ (۸) مولوی محمد رمضان صاحب (۹) مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ (۱۰) مولوی عبیداللہ صاحب (۱۱) سید محمد خانصاحب (۱۲) میاں اللہ ڈیوایا صاحب (۱۳) مستری فضل الدین صاحب (۱۴) حاجی محمد عبدالرحمٰن صاحب

(۱۵) حاجی محمد حسین صاحب (۱۶) منشی عبدالستار صاحب (۱۷) مولوی احمد یار صاحب (۱۸) صاحبزادہ محمد یار خان صاحب (۱۹) شیخ تاج الدین صاحب نومسلم (۲۰) منشی اللہ دِتہ صاحب (۲۱) ڈاکٹر محمد عبدالقادر خان صاحب (۲۲) حکیم حافظ محمد یار صاحب (۲۳) سردار محمد نواز خان صاحب (۲۴) پیر جی ظہور الحسن صاحب (۲۵) مستری محمد بخش صاحب (۲۶) عبدالکریم صاحب رحمانی (۲۷) مولوی منظور الحسن صاحب۔ (۲۸) مولوی محمد عبدالرشید صاحب (۲۹) میاں فیض محمد صاحب چوڑ گیرہ (۳۰) ماسٹر عبدالمجید صاحب رحمانی (۳۱) منشی عبدالمجید صاحب (۳۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب خالد امام جامع مسجد (۳۳) خان محمد یار خان صاحب (۳۴) ماسٹر حفیظ اللہ صاحب (۳۵) مولوی محمد داؤد صاحب۔

اس کے بعد اعلیحضرت سرکار والا سے استدعا کی گئی کہ ان کے ایک وفد کو شرف باریابی بخشا جائے تاکہ وہ اپنے مطالبات ان کی خدمت میں پیش کریں۔ اعلیحضرت ان دنوں شملہ میں قیام فرما تھے۔ ریاست کے پرائم منسٹر بھی وہیں تھے۔ لہٰذا جمعیتہ کے صدر خان غلام حسن خان صاحب کی طرف سے ایک تار شملہ بھیجا گیا جس کے جواب میں پرائم منسٹر کا یہ خط موصول ہوا۔

دی ورلی شملہ

۶ اگست ۱۹۳۳ء

ڈی۔ او لیٹر نمبر ۵۰۱۵ سی

ڈیر خانصاحب بحوالہ آپ کے تار جو آپ نے حضور سرکار عالی دام اقبالہ، و ملکہ، اور مجھے بھجوایا ہے۔ حضور سرکار عالی بخوشی آپ کے وفد کو واپسی بہاولپور جو ستمبر ۱۹۳۳ء کے آخر میں ہو گی۔ شرفِ باریابی بخشیں گے۔ قطعی احکام سوال مذکور پر جو آپ نے تحریر کیا ہے منظور نہیں کئے جائیں گے۔ تاوقتیکہ آپ کے وفد کو باریابی نہ ہو جائے۔

آپ کا مخلص

"نبی بخش محمد حسین"

ستمبر میں اعلیحضرت شملہ سے واپس آئے تو جمعیتہ اور انجمن کے ارکان نے حسب تحریر پرائم منسٹر ملاقات کی کوشش کی لیکن یہ ملاقات نہ ہو سکی آخر ۲۹ فروری ۱۹۳۴ء کو ایک وفد نے یہ مطالبات پرائم منسٹر صاحب کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کئے کہ انہیں بارگاہِ خسروی میں پیش کر دیا جائے۔

وفد میں مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بھی تھے۔ انہوں نے مطالبات کی تمہید کے طور پر ایک مختصر تقریر کی اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے انہیں پڑھ کر سُنایا۔

مطالبات کی تفصیل یہ تھی:-

امور مذہبی۔ (۱) مسلمانوں کے تنازعات متعلق نکاح۔ طلاق۔ وراثت۔ بلوغ۔ تابع شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کئے جائیں۔

(۲) تنازعات مندرجہ معروضہ نمبر۱ کے تصفیہ کے لئے دارالشریعت کا قیام ضروری ہے دارالشریعت قائم کیا جائے۔

(۳) مسلم اوقاف کا انتظام مسلم جماعت منتخبہ کے سپرد کیا جائے۔

(۴) مسجد کوچہ گھمن مل والی قریب مکان خان بہادر جنرل عبدالرحمٰن بند ہے اور ایسی دیگر مساجد خواہ کسی جگہ واقع ہوں وہ مسلمانوں کے حق میں آزاد کی جائیں۔

(۵) توسیع جامع مسجد شریف جو حکومت کے زیر غور ہے اس کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائی جاوے اور مکانات سرکاری عقب مسجد شریف کا فوری قبضہ بحق مسجد شریف عطا فرمایا جائے۔

امور تعلیم۔ (۱) تعلیم کا انتظام کسی منسٹر کی سرپرستی میں بورڈ کے سپرد کیا جائے۔

(۲) صنعت وحرفت کی تعلیم کا انتظام فرمایا جائے۔

(۳) کالج اپنے اخراجات کے لحاظ سے جو اس پر ہو رہے ہیں باشندگان ریاست کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ اس خرچ سے طلبا کو وظائف دے کر باہر تعلیم دی جا سکتی ہے اور ہائی اور پرائمری اسکولوں اور صنعت وحرفت کے لئے بھی اخراجات کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

(۴) مسلمانوں کو عربی کی تعلیم اور دینی تعلیم لازمی طور پر دی جائے اور ان مضامین میں پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے۔

(۵) عربی مدارس جو تخفیف عام میں تخفیف کر دیئے گئے ہیں وہ پھر جاری کر دیئے جائیں۔ علوم اسلامیہ کی خدمت جس قدر وسیع کی جا سکتی ہو اُس میں وسعت دی جائے۔

امور سیاسی۔ (۱) ڈسٹرکٹ بورڈ مقرر کئے جائیں۔

(۲) پنچایتی عدالتیں ریاست میں کھولی جائیں۔

(۳) وقت کا تقاضا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ لیجسلیٹو کونسل (اسمبلی) ریاست ہذا میں منظور کی جائے۔

(۴) تلوار فری کی جائے (یعنی اس پر لائسنس کی کوئی پابندی نہ ہو)

(۵) زمینداران کی امداد ترقی حیثیت اراضی وغیرہ کے لئے تقاوی کا انتظام جو کچھ عرصہ سے ملتوی ہے پھر فیاضی سے جاری کیا جائے اور اس پر سود نہ لیا جائے جیسا کہ پہلے کرنل گرے صاحب

بہادر اور عہد کونسل آف کریجنسی میں اس کا عمل رہا ہے۔

(۶) جدید سکیم آبپاشی توقعات کے موافق کامیاب نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ بمقابلہ سابق انتظام آبپاشی کے حال کے انتظام آبپاشی سے جھاڑ پیداوار میں کوئی بیشی نہیں ہوگی۔ نیز نرخ حال تشخیص کے نرخوں سے بہت کم ہے۔ ان حالات میں آبیانہ د مالیہ میں جو بیشی ہوئی ہے۔ قابل نظر ثانی ہے اور چونکہ جھاڑ پیداوار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اور نہ نرخوں میں زمینداروں کو کوئی فائدہ ہے لہٰذا خوش حیثیتی معاف فرمائی جائے اور غیر مستقل اراضیات پر خوش حیثیتی کی میعاد پانچ سالہ بھی گذر چکی ہے خرابہ کے لئے پہلے زبانی درخواستیں کافی سمجھی جاتی تھی۔ اب ایک خاص مجوزہ فارم میں نمبر جنس رقبہ کاشتکار وغیرہ اور خاص تاریخ کے اندر درخواست دینے کی پابندی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خرابہ میں جو مشکلات زمینداران کو پیش آتی ہیں اس میں اس ہماری زبانیں بند ہیں۔ برائے رعایا پروری خرابہ کے متعلق اور قواعد خرابہ میں غور فرما کر سہولت پیدا کی جائے۔

(۷) ریاست کے دفتر کی سرکاری زبان اردو ہے مگر اب سرعت کے ساتھ انگریزی خط و کتابت بڑھ رہی ہے اس تبدیلی کو بحدِ امکان روکا جائے۔

(۸) میونسپل کمیٹیوں میں آنریری خدمات لینے سے اخراجات کم کر کے رفاہِ عام پر خرچ کیا جائے

(۹) عصمت فروش عورتیں جو سر بازار نمائش کر کے زنا کی تحریک پیدا کرتی ہیں ان کو زنا سے قطعاً روکا جائے اور کسی طرح بھی ان کے ایسے پیشہ میں سہولیت نہ دی جائے اور اس پیشہ کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔

(۱۰) مسلمانوں کے حقوق ہر شعبہ میں تناسب آبادی کے لحاظ سے دئے جائیں اور اس وقت جس شعبہ میں مسلمانوں کی تناسب کے لحاظ سے کمی ہو پہلے یہ کمی پوری کی جائے۔

(۱۱) ریاست میں قدیم سے یہی دستور رہے کہ وزیر اعظم مسلمان ہوتا چلا آیا ہے۔ ریاست کی روایات قدیم اور مسلمانوں کے اس حق کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا جائے۔

(۱۲) بلحاظ کساد بازاری و اقتصادی حالات ریاست کی مسلم رعایا وکلاء کے تقرر اور اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور پنجاب میں بھی وکلاء کے وجود سے رعایا پنجاب تہ بار ہو چکی ہے۔ اس لئے ریاست میں وکلاء کا سسٹم بھی نہ ہونا چاہیئے۔ اور اس وقت جو بیرونی وکلاء کو مقدمات میں پیش ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ بھی نہ ہونی چاہیئے۔

(۱۳) زمیندار اور کاشتکار طبقہ کے مسائل کی تحقیقات کے لئے ایک انکوائری کمیٹی

مقرر کی جائے۔

(۱۴) کچھ عرصہ سے بقایا معاملہ زمین کے عوض کھاتہ جات ملکیت کو بعلت بقایا ضبط کر کے سرکاری ملک قرار دیا جا رہا ہے۔ گورنمنٹ ریاست اس سے آگاہ ہے کہ جن نرخوں پر معاملہ تشخیص کیا گیا تھا۔ اب اس سے نرخ پچاس فیصدی سے زیادہ کم ہو گئے ہیں۔

(۹) زمینداران کساد بازاری اور بدحالی کے مصائب کا مقابلہ کرتے کرتے عاجز آ گئے ہیں۔ دفعہ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ایکٹ مال گذاری پر عمل کرنے سے وصولی بقایا ہو سکتی ہے۔ مالک کو اس کی حقیت سے مدامی محروم کرنے والی سنگین کاروائی سے روکا جائے۔

(ب) بقایا معاملہ کی علت میں گرفتاری و حراست میں رکھنے کی کاروائی عام طور پر اختیار کی جا رہی ہے۔ اور کسی زمیندار کو بھی اس ذلیل کن تدارک وصولی سے امن نصیب نہیں ہے۔ آج کل زمینداری نہایت ذلیل ترین پیشہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ منافع کم ہے اور مضرات زیادہ ہیں۔ حالات وقت کے اثرات کو وصولی کنندہ افسران پیش نظر رکھ کر ایسی بے عزت کرنے والی تدابیر سے احتراز فرما دیں۔

(ج) نمبرداران کو دیگر مال گزاران کی بقایا رقوم کی ادائیگی پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ نمبرداران وصولی کنندہ معاملہ ہیں۔ نہ کہ از گرہ خود ادا کنندہ ہیں جو رقوم ان کو وصول نہ ہوں ان کو اپنی گرہ سے ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور نہ ان کو حراست میں رکھا جائے۔

(۱۵) بلحاظ حالات ارزانی نرخ اور اضافہ مطالبات قواعد سود درسود ریاست کے دفعات ذیل کی ترمیم ضروری ہے۔

(۹) دفعہ (۴) کی ضمن (۹۔ ب۔ ج۔ ز) کی رو سے اب تک سود کی شرح ۸عہ اور عا تک رہی ہے۔ موجودہ کساد بازاری اور بدحالی کی وجہ سے اجناس کے نرخ نصف سے کم رہ گئے ہیں۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی بہت انحطاط ہے۔ حالات کے لحاظ سے اس پر غور کیا جاوے۔

(ب) دفعہ (۲) کی رو سے صرف پانچ سالہ حساب کی پڑتال اور سود درسود کی کٹوتی ہوتی ہے۔ بجائے پانچ سال کے شروع حساب سے اس دفعہ کا اطلاق منظور فرمایا جاوے۔

(ج) ۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۶ء تک زمیندار اور کاشتکار سے مراد صاحب زمین اور

کاشتکاری جاتی رہی ہے۔ خواہ صاحب زمین اور کاشتکاران کاموں کے علاوہ اور کوئی کام بھی کرتے ہوں۔ مگر اب ۲۷ر جون ۱۹۲۷ء سے جو یہ قرار دیا گیا ہے کہ زمیندار سے مراد وہ زمیندار ہے کہ جس کا گذارہ محض زمین کی آمدنی پر ہو اس سے وہ زمیندار جس کا گذارا محض زمین پر نہیں ہوتا۔ وہ اس سے محروم ہو گئے ہیں۔

(۱۶) بنظر حالات وقت کساد بازاری صرف قواعد سود در سود مجریہ ریاست ناکافی ہیں اس لئے ساہوکارہ بل مرتبہ مقبول محمود صاحب جو پنجاب میں پیش ہوا تھا۔ وہ حالات ریاست پر مبنی مطابق ہے۔ اس کا اجرا ریاست ہذا میں منظور فرمایا جا کر مقروض آبادی کو ساہوکارانہ بے ضابطگیوں سے بچایا جائے۔

خاکساران

اراکین جمعیتہ المسلمین بہاولپور

انکشافِ حقیقت

جب ان مطالبات کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بلکہ ان کے خلاف حکومت کے اشارے پر کچھ لوگوں نے پراپیگنڈہ مہم تیز کی تو ایک پمفلٹ کی جس کا "انکشاف حقیقت" عنوان تھا۔ مولوی محمد عبدالعزیز صدر جمعیتہ المسلمین کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ

"ان معروضات میں معروضہ اسمبلی کو بار بار پڑھیے اور پورے اطمینان قلب اور صاف نیت کے ساتھ پڑھیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ لیجسلیٹو کونسل (اسمبلی) کے معروضہ کو وقت کی ایک اہم ضرورت کے ساتھ تعبیر کر کے اس کے فوری قیام کی استدعا کی گئی ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں

"ضروریات وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو لیجسلیٹو کونسل (اسمبلی) ریاست ہذا میں منظور فرمائی جاوے"

"آج سے دس سال پہلے کے حالات و واقعات کی رفتار کا مطالعہ کرتے ہوئے مدبرین ریاست نے کسانوں کاشتکاروں زمینداروں، پیشہ وروں اور مزدور طبقہ کے تمام معاشی تمدنی۔ اخلاقی۔ سیاسی ضروریات اور تکالیف کے دور کرنے کا واحد علاج لیجسلیٹو کونسل قرار دیا تھا۔ تو آج سات سال کے بعد جب دوسری قومیں اور ملک حالات کے ماتحت پوری سرعت و تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے ہیں اور جنگل کی آگ کی طرح آئینی اصلاحات اور ہر قسم کی ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ بہاولپور کے لئے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کو اسمبلی کی ضرورت نہیں جہاں تک صداقت اور اصلیت کا تعلق ہے حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ کہ عوام کی تکالیف

کا علاج اب رائے عامہ کی تنظیم (اسمبلی یعنی غربا کے دُکھ درد اور تکالیف کے انسداد کرنے والی منتخبہ جماعت جو پبلک کے سامنے جوابدہ ہوگی) کے سوا کچھ نہیں۔

"وہ لوگ واقعی بھولے اور سادہ لوح ہیں۔ جو اس وقت کسی لالچ یا دباؤ میں آکر یہ کہنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں کہ ہمیں سرے سے اسمبلی کی ضرورت ہی نہیں۔ حکومت اور حکومت کے نادان دوست ذاتی اغراض کے بندے اور غربا کے کھلے دشمن، دیہاتی طبقہ کی اخلاقی کمزوریوں مالی مجبوریوں اور ان کی جہالت سے فائدہ اٹھاکر جس طرح خوف زدہ کرکے انہیں مختلف قسم کی تحریروں پر مجبور کر رہے ہیں۔ نیز خود ملازمانِ سرکار وا جیرانِ حکومت پبلک اور ملازمانِ سرکاری سے مختلف قسم کی دھمکیوں اور مثلاً علیحدگی ملازمت اور عوام کو جوری دریاست بدر کے ناجائز دباؤ سے حکومت کے حق میں جو دستخط حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ اس امر کی بجائے خود دلیل ہے کہ عوام کے دکھوں اور مصیبتوں کا واحد علاج اسمبلی ہے۔

"اس وقت جبکہ بدنظمی کا دور دورہ اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہے اور ملازمین لوگوں کو خوفزدہ کرکے ناجائز دولت حاصل کرنا اپنے لئے شیر مادر سمجھتے ہیں اس امر کی ضرورت ہے کہ ان مظالم اور رشوت ستانی کے صحیح واقعات اپنے ولی نعمت تاجدار عباسی خلد اللہ و ملکہٗ کی بارگاہِ خسروی میں پیش کرکے اصلاح کے لئے مستدعی ہوں چونکہ پبلک کے خدام کو بارگاہِ ہمایونی میں باریاب ہو کر پبلک کی مظلومیت کی داستان پیش کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا نہ ہی ریاست میں کوئی ایسا اخبار ہے جس کے ذریعہ غریب مفلس رعایا کی تباہ حالی کی داستانِ غم بارگاہِ خسروی میں سنائی جا سکے۔ ہم خادموں کے لئے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ٹریکٹوں کے ذریعہ اپنی نحیف اور کمزور لیکن غم و الم سے پُر اور حق و صداقت پر مبنی آواز اپنے والیٔ ریاست خداداد ادام اللہ اجلالہا کی بارگاہ عالی میں پیش کرکے داد رسی کے طالب ہوں۔

"حقیقت میں یہی واقعات اور وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اسمبلی کے قیام کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے"۔

انجمن خدام الدین حزب اللہ میں تبدیل ہوگئی

۱۲ر جنوری ۱۹۴۳ء کو انجمن خدام الدین کی ایک میٹنگ میں انجمن کا نام تبدیل کرکے حزب اللہ رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں جو تجویز منظور ہوئی تھی اس کے الفاظ یہ تھے:-

"انجمن خدام الدین کی تشکیل کچھ ہنگامی طور پر کی گئی تھی اور اس لئے جماعت کے

نام پر خاص توجہ نہ دی جاسکی۔ قوم اور خصوصاً نوجوانوں نے اپنے قیمتی اوقات کا بیشتر حصہ خدمتِ دین کے لئے پورے عزم و استقلال کے ساتھ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ ہمارا دستور العمل قرآن پاک ہے۔ بہتر ہو کہ نام بھی وہی رکھا جائے۔ جس سے کتاب اللہ میں اللہ پاک نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور وہ حزب اللہ ہے۔ اس لئے آئندہ کیلئے جماعت کا نام "حزب اللہ" رکھا گیا۔"

حزب اللہ نے اساتذہ اور تعلیمی اداروں پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔ تقریباً ہر سکول میں حزب اللہ کے رضا کار پیدا کئے۔ جو مختلف رفاہی اور دینی کاموں میں جماعت کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ دینی و تبلیغی جلسوں کا اہتمام اور باہر سے آنے والے علماء کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ عیدین کے موقعوں پر عید گاہ میں صفیں درست کرانا اور مختلف تبلیغی اشتہارات عوام میں تقسیم کرنا اور دیواروں پر چسپاں کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلے کے متاثرین کی انہوں نے بڑی مدد کی۔ جو سپیشل ٹرینیں ان دنوں بہاولپور ریلوے اسٹیشن سے گزرتی تھیں ان کی خدمت کیلئے حزب اللہ کے رضا کار اسٹیشن پر موجود ہوتے تھے ریاستی حکومت نے بھی اس موقع پر بڑی انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا تھا۔ خود نواب بہاولپور زلزلے سے متاثرین کی دلجوئی کیلئے اسٹیشن پر بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے تھے۔ حزب اللہ نے چندہ جمع کر کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا تھا اور اسٹیشن پر پانی کی سبیلیں لگائی تھیں۔

تحریکِ ختم نبوت

حزب اللہ نے ریاستی مسلمانوں میں جو دینی حمیت پیدا کی تھی اس کا زبردست مظاہرہ اس وقت ہوا جب ایک قادیانی مرد کے ساتھ ایک مسلمان لڑکی کے عقدِ نکاح کے خلاف بہاولپور کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ قصہ یہ تھا کہ ایک شخص مسمی الٰہی بخش نے اپنی نابالغ لڑکی مسماۃ عائشہ کا نکاح مسمی عبدالرزاق سے کیا۔ عبدالرزاق اور الٰہی بخش آپس میں پہلے سے رشتہ دار تھے۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد عبدالرزاق نے اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کر کے مرزائی مذہب اختیار کر لیا اور اپنے قادیانی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران اس نے اپنی منکوحہ کی رخصتی کا مطالبہ اس کے والدین سے کیا۔ اب لڑکی بالغ ہو چکی تھی لہٰذا اس نے نہ صرف یہ کہ رخصتی سے انکار کیا۔ بلکہ اپنی نابالغی کے زمانے کے نکاح کو بھی قبول نہ کیا۔ چنانچہ لڑکی کے والد نے اس کے مختار کی حیثیت سے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ اسلام کے مسلمہ قانون کے تحت

کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کسی مرتد کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ اس لئے اس نکاح کو فسخ تصور کیا جائے۔

پہلے پہل یہ مقدمہ عدالت منصفی احمد پور شرقیہ میں ۲۴ر جولائی ۱۹۲۶ء کو دائر ہوا تھا مدعیہ نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ :۔

" مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے مدعا علیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کر کے قادیانی مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس کے مرتد ہو جانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے۔ بموجب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعا علیہ مدعیہ مستحق انفراق زوجیت ہے اس لئے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کی جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہو جانے مدعا علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔"

مدعا علیہ نے اس کے جواب میں جو بیان عدالت میں داخل کیا وہ اس کے مذہبی معتقدات کا آئینہ دار تھا لیکن اس کے بعض حصے قانونی نقطۂ نظر سے اس کے خلاف جاتے تھے اس لئے اس نے اس میں ترمیم کی کوشش کی جس کی اجازت نہ ملی۔ آخر ڈسٹرکٹ جج بہاول پور کی عدالت میں اس نے اپنا مقدمہ منتقل کرا لیا۔ اور یہاں انگریز ججوں کے ایسے رولنگ پیش کئے جن میں مدعیہ کے مذکورہ موقف کے خلاف فیصلے ہو چکے تھے۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ جج بہاول پور نے اسی بنیاد پر مدعیہ کا مقدمہ خارج کر دیا۔ مدعیہ کی طرف سے چیف کورٹ میں اپیل کی گئی لیکن وہاں سے بھی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نہ ہوا اس کے بعد سپریم کورٹ کونسل بہاول پور میں از سر نو مدعیہ کی طرف سے مقدمہ دائر کیا گیا۔ کونسل کے ارکان میں نبی بخش محمد حسین وزیر اعظم بہاول پور کے علاوہ سردار امیر خان جلوانہ۔ شیخ حفیظ اللہ۔ مہتہ اودھو داس۔ کرنل مقبول حسن قریشی۔ میجر شمس الدین محمد اور ایک انگریز ریونیو منسٹر شامل تھے۔

ان دنوں وزیر عدل و انصاف کے دفتر میں ایک مرزائی ایک کلیدی آسامی پر تعینات تھا اس نے مقدمہ کی کارروائی کو تہ و بالا کرنے کی سازش کی اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی وزیر مصلحتی دوروں پر روانہ ہو گئے۔ یہ صورت حالات مسلمانانِ بہاول پور کے لئے تشویش کا موجب تھی صلاح و مشورہ کے بعد آخر مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ نے وزیر اعظم بہاول پور سے ملاقات کی۔ مذہبی حلقوں میں شیخ الجامعہ صاحب کا بڑا وقار تھا۔ سرکاری افسر

بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے چنانچہ جب وہ وزیراعظم سے ملے تو ان سے بڑے پرجوش انداز میں کہا کہ

"میں آج تمہارے لئے جنت کی سند کا سامان لایا ہوں اگر تم چاہو تو یہ تم کو مل سکتی ہے"

اس کے بعد انہوں نے دشمنانِ اسلام کے مذموم عزائم سے انہیں آگاہ کیا۔ ان کی گفتگو اس قدر موثر تھی کہ نبی بخش محمد حسین نے فوری طور پر کونسل کا اجلاس طلب کر لیا جو وزیر دورے پر جانے کیلئے پا بہ رکاب تھے انہیں اپنے دورے منسوخ کرنے پڑے۔

کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو مدعیہ کی طرف سے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مدعا علیہ کی طرف سے قادیان کا ایک نمائندہ پیش ہوا۔ شیخ الجامعہ صاحب نے کونسل کے سامنے تحریری بیان پیش کرنے کے ساتھ زبانی یہ کہا کہ

"میں قرآن کی ہر آیت سے ختم نبوت ثابت کر سکتا ہوں"۔

انگریز وزیر شیخ الجامعہ صاحب کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا جب اس نے یہ دعویٰ سنا تو بولا کہ "اچھا مولانا آپ قرآن کی پہلی آیت سے اپنا دعویٰ ثابت کریں"

شیخ الجامعہ صاحب نے فوراً آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ "قرآن نے ایمان والوں کی علامت یہ بیان کی ہے کہ وہ تین چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں

۱۔ ما انزل الیک۔ یعنی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

۲۔ ما انزل قبلک۔ یعنی جو آپ سے پہلے اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا۔ اور

۳۔ یوم آخرت پر

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف روز قیامت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی چیز منزل من اللہ ممکن ہوتی تو وما انزل من بعدک ضرور کہا جاتا"

انگریز وزیر اس جواب سے بیحد متاثر ہوا۔ اس کے بعد ہندو وزیر مہتہ اودھو داس نے مدعا علیہ کے مختار سے دریافت کیا کہ کیا اسے شیخ الجامعہ صاحب کے اس بیان سے اختلاف ہے؟

اس نے کہا کہ ہاں مجھے اعتراض ہے۔ اس آیت میں وبالآخرۃ سے مراد النبوۃ الآخرہ

ہے۔ اس پر ہندو وزیر نے کہا کہ "آخرت کے معنی یہ تو نہیں اس سے
تو ساعت آخرہ مراد ہے"۔ ہندو وزیر نے مزید کہا کہ یہ تو ہماری ہندوانیاں بھی جانتی ہیں۔ کہ
آخرت سے مراد روز قیامت ہے"۔
یہ بحث یہیں ختم ہو گئی اور کونسل نے ڈسٹرکٹ جج کو از سر نو مقدمہ کی کارروائی سننے
کے لئے مقرر کیا۔ اس سلسلہ میں کونسل نے چند خطوط بھی متعین کئے جن کی روشنی میں ڈسٹرکٹ جج
کو مقدمہ کی سماعت کا حکم دیا گیا۔ حکم میں لکھا گیا تھا کہ
"عدالت ہذا سے فریقین کے پیش کردہ اسناد پر بحث کئے بغیر دعویٰ مدعیہ خارج
کر دیا گیا ہے اور فاضل جج ان چیف کورٹ نے اپنے فیصلے میں یہ تسلیم کیا ہے
کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں غیر متعلق
سوال زیر بحث رہے ہیں البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ اے۔ انڈین کیسز ۶ ۷ میں سوال زیر
بحث بعینہٖ یہی تھا کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ لیکن ہم نے اس فیصلے کو بغور
مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ فیصلہ مذکورہ بالا
مکمل چھان بین سے طے پایا تھا کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں
کہ ان کے پاس کوئی خاص سند اس بات کی پیش نہیں کی گئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول
ہیں۔ اور ان سے اس حد یا اس درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا کن اسلامی عقائد
کی پیروی یا کن عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے اس فیصلہ میں پھر فاضل ججان یہ تسلیم کرتے
ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علمائے اسلام بہتر فیصلہ کر
سکتے ہیں اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائی کورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں
ہے اور ہمیں مقدمہ ہذا میں اس کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں" اس قرارداد کے ساتھ یہ مقدمہ اس
ہدایت کے ساتھ واپس ہوا کہ "گو مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے
بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے۔ اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم
نبوۃ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔ اور ختم نبوۃ اسلام کے ضروریات میں سے
ہے لہٰذا وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے
لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے

علمائے دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقع دینا چاہیئے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے"۔

اس کے بعد یہ مقدمہ عدالت ڈسٹرکٹ جج میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک زیر سماعت رہا۔ ملکی سطح پر اس سلسلہ میں فرقہ بندی ہوئی تھی۔ فریقین کے ہمخیال علماء ہندوستان کے کونے کونے سے گواہ اور مختار کی حیثیت سے تاریخ پیشی پر آتے۔ عوام میں مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ کمرہ عدالت مقدمہ کی کارروائی سننے والوں سے کھچا کھچ بھر جاتا تھا۔ کمرہ عدالت سے باہر بھی بڑا ہجوم ہوتا تھا جس کی وجہ سے خصوصی طور پر پولیس کا پہرہ لگایا جاتا تھا۔ بعض اوقات ایک ایک گواہ کے بیان پر ایک ایک مہینہ جرح ہوتی تھی۔ مولوی غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ کے پوتے مہری چشتی نے اپنے ایک مضمون میں اس دور کی کیفیت یوں بیان کی ہے

"حضرت شیخ الجامعہ کا گھر سرفروشان ختم نبوت کا گڑھ بن چکا تھا دور دراز سے علماء تشریف لاتے۔ رات بھر علمی مجالس گرم رہتی تھیں۔ کتابوں کے دفتر کھلے رہتے تھے علماء تحقیق میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے حضرت شیخ الجامعہ علمی ضیاپاشیوں سے جویان حق کے دلوں کو نور حقیقت سے مالامال کرتے تھے۔ شب بھر یہ غلغلہ و مشغلہ رہتا تھا۔ اور علی الصبح نعرۂ تکبیر اور غلامانِ نبوت کے اژدحام میں حضرت شیخ الجامعہ عدالت کو روانہ ہوتے تھے۔"

ان دنوں جن علمائے کرام نے اپنی تشریف آوری سے بہاولپور کو رونق بخشی ان میں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ظہور احمد بگوی۔ مولانا معظم علی۔ مولانا نواب دین جھنگ۔ مولانا محمد علی جالندھری۔ مولانا محمد حسین گوجرانوالہ۔ مولانا مفتی محمد شفیع مفتی دیوبند۔ مولانا نجم الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور۔ مولانا خیر محمد جالندھری۔ مولانا عبداللہ درخواستی قاضی احسان شجاع آبادی۔ صاحبزادہ فیض الحسن آلو مہار شریف۔ شیخ حسام الدین۔ ماسٹر تاج الدین۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا محمد داؤد غزنوی۔ مولانا غلام محمد شملوی۔ مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری۔ مولانا منظور احمد نعمانی۔ مولانا عبدالشکور لکھنو۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری۔ مرزا جانباز۔ مولانا امیرالدین جلال آبادی اور مولانا لعل حسین اختر کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بہرحال مقدمہ ہذا میں مسلمانوں کی طرف سے بطور گواہ مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور

کے علاوہ مولانا محمد حسین گوجرانوالہ۔ مولانا مفتی محمد شفیع مفتی دیوبند۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری۔ مولانا نجم الدین اور مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری پیش ہوئے جبکہ مرزائیوں کی طرف سے پیش ہونے والوں میں جلال الدین شمس، اور غلام احمد مجاہد قابل ذکر ہیں۔

عدالت میں علمی بحث تو علمائے کرام کی ذمہ واری تھی۔ دیگر امور جن میں علماء کا استقبال۔ان کی رہائش و طعام کا انتظام۔ علماء کے مواعظ حسنہ کیلئے جلسوں کا اہتمام اور ان کی ہر قسم کی ضروریات کی فراہمی وغیرہ شامل تھی حزب اللہ کے سپرد تھی۔ حزب اللہ کے رضاکار چوبیس گھنٹے ان کی خدمت میں مامور رہتے تھے۔ مقدمے کی کارروائی اخبارات میں بھیجنے کا کام بھی انہیں رضاکاروں کے ذمہ تھا۔

تین سال تک مسلسل یہ مقدمہ عدالت میں زیر بحث رہا۔ تمام ہندوستان میں اس مقدمے کی دھوم تھی۔ جگہ جگہ مسلمان مقدمے کی کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے حج کے موقعہ پر حجاج کرام نے کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس پر مقدمہ میں مسلمانوں کی کامیابی کیلئے دعائیں مانگیں۔

اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جب مقدمہ ڈسٹرکٹ جج کے سپرد ہوا تو اعلیٰحضرت امیر بہاولپور نے جج محمد اکبر کو بلایا اور فرمایا۔

" آپ منصف ہیں آپ جانتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی نہیں فرمائی تھی میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ لیکن دین کا بادشاہ نہیں میں گنہگار ہوں۔ دین میں دخل دینے سے بے حد ڈرتا ہوں۔ مرزائی اگر مسلمان ہیں تو میں خود بھی خدا سے ڈرتا ہوں۔ اور نہیں بھی خدائے ذوالجلال سے ڈراتا ہوں کہ میری گردن میں لکھوکھا مسلمانوں کو کافر گردانے کا بوجھ نہ ڈالنا۔ یہ گنہگار گردن ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یہ کافر ہیں اور تم نے انہیں مسلمان قرار دیا تو اپنی تم جانو میں یہ منہ کس طرح حضور خیر الانام کو دکھاؤں گا۔ میری سرفرازی یا بربادی تمہارے ہاتھ ہے۔"

جج محمد اکبر نے انصاف کا حق ادا کیا۔ فریقین کو پورا پورا موقع دیا کہ وہ اپنے اپنے حق میں دلائل پیش کریں۔ چنانچہ مسلمانوں کی طرح مرزائیوں نے بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اپنے چوٹی کے علماء کی مدد سے اپنا موقف پیش کیا۔ لیکن تین سال کی بحث و تمحیص کے بعد عدالت کو مدعیہ کے حق میں ڈگری دینا پڑی۔ فیصلے کا لب لباب یہ تھا

"مدعا علیہ مرزا غلام احمد کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان

کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امتِ محمدیہ میں قیامت تک
سلسلۂ نبوت جاری ہے اس لئے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدہ امت سے
منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جائے گا۔ اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد
سے فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے
کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی"

اور اس طرح یہ تنازعہ مسلمانوں کے حق میں طے ہوا اور مرزائیوں کو پہلی بار بہاولپور کی عدالت سے مرتد قرار دیا گیا۔

سیاسی محرومیوں کا ردِ عمل

عوام میں سیاسی شعور روز افزوں تھا۔ مسلمان اور ہندو دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے سیاسی حقوق کے لئے سرگرم عمل تھے۔

۱۹۳۵ء میں جب برطانوی حکومت نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی خود مختاری۔ اسمبلیاں اور وزارتیں ہندوستانی عوام کو دیں تو اس وقت ریاست بہاول پور کے عوام میں بھی اپنی سیاسی محرومیوں کا احساس پیدا ہوا۔ ہندوؤں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے خلاف منظم کر رکھا تھا۔ اور ہر شہر اور ہر گاؤں میں پنچائتیں بنا رکھی تھیں جو بظاہر تو ہندو جاتی کی معاشرتی و اقتصادی بہبود کے لئے کام کرنے کا دعوی کرتی تھیں لیکن در پردہ ہندو کانگریس اور مہا سبھا کے زیر اثر تھیں۔ چنانچہ انہوں نے میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں سرکاری نامزد ممبران کے بجائے عوام کے منتخبہ نمائندے لینے کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے تقریباً تین ماہ تک ایجی ٹیشن کیا۔ احمد پور شرقیہ کے مہتہ تولارام اور بہاول پور کے تین ہندو بھگت کنول نین۔ مہاشہ آنند ورما اور خوشی رام مٹریجہ اس ہنگامے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

ہندوؤں پر بغاوت کا مقدمہ

اس سیاسی ہنگامہ آرائی کے نتیجہ میں متذکرہ چار ہندو لیڈروں پر ریاستی حکومت نے بغاوت کا مقدمہ قائم کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ ہندوؤں نے ان گرفتاریوں کے خلاف سول نافرمانی کا مظاہرہ کیا اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی۔ ملتان کے ایک ہندو اخبار نے بھی اس موقع پر ریاستی حکومت کے خلاف زبردست مہم چلائی۔ بہر حال حکومت نے بغاوت

کے اس مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک سپیشل ٹریبونل مقرر کیا جس نے شاہی والا بنگلہ میں مقدمہ کی سماعت کی۔ یہ مقام ڈیرہ نواب سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر قلعہ ڈیراور کی جانب ہے۔ یہاں مقدمے کی سماعت کی مصلحت یہ تھی کہ عام لوگوں میں اس کا کوئی ناخوشگوار اثر مرتب نہ ہو۔ ٹریبونل کے ارکان میں مہتہ اودھو داس سابق جج ہائی کورٹ ریاست بہاولپور شامل تھے۔ ہندوؤں نے مقدمہ کی پیروی کیلئے دہلی کے کئی مشہور مہاسبھائی وکیلوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ ریاستی حکومت کی طرف سے لاہور کے سربرآوردہ مسلم لیگی وکیل ملک برکت علی پیش ہوئے تھے۔

۱۹۳۶ء میں اس مقدمہ کی سماعت مکمل ہوئی اور سپیشل ٹریبونل نے چاروں ملزمان کو بغاوت کا مجرم قرار دیکر سات سال قید کی سزا سنا دی۔ سزایابی کے بعد ایام قید بسر کرنے کے لئے حکومت نے انہیں قلعہ ڈیراور کی جیل میں بھیج دیا۔ ہندو لیڈر اس سزا کی تاب نہ لا سکے اور چند دن بعد ہی نیک چلنی کی ضمانت پر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیئے گئے کہ اگر کسی وقت بھی ان لوگوں نے کوئی شورش برپا کی تو انہیں دوبارہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ لوگ اعلانیہ سیاست سے دستکش ہو گئے۔

بہاولپور میں احراری اثرات کا نفوذ

اسی دور میں احراری لیڈروں کی بہاولپور میں آمدورفت شروع ہوئی۔ یہاں ان کے افکار و معتقدات کے حامل تو پہلے سے موجود تھے ان کے دوروں نے بہاولپور کی عام سیاسی فضا بھی ان کے حق میں ہموار کر دی۔ یہ صاحبان یہاں آتے تو ان کی زبردست پذیرائی کی جاتی۔ جلسے منعقد کر کے ان کی تقاریر کا اہتمام کیا جاتا۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی پرجوش اور پرتاثیر تقریروں نے ان کا یہاں خاصا بڑا حلقہ اثر پیدا کر دیا۔

چونکہ مجلس احرار ہندوستان کی سیاست میں کانگریس کی حلیف تھی اور کانگریس پر ہندوؤں کا غلبہ تھا اس لئے احراری لیڈر کوئی ایسی بات پسند نہیں کرتے تھے جو ہندوؤں سے مخالفت کا موجب ہو چنانچہ جب ان احراری لیڈروں کا بہاولپور کی سیاست میں عمل دخل ہوا تو انہوں نے یہاں بھی ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں ہندو اور مسلمان باہم عناد و مخاصمت کو ترک کر کے متحدہ طور پر ریاست میں سیاسی سرگرمیاں جاری کر سکیں

انیس الغربا کا قیام

حزب اللہ کے چند ارکان نے جن میں مولانا عبدالرحمٰن امام جامع مسجد۔ ماسٹر عبدالمجید رحمانی۔ میاں فیض محمد چوڑیگر اور حاجی اللہ ڈوایا شامل تھے۔ حزب اللہ کے مقابلہ میں "انیس الغربا" کے نام سے ایک الگ جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے نام سے کچھ اشتہارات بھی طبع کر کے عوام میں تقسیم کئے گئے

جیسا کہ اس جماعت کے نام سے ظاہر ہے یہ غریبوں کی خدمت کی دعویدار تھی جن میں بلا استثناء ہندو مسلم سب شامل تھے گویا اگر حزب اللہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا پروگرام رکھتی تھی تو یہ عام غریبوں اور وطن کی خدمت کے لئے میدان عمل میں آئی تھی۔

حزب اللہ کے دوسرے ارکان کو اس نئی جماعت کی تشکیل کا علم ہوا تو انہوں نے "انیس الغربا" کے محرکین سے مل کر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ پہلے سے موجود ایک فعال جماعت کے مقابلہ میں دوسری جماعت بنانے کے بجائے اسی کی جملہ ذمہ داریاں خود سنبھال لیں اور اگر انہیں جماعت کے دوسرے ارکان سے کوئی شکایت ہے تو وہ معمولی ارکان کے طور پر ان کی سرکردگی میں کام کرنے کے لئے تیار ہیں چنانچہ انہوں نے حزب اللہ کا تمام ریکارڈ ان کے حوالہ کر دیا۔ انیس الغربا کے محرکین شاید یہی چاہتے تھے اس کے بعد حزب اللہ ان کے مکمل قبضے میں چلی گئی اور انہوں نے اس کے عہدے آپس میں تقسیم کر لئے۔ تاہم حزب اللہ کے جن ارکان نے پوری جماعت ان حضرات کے سپرد کی تھی وہ بدستور اس کے رکن رہے اور عام رضا کاروں کی طرح اس میں کام کرتے رہے۔ ان ارکان میں منشی عبدالحمید اور حافظ احمد یار کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ستلج ویلی پراجیکٹ

بہاول پور میں سیاسی سرگرمیوں کو تیز کرنے میں ستلج ویلی پراجیکٹ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ یہ منصوبہ ۱۹۲۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۳ء میں مکمل ہوا تھا۔ اس کا مقصد دریائے ستلج کی وادی کو سیراب کرنا تھا۔ اس سے قبل ریاست میں آبپاشی کا انحصار زیادہ تر کنوؤں اور طغیانی کے ندی نالوں پر تھا۔ پرانے زمانے کے انجینئروں نے نالوں کے "موہنے" بنائے ہوئے تھے۔ اور آبپاشی کا پرانا طریقہ چھاپ رائج تھا۔ پہلے پہل ۱۸۵۰ء میں اس نظام آبپاشی کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا اور اس سلسلے میں ریاستی حکومت اور برٹش گورنمنٹ کے مابین مذاکرات ہوئے۔ لیکن ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اور کافی عرصہ تک کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔ ۱۹۲۱ء میں سکرٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا نے ستلج ویلی پراجیکٹ کی تجویز پیش کی جس کے مطابق حکومت ہند۔ بہاول پور اور بیکانیر کے درمیان سہ فریقی ایک معاہدہ طے پایا۔ اور دریائے ستلج پر چار بند تعمیر کرنے کی تجویز منظور ہوئی چنانچہ ایک بند فیروز پور میں حسینی والا کے مقام پر اور تین بند سلیمانکی۔ اسلام اور پنجند ریاست بہاول پور میں تعمیر ہوئے۔ پنجند کلیتاً ریاست کی ملکیت تھا۔ اور اس سے نکلنے والی نہریں ریاست کی آبادی کو سیراب کرنے کے لئے مخصوص تھیں۔ دوسرے بندوں سے نکالی جانے والی نہروں میں سے بہاول پور کو بقدر حصہ رسدی پانی دینا طے پایا تھا جس کے مطابق سترہ لاکھ تیس ہزار ایکڑ اراضی مستقل نہروں اور بارہ لاکھ بہتر ہزار دو سو سولہ ایکڑ اراضی غیر مستقل نہروں سے سیراب ہونی تھی۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ریاست کی حدود میں تقریباً پانچ ہزار میل لمبی نہریں کھودی گئیں۔ چولستان کے وسیع علاقہ میں بھی ان نہروں کا جال بچھایا گیا تھا۔ اور محکمہ انہار کے افسروں کے لئے جگہ جگہ پختہ بنگلے بھی تعمیر کئے گئے تھے۔ یہ اسکیم ۱۹۳۳ء میں مکمل ہوئی۔ اور اس پر مجموعی طور پر ۳۲ کروڑ ۳۱ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ اس میں چودہ کروڑ روپے ریاست کے حصے میں آیا تھا۔ جس میں سے دو کروڑ روپے جو ریاست کے خزانہ میں موجود تھے ادا کر دیئے گئے باقی ۱۲ کروڑ روپے قرضے کی صورت میں باقی رہ گئے۔

یہ بڑا بھاری قرضہ تھا۔ جس کی ادائیگی ۱۹۹۱ء میں جا کر پوری ہونی تھی لیکن اس وقت تک بارہ کروڑ میں ساڑھے پندرہ کروڑ روپے سود کا اضافہ بھی ہو جاتا تھا اس صورتِ حالات سے ریاستی حکومت خاصی پریشان تھی اور اس فکر میں تھی کہ کسی طرح اس بوجھ

سے جلد از جلد چھٹکارہ حاصل کرے۔ ساتھ ہی جب نہروں کا اجراء ہوا تو ریاستی حکومت کو یہ معلوم کرکے مزید دکھ ہوا کہ جو نہریں اور بنگلے چولستان میں تعمیر کئے گئے تھے وہ ماہرین کی غلطی کی وجہ سے کارآمد نہیں تھے۔ کیونکہ وہاں پانی کا پہنچنا ممکن نہ تھا اندازاً ساڑھے چار سو میل کے قریب ایسی نہریں اور متعدد پختہ بنگلے تھے جن کی تعمیر کا خرچ بیکار گیا تھا۔

ریاستی حکومت کو بعض سرکاری دوائر کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ریاست کے حصے کا وہ پانی جو نہروں تک نہیں پہنچ سکتا بیکانیر کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے تاکہ اس طرح کسی حد تک قرضہ کی رقم میں کمی ہو جائے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق ریاست کے مقررہ حصے میں سے پانی کی کافی مقدار بیکانیر کے ہاتھ فروخت کر دی گئی۔

سیاسی حلقوں نے اس اقدام پر سخت تنقید کی اور یہ الزام لگایا کہ بعض سرکاری افسروں نے ریاست بیکانیر سے رشوت لے کر یہ کام کرایا ہے۔ بہرحال پانی کی فروخت کے بعد بھی قرضہ کی ادائیگی کا مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ریاستی حکومت کو اس سلسلے میں مزید موثر اقدامات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ریاست میں کالونائزیشن کی اسکیم بنائی گئی۔ اور غیر آباد زمینوں کو آبادکاری کے شرائط پر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا حکومت نے اس اسکیم میں حصہ لینے کے لئے پنجاب کے کسانوں کو بھی یہاں آنے کی دعوت دی اور اس غرض کے لئے سرکاری وفد پنجاب کے مختلف اضلاع میں بھیجے۔ جنہوں نے پنجاب کے کسانوں کو ریاست میں آنے کی ترغیب دی۔ ریاستی حکومت نے اراضی کی آبادکاری کے لئے نہایت آسان شرائط وضع کی تھیں اور پنجاب سے آنے والے کاشتکاروں کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کی تھیں مثلاً ان اراضی پر پانچ سال تک ٹھیکہ اور آبیانہ معاف تھا اور اراضی کی قیمت انتہائی کم تھی اور وہ بھی اقساط کی صورت میں وصول کی جاتی تھی۔

ریاستی حکومت کی اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کے لئے پنجاب کے کسانوں کی ایک بڑی تعداد ریاست میں آگئی جنہوں نے بڑی محنت اور مشقت سے یہاں کے ریگزاروں کو سبزہ زاروں میں تبدیل کیا اور تقریباً ۲۵ لاکھ ایکڑ رقبہ آباد ہوگیا۔

زمینوں کی آبادی کے ساتھ ہی عین المال اور آبیانہ کی آمدنی میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا۔ اور کسانوں نے آبادکاری کی شرائط پر حاصل کی ہوئی زمینوں کی قیمت قسط وار

ادا کرنے کے بجائے یکمشت ادا کرنی شروع کر دی۔ اس طرح ریاست کے خزانہ میں دیکھتے ہی دیکھتے اتنا روپیہ جمع ہو گیا کہ ریاستی حکومت ادائیگی قرضہ کی آخری میعاد سے ۵ سال قبل یعنی ۱۹۴۶ء کے اواخر تک اپنا حساب بے باق کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

یہ اسی اسکیم کا نتیجہ تھا کہ چند سال میں ریاست کی آمدنی کئی گنا بڑھ گئی مثلاً ۱۹۳۴-۳۵ء تک یعنی ستلج ویلی پراجیکٹ کے اجراء سے پہلے چالیس لاکھ روپے سے زیادہ سالانہ آمدنی نہ تھی اور اس کے بعد ۱۹۴۴-۴۵ء میں یہی آمدنی بڑھ کر سات کروڑ روپے کے لگ بھگ ہو گئی۔ ساتھ ہی ریاست کی پیداوار کی اوسط کافی بڑھ گئی جس سے ریاستیوں کی عام اقتصادی حالت پہلے کی نسبت زیادہ بہتر ہو گئی۔

ریاستی غیر ریاستی کشمکش کا آغاز | اقتصادی خوشحالی کے اس روشن پہلو کے باوجود ستلج ویلی پراجیکٹ کی وجہ سے ریاست کی فضا میں ایک خاص قسم کا سیاسی تکدر بھی پیدا ہوا عوامی سطح پر پنجاب سے آنے والوں کا یہاں دل سے خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ ریاست کی قدیم آبادی کا خیال تھا کہ ان کا حق غصب کر کے پنجاب کے کاشتکاروں کو یہاں زمینیں دی جا رہی ہیں۔ پھر یہ بھی ہوا کہ ستلج ویلی پراجیکٹ کے قرضے کے دباؤ کے تحت برٹش گورنمنٹ نے ریاست کے چند کلیدی عہدوں پر افسران کی تقرری کا حق حاصل کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ افسران باہر سے آتے تھے۔ ریاستی آبادی انہیں اپنا ہمدرد خیال نہیں کرتی تھی۔ ان میں سے بعض کا طرزِ عمل ریاست کے قدیم باشندوں کے ساتھ شاید تھا بھی ناپسندیدہ ریاستی باشندوں کو زمینوں کی الاٹمنٹ میں بھی نو آبادکاروں کے ساتھ ترجیحی سلوک کی شکایت تھی۔ وہ کہتے تھے کہ عمدہ اور ہموار زمین باہر سے آنے والے لوگوں کو دی جاتی ہے جبکہ ناقابل کاشت اور ان گھا ٹرقبے مقامی باشندوں کو دیئے جاتے ہیں ان افسران کے ہاتھوں بعض کم درجے کے ریاستی ملازمین کے ساتھ زیادتی کا الزام بھی تھا اور یہ کہا جاتا کہ یہ افسران ملازمتوں میں ریاستی نوجوانوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان دنوں قدیم ریاستی باشندوں کی طرف سے "اظہار درد" اور ایسے ہی عنوانات سے کئی پمفلٹ بھی شائع ہوئے جن میں پنجاب سے آنے والے افسران کی ریاستی باشندوں کے ساتھ زیادتیوں کی شکایات درج کی گئی تھیں۔

انجمن نو آباد کاران کا قیام

نو آباد کاروں سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قدیم ریاستی باشندوں سے گھلنے ملنے کے بجائے خود کو علیحدہ رکھا جس کی وجہ سے مغائرت کے ساتھ ساتھ غلط فہمیاں بھی جنم لیتی رہیں۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۹ء کو انہوں نے انجمن نو آباد کاران ریاست بہاولپور کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جو آباد کاروں کے حق میں تو شاید مفید ثابت ہوئی لیکن اس سے عصبیت میں اضافہ ہوا۔ یہ انجمن ۲۴ ارکان اور مندرجہ ذیل عہدہ داران پر مشتمل تھی۔

صدر:۔ ڈاکٹر شیخ مہدی حسن ڈی۔ بی۔ ایم مینیجر چک ۴۸/۲-ای آر

نائب صدر:۔ میاں اللہ بخش لالیکا نمبردار چک ۲۳/۳-ای آر

سیکرٹری:۔ مولوی اللہ یار خاں نمبردار چک ۳۴/۴-ای آر

جائنٹ سیکرٹری: ملک جمال الدین مختار چک ۵۲/۴-ای آر

〃 : سردار جوگندر سنگھ نمبردار چک ۵۵/۴-ای آر

اس کے اغراض و مقاصد میں لکھا گیا تھا کہ

"یہ انجمن باشندگان نو آبادی کی تعلیمی۔ اخلاقی۔ معاشرتی اور اقتصادی حالات کو بہتر بنانے اور مزارعان کے تعلقات کو خوشگوار حیثیت سے قائم رکھنے اور حکومت کے ساتھ وفادارانہ جذبات کو برقرار رکھنے بلکہ اس کو زیادہ استوار کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے"

یہ انجمن بڑی فعال تھی اس کی مؤثر نمائندگی کے نتیجے میں آباد کاروں کو ریاست میں کافی مراعات حاصل ہوئیں خاص طور پر ملازمتوں کے سلسلے میں اس کے حقوق تسلیم کر لئے گئے چنانچہ چیف منسٹر کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان جاری ہوا۔

"حسب تجویز اجلاس مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۳۰ء و بحکم ۱۳ر فروری ۱۹۳۰ء از پیش گاہ معلی حضور سرکار عالی دام اقبالہٗ و ملکہٗ منظور ہو چکا ہے کہ آئندہ جو اشخاص بیرون ریاست ہذا کی نو آبادی میں بحیثیت آباد کار کے زمین حاصل کریں اور جن کو حقوق دخیلکاری بھی حاصل ہوں وہ اغراضِ ملازمت ریاست کے لئے ریاستی تصور ہوں گے۔"

اس حکم کا ریاستی باشندوں میں خاصا ردِ عمل ہوا۔ ان کے نزدیک غیر ریاستی افراد کو ملازمتیں دینے میں افسران جس جانبداری کا مظاہرہ کرتے رہے تھے اسے حکومت نے قانونی تحفظ دے دیا تھا۔ غرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے عوامل تھے جن کی وجہ سے ریاست کے قدیم باشندوں میں پنجابی آبادکاروں کے خلاف جہاں یک گونہ عصبیت کے جذبات پیدا ہوتے وہاں انہیں اصلاح احوال کی بھی ضرورت محسوس ہوئی

ابتک ریاست میں ایسی کوئی منظم جماعت نہیں تھی جو عوامی سطح پر ریاستی طلباء کی اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں راہنمائی و مدد کرے۔ سوائے صادق ایجوکیشنل انجمن کے جو بڑے محدود طریقے سے یہ کام کر رہی تھی البتہ میر سراج الدین مرحوم پہلے بزرگ تھے جنہوں نے ذاتی حیثیت سے ریاستی طلباء کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے سلسلے میں گرانقدر خدمت کی۔ میر صاحب اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ریاستی طلباء کی تعلیم پر صرف کر دیتے تھے انکی اعانت اور کوشش سے کئی ریاستی طلباء اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہوئے خاص طور پر رحیم آباد کے لغاری خاندان۔ نوجوان مثلاً رحیم خان لغاری جو اعلیٰ تعلیم کی بدولت آئی جی پولیس کے عہدے پر پہنچے [illegible]

انجمن رفیق الطلباء کا قیام

بعض فہمیدہ ریاستیوں کا خیال تھا کہ تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے ریاستی آبادی کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے باہر سے آنے والے افسران سرکاری ملازمتوں میں غیر ریاستیوں کو ریاستیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا ریاست کے نوجوانوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیم کی تحریک کرنی چاہیئے اور ایسے اسباب مہیا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ریاست کا کوئی بچہ اس وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہ جائے کہ وہ تعلیمی اخراجات کی کفالت سے معذور ہے چنانچہ ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چند باہمت نوجوانوں نے "انجمن رفیق الطلباء" کے نام سے ایک انجمن ۱۹۳۴ء میں قائم کی جس کے صدر خان محمد نواز خان ترین اور جنرل سیکرٹری محمد حسین کانجو مقرر ہوئے۔ ممبران میں مولوی منظور احمد علوی اور عطا محمد چشتی اور شیخ غوث محمد شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس انجمن نے ریاست میں علم کا ذوق عام کرنے اور غیر استطاعت طلباء کے لئے مالی اعانت و امداد فراہم کرنے میں نمایاں کام کیا۔ دو تین سال میں اس کی ممبر سازی ایک سو سے تجاوز کر گئی۔ اس کے علاوہ معاونین پانچ سو سے زیادہ تھے جو ماہانہ یا وقتاً فوقتاً انجمن کی امداد کرتے رہتے تھے مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اس کے سرپرست اعلیٰ

تھے۔ ۱۹۳۶ء کی سالانہ رپورٹ کے مطابق جن طلباء کو انجمن کی طرف سے امداد دی گئی ان کی جماعت وار تعداد یہ تھی۔

(۱) ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی	۲
(۲) بی۔ ایس۔ سی	۱
(۳) بی۔ اے (آرٹس)	۳
(۴) ایف۔ اے	۲۲

اس انجمن نے مختصر وقت میں کافی مقبولیت حاصل کر لی۔ عام ریاستی آبادی کے علاوہ حکومتی دوائر میں بھی اس کا خاصا اثر قائم ہو گیا۔ اسی کے مطالبے پر ریاستی حکومت نے مڈل، ہائی اور کالج کے ریاستی طلباء کی فیس معاف کر دی۔ اور مختلف رعایتوں کے علاوہ وظائف وغیرہ بھی دیئے۔

انجمن رفیق الطلباء کو شکایت تھی کہ تعلیم کا محکمہ غیر ریاستی افسروں کے ہاتھ میں ہے جن کا رویہ ریاستیوں کے ساتھ غیر ہمدردانہ ہے۔ اور وہ تعلیم عامہ کے سلسلے میں یہاں کے حالات اور ضروریات کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ انجمن رفیق الطلباء کے سالانہ اجلاسوں میں بھی بارہا ان خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ چنانچہ ہز ہائی نس نے ۱۹۳۶ء کے اوائل میں وزارت تعلیم کا قلمدان مولوی غلام حسین کے فرزند اکبر میجر شمس الدین محمد کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس طرح انجمن رفیق الطلباء کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا۔

اسٹیٹ اسٹوڈنٹس سوسائٹی

انجمن رفیق الطلباء کے دوش بدوش اسٹیٹ اسٹوڈنٹس سوسائٹی بھی طلباء کی ایک فعال جماعت تھی۔ جس کے ذمہ طلباء کی عام نگرانی۔ اخلاقی تربیت اور معاشرتی امداد تھی اس سوسائٹی کے ممبران ہفتہ وار کسی ایک مقام پر جمع ہوتے اور اخلاقی۔ مذہبی اور تعلیمی موضوعات پر مضامین پڑھتے۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں ان میں باہم اتحاد و اتفاق کے جذبات فروغ پائیں وہاں مذہبی امور کی واقفیت ہو اور تقریر و تحریر کی استعداد بڑھے سوسائٹی کے صدر معین الدین حسن قریشی اور ممبران میں عبد الصمد واجد۔ رحم شاہ قریشی۔ محمد انور کانجو اور شیخ محمد کرم شاہ وغیرہ نوجوان طلباء شامل تھے۔ اس سوسائٹی نے ریاستی طلباء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ان کی بہبودی کے لئے بڑی موثر

مساعی کیں۔

ریاستی بورڈ کا قیام

"انجمن رفیق الطلباء" اگرچہ تعلیمی مقاصد کے لئے معرض وجود میں آئی تھی لیکن بعد میں اس نے تعلیمیافتہ ریاستی نوجوانوں کے روزگار کا معاملہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ کوشش کی کہ جو ریاستی نوجوان تعلیم سے فارغ ہوں انہیں ریاست کے محکموں میں مناسب ملازمتیں بھی ملیں۔ اس سلسلے میں جب غیر ریاستی افسروں کی طرف سے غیر ہمدردانہ رویے کا اظہار ہوا۔ تو انجمن نے تعلیمیافتہ ریاستی نوجوانوں کی مدد سے "ریاست ریاستیوں کیلئے" کی تحریک چلائی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر پنجاب پنجابیوں کے لئے۔ مدراس مدراسیوں کے لئے۔ سندھ سندھیوں کے لئے۔ کشمیر کشمیریوں کے لئے ہے۔ تو بہاول پور بہاول پوریوں کے لئے کیوں نہ ہو۔ انہوں نے کتابچوں اور اشتہاروں کے ذریعہ یہ مطالبہ بھی کیا کہ ریاست کے اعلےٰ عہدوں پر ریاستی افسران تعینات کئے جائیں۔ ریاستی افسران نے بھی اس تحریک کی پشت پناہی کی اور حکومتی سطح پر اس کے حق میں فضا ہموار کرنے کی کوشش کی۔

یہ انہیں اثرات کا نتیجہ تھا کہ ریاستی حکومت نے ریاستی باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ۱۹۳۷ء میں ایک قانون بنایا جس کے تحت ریاستی آبادی کو (ریاستی درجہ الف۔ ریاستی درجہ ب اور ریاستی درجہ ج) میں تقسیم کیا گیا۔ درجہ الف میں ان باشندگان کو رکھا گیا جو ۱۸۸۰ء سے پہلے کے آباد ہیں۔ درجہ ب میں ۱۸۸۰ء کے بعد ۱۹۲۶ء تک ریاست میں آباد ہونیوالوں کو رکھا گیا اور ۱۹۲۶ء کے بعد آنے والے باشندوں کو درجہ ج کا ریاستی قرار دیا گیا۔

ساتھ ہی حکومت نے ایک "ریاستی بورڈ" کی تشکیل کی اور ریاست کے تمام ملازمین کو یہ ہدایت کی کہ وہ اس بورڈ سے سرٹیفکیٹ حاصل کر کے پیش کریں۔ برس ہا برس سے جو لوگ ریاست کی ملازمت میں تھے انہیں بھی ریاستی سرٹیفکیٹ پیش کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

آبادکاروں کا ردِ عمل

اس قانون کا غیر ریاستی حلقوں میں شدید ردِ عمل ہوا اور آبادکاروں نے اپنی انجمن کے ذریعے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

انجمن آبادکاران اب کافی منظم ہو چکی تھی۔ جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم تھیں۔ آبادکاران مالی اعتبار سے کافی آسودہ حال ہو چکے تھے منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ ریاست کے سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ریاستی اور غیر ریاستی تمیز کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ اپنی جداگانہ نمائندگی کا مطالبہ بھی شروع کر دیا۔

انجمن آبادکاران کی ایک کانفرنس کی روداد اس وقت ہمارے سامنے ہے جو رحیم یار خان میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی اس کا متن درج ذیل ہے۔

• حکومت بہاولپور نے ریاست کی پرانی اور نئی آبادی میں ایک غیر صحتمند تمیز پیدا کر دی ہے۔ ریاست کے ان باشندوں کو جو ۱۸۸۶ء سے یہاں آباد ہیں (جن کی تعداد ۹ لاکھ کے قریب ہے) ادنےٰ درجے کی شہریت دی گئی ہے۔ اور جو ۱۸۸۶ء سے پہلے آباد ہیں ریاستی بورڈ ایکٹ کی رو سے درجہ اول کے شہری قرار دیئے گئے ہیں

" اس پالیسی کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں نئے آباد ہونے والوں کے ساتھ اچھوتوں کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ کانفرنس استدعا کرتی ہے کہ "

(ا) آبادکاروں کے لئے جداگانہ حلقہ ہائے نیابت تجویز کئے جائیں، بالکل اس طرح جس طرح برطانوی ہند میں اقلیتوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

(ب) سرکاری ملازمتوں میں آبادکاروں کو ان کی آبادی کے تناسب سے حق دیا جائے۔

(ج) اسی نسبت سے سرکاری ٹھیکوں، تجارت اور صنعت میں آبادکاروں کو حصہ دیا جائے۔"

غرض ستلج ویلی پراجیکٹ کے اجراء نے ریاست کی سیاست میں خاصی

گہما گہمی پیدا کر دی۔ پنجاب سے آئے ہوئے آباد کار اپنی آبادی اور اقتصادی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک مؤثر سیاسی قوت حاصل کر چکے تھے اور اب نہ ان کے لئے یہ ممکن رہا تھا کہ وہ یہاں کے سیاسی معاملات سے اپنا دامن بچائیں اور نہ ریاستی آبادی یہ گوارا کر سکتی تھی کہ انہیں اپنے سے الگ تھلگ رہنے دے۔ لہٰذا اگرچہ بعض معاملات میں جن میں پرانی اور نئی آبادیوں کی نمائندگی وغیرہ کے امور شامل تھے ان طبقات آبادی کے درمیان اختلافات کی صورت بالکل تو ختم نہیں ہوئی تاہم مخالفت کی جو شدت پہلے تھی وہ باقی نہیں رہی اور رفتہ رفتہ باہم میل جول اور معاشرتی روابط یہاں تک قائم ہوئے کہ ان میں مصاحرت و مناکحت کے رشتے بھی استوار ہونے لگے۔ یہ ہم آہنگی آگے چل کر سیاست میں بھی پیدا ہوئی اور مقامی سیاسی تنظیموں میں قدیم باشندوں کے دوش بدوش آباد کار بھی حصہ لینے لگے۔

انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ کا قیام

۱۹۲۶ء (۵۷-۱۳۵۶ھ) کے لگ بھگ انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ کے نام سے بہاول پور میں ایک اور جماعت قائم ہوئی۔ اس کے صدر مولوی امیر الدین اور سیکرٹری حافظ لعل دین تھے۔ اراکین میں ابو الفلاں حکیم عبد الرشید، منشی کریم بخش، مستری فضل الدین، مولوی شیخ محمد اور منشی محمد عظیم وغیرہ شامل تھے۔

یہ جماعت بھی بظاہر خدمت دین کے جذبہ سے قائم ہوئی تھی لیکن سیاسیات سے یکسر مبرا نہ تھی۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتی تھی۔ جب کہ دوسری جماعتیں دیوبندی مکتب فکر کی تھیں اس کے مقاصد میں اصلاح معاشرہ کے ساتھ ساتھ بے دینی اور بد اعتقادی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو ختم کرنا تھا اس غرض کے لئے یہ سیرت کے جلسے بڑے اہتمام سے منعقد کرتی تھی جن میں بطور خاص بریلوی مکتب فکر کے علماء کو مدعو کیا جاتا تھا۔ سیاسی امور میں اس کا مسلک وہی تھا جو اکثر ہندوستان کے علمائے بریلی کا تھا ہمارے پیش نظر اس انجمن کی جانب سے شائع کردہ ایک خطبۂ استقبالیہ ہے۔ جو سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی شیخ محمد امیر سرمایہ نے جلسہ معراج شریف کے موقع پر ۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پیش کیا تھا۔ اس جلسہ کی صدارت خواجہ فیض محمد اویسی سجادہ نشین خانقاہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ نے کی تھی یہاں اس خطبے کے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس انجمن کے سیاسی افکار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خطبے کے تمہیدی کلمات کے بعد لکھا ہے۔

> "افسوس کہ چند خود غرض لوگ بعض جزوی مسائل کو لے کر رسول اللہ کی شان کی تنقیص اور عظمتِ اولیا اللہ کے منکر بن کر ملتِ اسلامیہ میں تفریق اور تشتت پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں
>
> "الحمد للہ کہ انجمن اشاعت سیرۃ النبی صلعم کو بے دینی اور بد اعتقادی کو بنیاد و بُن سے اکھاڑنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے یہاں تک کہ ایسا کرنے والوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے یقین دلایا کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، کسی فرقہ ضلالیہ کے اصولوں کے حامل نہیں۔ خدا کرے ایسا ہو ......

آگے چل کر لکھا ہے

"مسلمانوں کے تمام امور میں دین کا تعلق ہے۔ اسلامی سیاست چند واضح قوانین اور بین اصول پر مبنی ہے۔ یہ امر صاف طور پر عیاں ہے کہ کفر و شرک کے ساتھ اس کا بالکل تعاون نہیں سیاسی مسائل حاضرہ کو اگر دینی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو مسلمان کیلئے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ غیر مذہب والوں کو اپنا پیشوا سمجھیں۔ بیشک مہاتما گاندھی اپنے عزم و ثبات کے لحاظ سے ایک قابل احترام ہستی ہیں لیکن بہرحال یہ حقیقت زیر نقاب نہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور مذہبی نقطہ نظر سے وہ مسلمانوں کے لئے مرکز عقائد و تقلید نہیں بن سکتے۔ اپنے اعمال کو انکی پیروی پر منحصر کرنا اسلامی احکام کی خلاف ورزی اور خدا و رسول سے روگردانی کے مترادف ہے

" آج مسلمانوں کا سواد اعظم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر مسلک کانگریس میں اپنا مامن و نشیمن ڈھونڈ رہا ہے۔"

یہ وہی موقف ہے جو مولینا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے ترکِ موالات کے سلسلے میں اختیار کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر مقاطعہ انگریز سے جائز ہے تو ہندو سے بھی ہونا چاہئے کہ وہ مشرک ہے ان کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں سے الگ ہو کر اپنی جداگانہ حیثیت کو قائم کرنا چاہیئے۔ آگے چل کر مسلم لیگ نے بھی اسی نظریہ کو اپنایا اور اسی بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ کیا۔ بہرحال متذکرہ بالا خطبہ استقبالیہ کے اختتامی فقرے ملاحظہ ہوں۔

" یہ نکتہ کبھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ قوم کی حیات و زندگی کا دار و مدار اس کی قومی خودداری اور عصبیت کے قیام کے ساتھ وابستہ ہے محض ترقی ترقی کہنے اور آزادی آزادی پکارنے اور غیروں کی آغوش میں چلے جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے"

جمعیۃ المسلمین اور حزب اللہ دونوں انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ کو اپنا حریف سمجھتی تھیں ان کا خیال تھا کہ یہ جماعت محض ان کا استیصال کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے قائم کرائی گئی ہے۔ خاص طور پر احراری خیال کے لوگ جن کا اعتقادی رشتہ نیشنلسٹ علماء کے ساتھ وابستہ تھا اور جو کانگرسی سیاست پر عمل پیرا تھے وہ انجمن اشاعتِ سیرت النبیؐ سے اس لئے بھی الرجک تھے کہ اس کے خیالات مسلم لیگ سے بہت ملتے جلتے تھے۔ انجمن کی طرف سے اکثر ایسے مضامین شائع کئے جاتے تھے جنہیں جمعیت اور حزب اللہ کو کانگریس کا دم چھلا

قرار دیا جاتا تھا اور یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ اعلیحضرت امیر بہاول پور کے بدخواہ ہیں اور اہلسنت والجماعت کے عقائد کے خلاف کام کر رہے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جمعیت اور حزب اللہ کے پلیٹ فارم پر جو علماء تقریریں کرنے آتے تھے وہ نہ صرف بریلوی عقائد اور مسلم لیگی نظریات کے خلاف بعض باتیں کہہ جاتے تھے۔ بلکہ ان کی تقریروں میں شیعی عقائد کی بھی مذمت ہوتی تھی اس وجہ سے جہاں انجمن اشاعت سیرۃ النبی کو ان کے خلاف آواز اٹھانے کا موقع ملا وہاں شیعہ جماعت بھی ان کے خلاف ہو گئی۔ آہستہ آہستہ ان اختلافات نے اتنی شدت اختیار کی کہ مساجد میں باقاعدہ مناظرے اور مجادلے ہونے لگے۔

مساجد میں تقاریر پر پابندی

غالباً اسی کشمکش کی وجہ سے ریاستی حکومت کو ۲۶ جون ۱۹۳۸ء کو ایک حکم کے ذریعہ مساجد میں تبلیغی جلسوں پر پابندی عائد کرنی پڑی۔ اس سلسلے میں وزارت عظمیٰ کی طرف سے جو حکم جاری کیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"ہر گاہ معلوم ہوا ہے کہ عیدگاہ بہاول پور کو پبلک کے بعض فریق اجازت ضابطہ حاصل کرنے کے بغیر جلسوں کانفرنسوں اور اس قسم کے دوسرے اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں لہذا منظوری پیشگاہ حضور سرکار عالی دام اقبالہ و ملکہٗ حسب ذیل احکام صادر کئے جاتے ہیں

"عیدگاہ بہاول پور و تمام عیدگاہیں واقع ریاست بہاول پور ماسوائے نماز عید۔ نماز استسقاء میلاد النبی ؐ کے اور کسی غرض کیلئے استعمال نہ کی جائیں۔ اگر میلاد النبی ؐ میں کوئی بیرون ریاست کے مقررین حصہ لیں تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ متعلقہ کی پیشگی اجازت حاصل کرنا لازمی ہوگا جامع مسجد بہاول پور و دیگر تمام مساجد واقع ریاست بہاول پور روزمرہ کی نمازوں اور نماز جمعہ کیلئے استعمال ہونگی لیکن کسی سوشل یا سیاسی جلسوں کے لئے استعمال نہیں ہوں گی مساجد مذکور میں وعظ کی اجازت بشرائط ذیل ہوگی :۔

الف ۔ بہاول پور جامع مسجد میں واعظین یا مقررین جو باشندہ ریاست ہوں اگر تقریر کرنا چاہیں تو امام صاحب اور واعظ کی متفقہ اجازت لازمی ہوگی اگر ان دونوں عہدیداروں کے درمیان اختلاف رائے ہو تو صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ متعلقہ کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

ب :۔ دیگر تمام مساجد واقع ریاست بہاول پور کے لئے امام مسجد اور صاحب مجسٹریٹ درجہ اول مقامی کی متفقہ اجازت لازمی ہوگی۔ صاحب مجسٹریٹ کے فیصلے کو ہر صورت میں فوقیت ہوگی۔

۲۔ ریاست میں ہر مقام پر بیرون ریاست کے کسی واعظ یا مقرر کیلئے صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی پیشگی اجازت لازمی ہوگی۔

" یہ احکام محض اس غرض کیلئے جاری کئے گئے ہیں کہ ان عمارات کا مذہبی تقدس قائم رہے اور وہ صرف ان اغراض کیلئے استعمال کی جائیں۔ جن کیلئے یہ تعمیر کی گئی ہیں۔

علماء کا فتویٰ سیاسی اور دینی حلقوں میں اس حکم کا شدید ردعمل ہوا مستری عبدالرحمن صاحب رکن حزب اللہ نے اس حکم کے متعلق علماء سے یہ استفسار کیا کہ

" مندرجہ بالا قانون کے پیش نظر دریافت طلب امور ذیل ہیں :۔

۱۔ کیا مذہبی وعظ اور تبلیغ دین پر شرائط عائد کرنا شرعاً جائز ہے ؟

۲۔ کیا مساجد کو مذہبی وعظ و تبلیغ سے اس طرح شرعاً بند کیا جا سکتا ہے ؟ کہ بغیر مجسٹریٹ ضلع مساجد میں تبلیغ دین اور مذہبی وعظ نہ کیا جائے۔

۳۔ کیا شرعاً اس حکم کو مداخلت فی الدین سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

المستفتی مستری عبدالرحمن بہاول پور

اس کے جواب میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیتہ علمائے ہند نے فتویٰ دیا :۔

" مذہبی تذکیر و تبلیغ شرعاً آزاد اور ہر عالم کا بفحوائے بلغوا عنی ولو آیۃ دلو کلمۃ مذہبی حق ہے۔ اس پر کوئی قید یا بندش عائد کرنا جس کا نتیجہ انسداد تبلیغ و تذکیر ہو ایک مذہبی حق کو غصب کرنا ہے۔ پھر مجسٹریٹ کبھی غیر مسلم بھی ہوگا جو تبلیغ و تذکیر کی ضرورت۔ اہمیت۔ نوعیت سے بے خبر ہوگا۔ اور اس کی بے خبری حق تبلیغ کے جائز استعمال کے لئے سد راہ ہوگی۔ نیز اس قانون کے نفاذ سے تمام ایسے مقامات جو مسلمانوں کی بستیاں ہیں مگر وہاں مجسٹریٹ درجہ اول د د د د

تک نہیں قطعاً مذہبی وعظ و تبلیغ سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ تمام وجوہ اس قانون کے غلط اور اسلامی احکام کے خلاف ہونے کے شواہد ہیں اور ایک اسلامی ریاست کی طرف سے یہ بات سخت افسوسناک ہے۔"

اس فتوے پر مولانا حسین احمد مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اور مولانا مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے بھی "الجواب صحیح" کی تحریر کے ساتھ دستخط کئے تھے۔

اس فتوے کو ایک ٹریکٹ کی صورت میں "عرضداشت بحضور سرکار عالی دام اقبالہٗ و ملکہٗ" کے عنوان سے شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔

استبداد کا تازیانہ

ابھی مساجد میں تبلیغ و وعظ پر پابندی کے خلاف غم و غصہ کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء کو وزارتِ عظمیٰ کی طرف سے صادق الاخبار میں ایک اعلان شائع ہوا جس میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ انجمن سیرت النبیؐ اور شیعہ جماعت کا حزب اللہ کے ساتھ اختلاف ہے اور یہ کہ یہ ریاست اور والیٔ ریاست کی خیرخواہ نہیں ہے۔ اس پر حزب اللہ نے ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی ذیلی سرخی یہ تھی "جماعت حزب اللہ اور ریاست بہاولپور" اس میں لکھا گیا تھا کہ

"حزب اللہ تمام مسلمان بھائیوں کو جو شریعت مطہرہ پر فدا کارانہ پابند ہیں اور ہر اس مسلمان کو جس کے دل میں اہلبیت عظام۔ خلفائے راشدین۔ آئمہ اربعہ اور دیگر پیشوایان مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور عظمت ہے اپنا بھائی خیال کرتی ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی پرخاش نہیں رکھتی۔ خلاف شریعت اقدام کو اگرچہ وہ کسی جماعت یا افراد کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو حزب اللہ مدافعانہ اقدام کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

"افسوس کا مقام ہے کہ حزب اللہ کی اس آئینی تحریک اور اپنے سرکار ابد قرار کی خدمت میں مؤدبانہ عرضداشت ابلاغ کرنے کو وزارت عظمیٰ ایجی ٹیشن کے نام سے پکار رہی ہے اور اس واجبی عرضداشت کو غلط پروپیگنڈے سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس اعلان سے یہ بھی بو آتی ہے کہ جماعت حزب اللہ حاکم بد دہن ریاست یا والیٔ ریاست کی خیرخواہ نہیں۔ جماعت حزب اللہ ایک دفعہ پھر اس اعلان کی تردید کرتے ہوئے اس قدر عرض کرنے کی جسارت کرتی ہے کہ جماعت حزب اللہ کا ہر فرد اپنی ریاست۔ مسلم قوم اور والیٔ ریاست کے لئے خدمات انجام دیتے ہوئے اپنا مال اور اپنی جان تک فدا کر دینے کے لئے

ہر وقت تیار ہے۔ اور جماعت اپنے اعمال اور نیابت سے ثابت کر دے گی کہ حقیقت میں سرکار والاشان اور ان کی ریاست کے لیے کون سی جماعت خیر خواہ ہے۔

مخالفانہ اشتہارات جتنی حزب اللہ اور جمعیۃ المسلمین اپنی صفائیاں دیتیں اتنی ہی مخالفوں کی طرف سے یہ کوشش ہوتی کہ انہیں عوام اور حکومت کی نظر میں گرایا جائے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ایسے اشتہارات جن کے عنوانات تھے۔ نیک مشورہ۔ درخواست التماس۔ التجا وغیرہ شائع کئے گئے جن میں یہ تاثر دیا گیا کہ عوام موجودہ طرز حکومت سے مطمئن ہیں اور کسی قسم کی اصلاح کے طلبگار نہیں۔

شیعہ سنی جھگڑا حزب اللہ نے "پیام محرم" کے نام سے ایک ٹریکٹ شائع کیا تھا جس میں یہ لکھا گیا تھا کہ "لوگ بجائے اپنا وقت رواجی ماتم میں خرچ کرنے کے امام عالی مقام حسین علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے پابندی نماز اور دیگر شعائر کی طرف رجوع کریں"

اس پر شیعہ صاحبان کی طرف سے سید علی شاہ صاحب سب انسپکٹر پولیس نے حزب اللہ کے خلاف توہین مذہب کا دعویٰ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ کافی دن تک شیعہ اور سنی کشمکش کا موجب بنا رہا اور بدقت تمام ایک مرحلے پر دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت ہوتی۔

اغوا کا مقدمہ ارکان حزب اللہ ایک اغوا کے مقدمہ میں بھی ماخوذ ہوئے۔ ایک سکھ عورت نے مسلمان ہو کر تھانپور کے رہنے والے ایک مسلمان سے شادی کر لی تھی اس کا پہلا خاوند سکھ تھا اس نے اغوا کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اور اس مقدمے میں حزب اللہ کے بعض ارکان کو بھی ملوث کیا۔ اس نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ وہ خود بھی مسلمان ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کی بیوی کو محض مسلمان ہونے کی بنا پر اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

مقدمہ ابھی زیر سماعت تھا کہ سکھ مدعی خود بخود مقدمہ سے دستبردار ہو گیا اور اس طرح حزب اللہ کے ارکان کی بھی گلو خلاصی ہو گئی۔

حکومت کے ہتھکنڈے حزب اللہ ان تمام کاروائیوں کو حکومت سے منسوب کرتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ حکومت ہمارے کارکنوں کو ہراساں کرنے کے لئے یہ ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے "اظہار حقائق" کے

کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں ان کارستانیوں کی قلعی کھولی گئی تھی۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ

"حقیقت میں پبلک کا ہر فرد متعجب ہے کہ عالیجناب پرائم منسٹر اور ان کے حوارین تمام تر زور حزب اللہ کو مٹانے پر کیوں صرف کر رہے ہیں کبھی اس کو سیاسی قرار دیا جاتا اس میں حصہ لینے والے سرکاری ملازمین کو دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی وہابیوں کی جماعت کہہ کر بدنام کرنے کی سعی کی جاتی ہے"

اس میں یہ بھی الزام لگایا گیا تھا۔ پرائم منسٹر سنیوں کے خلاف شیعوں کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں انہوں نے ان کی ہی شہ پر حزب اللہ کے ارکان کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا نیز عورت کے اغوا کا مقدمہ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

استدعا بحضور اعلیٰحضرت جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے جمعیت المسلمین نے پہلے پہل ۱۹۳۲ء میں عوامی حقوق کے متعلق اپنے مطالبات امیر بہاول پور کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس سلسلے میں اس کی طرف سے متواتر یاد دہانی کرائی جاتی رہی لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آخر ۱۹۳۸ء میں ایک اشتہار اس عنوان سے شائع کیا گیا

"استدعا بحضور اعلیٰحضرت والیٔ تخت و تاج عباسیہ ریاست بہاول پور"

یہ استدعا اس طرح شروع کی گئی تھی :۔

"عالی جاہ! حضورِ والا کی نظر بالغ نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ ہندوستان کی سیاست پہلے پہیے بھاپ کے کندھوں پر سفر کرتی تھی اب بجلی کی سی تیزی سے ترقی کر رہی ہے حضور جو زمانہ کے حال اور رعایا کی نبض سے واقف ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ رعایا کے نظم و نسق میں مناسب حصہ لینے کی خواہش مدتوں سے عوام کے سینے میں کروٹیں لے رہی ہے اور اس خواہش کا اظہار وقتاً فوقتاً عرضداشتوں کی صورت میں ہوتا رہا ہے مگر احتجاج کا جواب قریب قریب باوقار خاموشی سے دیا گیا۔

ہم نے محض ادب و احترام کے مقتضیات کے پیش نظر کسی احتجاجی تحریک میں حصہ نہ لیا۔ قیاس کیا کہ آج نہیں تو کل ہماری قسمتوں سے خوشگوار تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور ریاست کی حدود کے قریب انگریزی علاقے میں جو انقلاب کی رو دوڑ رہی ہے حکام ریاست خود بخود اس سے بہتر نتائج اخذ کریں گے لیکن مدتیں

کے استعمار کے بعد بھی ہمارے خوابوں کی کوئی خوش کن تعبیر نہ نکل سکی

"فطرت ہر چند دنیا کے واقعات کی طرف انگلیوں کے اشارے کرکے کہہ رہی تھی کہ قربانیوں کے بغیر حقوق کا ملنا مشکل ہے۔ مگر ہم نے حضور والا سے طبعی عقیدت اور وابستگی پر زندہ رہنے کی کوشش کی اور حضور کے حکام نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ہم تن آسان اور قربانی سے پہلوتہی کرنے والی قوم ہیں۔

"حضور مسلمان والی ریاست ہیں۔ خوب جانتے ہیں کہ خدا کی مخلوق حکام کی کھیتی ہے۔ حکام کا عمل امت کے مشورے اور منشاء کے خلاف ہو تو یہ اسلام کے منافی ہے۔ یہی ذمہ دارانہ حکومت کی بنیاد ہے۔ ہماری مذہبی روایات اور رفتار زمانہ اس امر کے داعی ہیں کہ آزاد حکومت کا قیام ریاست میں فوراً عمل میں لایا جائے۔ سرکار والا کے ملازم اس مطالبے کے بارے میں یہ کہیں گے کہ ریاست پسماندہ ہے۔ فرسودہ طریقہ حکومت میں تبدیلی کی سب سے قوی دلیل بھی یہی ہے کہ ریاست کی پسماندہ حالت ہے۔ چند افسران پر لاکھوں بندگان خدا کی فلاح قربان نہیں کی جاسکتی۔ صوبہ سرحد اصلاحات سے پہلے کیسا پسماندہ علاقہ متصور ہوتا تھا لیکن عوام کی خواہش کے سامنے حکومت برطانیہ کو بھی جھکنا پڑا۔ اب اس پسماندہ علاقہ میں ذمہ دارانہ حکومت کامیابی سے چل رہی ہے لیکن ہم خارجی اثرات کی بحث میں کیوں پڑیں۔ ہم اس امر کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ ہماری امیدیں حضور والا سے وابستہ ہیں

" ایسے ذمہ دار طرز حکومت کیلئے جس کی بنیاد رائے دہندگی بالغان پر رکھی جائے بے پناہ خواہش عوام کے دلوں میں موجود ہے۔"

اس جامع اور مدلل دیباچہ کے بعد پمفلٹ میں عرض مطلب اس طرح کیا گیا ہے

"ہم اس یقین کے ساتھ کہ ہماری تمنا کو ٹھکرایا نہ جائیگا بصد ادب گذارش کرتے ہیں کہ

۱۔ ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کی تشکیل کا فوری اعلان کیا جائے جسمیں بالغ افراد کو رائے دینے کا حق ہو۔ وزراء عوام کے نمائندوں سے چنے جائیں اور وہ اپنے نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہوں۔

۲۔ بجٹ آزاد اسمبلی کے سامنے پیش ہو اور عوام کے نمائندوں کو اسے منظور کرتے، کم کرتے یا مسترد کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہوں
۳۔ نیز اس اسمبلی کو بہتر نظم و نسق کی خاطر پرانے قوانین و قواعد بنانے کے مکمل اختیارات ہوں۔
۴۔ ہر سرکاری محکمہ ذمہ دار وزرا کے ماتحت ہو۔
مطالبات گنوانے کے بعد پمفلٹ میں لکھا گیا تھا۔

"ہماری ریاست کی حالت صوبہ سرحد کی قبل از اصلاحات کی حالت سے پورے مطابق ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم نے حقوق کیلئے جناب والا کی ذات پر اعتماد کیا اور بدستور اعتماد رکھتے ہیں حالانکہ ہم اپنی گذشتہ معروضات کے بے نتیجہ ہونے کے باعث قدرتی طور سے اندوہگین ہیں تاہم ہم نے ایجی ٹیشن اور قانون شکنی کی راہ اس لئے اختیار نہیں کی کہ مبادا راعی اور رعایا کے درمیان تکدر رنجی پیدا ہو جائے۔

اس مصلحت اندیشانہ اظہار خیالات کے بعد بطور اپیل ختم سخن یوں کیا گیا ہے۔
"ہر چند جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی مالی تباہی اور سیاسی تنزل کی داستان غم کے دفتر حضور کے سامنے کھول کر رکھے جائیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ حضور اپنی رعایا کی تباہ حالی کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ صدیوں کے انسانی تجربوں نے ان مشکلات کا جو حل یعنی ذمہ دارانہ نظام حکومت تجویز کیا ہے وہ بھی حضور سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

اس استدعا کو شرف پذیرائی حاصل نہ ہوا تو جمعیت المسلمین نے ۱۹۳۸ء کو ایک اور پمفلٹ شائع کیا جس کا عنوان تھا "پبلک کیا چاہتی ہے؟" اس میں منتخب اسمبلی۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

عوامی مطالبات پر حکومت کا اعلان

اس پمفلٹ کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ بعض مقامی رہنماؤں کو وزیر اعظم نے طلب کر کے ان سے تبادلہ خیالات کا آغاز کیا اور حکومت اور عوام کے درمیان اب تک جو خلیج حائل تھی اس کے پاٹنے کا سامان پیدا ہوا۔ اس ابتدائی رابطے کے بعد حکومت اور عوامی نمائندوں کے درمیان کئی اور مذاکرات کی مجالس منعقد ہوئیں۔ آخر یہ قرار پایا کہ یکم اپریل ۱۹۵۰ء کو حکومت ذمہ دارانہ

نظام حکومت سے متعلق ایک اعلان کرے گی۔

جمعیت المسلمین اس اعلان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس سلسلہ میں حکومت کا کوئی واضح نقطۂ نظر سامنے آجائے تو وہ اپنی جد و جہد کے صحیح خطوط متعین کرے۔ چنانچہ حسب وعدہ جب حکومت کا اعلامیہ یکم اپریل کو جاری ہوا تو وہ خاصا مایوس کن تھا۔ اس میں عوامی مطالبات سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہا گیا تھا

" مائدولت و اقبال کو یہ امر مطلوب خاطر ہے کہ ہماری عزیز رعایا اور ہمارے افسران حکومت ریاست کی ضروریات کی تشخیص و تجویز میں باہم قریب ہو کر متعاون ہوں۔"

اعلامیہ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس تجویز و تشخیص کیلئے ریاست بھر میں مختلف مقامات پر ضلعی کانفرنسوں کے انعقاد کا اہتمام کیا جائے گا۔

جمعیت المسلمین نے اس اعلامیہ کو عوامی امنگوں کے خلاف قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ اس سلسلے میں پمفلٹ "عرض حال" کے نام سے شائع کیا۔

جذبات پبلک ریاست بہاولپور

انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ نے بھی اس موقع پر ایک پمفلٹ بعنوان "جذبات پبلک ریاست بہاولپور" شائع کیا۔ یہ پمفلٹ پیرزادہ محمد سلیم اسلم کی طرف سے شائع کیا گیا تھا جو ان دنوں مرکزیہ انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ کے ناظم تھے۔ اس پمفلٹ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

" علم النفسیات کا مسئلہ ہے کہ جب کوئی تحریک ایک دفعہ شروع ہو جاتی ہے تو عامہ پبلک بغیر کسی تنقید اور سوچ بچار کے اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور جب تک اس کے اچھے یا بُرے نتائج پیدا نہ ہوں اس پر برابر عمل پیرا رہتی ہے۔

" ہندوستان میں آئینی جدوجہد کا آغاز ایک صدی سے شروع ہوا اور ایک سو سال کے بعد انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی منظوری پر اختتام پذیر ہوا۔ اس سے صوبائی خود مختاری کا نفاذ ہندوستان میں ہوا۔ لیکن مرکزی حکومت کے اختیار و تشکیل میں جو موانع حائل ہو رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں قطع نظر اسکے کہ یہ اصلاحات سراب ثابت ہوں یا حقیقی آب اصلاحات کی تدریجی

منزلیں اور قسطیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ عوام کی استعداد اور پبلک کی آئینی تربیت اور لوکل حالات کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ کانگریس کو اپنی سرمایہ داری اور تعلیم کی وجہ سے ان اصلاحات کے حصول میں جو کامیابی نصیب ہوئی تو چند مسلمان بھی دھوکہ میں آکر بغیر سوچے سمجھے کانگریس میں شامل ہو گئے۔ لیکن جب سمجھدار مسلمانوں نے اس کا مطالعہ کیا اور کانگریس کی چالوں سے خبردار ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو اس امر سے متنبہ کر دیا کہ دیکھنا خبردار رہنا۔ کانگریس حقیقت میں ایک ہندو مہاسبھائی جماعت ہے۔ اور ہندوؤں کا اس میں غلبہ ہے۔ یہ جماعت ہندو راج اور ہندو تہذیب پھیلانا چاہتی ہے اور قومیت کے پردے میں اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان سے ملامیٹ کرنا چاہتی ہے پہلے پہل تو مسلمانوں نے ان باتوں کی طرف سے بے پرواہی برتی لیکن جب حکومت کانگرس کے ہاتھ آئی تو انہوں نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ تمام خطرات جو سمجھدار مسلمانوں نے ظاہر کئے تھے صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ تمام کانگریسی صوبجات میں مسلمانوں کی جو حالت ہو رہی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آزادی کے نام پر ہندوستان میں ہر ایک چیز ہندوانہ نقطۂ نظر سے ترویج دی جا رہی ہے" ہندوستان کی سیاست پر روشنی ڈالنے کے بعد لکھا ہے۔

"افسوسناک امر یہ ہے کہ اس اسلامی ریاست میں چند ناعاقبت اندیش مسلمان جو اپنے آپ کو جمعیت المسلمین کے افراد تصور کرتے ہیں ابتک اس آزادی کے دام تزویر کو نہیں سمجھے اور کانگریس کی اندھا دھند تقلید کے مرتکب ہو کر پرامن رعایائے ریاست میں ایک ہیجان اور اضطراب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

"کیا ہم ان چند افراد سے سوال کر سکتے ہیں کہ انہوں نے آج تک مسلمانان ریاست کیلئے جن کے اب وہ خدائی فوجدار بن بیٹھے ہیں کونسی بہبودی کے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

"گورنمنٹ ریاست اپنی رعایا کو حقوق دینے اور ان میں آئینی بیداری پیدا کرنے کا

مسلم ارادہ کر چکی ہے صرف مقامی حالات اور استعداد کا خیال کرنا ضروری ہے۔ اور تدریجاً جملہ مراعات عطا ہو جانے کا پورا ارادہ ہے۔ افراد نام نہاد جمعیت تو چاہتے ہیں کہ جھٹ میری منگنی اور جھٹ میرا بیاہ ہو جائے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ حالات حاضرہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ پُرامن طریق پر رفتہ رفتہ ترقی کرنا ہمیشہ مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے۔"

اس کے بعد پرائم منسٹر ریاست کی تعریف میں ایک جملہ ہے اور پھر گورنمنٹ ریاست کی طرف سے اصلاحات کے سلسلہ میں سنٹرل مشاورتی جمیعہ کے تقرر پر جمعیت کے اعتراضات کا جواب ہے۔ آخر میں لکھا گیا ہے۔

"انجمن اشاعت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم رعایائے بہاول پور کی اچھی طرح نبض شناس ہے وہ خوب جانتی ہے کہ پبلک کو اپنے والی ملک سے کس قدر محبت ہے۔ اور انتظام ریاست سے وہ کس قدر مطمئن ہے۔ نیز انجمن جانتی ہے کہ مسلمانوں کی اصلی فلاح و بہبود فرمان خداوندی اور زندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ اسوہ کی تقلید میں مضمر ہے۔

"ان چیزوں کی موجودگی میں کسی اشتراکی یا کانگرسی اسکیموں میں حصہ لینا کفر و ارتداد کی معاونت کرنا ہے۔"

جمعیت نے "عرض حال" کے نام سے جو پمفلٹ شائع کیا تھا اس کی زبان خاصی سخت تھی اور اعلامیہ پر جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کا انداز بھی سخت تھا۔ اس پمفلٹ کا پورا مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ جمعیت کے سیاسی رجحانات اور انداز فکر کا بھی صحیح پتہ چل سکے

عرضِ حال

کب تک ضبط کروں میں آہ   چل مرے خامے بسم اللہ

یہ بات ایک نہایت حیران کن ہے کہ گورنمنٹ بہاول پور کو جب کبھی اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے تو وہ اسے تمام و کمال ذات شاہانہ کی طرف منسوب کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایائے بہاول پور اگرچہ ان تمام معاملات کے نتائج بد کے شکار بننے سے پہلے ہی آگاہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے مداوا کے لئے صرف ذات شاہانہ کے وقار

کے پیش نظر کوئی اقدام اٹھانے کیلئے مجبور رہتی ہے اور یہی وہ مقصد ہے جسے گورنمنٹ بہاول پور اپنی اور ریاست کی ذمہ واری حضور آقائے دولت و ولی نعمت دام اقبالہٗ و اجلالہٗ کے کندھے پر رکھ کر حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور پھر پبلک کی طرف سے جب کبھی گورنمنٹ کے غلط اقدامات پر ایما ندارانہ احتساب ہوتا ہے تو وہ ذات شاہانہ کے وقار کی آڑ میں ایسے تمام آدمیوں کو جنہوں نے حکومت کی غلط روی کے متعلق ذرا بھی کچھ کیا ہو مبتلائے مصیبت و آلام کرنے میں اپنے آپ کو قانوناً حق بجانب خیال کرتی ہے اگر آج بھی موجودہ گورنمنٹ کی ابتداء سے اسوقت تک کارروائی کا جائزہ لیا جائے تو گورنمنٹ کی غلطیوں کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے جس کے اثراتِ بد کا لاکھوں بندگانِ خدا مختلف اوقات میں شکار ہوتے رہے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہم ان مباحث میں پڑ کر فضا کو تلخ سے تلخ تر بنا دیں۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ حکومت بہاول پور پبلک کے اغراض سے پورے طور پر بے پرواہ اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنی خود غرضیوں کو پورا کرنے پر تل گئی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پبلک میں حکومت کے خلاف ایک جذبہ پیدا ہو جاوے گا۔ اور گورنمنٹ کو پھر ایک دفعہ حضور والا جاہ کے وقار کی آڑ میں پولیس اور فوج کی جمعیت کو حرکت میں لا کر اپنا حکم منوانے کا ایک موقع ہاتھ آ جائے گا۔ ہم خدائے قدوس سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ (ارکان حکومت) کو تدبر اور فہم صحیح عطا فرماوے۔ تاکہ وہ بجا طور پر اپنی اس دنیا کی ذمہ واریوں اور آئندہ دنیا کی جوابدہی کا احساس کر سکیں۔ امین ثم امین

"آپ کو یاد ہوگا کہ جمعیت المسلمین نے دسمبر ۳۸ء کے آخر میں "پبلک کیا چاہتی ہے" کے عنوان سے معروضات سال ۴۲ء کی یاددہانی کے طور پر مختصر پمفلٹ شائع کیا تھا جس کے بعد عالی مرتبت پرائم منسٹر صاحب بہادر سے مختلف اوقات میں تبادلہ خیالات ہؤا۔ اور اس معاملہ کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد جمعیت المسلمین نے ۶ مارچ ۳۸ء کو ایک تحریر کے ذریعے استدعا کی تھی کہ وزارت عظمٰی ان معروضات کے متعلق یکم اپریل ۳۹ء تک کوئی آخری اعلان شائع کر دے۔ تاکہ اس اعلان کی روشنی میں جمعیت المسلمین اپنے معروضات کے متعلق کوئی آئینی جدوجہد کر سکے۔

" مقام شکر ہے کہ وزارت عظمٰی کی طرف سے وہ اعلان پریس کمیونک کی شکل میں مورخہ یکم اپریل ۳۹ء کو شائع ہؤا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے اس امر کا امکان پیدا کر دیا ہے کہ اس پر موافق و مخالف خیالات کے اظہار کو آئین و ضابطہ کی روشنی میں صحیح خیال کیا جائے گا لیکن کمیونک کے لب و لہجہ

سے صاف صاف عیاں ہو رہا ہے کہ اعداد و شمار اور حقائق و بصائر کی تائید کے ساتھ بھی مخالف خیال کے اظہار کرنے والے کا گناہ ناقابل معافی ہوگا اور جس کی سزا قلعہ ڈراور کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کے سوائے حکومت کے پاس اور کچھ نہیں اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ حکومت اپنی فتح و شکست کے جذبہ سے سرشار ہو کر کرے گی۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ارکانِ حکومت کے قلوب ابھی تک اس قدر مسخ نہیں ہوئے کہ وہ اپنی وضع کردہ پالیسی کو حق بجانب یقیناً خیال کرتے ہوں۔ لیکن وہ اس کو دفتری طور پر تسلیم کرنے کے لئے اس لئے تیار نہیں کہ ان کی سنہری اور روپہلی مصلحتوں کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی منافع کا ہاتھ سے نکل جانے کا قوی امکان ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت وزارت عظمیٰ کی طرف سے جو کمیونک شائع ہوا ہے کیا اس میں پبلک کے اطمینان کا کچھ بھی مواد موجود ہے۔ اس کا اندازہ ان مختلف خیالات سے ہو سکتا ہے جو کہ اس وقت پبلک کے حلقوں سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ آج ریاست کے ہر فرد کی زبان پر اس کمیونک کا تذکرہ ہے۔ .... اگر کوئی اسے لغویات کا پلندہ قرار دے رہا ہے تو کوئی اسے جھوٹ اور باطل کی پوٹ کہتا ہے۔ کوئی اسے "ویری بوگس تھنگ" (VERY-BOGUS THING) کا لقب دے رہا ہے تو کوئی اسے (MOST ROTTEN — THING.) کے الفاظ سے یاد کر رہا ہے۔ کوئی اسے دھوکا اور فریب سے مثال دے رہا ہے تو کوئی اسے طفل تسلی سے تعبیر کر رہا ہے۔ غرضیکہ ادنیٰ شعور کا انسان بھی جو حکومت کی خوشامد اور ذاتی نفع اور ضرر سے بے نیاز ہے۔ اس کمیونک کو نہایت مایوس کن اور مضحکہ خیزی کا سامان تصور کرتا ہے اور آج بات بات پر حضور سرکار عالی، دام اقبالہٗ و ملکہٗ کو ہماری غداری اور غیر وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ذات ہمایونی کے دماغ کو پبلک کی طرف سے بدظن کیا جاتا ہے۔ حاشا و کلا خدا گواہ ہے۔ یہ ایک نہایت ہلاکت فریب ہے۔ آج اس اتہام سے ہمارے آباؤ اجداد کی روحیں کانپ رہی ہیں کیا ان لوگوں کی اولاد سے ممکن ہو سکتا ہے۔ جن کے خون کی گواہی باغ و راغ کے لالہ زار ریگستان بہاول پور کے ذرے ذرے دے رہے ہیں۔ کیا ان لوگوں سے غداری اور بے ایمانی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے آبائے وطن کو خیرباد کہہ کر اور جاڑ اور سنسان بنجروں کو اپنے خون سے سینچا اور پھر اس اتہام کے بالمقابل اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا ڈھول پیٹنا کم از کم ان لوگوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا جو یہاں ملازمت کے سلسلے میں دولت کما کر مستقل طور پر

یہاں سے لوٹ جاتے والے ہیں آج اس اہتمام کو سننے والے بھی ایسے لوگوں کی نادانی پر ہنستے ہیں کہ جو اس اہتمام کو اپنی طاقت فوج اور پولیس کے مظاہروں بندوقوں اور مشین گنوں کی نمائش سے لوگوں کے دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان لوگوں پر زندگی کے لئے زمین تنگ کر رہے ہیں جو ملک کے حقیقی خیر خواہ ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ کے لئے اس سرزمین کی آغوش کو اپنی موت کے بعد کی زندگی کے لئے چن لیا ہے۔ آج ہم علی الاعلان اس امر کو واضح کر دیتے ہیں۔ کہ بہاولپور کے لوگ عقل و شعور میں ہندوستان کے کسی صوبے کے باشندوں سے کم نہیں ہیں۔ صوبہ سندھ اور پنجاب کے اضلاع مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کی حیثیت سے ان کی حیثیت بدرجہا بہتر ہے۔ وہ اپنے مفاد اور نقصان کو سمجھ اور اس کا علاج بھی سوچ سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی طریق کار بھی تجویز کر کے اسے کامیاب بھی بنا سکتے ہیں مگر وہ اس امر سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ آجکل نظام حکومت کس طرح چلایا جا رہا ہے۔ اور اس میں کیا نقائص ہیں۔ اس وقت بہاولپور کی پبلک عملی طور پر موجودہ ارکان وزارت کے متعلق ایک مستقل رائے رکھتی ہے صرف اب اگر ضرورت ہے تو اس امر کی کہ ان کو پرسکون احتجاج کی طرف دعوت دی جائے۔ جس سے اس وقت حضور سرکار عالی دام اقبالہٗ ملکہٗ کے وقار کے پیش نظر جسے حکومت کے ارکان بار بار اپنے بچاؤ میں استعمال کرتے رہے ہیں احتراز کیا جاتا رہا ہے وقت آ گیا ہے کہ حقیقت کو عملی طور پر واضح کر دیا جائے کہ رئیس کا غدار اور ملک کا دشمن کون ہے؟ حکومت یا پبلک! ہم حکومت کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اب پبلک زیادہ دیر تک دھوکہ میں نہیں رکھی جا سکے گی اسے ملازمتوں کے گورکھ دھندوں میں زیادہ عرصہ تک الجھایا نہیں جا سکے گا۔ اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ ان مٹھی بھر ملازموں کی قسمت اور مستقبل لاکھوں انسانوں کی بدنصیبی کا علاج نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت ان بھوکے ننگے انسانوں کا مستقبل ہے جو چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتے جاڑے کی تکلیفوں کو برداشت کر کے حکومت کے خزانے کو تو پُر کرتے ہیں مگر ان کے اپنے لئے نہ تن ڈھک کپڑا اور نہ پیٹ بھر روٹی ہے آج ان کے افلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کی بہو بیٹیوں کا ستر چیتھڑوں سے بھی ڈھکنا مشکل ہے یہ ریاست کے ٹھوس واقعات ہیں کہ مفلس و کنگال کسان نے چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کا معاوضہ حاصل کر کے نکاح کر دیا۔ اور اس معاوضہ سے آبیانہ معاملہ ادا کر کے حکومت کی دار و گیری سے نجات حاصل کی۔ بستیوں میں پھرو کسان کی کٹھن زندگی کا مطالعہ کرو۔ سوشل

بیٹھ کر ڈاک بنگلوں میں ڈیرہ جا کر حکومت اس کی مصیبتوں کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے سامنے ان لوگوں کا مستقبل نہیں ہے جو فلک پیما محلوں کی خاطر غریبوں کے جھونپڑوں کو آگ لگا دینے کے عادی ہیں ہمارے سامنے اُس ہلاکت زدہ مزدور کا مستقبل ہے۔ جو دن بھر پیٹ بھر کے پیسے کماتا ہے جسے وہ رات کو مشکل سے چھوٹے چھوٹے بچوں میں پورا کرتا ہے۔

"آج حکومت ہمیں اپنے فرضی احسانات جتا کر تسلی دینا چاہتی ہے اسے اعداد و شمار او ٹھوس واقعات سے واضح کرنا چاہیئے کہ اس نے بہاولپور کی صنعت اور آبادی کے لئے کیا کیا مسا[illegible] کی ہیں۔ یورپ کی صنعتیں ان کو تباہی کی طرف دھکیلے لئے جا رہی ہیں۔ اس وقت سینکڑوں گھرانے بیکاری کا شکار ہو رہے ہیں۔ حکومت نے ان کے تحفظ کے لئے کیا کیا ہے۔ دھات اور کپڑا بننے کی صنعتیں ختم ہو گئیں۔ چمڑا رنگنے والے برباد ہونے والے ہیں۔ لکڑی کا کام بھی کرتار پور سے ہونے لگا ہے۔ حکومت کے تمام ادارے اپنی ضروریات کیلئے بیرونی تجارتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

"آخر کس احسان پر حکومت اس قدر اترا رہی ہے۔ کیا یہ امر حکومت کے لئے موجب ندامت نہیں کہ ایک سوا کروڑ آمدنی رکھنے والی ریاست کا تعلیمی بجٹ ڈیڑھ لاکھ پر مشتمل ہو اور جس کی تعلیمی کیفیت یہ ہو کہ ضلع ملتان کی ایک تحصیل کے طالب علموں سے بھی اس کی مجموعی تعداد طلباء کم ہو۔ ستلج ویلی پراجیکٹ کا بہاولپور کے کسانوں پر احسان جتایا جا رہا ہے حالانکہ اس اسکیم نے جو نقصان ریاست کو پہنچایا ہے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی اور پھر "قرضہ" کی ادائیگی کے معاہدے میں پبلک اغراض کو جو نقصان پہنچایا گیا ہے اس کے اثر سے ریاست پچاس سال غلامی کے دن بسر کرتے پر مجبور رہے گی۔ اس کا احساس حکومت کے ارکان کو ہو یا نہ ہو مگر ایک موٹی عقل کا انسان جب اس کا تصور کرتا ہے تو یقیناً کانپ اٹھتا ہے کہ ہندوستان اور دنیا کے دیگر ممالک آج سے پچاس سال بعد تہذیب و تمدن کے کس اسٹیج پر ہوں گے جبکہ ریاست اسی اسٹیج پر ہو گی جس پر کہ وہ آج ہے۔

"کیا آج رفاہی امور پر جو رقم جس آبادی پر خرچ کی جا رہی ہے وہ بجائے خود غیر مکتفی ہے تو چند سالوں بعد وہ کیوں کر پوری ہو گی جب کہ آبادی میں ہر دس سال بعد دس فیصدی اضافہ کی رفتار ہے یہ خطرناک اقدام صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ برطانیہ کو ممنون احسان بنا کر ہمیشہ کیلئے مفاد حاصل کرتے رہیں

"ہم ارکان حکومت کو پھر متوجہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں بحیثیت مسلمان کے اس دنیا

میں بھی ان کو اپنی ذمہ واریوں کو پوری دیانت کے ساتھ پورا کرنا ہے اور آئندہ بھی چل کر میدان حشر میں ان تمام ذمہ واریوں کا ان کو جوابدہ ہونا پڑیگا۔ یاد رکھئے آج جن نتائج سے آپ بے فکر ہو کر اقدام کر رہے ہیں کل اس کے خطرناک نتائج سے آپ کو دوچار ہونا ہے اور آج بھی سینکڑوں معصوم و بے گناہ روحیں انتقام کیلئے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی گردن ہوگی اور ان کے ہاتھ۔

"آخیر میں ہم پبلک سے ان امور پر زیادہ سے زیادہ غور کرنے کی استدعا کرتے ہیں کہ پورے خلوص نیت اور سکون قلب کے ساتھ ان پر غور و فکر کریں۔ ہم غریبوں کی نجات اسی میں ہے کہ پورے اتحاد کے ساتھ پرامن طریق پر حکومت بہاولپور کے ہر کام کا مطالعہ کریں اور پوری دیانتداری کے ساتھ متفقہ طور پر اپنے دکھوں کو حضور سرکار والا جاہ دام اقبالہ و ملکہ کے کانوں تک پہنچا دیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ ذمہ دارانہ نظام حکومت عطا ہو۔

خیر اندیش آقائے نامدار،
اراکین جمعیت المسلمین مرکزیہ بہاولپور سٹیٹ

احراری لیڈروں کا نقطہ نظر

احراری لیڈر جن کا بہاولپور کی سیاسی سرگرمیوں میں خاصا ہاتھ تھا، بہاولپور کی عوامی تحریک کے اس رخ سے مطمئن نہ تھے کہ یہاں کے لوگ والیٔ ریاست کو اپنا ملجاء و ماوی سمجھتے تھے اور ان سے کسی طور اپنی عقیدت کا رشتہ منقطع کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے نزدیک ریاستی عوام کے مصائب کا سبب ان کا یہی رجعت پسندانہ ذہن تھا۔ چنانچہ "تاریخ احرار" میں افضل حق اس صورتِ حالات پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

"مجلس احرار کو بدنصیب بہاولپور کی ہلاکت زدہ رعایا کا گہرا احساس ہے۔ لیکن مدد کی کوئی صورت سامنے نہیں۔ جب تک اندرون ریاست کے بہادر کارکن، رئیس پرستی کے جذبات کو قطعی خیرباد کہہ کر محض عوام کی صعوبتوں اور تکلیفوں کو کم کرنے کا جذبہ لے کر نہ اٹھیں گے اور عوام میں بھی کامل مساوات کا ذہن اور آرزو پیدا نہ کریں گے تب تک سیاست میں اونچا سانس لینا بھی مشکل ہوگا اسلامی ریاستوں میں رئیس پرستی کا ذہن ہی ساری مصیبتوں کا ذمہ دار ہے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا بھی یہی حال ہے مسلمان فاقہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ

اتر رہے ہیں لیکن روسا کے مال و جان کو دعائیں کرتے والی قوم کا دنیا میں کیسے بھلا ہو۔ مجلس احرار کیا مدد کرے حالانکہ احرار کا ایک ریاست کی تحریک آزادی سے گہرا تعلق ہے۔"

حکومت سے تصادم اور گرفتاریاں

اس طعن و تشنیع کا یا اثر ہوا کہ بہاولپور کے لیڈروں کے طرز فکر میں قدرت تبدیلی آئی اور سیاسی سرگرمیوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ تلخی و تندی کی فضا بھی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جمعیت المسلمین نے یکم اپریل کے سرکاری اعلامیہ کو مسترد کرنے کے بعد مئی میں ایجی ٹیشن کا پروگرام بنایا۔ اور حزب اللہ کے ساتھ مل کر ایک وار کونسل تشکیل دی جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حکومت نے ان کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو وہ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے انہوں نے اس تحریک کو ہمہ گیر بنانے کیلئے ریاستی ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن چونکہ ابتک مسلمان انکی تحریکوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لئے وہ بھی اب دامن کشاں تھے۔ ان دنوں بہاولپور کے ہندوؤں کے مشیر ملتان کے منشی دہاڑی لال وکیل تھے یہ لوگ ان سے ہی اپنے سیاسی معاملات میں مشورے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ منشی عبدالحمید ان سے ملتان جاکر ملے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ بہاولپور کے ہندوؤں کو وہاں کے عوامی مطالبات کی تحریک میں حصہ لینے پر مجبور کریں منشی ہاڑی لال نے کہا کہ بہاولپور کے ہندوؤں نے جب بھی کوئی تحریک چلائی ہے مسلمانوں نے مخالفت کی ہے اس لئے اب انہیں کس طرح اس بات پر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ منشی عبدالحمید نے کہا کہ ہندوؤں کی ہڑتال ہمیشہ فرقہ دارانہ بنیاد پر ہوئی ہے اس لئے مسلمانوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ لیکن اب جو مطالبہ انہوں نے کیا ہے وہ سب کے مفاد سے تعلق رکھتا ہے۔ ہندو مسلمان مساوی طور پر اس سے مستفید ہوں گے۔ منشی عبدالحمید صاحب کے اس استدلال پر منشی ہاڑی لال قائل ہو گئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بہاولپور کے ہندوؤں کو وہاں کی عوامی تحریک میں حصہ لینے کا مشورہ دیں گے۔

منشی عبدالحمید صاحب مطمئن ہو کر بہاولپور آ گئے۔ انہیں توقع تھی کہ اب ہندو بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے لیکن وہ پھر بھی ان کی تحریک سے الگ رہے اور مسلمان اپنی تحریک آپ ہی چلاتے رہے۔ ان میں خاصا جوش و خروش تھا۔ تقریریں بھی بڑی دھواں دھار کر رہے تھے۔ آخر ریاستی حکومت حرکت میں آئی اور اس نے ۱۹ اپریل

۱۹۳۹ء کو زیر دفعہ ۱۲۴/۱۵۱ الف جمعیت المسلمین اور حزب اللہ کے دو درجن سے زیادہ ارکان کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار ہونے والوں میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔

مولوی عبدالعزیز۔ فیض محمد۔ مستری عبدالرحمن۔ حاجی محمد اشرف۔ مولوی عبدالرحمن امام جامع مسجد۔ ماسٹر تاج محمد خان درانی۔ چوہدری رحمت اللہ۔ حافظ احمد یار۔ غازی عبدالرحمن۔ ماسٹر عبدالقادر جوہر۔ میاں اللہ ڈوایا۔ نور محمد پوٹلی۔ واحد بخش درزی حاجی عبدالرشید۔ میاں محمد اسماعیل۔ میاں احمد بخش منہاری والے۔ عبدالرشید حمانی حاجی محمود حجام۔ حاجی محمد بخش کھوکھر۔ جندوڈہ۔ امیر رحمت۔ ماسٹر عبدالحکیم۔ رحیم بخش گاذر۔ اللہ رکھا گاذر۔ نور محمد گاذر۔ کریم بخش۔ اللہ یار۔ شیر محمد طالب علم محمد اختر درزی۔ الٰہی بخش درزی۔ محمد حسین لکو۔ فضل محمد قصاب۔ اللہ بخش بکھو

بغاوت کا مقدمہ

ان لوگوں کے خلاف پمفلٹ "عرض حال" کی بنیاد پر مقدمہ قائم کیا گیا تھا اور دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت انہیں تاج عباسیہ کا باغی قرار دیا گیا تھا۔ اس مقدمہ کی سماعت مسٹر احمد علی خان کھیڑہ مجسٹریٹ درجہ اول نے منزل جیل بہاول پور میں کی حکومت کی طرف سے کمال محمد خان انسپکٹر پولیس انچارج سی آئی ڈی نے چالان پیش کیا اور ملک عبدالحمید پراسیکیوٹر (جو بعد میں بہاول پور اور پھر مغربی پاکستان ہائیکورٹ کے جج بنے) نے پیروی کی۔

عدالت میں جب مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی تو پولیس کو گواہوں کی فراہمی میں سخت مشکل پیش آئی۔ شہر کا کوئی فرد بطور گواہ پیش ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ بالآخر پولیس نے مثل کا پیٹ بھرنے کیلئے دیہات سے کچھ لوگ درآمد کئے ساتھ ہی کمال خان انسپکٹر نے گواہوں میں ایک درج رجسٹر ہندو بدمعاش حاکم رائے درزی کو بھی شامل کر لیا ان کو خیال تھا کہ مسلمان لیڈروں کے خلاف اس ہندو گواہ کی شہادت بڑی مفید ثابت ہوگی لیکن وہ "ہندو بدمعاش" جب عدالت میں پیش ہوا تو اس نے اپنا بیان عدالت میں دینے کے بعد عدالت کے ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہہ دیا کہ "مجھے کمال خان نے اتنا ہی بتلایا تھا جتنا میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ علم نہیں"

اس فقرے نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ کمال خان بغلیں جھانکنے لگے عدالت پر نماست ہوگئی اس مقدمہ کی رپورٹنگ کے لئے لاہور کے اخبار ٹریبیون کا ایک

رپورٹر آیا ہوا تھا۔ اس نے جب ٹریبون میں حاکم رائے کے بیان کی رپورٹ شائع کی تو حکومت کی بہت کرکری ہوئی۔ وزیر اعظم نبی بخش محمد حسین نے کمال خان کو فوری طور پر برخاست کر کے انکی جگہ ایک پنشنر انسپکٹر محمد خان تنکانی کو کوتوال شہر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد حکومت کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ مسلمان لیڈر کسی طرح معافی نامہ لکھ دیں مگر یہ سب بڑے مستقل مزاج تھے کسی طرح رام نہ ہوئے اور بالآخر نواب صاحب کے حکم سے یہ مقدمہ فیصلے سے پہلے ہی، واپس لے لیا گیا۔

بہاول پور کی سیاست میں مجلسِ احرار کا دخل

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب حزب اللہ اور جمعیت المسلمین نے ریاست میں ایجی ٹیشن کا پروگرام بنایا تھا تو کچھ کارکنوں کو بیرون ریاست سیاسی حلقوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ ان میں منشی محمد حسن چغتائی کا کردار خاص اہمیت کا حامل تھا انہیں کچھ عرصہ پہلے ان کی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر ریاست بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ کہروڑ میں مقیم تھے اور وہاں مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری کے طور پر کام کر رہے تھے۔ جب بہاول پور میں سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں تو انہوں نے مجلس احرار کی طرف سے ریاستی حکومت کے خلاف پورے پنجاب میں یوم سیاہ منوایا۔ پھر ایجی ٹیشن کیلئے رضا کار بھرتی کر کے بہاول پور بھجوائے اس کے علاوہ کہروڑ پکا میں مجلس احرار نے ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس منعقد کی جسمیں مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانوی نے حکومت بہاول پور کو متنبہ کیا کہ

> "مجلس احرار اسلام کی تمام ہمدردیاں بہاول پور کے عوام کے ساتھ ہیں اور اگر قومی کارکنوں کا بال بھی بیکا ہوا تو مجلس احرار اسلام پوری قوت کے ساتھ عملی کارروائی کرے گی اور کشمیری مسلمانوں کی طرح بہاول پور کے عوام کو بھی ان کے جائز حقوق دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی اور مجلس کے اس عزم میں اسلامی ریاست کا لیبل ہرگز حائل نہ ہوگا۔"

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے بھی اپنے کارکنوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے رضا کار بہاول پور بھیجیں جو وہاں پہنچ کر مظاہروں میں حصہ لیں۔ ایسے وفدوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ریاستی حکومت نے راتوں رات سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

ریفارمز کمیٹی کا قیام

ریاستی حکومت نے عوامی مطالبات کا جائزہ لینے کیلئے جون ۱۹۳۹ء میں ایک ریفارمز کمیٹی قائم کی تھی اس کمیٹی کے ارکان میں خان بہادر عبدالقیوم خان ریونیو منسٹر۔ میجر شمس الدین محمد اور میجر حفیظ اللہ شامل تھے۔ کمیٹی نے پوری ریاست میں دورے کا پروگرام بنایا تھا جو مختلف مقامات پر جا کر اصلاحات کے سلسلے میں لوگوں کی رائے معلوم کرتی تھی جمعیۃ المسلمین نے اس کمیٹی کی ہیئت ترکیبی پر اعتراض کیا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ جمعیۃ المسلمین چونکہ تمام باشندگان ریاست کی نمائندہ جماعت ہے اس لئے اسے کمیٹی میں نمائندگی ملنی چاہیئے اس کا کہنا تھا کہ ریفارمز کمیٹی میں ایسے لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جن سے پبلک کی بہبود کی کوئی توقع نہیں۔

پبلک کیا چاہتی ہے؟

چنانچہ جمعیۃ المسلمین کی طرف سے بعنوان "پبلک کیا چاہتی ہے" ایک پمفلٹ شائع کیا گیا۔ اس نام کا ایک پمفلٹ پہلے بھی شائع ہوا تھا جس میں میونسپل بورڈ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اور اسمبلی کیلئے مطالبہ کیا گیا تھا یہ پمفلٹ نمبر۲ تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے کی حکومت کو دعوت دی گئی تھی۔

۱۔ زمینداروں اور کسانوں پر مالیہ اور آبیانہ کا بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ اکثر اوقات ان کی کلہم آمدنی سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے گھر کا سامان بلکہ اپنے مویشیوں کو جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے اور بسا اوقات اپنی لڑکیوں کو فروخت کرکے سرکاری مطالبات ادا کرتے ہیں۔ پانی کی بدانتظامی کی وجہ سے یا تو فصلیں کاشت ہی نہیں ہو سکتیں یا تیار شدہ فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

۲۔ حکومت دیہاتیوں اور زمینداروں سے لوکل ریٹ وصول کرتی ہے لیکن اس کے عوض جو سہولتیں انہیں مہیا ہونی چاہیئں ان سے وہ محروم ہیں۔ تعلیم کا باقاعدہ انتظام نہیں دیہاتیوں کا ۹۹ فیصد طبقہ تعلیم کے فیض سے محروم ہے۔ سڑکوں کا کوئی انتظام نہیں پہلے زمانہ کی کچی سڑکیں ضائع کر دی گئی ہیں اور جو نئی سڑکیں تیار کی گئی ہیں وہ صرف افسران کے لئے مخصوص ہیں۔ اجناس شہر تک لے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہسپتالوں اور شفاخانوں کے نام سے بھی دیہاتی ناآشنا ہیں

۳۔ شہروں کی حالت دیہاتوں سے بہتر نہیں۔ میونسپل کمیٹیوں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے جو چونگی کے محصول اتنے زیادہ ہیں کہ تجارت کلیۃً تباہ ہو گئی ہے

۴۔ چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کو ٹھیکہ جات کے ذریعہ تباہ کیا جا رہا ہے ہزاروں دستکار اور مزدور خصوصاً درکھان اور درزی بیکار ہو رہے ہیں۔

۵۔ ملازمتیں فروخت ہو رہی ہیں۔ عہدہ جات انہیں صاحبان کو دیئے جاتے ہیں۔ جو قیمتی سفارشات مہیا کر سکیں خواہ وہ کتنے ہی نا اہل کیوں نہ ہوں۔ دوسری طرف قابل اور اعلےٰ تعلیم یافتہ مگر غریب ریاستی امیدوار دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

۶۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہے اکثر افسران بالا سے لے کر کانسٹیبل اور چپراسی تک غریب رعایا کا خون چوس رہا ہے۔

۷۔ افسران بالا کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں جو صوبجات ہند کے وزراء سے بھی بڑھی ہوئی ہیں اور چھوٹے عہدہ داروں کی تنخواہیں اتنی قلیل ہیں کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بمشکل پال سکتے ہیں۔

یہ شکایات گنوانے کے بعد پمفلٹ ہذا میں ان اصلاحات سے بحث کی گئی تھی جو ریاستی حکومت نے بعد از خرابی بسیار دینی شروع کی تھیں۔ اس سلسلے میں لکھا گیا تھا

٭ حکومت کا اعلان ہے کہ میونسپل الیکشن دیا جا چکا ہے اور پبلک اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہی اور ہر بار اسی اعلان کا اعادہ کیا جاتا ہے جو بالکل بے معنی ہے۔ پبلک ہر وقت فائدہ اٹھانے کیلئے تیار ہے لیکن افسوس کہ خود حکومت نے الیکشن کرانے کا وعدہ ابتک پورا نہیں کیا۔

٭ حکومت نے رورل لوکل بورڈ کے ذریعہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جو تحفہ پبلک کو حکومت نے عنایت کیا ہے اس کی حقیقت اس سے آشکارا ہو جاتی ہے کہ اسے ایک پائی تک خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسے تین ماہ میں صرف ایک بار سوائے چند ریزولیشن پاس کرنے کے اور کوئی کام نہیں ہو گا۔ پھر لطف یہ کہ ان ریزولیشنوں کو پاس کرنے کے لئے بھی سرکاری نامزد ممبران ہوں گے پبلک کا کوئی منتخب نمائندہ نہیں لیا جائے گا۔

٭ آقائے نامدار سرکار عالی دام اقبالہٗ و ملکہ نے ریاست میں رشوت ستانی کے انسداد کے لیے ایک کمیٹی مقرر فرمائی لیکن حکومت نے اس فرمان کا اعلان ریاست کے گزٹ میں شائع نہیں کیا کہ کہیں عوام اس سے باخبر ہو کر افسران کو رشوت دینا بند نہ کر دیں۔

"رشوت ستانی اور دیگر شکایات کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی کہ ریاست میں آزاد اسمبلی کا نفاذ فرمایا جائے جس کے ممبران پبلک کے نمائندے ہوں گے وہ نہ صرف براہِ راست حضور تاجدار عباسی سرکار عالی کے ماتحت ہوں گے بلکہ ان کے ہر اقدام کی منظوری کے قطعی اختیارات والیٔ ریاست کو ہوں گے اور وزراء چونکہ پبلک کی نمائندہ جماعت بمنزلہ نہ صرف منتخب کئے جائیں گے بلکہ پبلک کے آگے جوابدہ ہوں گے اور اس طرح غریب رعایا پر بے جا تشدد اور اپنے فرائض میں کوتاہی کرنے سے باز رہیں گے

"اگر حکومت ان اصلاحات کو بصورت اسمبلی جاری کر کے عوام کے مصائب دور کرنے کو تیار نہیں اور لوکل رورل بورڈ کی طرح ایڈوائزری چیمبر قائم کر کے دل بہلانا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں ریفارمز کمیٹی سے تعاون لاحاصل ہے"

نواب صاحب کا دورۂ ریاست حکام کی پریشانی

سیاسی بےچینی روز افزوں تھی۔ مسلسل تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ عوام کی تکالیف اور شکایات کا اظہار ہو رہا تھا۔ سیاسی جماعتیں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کر رہی تھیں کہ ہز ہائی نس نواب بہاولپور نے ریاست کے دورے کا پروگرام بنایا تاکہ ذات بنفس نفیس اپنی رعایا سے مل کر ان کی شکایات سن سکیں۔ دورے کی ابتداء ریاست کے مغربی حصے سے ہوئی تھی اس کی صورت یہ تھی کہ نواب صاحب کسی ایک مقام پر دربار عام منعقد کرتے اور وہاں عام لوگوں کو پیش ہو کر اپنی تکالیف بیان کرنے کی دعوت دی جاتی۔ عوام نے اس پروگرام کو بے حد سراہا۔ لوگ جوق در جوق پیش ہو کر ادنیٰ سے اعلیٰ سرکاری حکام کے مظالم کی داستانیں سنانے لگے۔ سرکاری حکام نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ پریشان ہو گئے اور انہوں نے یہ کوشش کی کہ جلد سے جلد اس دورے کا پروگرام ختم ہو۔ چنانچہ ابھی ریاست کے مشرقی حصے کا دورہ باقی تھا کہ یہ پروگرام منسوخ ہو گیا۔ سیاسی حلقوں نے اس پر بڑی لے دے کی۔ ایک دو اشتہار بھی اس مضمون کے شائع کئے کہ حکام نواب صاحب کو ان کی رعایا کے حالات سے بے خبر رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا شاید حکام نے یہ اشتہارات نواب صاحب تک پہنچنے ہی نہیں دیئے۔

سیاسی جمود کا دور ۱۹۳۹ء کے اواخر میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ریاست میں وقتی طور پر ایک قسم کا جمود طاری ہو گیا تھا اور سیاسی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک بہاول پور کی سیاسی فضا میں کوئی خاص ہلچل پیدا نہیں ہوئی اور غیر معمولی نوعیت کا کوئی سیاسی واقعہ پیش نہیں آیا۔

مجلس احرار کا قیام جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ریاست میں مجلس احرار اسلام کا اثر و نفوذ روز بروز بڑھ رہا تھا۔ ان کی بالواسطہ اور بلاواسطہ ریاستی کارکنوں کے ساتھ ہمدردی نے یہاں کی فضا کافی حد تک ان کے حق میں ہموار کر دی تھی چنانچہ ۱۹۴۲ء میں پہلی بار مجلسِ احرار کا شعبۂ تبلیغ خان پور میں قائم کیا گیا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہی شعبۂ تبلیغ باقاعدہ مجلس احرار کی تنظیم میں تبدیل ہو گیا۔

یہ ریاستی قوانین کے خلاف بڑا جرأت مندانہ اقدام تھا۔ اب تک ان قوانین کو نظر انداز کر کے کسی بیرونی سیاسی جماعت کی شاخ یہاں کھولنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی تھی۔ زندہ دلانِ خان پور نے جن میں نور احمد باغی پیش پیش تھے۔ جرأتِ رندانہ سے کام لیا اور نہ صرف خان پور بلکہ ریاست کے دوسرے مقامات پر بھی مجلسِ احرار کی شاخیں قائم کر دیں۔

۱۹۴۴ء میں بہاول پور کے بعض سیاسی کارکنوں نے بھی بہاول پور میں مجلسِ احرار کا دفتر کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے والوں میں منشی محمد حسن چغتائی عبدالرزاق خان خاکوانی۔ مولانا حبیب اللہ گمانی۔ مولانا عبداللہ درخواستی کے بھائی مولانا عبدالرحیم درخواستی۔ میاں غلام حسن۔ محمد علی شاہ اور ریاض احمد رحمانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے ریاستی قانون رجسٹریشن کے مطابق مجلس احرار بہاول پور کو رجسٹرڈ کرانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن جب ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی تو انہوں نے مجلس احرار کے اغراض و مقاصد پر مشتمل ایک اشتہار شائع کیا جس میں عوام سے اس جماعت میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی اور اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ مجلس احرار باشندگان بہاول پور کے سیاسی و مذہبی حقوق اور معاشرتی اصلاح کے لئے جدوجہد کرے گی۔

یہ اشتہار بھی خلاف قانون تھا کیونکہ ان دنوں ریاست میں سنسر عائد تھا اور کسی قسم کی کوئی

تحریر سنسر کرائے بغیر شائع نہیں کرائی جا سکتی تھی لہٰذا حکومت نے نہ صرف اس بے ضابطگی کے خلاف بلکہ رجسٹریشن ایکٹ کے تحت مجلس احرار بہاولپور کے ارکان کو نوٹس دیا کہ کیوں نہ ان کے خلاف ریاستی قوانین کی خلاف ورزی کے جرم میں سزائے قید دی جائے اس نوٹس کا تحریری جواب دیتے ہوئے مجلس احرار کے ارکان نے یہ موقف اختیار کیا کہ سنسر کے قانون کی حیثیت ریلوے کے اس قانون کی سی ہے جس کے تحت ریلوے کی پٹڑی پر سے گذرنے والا آدمی سزا کا مستوجب ہوتا ہے لیکن کبھی کسی کو اس جرم میں گرفتار نہیں کیا جاتا جہاں تک جماعت کی رجسٹریشن کا تعلق تھا اسے کارکنان مجلس احرار نے ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس قانون کے مطابق جب تک رجسٹریشن نہ ہو کوئی جماعت نہیں بن سکتی اور جب تک عہدیدار نہ ہوں رجسٹریشن کی درخواست پیش نہیں کی جا سکتی لہٰذا قانون کی اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے پہلے جماعت کے رکن بنائے گئے اور پھر عہدیداروں کا انتخاب کر کے رجسٹریشن کے قاعدے کی تکمیل کی گئی نوٹس کے جواب میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر اس وضاحت کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو وہ اس قانون کو عدالت دیوانی میں چیلنج کریں گے۔ اس جواب پر حکومت خاموش ہو گئی اور اس طرح مجلسِ احرار کی سرگرمیاں پہلے سے دوچند ہو گئیں۔

مسلم لیگی اور نیشنلسٹوں کی کشمکش

مجلس احرار کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے ساتھ ہی بہاولپور میں مسلم لیگی افکار و خیالات کی ترویج کا دور بھی شروع ہو گیا تھا یہ ۱۹۴۰ء کا زمانہ تھا۔ قرارداد پاکستان نے برصغیر میں ایک ہلچل پیدا کر رکھی تھی ہر طرف جلسے اور جلوسوں کا زور تھا۔ مسلمان جواب سے پہلے سیاست کے صحرا میں ایک بھٹکے ہوئے کارواں کی حیثیت رکھتے تھے انہیں منزلِ مقصود کا نشان مل گیا تھا۔ جوش و جذبہ کے یہ اثرات بہاولپور بھی پہنچے اور یہاں بھی ایک حلقہ ایسا پیدا ہو گیا جو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نجات دہندہ جماعت اور قرارداد پاکستان کو ان کی فلاح و ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا اس حلقہ میں پڑھے لکھے نوجوان شامل تھے خاص طور پر وہ نوجوان جو علیگڑھ کے فارغ التحصیل تھے اور جن میں وہاں کی فضا نے حریت فکر کے ساتھ ساتھ عملی صلاحیتیں بھی اجاگر کر دی تھیں انہیں کے زیر اثر بہاولپور کے ایس ای کالج میں بھی ایسے طلباء کی خاصی تعداد پیدا ہو گئی جو مسلم لیگ کا دم بھرتی تھی۔ ان میں میر زاہد حسین کا نام سرِ فہرست ہے ان کا موروثی وطن تو میرٹھ ہے۔ لیکن تین پشتوں سے ان کا خاندان بہاولپور میں آباد ہے۔ ان کے والد میر عابد حسین مرحوم صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں کافی زرعی و سکنی جائیداد کے مالک تھے۔ بہاولپور کی سیاست کے اتار چڑھاؤ میں وہ اپنے مثبت کردار کی وجہ سے بڑی نیک شہرت کے مالک رہے ہیں۔

میرزا حسین کو قومی خدمت کا جذبہ تو وراثت میں ملا ہی تھا۔ لیکن بہاول پور میں تحریک پاکستان کی آبیاری کے لئے انہوں نے جو کام کیا وہ ان کا ہی حصہ ہے۔ نوجوانوں میں وہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے سب سے زیادہ پرجوش حامی تھے انہوں نے کالج کے طلباء میں ہی کام نہیں کیا بلکہ بڈھے اور پرانے سیاسی کارکنوں میں بھی ایک نئی حرارت پیدا کر دی

اس وقت سب سے اہم مسئلہ نیشنلسٹ اور احراری علماء کے اثرات کو زائل کرنے کا تھا۔ حزب اللہ اور جمعیت المسلمین جو یہاں کی سب سے زیادہ فعال جماعتیں تھیں ان میں اکثریت ایسے ارکان کی تھی جو نیشلسٹ خیالات کے حامی تھے۔ قرارداد پاکستان کے بعد انہوں نے ذمہ دارانہ نظام حکومت کے مطالبے کو پس پشت ڈال کر متحدہ قومیت کے پرچار کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا چنانچہ جمعیت کے ان ارکان نے جو مسلم لیگی نظریات کے حامی تھے ان کے خلاف ایک محاذ بنا لیا اور پاکستان کے حق میں کام شروع کر دیا۔

خدام وطن کا قیام

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیت المسلمین اور حزب اللہ کے ارکان دو علیحدہ علیحدہ دھڑوں میں بٹ گئے ایک دھڑا نیشنلسٹ علماء کے زیر اثر تھا اور دوسرا تحریک پاکستان کا موید و حامی۔ کچھ دن تو ان دھڑوں میں خاصی رسہ کشی ہوئی بالآخر وہ دھڑا جو مسلم لیگی خیال کے ارکان کے غلبہ سے کافی بددل ہو گیا تھا ان دونوں جماعتوں سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ انہوں نے الگ ہو کر خدام وطن کے نام سے ایک نئی جماعت بنائی جو دراصل جمعیت علمائے ہند کے نقش قدم پر چلنا چاہتی تھی اور تقسیم ملک کے خلاف تھی۔

جمعیت المسلمین اور خدام وطن کا مقابلہ

جمعیت المسلمین اور حزب اللہ کے جو ارکان باقی رہ گئے تھے ان کا آپس میں اتحاد قائم رہا۔ حزب اللہ کے صدر شیخ بشیر احمد اور جنرل سیکرٹری عبدالرحمن غازی تھے جمعیت المسلمین کے صدر نور محمد تکانی اور جنرل سیکرٹری منشی عبدالحمید تھے۔ دوسرے ارکان میں ملک شیر محمد جویہ حافظ احمد یار اور عبدالحمید صحرائی تھے

جوں جوں تحریک پاکستان زور پکڑتی گئی بہاول پور میں جمعیت المسلمین مضبوط ہوتی گئی اور اس کے کارکنوں کے حوصلے بھی بڑھتے گئے حزب اللہ اس کی موئید و معاون تھی لیکن اس کا دائرہ کار اب زیادہ تر مذہبی امور تک محدود تھا۔ خدام وطن نے اگرچہ ابھی تک ہار نہیں مانی تھی اور وہ ہندو سبھا اور مجلس احرار وغیرہ کی معاونت سے برسرکار تھی لیکن جمعیت کے مقابلہ میں اب اس کے اثرات کم ہوتے جا رہے تھے۔ تاہم جذبہ مسابقت دونوں جگہ کارفرما تھا! وہ ایک وجہ

سے بازی لے جانے کی کوشش دونوں طرف سے تھی۔ کوئی چونکا دینے والا کام جمعیت کرتی تو فوراً جواب آل غزل کے طور پر خدام وطن کی طرف سے بھی کوئی غیر معمولی کارروائی ہوتی چنانچہ اس دوڑ میں ایک بار جمعیت یہاں تک آگے بڑھ گئی کہ اس نے جرأت سے کام لے کر جمعیت المسلمین کے ساتھ بریکٹ میں مسلم لیگ کا اضافہ کر دیا۔ یہ کارروائی ریاستی قانون کے خلاف تھی لہٰذا فوراً بازپرس ہوئی۔ لیکن جمعیت کے سیکرٹری منشی عبدالحمید کے اس جواب نے کہ مسلم لیگ جمعیت المسلمین کا انگریزی ترجمہ ہے اور قانون میں ترجمہ کی کوئی ممانعت نہیں حکومت کو چپ کرا دیا۔ اس طرح جمعیت معناً کچھ دن تک مسلم لیگ کا بدل بنتی رہی اور ریاست میں اپنی شاخیں قائم کرتی رہی۔ اس وقت تک جمعیۃ المسلمین ریاست کے مختلف حصوں میں مندرجہ ذیل کارکن پیدا کر چکی تھی جو بڑے جوش و جذبہ سے کام کر رہے تھے

چودھری دانش (فقیر والی) عبداللطیف شاہ اور راؤ ریاض احمد (ہارون آباد)
چودھری امام دین (بہاول نگر) محمد قاسم (جھبیلن والی) محمد سعید رحمانی اور
بشیر احمد اختر (اللہ آباد) حاجی عبدالغفور اور شیخ محمد عمر (خانپور) اور چوہدری محمد اسحاق
(رحیم یار خان)

آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق کا مسئلہ

سیاسی معاملات میں ہندوستان کی دوسری ریاستوں کا حال بھی ریاست بہاولپور سے مختلف نہ تھا وہاں بھی ریاستی باشندوں کو نہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت تھی اور نہ وہ کوئی سیاسی جماعت بنا سکتے تھے لیکن جب ہندوستان میں سیاسی تحریکوں نے زور پکڑا اور کانگریس کی فرقہ دارانہ ذہنیت کھل کر سامنے آئی تو اس کے اثرات ان ریاستوں میں بھی پہنچے جہاں کی آبادی کی اکثریت ہندو تھی یا جن کے حکمران ہندو تھے ان اثرات کے تحت ہندوؤں نے مسلمانوں کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا اور ان پر ایسے ایسے مظالم توڑے کہ ان ریاستوں کی مسلم آبادی میں اپنے عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ وہ ایک ایسی سیاسی تنظیم قائم کریں جو ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکے۔ چنانچہ آل اسٹیٹس مسلم لیگ کے نام سے ریاستی باشندوں کی ایک نمائندہ جماعت قائم کی گئی جس کے صدر حیدر آباد دکن کے نواب بہادر یار جنگ مقرر ہوئے اسمیں تقریباً تمام ریاستوں سے ایک ایک دو دو نمائندے لئے گئے تھے۔ بہاولپور کے عبدالمجید خان کوانی ایڈووکیٹ اس تنظیم کے پہلے نمائندے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بہاولپور سے انوار الرب گلزار کریمی کو نامزد کیا گیا۔

انوار الرب گلزار کریمی رہنے والے تو میرٹھ کے تھے لیکن ان کی شادی بہاول پور میں جنرل عبدالرحمٰن صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ نہ صرف بہاول پور کی سیاسیات سے متعلق ہو گئے تھے بلکہ جب کبھی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ بہاول پور کی نمائندگی بھی کر لیا کرتے تھے۔ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ میں ان کی بہاولپور کی طرف سے نمائندگی کی بھی یہی صورت تھی۔ آگے چل کر مسلم لیگی خیالات کے لوگوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اگر براہ راست آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ یہاں قائم نہیں کر سکتے تو کم از کم آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے ہی ان کا الحاق ہو جائے چنانچہ اس سلسلہ میں ایک طرف حیات ترین مرحوم ایڈیٹر ہفت روزہ انصاف نے یہ کوشش کی کہ بہاولپور میں اسٹیٹس مسلم لیگ کی شاخ قائم کی جائے تو دوسری طرف جمعیت المسلمین نے جس کے ارکان میں انوار الرب گلزار کریمی کے برادر نسبتی مولوی سعید احمد رحمانی بھی شامل تھے کریمی صاحب کو جمعیت کا آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق کرانے کے لئے ذریعہ بنایا

حیات ترین نے جو خط اس سلسلے میں نواب بہادر جنگ کو لکھا تھا اس کا انہوں نے تفصیلی جواب دیا اور چند نصیحتیں بھی کیں۔ یہ خط یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

Nawab
Bahadur Yar Jung
(Bahadur)
President All India
States Muslim League
Hyderabad (Deccan)

(نواب) بہادر یار جنگ (بہادر)
صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ
حیدرآباد دکن۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

یہ سن کر مسرت ہوئی کہ آپ نے ریاست بہاولپور میں ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا ارادہ کیا ہے اس امر کا اطمینان کر لیجئے کہ وہاں پہلے سے کوئی نمائندہ ادارہ موجود تو نہیں ہے اگر ہے تو پھر دو دو ادارے قائم کرنا کہیں مسلمانوں میں تفریق کا موجب نہ ہو اس سلسلے میں مولوی محمود الحسن صاحب صدیقی معتمد آل انڈیا اسٹیٹس لیگ سے الحاق کروا لیجئے اور انہی سے تفصیلی ہدایات حاصل فرمائیے اگر کوئی اہم اور ضروری معاملہ ہو تو مجھے لکھئے میں آپ کی ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں۔

آپ کے جلسے میں میری شرکت اس لئے ممکن نہیں کہ جنگ کی تربیت نے حیدرآباد میں میری مکاریوں

کو بڑھا دیا ہے اور یہاں سے میں ایک دن کے لئے بھی باہر نہیں جا سکتا۔

مسٹر گرافٹن حیدر آباد میں ریونیو سیکرٹری تھے۔ میں ان سے خوب واقف ہوں۔ مجھے ان سے کوئی زیادہ توقع نہیں ہے۔ تاہم آپ میرے اس خیال کا اظہار کئے بغیر کوشش کیجئے۔ میری تمنا ہے کہ وہ بہاول پور میں اچھے آدمی ثابت ہوں۔

بحیثیت ایک خادم کے میری آپ کو ہدایت و نصیحت یہی ہے کہ نہ اتنا تیز دوڑیئے کہ آپ ٹھوکر کھا کر گریں، نہ جامد و غیر متحرک رہیئے۔ نہ حکومت سے اتنا تعلق بڑھایئے کہ وہ آپ کو اپنا آلۂ کار بنالے نہ بے ضرورت اس سے ہر وقت لڑ کر اپنی طاقت زائل کیجئے۔ بہرحال اپنے ہر کام میں اعتدال پیدا کیجئے ابتداً اپنی پوری توجہ مسلمانوں کی تنظیم اور ان کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں صرف کیجئے اور ہر قدم اٹھانے سے قبل اپنی طاقت کا اندازہ کر لیا کیجئے۔

میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور میں آپ کی کامیابی کا دل سے متمنی ہوں

آپکا مخلص

جناب مولوی حیات ترین صاحب — محمد بہادر یار

اس زمانے میں آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ نے ہندوستانی ریاستوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بہادر یار جنگ کمیٹی کے نام سے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر رکھی تھی جو مختلف ریاستوں کا دورہ کر رہی تھی اس کمیٹی کا رابطہ نواب ارب گلزار کریمی سے تھا اور وہ بہاول پور کے سلسلہ میں ان سے ہی خط و کتابت کیا کرتی تھی۔ کریمی صاحب نے ایک خط نواب بہادر یار جنگ کو بھی لکھا جس میں یہ استدعا کی کہ وہ بہاولپور کا دورہ کریں نیز آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے جمعیت کا الحاق منظور کریں نواب بہادر یار جنگ نے اس خط کا جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

بہادر یار جنگ، حیدر آباد (دکن)

۶ر جون ۱۹۴۲ء

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط پہنچا۔ توجہ دہانی کا شکریہ۔ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ نے الہ آباد ہی کے اجلاس میں ریاستی مسلمانوں کی تنظیم اور رہبر قسم کی ہدایت کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو بہادر یار جنگ کمیٹی کے نام سے عنقریب ریاستوں کا دورہ شروع کرے گا اور آپکی توقعات کو انشاء اللہ پورا کرے گا۔

اس کی نسبت معتمد آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ بھوپال سے مراسلت فرمایئے

آپ کا مخلص

محمد بہادر یار خان

جناب مولوی محمد انوار الرب صاحب

اس کے بعد کریمی صاحب نے مسٹر محمود الحسن سیکرٹری آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سنٹرل آفس ناگپور کے نام ایک خط تحریر کیا جس کے جواب میں انہوں نے تاہم ان کو لکھا کہ بہادر یار جنگ کمیٹی غالباً نومبر کی آخری تاریخوں میں بہاول پور پہنچ سکے گی ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ آپ بہاول پور میں کمیٹی کے کاموں کیلئے زمین ہموار کرنی شروع کر دیں اور وہاں کی مقامی جماعتوں کو توجہ دلائیں ایسے ناموں اور پتوں کی لسٹ بھیجیں جنہیں کمیٹی کا سوالنامہ بھیجا جا سکے اور وہ کمیٹی کے کاموں میں مدد کر سکیں۔"

انہوں نے پھر بہاول پور میں مسلمانوں کی تنظیم کے تفصیلی حالات سے مطلع کرنے کی بھی خواہش کی اور لکھا کہ
"بہاول پور سے ایک صاحب حیات ترین جلد اپنے اسٹیٹ مسلم لیگ قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اگر ممکن ہو تو آپ ان سے مل کر اس سلسلے میں مشورہ کیجئے اور اس کے نتیجے سے مطلع فرمایئے۔"

مسلم بورڈ کا قیام

یہ سلسلہ ابھی جاری تھا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا کہ مسلم بورڈ کے نام سے ایک نئی جماعت یہاں معرض وجود میں آگئی اس جماعت کے بانی مبانی اور صدر پیر زادہ سلیم اسلم ایڈووکیٹ تھے اور جنرل سیکرٹری سلطان عبدالحمید۔ یہ انجمن اشاعت سیرۃ النبیؐ سے منسلک تھے جو بہاول پور میں بریلوی عقائد کی سب سے فعال جماعت تھی اور جمعیت المسلمین کے ان ارکان کے جواب میں قائم ہوئی تھی جو دیوبندی عقائد کے حامل تھے اور مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے دست بیعت تھے۔

مسلم بورڈ قائم کرنے کے ساتھ ہی پیر زادہ سلیم اسلم نے یہ کوشش کی کہ انہیں ریاستی حکومت یہاں باقاعدہ مسلم لیگ کی شاخ قائم کرنے کی اجازت دیدے انہوں نے اس سلسلے میں مروجہ قانون کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے حکومت کو درخواست بھی دی لیکن وہ منظور نہ ہوئی کیونکہ اگر حکومت ریاست میں مسلم لیگ کے قیام کی اجازت دے دیتی تو ہندوؤں کو بھی یہاں کانگریس قائم کرنے کا جواز مل جاتا

قائداعظم کے نام خط

چنانچہ مسلم بورڈ کے سیکرٹری سلطان عبدالحمید کیطرف سے ۱۱ ہ ۴۲ کو ورکنگ کمیٹی مرکزی مسلم بورڈ کی ہدایت کے مطابق ایک مفصل خط قائداعظم

کی خدمت میں تحریر کیا گیا۔ جس میں اس شکل کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ بتایا گیا تھا کہ ریاستی مسلمانوں نے مجبوراً بہاول پور اسٹیٹ مسلم بورڈ کے نام سے ایک جماعت تشکیل کی ہے جو خالصتاً مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر عمل پیرا ہے اور اس کی انتھک مساعی کے نتیجے میں ریاست کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم ہو رہی ہیں۔

خط میں مزید لکھا گیا تھا کہ کچھ عرصہ بعد ریاستی قانون کا احترام کرتے ہوئے بورڈ کے ممبران نے ایک بار پھر حکومت سے یہ درخواست کی کہ انہیں مسلم بورڈ کا نام تبدیل کر کے بہاول پور اسٹیٹ مسلم لیگ رکھنے کی اجازت دی جائے اب کے ریاستی وزیر اعظم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ بعد اس کی اجازت دے دیں گے لیکن اجازت ابھی تک نہیں ملی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملہ میں مزید تاخیر نہ ہو۔ چنانچہ اکثر حضرات کی یہ رائے ہے کہ حکومت کی منظوری کا انتظار کئے بغیر نام کی یہ تبدیلی فوراً کر لی جائے۔ لیکن چونکہ مسلم لیگ کی ہائی کمان نے کبھی قانون شکنی کی ہدایت نہیں کی اور مسلمانوں کے مفاد میں یہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی قدم نہ اٹھائیں اس لئے اس معاملے میں آپ کی ہدایت کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور سارے مسلمانوں کی نگاہیں آپ کے حکم پر لگی ہوئی ہیں۔

آخر میں درخواست کی گئی تھی کہ قائد اعظم ریاستی مسلمانوں کے نام اس سلسلے میں کوئی پیغام ارسال فرمائیں۔

یہ خط جوابی رجسٹری کی صورت میں بھیجا گیا تھا۔ جسے قائد اعظم نے خود وصول کیا اور (ACKNOWLEDGMENT) اکناجمنٹ پر اپنے دستخط کئے۔

قائد اعظم نے اس طویل خط کے جواب میں سیکرٹری مسلم بورڈ بہاول پور کے نام مندرجہ ذیل تار ارسال کیا۔

قائد اعظم کا جوابی تار

Secy Muslim Bard Bahawalpur

your letter 12th Nov 1946.

Negociate friendly spirit with Bahawalpur government.

Wish you all success.

(دوستانہ فضا میں حکومت سے مذاکرات کئے جائیں آپ کی کامیابی کا متمنی

(جناح)

قائد اعظم کی اس ہدایت کے مطابق مسلم بورڈ نے تحریک پاکستان کی مہم کو پُرامن طور پر جاری رکھا اور تمام ریاست میں مسلم بورڈ کی شاخیں قائم کر کے مسلم لیگی مقاصد کو فروغ دینے کی کوششوں کو آگے بڑھایا جاتا رہا۔

مسلم بورڈ میں پیرزادہ سلیم اسلم کے علاوہ میرزا ہادحسین۔ حیات ترین اور نور محمد تکانی جیسے مخلص کارکن بھی شامل تھے جو سر دھڑ کی بازی لگا کر ریاست میں مسلم لیگ کا پرچار کرنے میں معروف تھے قائد اعظم کے تار نے ان کے جوش و جذبہ میں کافی اضافہ کر دیا تھا۔ اور اب وہ مقامی ہمعصر جماعتوں کی ریشہ دوانیوں سے بے نیاز ہو کر ریاست میں مسلم لیگی خیال کے لوگوں کو منظم کر رہے تھے لیکن ادھر یہ اپنے کام میں مگن تھے۔ اور ادھر ان کی حریف جماعت جمعیت المسلمین اس تاک میں تھی کہ کسی طرح وہ پنجاب صوبہ مسلم لیگ یا پھر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق کر کے مسلم بورڈ سے بازی لے جائے ان کے پاس انوار الرب گلزار کریمی جیسی متحرک شخصیت تو تھی ہی جو ریاست سے باہر ان کے سفیر کا کام دیتے تھے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے کریمی صاحب کے ذریعہ یہ کوشش کی کہ آل انڈیا مسلم لیگ سے جمعیت کا الحاق کرایا جائے۔ کریمی صاحب میرٹھ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب اسماعیل خان صدر مسلم لیگ یو۔پی سے متعارف تھے اور ان سے ملتے بھی رہا کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں ان سے رجوع کیا اور ان کے توسط سے جمعیت کا الحاق پنجاب مسلم لیگ سے کرانے کی کوشش کی لیکن چونکہ مسلم لیگ کے ضوابط کے مطابق کسی ریاستی جماعت کا الحاق صوبہ مسلم لیگ سے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے وہ کریمی صاحب کی کوئی مدد نہ کر سکے اس معاملے میں کریمی صاحب کے خط کے جواب میں نواب اسماعیل خان کے پرسنل اسسٹنٹ نے ۲۴؍۹؍۴۶ کو یہ جواب بھیجا

"مکرمی، سلام مسنون۔

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۶ء پہنچا۔ جناب نواب صاحب قبلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ نے جس خوشی کے ساتھ اپنی خدمات قوم کیلئے پیش کی ہیں اس کیلئے آپ قابل مبارکباد ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا صوبہ کی مجلس عاملہ کی تشکیل کے وقت ضرور خیال رکھا جائے گا

جمعیت المسلمین کا الحاق پنجاب صوبہ مسلم لیگ سے چونکہ خلاف قانون ہے اس لئے یہ صورت ممکن نہیں ہو سکتا۔ مسلم لیگ کی پالیسی یہ ہے کہ ریاستی انجمنوں

سے صوبہ مسلم لیگ کا الحاق نہیں ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہاں کے مسلمانوں کو دلچسپی وانہماک کے ساتھ کام کرتے رہنا چاہیئے امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔
ہو گا۔

والسلام

نیاز مند

صفدر علی

پرسنل اسسٹنٹ جناب نواب محمد اسماعیل خاں صاحب

صدر مسلم لیگ صوبہ متحدہ

جب پنجاب صوبہ مسلم لیگ سے الحاق کی امید باقی نہ رہی تو انہوں نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے رابطہ قائم کیا۔ انوار الرب گلزار کریمی ریاست کی طرف سے اس کی مجلس عاملہ کے رکن تو تھے ہی اور وہ کچھ عرصہ قبل مسٹر منظر عالم صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے اس سلسلے میں مراسلت بھی کر چکے تھے اس لئے جب انہوں نے جمعیت کی طرف سے الحاق کی باقاعدہ درخواست کی تو وہ فوراً منظور کر لی گئی ۸ نومبر ۱۹۴۶ء کو فیس الحاق ادا کی گئی اور اس طرح جمعیت کا باقاعدہ الحاق آل انڈیا اسٹیٹس مسلم سے ہو گیا۔ یہ ساری کارروائی اتنی رازداری سے ہوئی تھی کہ مسلم بورڈ کو کافی عرصہ تک اس کا علم نہ ہو سکا اس سے قبل وہ بھی ریاستی لیگ سے مسلم بورڈ کے الحاق کے سلسلے میں خط و کتابت کر چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ کسی مناسب موقع پر الحاق کا مرحلہ طے کر لیا جائیگا لیکن جمعیت نے خفیہ الحاق کی کارروائی مکمل کر کے انہیں بڑا مایوس کیا۔ انہوں نے ریاستی مسلم لیگ سے اس سلسلے میں احتجاج بھی کیا لیکن اب مشتے کہ بعد از جنگ کا مضمون تھا۔ ناچار انہوں نے مسلم بورڈ کے نام سے ہی کام جاری رکھا۔ ریاستی مسلم لیگ چاہتی تھی کہ جمعیت اور مسلم بورڈ متحد ہو جائیں اس سلسلے میں ایک آدھ بار ریاستی لیگ کے صدر مسٹر منظر عالم نے مسلم بورڈ کے عہدیداروں کو خطوط بھی لکھے لیکن اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ اور مسلم بورڈ جمعیت المسلمین سے علیحدہ ہی اپنا کام کرتا رہا۔

اس کے باوجود کہ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ سے جمعیت المسلمین کا الحاق ہو چکا تھا لیکن جہانتک ریاست میں کارکردگی کا تعلق تھا مسلم بورڈ کی سرگرمیاں کافی بڑھی ہوئی تھیں جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم تھیں اور مخلص کارکنوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس نے پیدا کر لی تھی

جو ریاست کے طول و عرض میں مسلم لیگی نظریات کو پھیلانے میں مصروف تھے۔ چنانچہ رحیم یار خان میں مخدوم محمد بخش اور سردار غضنفر اللہ کے سپرد تھا۔ صادق آباد میں میر زاہد حسین نے علم سنبھالا ہوا تھا۔ خان پور میں عبداللطیف خوجہ اور لیاقت پور میں احمد علی لطیف ایڈووکیٹ موجود تھے بہاولنگر منچن آباد۔ میکلوڈ گنج۔ چشتیاں اور خیر پور ٹامیوالی میں بالترتیب محمد خان ایڈووکیٹ میاں محمد اصغر ارائیں، عبدالعزیز غزنوی عبدالکریم، حکیم قوت بخش اور محمد حسن سندھڑ سرگرم عمل تھے

مسلم بورڈ کی جو شاخ صادق آباد میں قائم تھی اور جس کے روح رواں میر زاہد حسین تھے سب سے زیادہ فعال تھی۔ میر صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے مسلم بورڈ کے دفتر پر مسلم لیگ کا پرچم لہرایا۔

فی الحقیقت میر زاہد حسین مسلم بورڈ کے بنیادی ارکان میں سے تھے اور ان کی سرگرمیوں کا دائرہ صرف صادق آباد تک محدود نہ تھا بلکہ ریاست کے دوسرے مقامات بھی ان کی جولانگاہ تھے۔ انہوں نے تحریری محاذ پر بھی مسلم بورڈ کی زبردست خدمت کی اور کانگریسی اور نیشلسٹ مسلمانوں کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے بیرونی پریس کو بھی استعمال کیا۔

مکتوب مفتوح بنام شیخ دیوبند حضرت مولانا حسین احمد مدنی

یہاں ان کا ایک مکتوب نقل کیا جاتا ہے جو ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کے نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا تھا اس خط سے مسلم لیگ کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا۔ السلام علیکم۔ مزاج مبارک۔

دو ایک روز سے پنڈت جواہر لال نہرو کی آپ بیتی "میری کہانی" زیر نظر ہے۔ فرماتے ہیں (۱) مسلم قوم کا تخیل صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے

(۲) اسلامی تمدن کے سمجھنے کی میں نے بڑی کوشش کی لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔

(۳) گناہ اور غضب الٰہی کی اہمیت ہم کو چند صدی پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم نہیں کرتے مسلمانوں کے تمدن تک کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ گناہ الٰہی اور غضب الٰہی تو ان کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔ ہم پنڈت جی سے اسی قسم کے خیالات کی توقع رکھتے ہیں

لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ جناب ایسا قال اللہ و قال الرسول کا درس دینے والا عالم بے بدل اپنی عمر عزیز کا ایک بہترین حصہ مسلمانوں کے سواد اعظم سے کٹ کر ہندو کانگریس کی خدمت میں صرف کردے۔ لیکن پنڈت نہرو کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل کرنا تو درکنار رہا تو ایک بڑے مرتبے کی چیز ہے ان کو مسلمانوں کے تہذیب و تمدن سے بھی روشناس نہ کرا سکے اور ان سے یہ بھی نہ منوا سکے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ تو کیا میں دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آخر ہندوؤں سے اشتراک عمل سے جناب کا مقصد آخر ہے کیا ——————

صرف مسلم کاز کو نقصان پہنچانا یا کچھ اور بھی ؟ ے

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

پنڈت نہرو کی تحریر کے بموجب ہندو کانگریس میں آپ صاحبان کا وجود ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مضرت رساں اور نقصان دہ رہا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" بارہا گاندھی جی فرقہ پرستوں کے بعض مطالبات اپنی مرضی کے خلاف منظور کرنے کو تیار ہوگئے لیکن ان کے رفقائے کار یعنی قوم پرور مسلم لیڈروں نے خود انہیں روکا اور بڑی سعی سے مخالفت کی۔ مولانا! پنڈت جی کی یہ سند بڑے کام کی چیز ہے اور آن کی آپ بیتی "میری کہانی" حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۰ پر موجود ہے۔ اس کو سنبھال کر رکھئے باپو (گاندھی) کے دربار میں بڑی قیمت پائے گی۔

کانگریس کے ماضی اور حال پکار پکار کر چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانو! تمہاری بھلائی اور عاقبت اندیشی اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس ہندو جماعت سے اپنا دامن چھڑا لو۔ مولانا معاف فرمائیے گا۔ دس کروڑ مسلمانوں سے کٹ کر ہندوؤں کی آغوش میں پناہ لینا آپ ! ایسے جیّد اور متبحر عالم کی شایان شان نہیں۔ آپ کی شرکتِ کانگریس سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہونے سے رہے۔ گاندھی جی اور جواہر لال مسلمان ہونے سے رہے اور مسلمانوں کو ان سے کوئی فائدہ پہنچنے سے رہا۔ ہاں ان صاحبان کی صحبت طالح کا اثر جناب نے خوب قبول کیا ہے۔ چنانچہ جناب کے قول و عمل میں، معاف فرمائیے گا مہا سبھائی تعصب کی جھلک خوب نمایاں اور روز افزوں ہے اور سابق راشٹر پتی

"آزاد" (ابوالکلام آزاد) کا تو رونا ہی کیا وہ تو سراسر "گنگا جمنی" بن چکے ہیں جناب کی شرکت کانگریس سے ہندو قوم کو جو بے بہا فائدے پہنچے ہیں ان کا انکار اور اس کے ساتھ ہی جو نقصان عظیم مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کا اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ مسلمانوں کی آنکھیں خون کے آنسو رو دیتی ہیں جب کہ وہ دیکھتی ہیں کہ آپ ایسی عظیم المرتبت ہستی اغیار کے جال میں کس بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ سنا گیا ہے یقیناً غلط ہوگا کہ سال میں آٹھ نو ماہ درس حدیث چھوڑ کر جناب ہندو کانگریس کے مشاغل میں مصروف رہنے کے باوجود تین چار ماہ میں ایک سال کا کورس پورا فرما دیتے ہیں۔ اور دارالعلوم کے بیت المال سے تنخواہ پورے سال کی وصول ہوتی ہے آخر ایسا کونسا خیال ہے ایسی کونسی کشش ہے ایسا کونسا مفاد ہے جس نے جناب کو ایک ہندو جماعت سے وابستہ کر رکھا ہے اور جو اس بات پر مصر ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ان کے حقوق کو پامال کر کے اپنے ہر ممکن قول و عمل سے اپنی قوم کو نقصان پہنچایا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز دشمنی کے باعث جناب ایسا کر رہے ہیں لیکن یہ تو فرمایئے کہ گذشتہ انتخابات ازلی و ابدی ٹوڈی خضر حیات سے دیوبندی علماء کا ان کے حق میں گلے پھاڑ پھاڑ کر پروپیگنڈہ کرنا بھی کیا انگریز دشمنی ہی کا کوئی حصہ تھا مولانا طلبائے دیوبند کے اس "وارد ھائی جہاد" پر خلد آشیانی مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی روح لرز گئی ہوگی۔ انہوں نے تو ان طلباء کو عدم تعاون ایسی ہمہ گیر تحریک سے بھی الگ کر رکھا تھا اور جناب نے اس مسند شاہی پر قابض ہوتے ہی اس کو سرکار انگلشیہ کے فرزند دلبند خضر حیات کے حوالے کر دیا ـــــــــــ محض لیگ دشمنی کی خاطر۔ اور پھر جو طلباء مسلم لیگ سے ہمدردی رکھتے تھے ان کو خوب خوب نقصان پہنچائے اور طرح طرح سے ان کو ذلیل و خوار کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ امتحانوں میں کامیاب تھے ان کی سندیں تک روک لی گئیں۔ بے شک یہ لوگ اسی قسم کی سزاؤں کے مستحق ہیں کیونکہ ان کا جرم یہ کیا کم ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو روپہلی مصلحتوں کے عوض ناتاؤں اور برلاؤں کے حوالے کرنے سے انکار کر کے محمود غزنوی کی یاد کو تازہ کر دیا ـــــ مولانا ـــــ اب جب کہ دارالعلوم دیوبند کی وقعت دنیا کی نگاہوں میں پہلی سی نہیں رہی تو بھلا اُن سندوں کو کون پوچھتا ہے جو کہ محض آپ صاحبان کی خوشنودی مزاج کا سرٹیفکیٹ بن کر رہ گئی ہیں۔ ان باغیان واردھا کو عبرتناک سزائیں دیجیے اور دلایئے تاکہ مستقبل کا راستہ صاف ہو جائے اور آئندہ کسی کو یہ

یہ جرأت نہ ہو کہ وہ وارد ھاکے حضور سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دے

اس حقیقت سے انکار کفر ہے کہ اس وقت مسلم لیگ انگریز دشمنی میں کانگرس سے پیچھے نہیں۔ ہاں نام و نمود۔ جھوٹے پراپیگنڈے اور اور میٹوں کی خاطر سر پھوڑتے پھرنا۔ اس کے مسلک کے خلاف ہے۔ دُنیا میں سب سے بڑا انگریز دشمن فقیر ایپی ہے اس سلطان المجاہدین نے سالوں سے افرنگ کے خلاف جہاد کی مقدس تحریک شروع کر رکھی ہے اور ہزاروں افغانوں کی قربانی دے چکا ہے وہ مسلم لیگ کو ایک فعال اور انگریز دشمن جماعت سمجھ کر اپنی تائید حمایت کا اعلان اس کے حق میں کرتا ہے دیکھئے ہمارے سرکار پرستوں اور غرض کے بندوں نے قائداعظم کا اشارہ پاتے ہی اپنے فرنگی خطابات کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اب تک مسلم لیگ کی جنگ آئینی طور سے لڑی جا رہی تھی۔ لیکن اب جبکہ اس نے اسے خیرباد کہہ دیا ہے۔ قائداعظم کے معمولی اشارے پر مولانا (جناب) مسلم لیگ کے نوزائیدہ بچوں سے لے کر مردانِ پیر تک سے حکومت کے جیل ابلتے دیکھیں گے اور اگر مزید قربانی کی ضرورت ہوئی تو جناب مشاہدہ فرمائیں گے کہ شوقِ شہادت دلیرانِ اسلام اور مجاہدین پاکستان کو کس طرح کشاں کشاں میدان کارزار میں لے جاتا ہے۔ مسلمان قوم اپنے محبوب قائد کے حکم کی منتظر ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں اول تو یہ ازسرتاپا غلط ہے۔ کذب ہے اور بہتان۔ کیونکہ مسلم لیگ میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی۔ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ۔ مولانا محمد نذیر صاحب عرشی خلیفہ مجاز حضرت الحاج مولانا ابو سعد احمد خانؒ۔ خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ الحاج پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پور۔ حضرت الحاج مولانا محمد قطب الدین صاحب۔ حضرت الحاج مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی۔ حضرت الحاج پیر غلام محی الدین شاہ صاحب گولڑہ شریف۔ حضرت الحاج پیر صاحب مانکی شریف۔ حضرت پیر صاحب زیارت شریف اور حضرت الحاج پیر قمر الدین صاحب سیال شریف ایسی متبرک ہستیاں شامل ہیں۔ جمعیۃ العلمائے اسلام بھی اپنا رشتہ مسلم لیگ سے وابستہ کر چکی ہے۔

مسلم لیگ اسلام کے ناموس کی خاطر۔ اسلام کے نشو و نما کی خاطر اور اسلام کی بقا کی خاطر۔ انگریز اور ہندو سے برسرِ پیکار ہے۔ ہندوستان کا ہر جوان و پیر مسلمان آزاد پاکستان میں آزاد اسلامی حکومت کے پرچم لہرانے کیلئے بے تاب ہے اور منتظر ہے کہ آپ حضرات بھی اس کی رہنمائی فرمائیں۔ لیکن جب آپ صاحبان کو لطف ہی وار دھا آشرم کے لنگوٹ بند مہاتما (گاندھی) کی صحبتوں میں آتا ہے جب صاحب ترجمان القرآن (مولانا ابو الکلام آزاد) اپنی نمازوں کو بھی رسا مبرتی کی پیار بھتاؤں پر قربان کرتے نظر آئیں تو فرمائیے قصور کس کا ہے؟ اور اسلام کا دشمن کون ہے؟ حضرت علامہ عثمانی (مولانا شبیر احمد عثمانی) نے مسلم لیگ میں شرکت فرمائی تو مسلمانوں کے دل بلیوں اچھل پڑے۔ اور ان کے جسم کے ایک ایک سوتے سے مسرت و شادمانی کے فوارے جاری ہو گئے قائد اعظم محمد علی جناح سے لے کر مجھ ایسے ناچیز مسلم لیگی نے حضرت مبلغ الاسلام کو اپنے دلوں کی لامحدود گہرائیوں سے خوش آمدید کہی۔ عرش و فرش سے حضرت عثمانی پر صد مرحبا و تحسین کے پھول نچھاور کئے گئے اور اب جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو نے جناب کو اپنی مجلس عاملہ تک سے چھانٹ دیا ہے حضرت عثمانی نہ صرف مسلم لیگ کے ہر جلاس میں شرکت کر رہے ہیں بلکہ قائد اعظمؒ نے ان کو آئین ساز اسمبلی کا رکن منتخب کرایا تاکہ وہ وہاں جا کر دینی معاملات میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا —— یہ ہے مسلم لیگ کی " لامذہبیت اور علماء بیزاری " کا عالم

" مسلمانوں کے تشتت و افتراق کے مقابلہ میں ہندوؤں کا اتحاد و یگانگت جناب کے لئے مشعلِ راہ ہے " ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

گذشتہ انتخابات میں جب کہ ہندوؤں کا مقابلہ کسی ہندو جماعت نے نہیں کیا اس ت اس کے نمائشی صدر اور ان داتاؤں نے آپ صاحبان کو اپنے مسلمان بھائیوں پہلو میں خنجر گھونپنے کے لئے آگے بڑھایا۔

ہائے افسوس ۔ وائے افسوس

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

ہندو سرمایہ کے زور پر لیگ دشمنی نے آپ صاحبان کو اس قدر از خود رفتہ بنا دیا کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جناب کی حسینی فوج کا جال سا بچھ گیا۔ جناب نے بھی اس ضعیفی کے عالم میں درس حدیث کو "خیرباد" کہہ کر جگہ بہ جگہ بے شمار دورے فرمائے۔ اس بے پناہ پروپیگنڈے کے باوجود جب نتیجہ نکلا تو کانگریسی تھالیان سیم وزر اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔ پاکستان کے ۴۰ ہ ۴ علمبردار فتح و نصرت کے علم بلند کئے بڑھتے جا رہے ہیں۔ جناب کے ملت کش بیانات اکثر نظر سے گذرتے رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مسلمان دنیا کے بڑے شیخ الحدیث اور مشہور متقی کی ان نوازش ہائے بے جا پر دل مسوس کر اور کلیجہ تھام کر رہ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ شملہ کانفرنس سے لے کر وزارتی مشن تک جناب نے اپنی قوم کو خوب اچھی طرح تارپیڈو کیا ہے اور وہ وہ نقصان پہنچائے ہیں کہ . . . خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیئے ۔ مولانا۔ جب دس کروڑ مسلمانوں کی آہ و بکا کا مطلب ہی ہے کہ جناب کے اس "وار دھائی اجتہاد" سے ان کو نقصان پہنچ رہا ہے تو کیا جناب کا یہ فرض نہیں کہ یا تو سیاسیات سے یکسوئی اختیار کریں یا ان کے سواد اعظم میں شامل ہو کر ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا داؤد غزنوی سابق پرانت پتی کا بیان جناب کے سامنے ہے۔ خدارا اسی سے کچھ بصیرت حاصل کیجئے ؎

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارتگرِ باطل بھی تو

ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں ریاستی مسلمانوں کی نمائندگی کیلئے مسلم بورڈ کی مساعی

مسلم بورڈ ایسے ہی مخلص اور پرجوش کارکنوں کی وجہ سے ریاست کی سیاست پر چھایا جا رہا تھا۔ چنانچہ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ بھی اب جمعیت المسلمین کے مقابلے میں مسلم بورڈ سے ہی زیادہ رجوع کرتی تھی۔ چنانچہ جب کیبنٹ مشن کے منصوبے کے مطابق ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں ہندوستانی ریاستوں کیلئے ۹۳ نشستیں رکھی گئیں جن میں مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہ تھی تو اس کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ریاستی مسلم لیگ نے بہاولپور مسلم بورڈ کو ہی متوجہ کیا۔ اس سلسلہ میں ریاستی مسلمانوں کی طرف سے زبردست احتجاج کا پروگرام بنایا گیا تھا اور مسٹر کلیمنٹ اٹلی پرائم منسٹر برطانیہ لارڈ

لسٹوواں سیکرٹری آف اسٹیٹس برائے ہند اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند کے نام جو تار بھیجے گئے تھے انہیں مسلم بورڈ نے بھی برابر کا حصہ لیا تھا۔
یہ انہی مساعی کا نتیجہ تھا۔ کہ ۱۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند نے جو اعلان جاری کیا اس میں اسے اس مسئلے کو زیر غور لانا پڑا۔ اس کے اعلان کی یہ شق اس طرح تھی:۔

"برطانیہ کی بالادستی جب ختم ہوگی اس وقت ہندوستانی ریاستوں کے نظم و نسق کے انتشار کو روکنے کے لئے ایسے کون سے انتظامات کئے جائیں جو ہندوستانی ریاستوں سے روابط کا سلسلہ باقی رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔"

اس کامیابی پر مسٹر منظر عالم صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ نے سیکرٹری مسلم بورڈ صادق آباد خان احمد مختار صمدانی کے نام شکریہ کا خط لکھا:۔

سلطان بلڈنگ
چمنی میل۔ دہلی
۲۰ جون ۱۹۴۷ء

مکرمی! السلام علیکم۔ گرامی نامہ ۶۱۵ مورخہ ۱۵ جون ۴۷ء ملا آپکے تعاون کیلئے بے حد ممنون ہوں۔ امید ہے کہ آئندہ بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی کوششوں میں آپ کی ہمدردیاں اسی طرح شامل حال رہیں گی

آپ کا مخلص
منظر عالم عفی عنہ

بہار ریلیف فنڈ اور مسلم بورڈ

۱۹۴۶ء میں صوبہ بہار کے مسلمانوں کی امداد کیلئے جو ہندو بربریت کا نشانہ بن گئے تھے مسلم لیگ نے بہار ریلیف فنڈ قائم کیا تھا اس فنڈ میں یوں تو ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے دل کھول کر چندہ دیا تھا لیکن بہاولپور مسلم بورڈ بالخصوص اس کی صادق آباد والی شاخ بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہ تھی۔
میرزا ہدحسین پوری ریاست کا دورہ کرکے اس فنڈ میں گرانقدر چندہ جمع کرایا۔

مسلم بورڈ کی ان غیر معمولی سرگرمیوں نے جمعیت المسلمین کی حیثیت ثانوی کردی تھی تاہم وہ بھی مسلم لیگی مقاصد کے تحت اپنے طور پر علیحدہ کام کر رہی تھی۔ کچھ لوگوں نے ان دونوں جماعتوں کو آپس میں مدغم کرنے کی کئی بار کوشش کی آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی طرف سے بھی یہ زور دیا جاتا رہا کہ دونوں جماعتیں ریاست میں متحدہ محاذ بنالیں لیکن اتحاد کی صورت میں نہ جمعیت المسلمین اپنا نام ختم کرنے پر آمادہ تھی اور نہ مسلم بورڈ کو یہ گوارا تھا کہ وہ اسے ختم کرکے جمعیت کے پرچم تلے کام کرلیں۔ ان دونوں جماعتوں میں اختلاف کی یہ صورت قیام پاکستان سے کچھ دن پہلے تک قائم رہی

صدر خدام وطن کا بیان

لیکن ابھی پاکستان ظہور میں نہیں آیا تھا کہ خدام وطن کے صدر میاں فیض محمد چوہڑ نے یہ بیان جاری کیا :-

"ریاست بہاولپور کے پیش نظر اس وقت اہم ترین سوال یہ ہے کہ ریاست پاکستان فیڈریشن کے ساتھ شامل ہو، یا ہندوستانی فیڈریشن کے ساتھ الحاق کرے یا خود مختاری کا اعلان کرے۔ اس سوال کی تاریخی اہمیت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس کا باشندگان ریاست کی آئندہ زندگی پر کیا اثر پڑیگا اس لئے اس مسئلہ کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ ضروری نہیں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر اندھا دھند کسی ڈومینین کے ساتھ وابستگی کا اعلان کردیا جائے کردیا جائے حکام ریاست کو دیکھنا چاہیئے کہ ہماری آئندہ خوشحالی کس ڈومینین کیساتھ وابستہ ہے کیا ہمیں بھاکڑہ ڈیم سے پانی ملیگا کیا ہمارے موجودہ نہری پانی میں اضافہ کیا جائیگا کیا ریلوں اور ڈاکخانہ کی آمدنی سے ہمیں حصہ ملیگا کیا ہمیں ضروری اشیاء مثلاً کپڑا کھانڈ وغیرہ مہیا کرنے میں سہولتیں دی جائیں گی؟ جو ڈومینین ہمارے مطالبات تسلیم کرے اس کے ساتھ الحاق کرنا چاہیئے خواہ وہ پاکستان ہو یا ہندوستان؛

(کائنات بہاولپور مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء)

جمعیۃ المسلمین اور مسلم بورڈ کا اتحاد

اس بیان کا ریاست کے مسلم لیگی حلقوں میں شدید رد عمل ہوا۔ یہانتک کہ جمعیۃ المسلمین اور مسلم بورڈ جو ابتک ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں متحد ہو گئیں۔ اس موقع پر انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر مسلم لیگی دو دھڑوں میں بٹے رہے

اور وہ اپنی قوت کانگریسی اور احراری خیال کے حامیوں کے مقابلہ میں مجتمع نہ کرسکے تو ان کا داؤ چل جائے گا۔ متذکرہ بالا بیان میں جو سوالات اٹھائے گئے تھے وہ ریاستی باشندوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ خاص طور پر نہری پانی کا مسئلہ اقتصادی لحاظ سے موت وزیست کے مترادف تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر ریاستی عوام ملی تقاضوں کو نظرانداز کرکے کانگریسی حلقے کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تو پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ مآل اندیشی کے اس تصور نے جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ کو ایک دوسرے کے قریب کردیا اور پھر دونوں نے مل کر "خدام وطن" کے پروپیگنڈے کا توڑ کیا اور پاکستان سے ریاست کے الحاق کی زبردست مہم چلائی۔ جگہ جگہ جلسے کئے اور اشتہاروں اور پوسٹروں کے ذریعہ کانگریسی عزائم کا پردہ چاک کیا۔ اس مہم میں پیرزادہ سلیم اسلم کے نوائے مسلم اور حیات ترین مرحوم کے اخبار "انصاف" نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ ان دنوں ان اخباروں کے علاوہ ریاست سے ہفت روزہ "ستلج" اور ہفت روزہ "کائنات" بھی شائع ہوتے تھے لیکن ان پر نیشنلسٹ علماء کا اثر تھا۔ خدام وطن کی ترجمانی ان کے سپرد تھی اور "نوائے مسلم" اور "انصاف" ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ مسلم لیگی اثرات کو بڑھانے میں ان اخباروں نے بڑا کام کیا۔ ان اخباروں کے تابڑ توڑ حملوں اور مسلم لیگی کارکنوں کی ہنگامہ خیزیوں نے خدام وطن کو نسیاً منسیا کردیا اور اس کے کرتا دھرتا، گوشۂ عزلت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

باب پنجم

ظہورِ پاکستان

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جونہی قیام پاکستان کا اعلان ہوا پوری ریاست میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مسلم بورڈ نے جوان دنوں سب سے زیادہ فعال تھا، جگہ جگہ جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کیا اور فورٹ عباس سے صادق آباد تک سرکاری عمارات پر پاکستانی پرچم لہرا دئیے۔

فورٹ عباس میں جمعۃ الوداع کی نماز کے بعد پہلے ایک جلسہ ہوا جس میں مقررین نے قیام پاکستان پر خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد ایک جلوس نکالا جو عیدگاہ سے ریلوے اسٹیشن تک نعرے لگاتا ہوا گیا۔ بہاولنگر میں شکرانے کے نوافل پڑھے گئے اور چوہدری محمد خاں ایڈوکیٹ صدر مسلم بورڈ بہاولنگر اور چوہدری امام دین رکن مسلم بورڈ نے تقاریر کیں۔ اس موقع پر یہ قرارداد بھی منظور ہوئی۔ کہ ریاست بہاولپور کا الحاق جلد از جلد پاکستان سے کیا جائے۔ خیرپور ٹامیوالی میں ۱۴ اور ۱۵ اگست کی درمیانی شب کو مسجد قاریاں والی میں ایک جلسہ زیر صدارت حکیم صالح محمد نائب صدر مسلم بورڈ منعقد ہوا۔ جس میں مولوی عبدالرحیم اور محمد حسن سندھڑ ایڈوکیٹ[1] نے پرجوش تقریریں کیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں حصول پاکستان کے مقاصد پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔ آخر میں مسلم بورڈ کے اراکین نے پاکستانی ترانہ پیش کیا اور پاکستانی پرچم کو سلامی دی۔

اراکین مسلم بورڈ نے بہاولپور اور سمہ سٹہ میں بھی جشن پاکستان منایا۔ یزمان منڈی میں تمام دوکانیں سجائی گئی تھیں۔ اور جگہ جگہ دروازے بھی بنائے گئے تھے۔ جامع مسجد یزمان منڈی میں مولوی غلام محمد امام مسجد نے تقریر کی اور حصول پاکستان میں مسلمانوں کو جو مصائب برداشت کرنے پڑے تھے انکا ذکر کیا۔ نماز جمعہ کے بعد لوگوں نے شکرانے کے نوافل ادا کئے اور استقلال پاکستان اور قائداعظم کی درازی عمر کی دعائیں مانگیں

گڑھی اختیار خاں (ضلع رحیم یار خاں) میں ایک عظیم الشان جلوس نکلا۔ لوگوں نے سبز جھنڈیاں

---

[1] سردار محمد حسن سندھڑ آجکل لاہور میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدے پر تعینات ہیں۔ وہ ملک کے بہترین اچھی عالمی گستری ... فہمی اور دیانت و شرافت کے علمبردار ... قابل رشک شہرت کے مالک ہیں

ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی تھیں۔ فضا نعرہ ہائے تکبیر، پاکستان زندہ آباد اور قائد اعظم زندہ آباد سے گونج رہی تھی۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں شاندار جلسہ ہوا۔ جس میں مشہور عالم دین اور مسلم سیاسی رہنما سید مغفور القادری نے تقریر کی اور استحکام پاکستان کے لئے دعا مانگی۔

صادق آباد میں میر زاہد حسین ناظم مسلم بورڈ صادق آباد اور خان احمد مختار ہمدانی معتمد مسلم بورڈ نے جشن پاکستان کا نہایت شاندار پروگرام بنایا۔ سارے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ جلوس کے علاوہ جلسہ کا بھی انتظام تھا۔ جلسہ میں میر زاہد حسین نے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی اور حصول پاکستان کے سلسلہ میں قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر انہوں نے امیر بہاولپور سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ریاست بہاولپور کا الحاق فوری طور پر پاکستان سے کیا جائے۔ مجمع نے کھڑے ہو کر میر زاہد حسین کے مطالبہ کی تائید کی اور یہ اعلان کیا کہ وہ اس سلسلہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ ریاست کو انڈین یونین میں شامل کرانے کے خواب دیکھ رہے ہیں ہم ان کی کوششوں کو خاک میں ملا دیں گے۔"

انہوں نے مزید کہا کہ "اگر ریاست کا الحاق پاکستان سے نہ کرایا گیا تو بہاول پور کی عوام بغاوت کر دیں گے" اس تقریر سے حکومتی حلقوں میں خاصی ہلچل پیدا ہوئی۔ لیکن جو افسران پاکستان کے حامی تھے وہ میر صاحب کے اس لب ولہجے سے بڑے خوش تھے۔ چنانچہ راؤ ارشاد علی خان سب انسپکٹر پولیس جو اس وقت ڈیوٹی پر تھے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور جلسے میں ہی انہیں داد دی۔ پھر وہ زاہد صاحب کے والد میر عابد حسین صاحب کے پاس پہنچے اور کہا کہ " میر صاحب آپ کے صاحبزادے نے جس بے باکی اور جرأت سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اس پر وہ اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں"۔

میر زاہد حسین شروع سے بڑے جوشیلے تھے۔ ایک دفعہ طالبعلمی کے زمانے میں بھی انہوں نے ایسے ہی جوش کا مظاہرہ کیا تھا بات یہ تھی کہ ایک دن سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے عیدگاہ بہاول پور کے ایک جلسہ میں قائد اعظم اور پاکستان کیخلاف زہر افشانی کی تو مولوی اختر علی نے جو ان دنوں غالباً ڈرائیکٹر لینڈ اینڈ ریکارڈ تھے انہیں ہوسٹل سے بلا کر بخاری صاحب کی تقریر کا حوالہ دیا اور انکی مسلم لیگی رگ حمیت کو بھڑکایا یہ آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے آئے اور رائٹ فدلے کر سردار گورچرن سنگھ سٹی مجسٹریٹ کے پاس پہنچے اور انہیں یہ صاف صاف کہدیا کہ اگر اب کسی تقریر میں قائد اعظم یا مسلم لیگ کے خلاف لب کشائی کی گئی تو ہم اس کا اسی وقت بدلہ چکا دینگے اور ایسی صورت میں خون خرابہ کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ ساتھ ہی طلبا کی ایک جمعیت کو ساتھ لیکر جو لاٹھیوں سے مسلح تھے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے جہاں شاہ صاحب کی تقریر ہونی تھی شاید سردار گورچرن سنگھ منتظمین جلسہ کو اس نازک صورت حالات سے مطلع کر چکے تھے

اسلئے اسد ان نشاہ صاحب نے کوئی قابل اعتراض بات کی اور نہ طلباء نے کوئی ہنگامہ برپا کیا۔
الغرض ان کا یہ جوش روز افزوں تھا۔ اجیب بھی کوئی موقع آتا وہ سخت سے سخت تقریر کرتے حکومت ان کے اس رویئے سے بہت برہم تھی۔ کرنل سعید ہاشمی جو نواب صاحب کے وزیر حضوری اور میر عابد حسین صاحب کے چچا تھے انہوں نے میر صاحب کو بلا کر کہا کہ "زاہد" کو سمجھاؤ۔ حکومت اس کے خلاف سخت ایکشن آنے والی ہے۔ اور اسے ریاست بدر کرنے کی فکر میں ہے"۔
سردار غضنفر اللہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے زاہد صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ لاہور چلے جائیں اور وہاں ریاست کی ایک متوازی حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیں۔ لیکن ابھی زاہد صاحب اس مشورے پر عمل کرنے نہ پائے تھے کہ حکومت کو بھی اس کا علم ہو گیا۔ اور اس نے مصلحتاً اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔
بساطِ سیاست بہرحال اب مسلم بورڈ اور جمعیت المسلین کے ہاتھ میں تھی۔ خدام وطن اگرچہ عملی طور پر ختم ہو چکی تھی لیکن اس کے ترجمان اخبارات رائے عامہ کے خلاف اب بھی اپنا مشن جاری رکھے ہوئے تھے اس وقت چونکہ اہم ترین مسئلہ ریاست کے الحاق کا درپیش تھا۔ اور مسلم لیگی اثر و نفوذ کی وجہ سے نیشنلسٹ ذہن کے لوگ کھلم کھلا کچھ کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے۔ اس لئے ان کے یہ اخبار کسی حد تک اس کمی کو پورا کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انمیں برابر ایسے مضامین اور خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں جن سے پاکستان کی مخالفت مقصود ہوتی تھی۔ ایک بار کائنات میں اعلیٰحضرت امیر بہاولپور اور ولیعہد بریگیڈیر محمد عباس کے درمیان ریاست کے الحاق کے مسئلہ پر اختلاف کا شاخسانہ چھوڑا گیا۔ جس پر مدیر کائنات ولی اللہ داد کو سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ چوہدری رحمت اللہ بھی جو خدام وطن کے لیڈروں میں سے تھے۔ انہیں دنوں گرفتار ہوئے انہوں نے ریاست کے وزیر مال مسٹر اے۔ پی۔ مون کے خلاف تقریر کی تھی۔ حالانکہ مون کانگرس نواز انگریز افسروں میں سے تھے۔ اور خود چوہدری صاحب بھی کانگرس سے متاثر تھے۔ تاہم انہیں چونکہ انگریزوں سے کد تھی۔ اور آزادی کے بعد ریاست میں ان کا وجود انہیں گوارا نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مون کے خلاف تقریر کر ڈالی۔ جس کی پاداش میں انہیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔

ریاست بہاولپور کا پاکستان سے الحاق

ریاست کی عام فضا پاکستان سے الحاق کے حق میں تھی لیکن حکومت بالخصوص اعلیٰحضرت کی جانب سے اس بارے میں کسی فوری اعلان کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلم لیگی حلقوں میں یک گونہ تشویش کا اظہار کیا جا رہا تھا۔

نواب صادق محمد خان خامس کی
محترمہ فاطمہ جناح سے ایک ملاقات

جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ کے مشترکہ وفود نے اس سلسلہ میں وزیر اعظم بہاولپور سے ملاقات کی ان دنوں ریاست کے وزیر اعظم نواب مشتاق احمد گورمانی تھے۔ گورمانی صاحب اپنی فصیح البیانی کی وجہ سے کافی مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی وفد ان سے ملنے جاتا تو وہ اس کی سننے کی بجائے اپنی کہتے اور اپنی فصاحت سے ارکان وفد کو اتنا متاثر کرتے کہ وہ اپنے دل کا مدعا دل میں ہی لئے ہوئے واپس چلا جاتا۔ غالباً مسلم لیگی وفد ان کی اس لسانی کے سحر میں مبتلا رہا اور مطلب کی کوئی بات وہاں سے اخذ نہ کر سکا۔ اس سے بدگمانیوں میں خاصا اضافہ ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ گورمانی صاحب بھارت سے سودا کر رہے ہیں۔ کسی کی زبان پر تھا کہ گورمانی صاحب حکومت پاکستان سے ریاست کے الحاق کی من مانی شرائط طے کرانے کی فکر میں ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں یہ پُراسرار خاموشی اس امر کی غماز تھی کہ اعلیحضرت ریاست کی خود مختاری و آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ ان دنوں ہندوستانی ریاستوں کی ایک علیحدہ ڈومینین پرنسز فیڈریشن کے نام سے قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی جا رہی تھی۔ اس لئے ریاست کے مستقبل کو اس تجویز سے بھی منسلک کیا جا رہا تھا۔

چنانچہ "نوائے مسلم" نے بھی ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کے شمارے میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع کی تھی کہ

"ہندوستان کے چند ریاستوں کے حکمرانوں اور افسروں نے بھوپال کے آئینی مشیر سر ظفراللہ خاں سے ملاقات کی اس موقع پر سر آغا خاں بھی موجود تھے۔

"اس مذاکرے کی غرض و غایت یہ تھی کہ مکمل آزادی کی متمنی ریاستوں کی ایک ایسی پالیسی مرتب کی جائے جسے حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ سر ظفراللہ اسی ہفتے لندن پہنچے ہیں وہ ریاستوں کے بھوپال گروپ کی نمائندگی کے فرائض انجام دیں گے۔ جن میں ہندو اور مسلم دونوں شامل ہیں اور جو تاج کی سرداری ختم ہونے کے بعد مکمل طور پر آزاد ہونے کی متمنی ہیں۔

"سر ظفراللہ نے نمائندہ رائٹر کو بتایا ہے کہ وہ جن ریاستوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ انکا منشا یہ ہے کہ تاج کی سرداری ختم ہونے پر انہیں ہندوستان اور پاکستان کی طرح ڈومینین سٹیٹس دیا جائے۔ ریاستیں قانونی اور آئینی طور پر آزادی حاصل کرنے کی حقدار ہیں۔ کیونکہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود ان کے ہاتھوں میں ہے۔

"اس وقت لندن میں چھ والیان ریاست یا ان کے مشیر موجود ہیں۔ انہیں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہز ہائینس نواب بہاولپور، شہزادہ اعظم جاہ ولیعہد حیدرآباد دکن، عبدالقادر

محمد حسین وزیر اعظم جوناگڑھ (جو کاٹھیاواڑ گروپ کی نمائندگی کے فرائض انجام دے رہے ہیں)"
نوائے مسلم بہاولپور ۳۰ جون ۱۹۴۷ء

تشکوک وشبہات کا یہ عالم زیادہ دن قائم نہ رہا۔ ۱۸ اگست کو عید الفطر تھی۔ عید گاہ میں نمازیوں کا اجتماع تھا۔ ریاستی روایات کے مطابق حکومت کا اعلیٰ افسر اس موقع پر عوام کو حکومت کی جانب سے عید مبارک کہتا ہے اس روایت کے مطابق وزیر اعظم بہاولپور نواب مشتاق احمد گورمانی جو نماز عید کیلئے عید گاہ میں موجود تھے۔ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس طرح خطاب کیا۔

"۲۷ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک ڈیڑھ سو سال بعد مسلمانوں کو اسلامی سلطنت قائم کرنے کا مبارک موقع ملا ہے اور آج مملکت پاکستان میں مسلمان بڑی دھوم دھام سے آزادی کی عید منا رہے ہیں۔

"ریاست بہاولپور پاکستان کا دل ہے۔ پاکستان بننے سے قبل ریاست ہذا پاکستان تھی۔ اور اسی طرح سے پاکستان رہے گی۔ اب نعروں کی نہیں عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ آپ کو اس کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

"بغداد الجدید صحیح معنی میں بغداد شریف کا نقشہ پیش کرے گا۔ اور ایک وقت میں بغداد الجدید منبع علم وعرفان ہو گا۔"

آخر میں آپ نے اقلیتوں کا تحفظ کرنے کی تلقین کی اور پاکستان کی ترقی اور قائد اعظم کی درازئ عمر کے لئے دعا کی۔ تقریر کے دوران پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد اور قائد اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگتے رہے۔

اس تقریر نے کافی حد تک غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا۔ سیاسی حلقے سمجھ گئے کہ بہاولپور کا الحاق پاکستان سے ہو گا۔

حقیقتاً نواب سر صادق محمد خان کا ذہن ریاست کے مستقبل کے سلسلہ میں کسی الجھن کا شکار نہ تھا۔ وہ بہت پہلے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن ان دنوں جب پاکستان کا ظہور عمل میں آیا وہ انگلستان میں تھے۔ اور الحاق کے سلسلہ میں بعض امور حکومت پاکستان اور حکومت بہاولپور کے درمیان تصفیہ طلب تھے۔ جس کی وجہ سے الحاق کے اعلان میں تاخیر ہو رہی تھی۔ اس لئے یہاں بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو جنم لینے کا موقع مل گیا۔ بہر حال ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو امیر بہاولپور نے پاکستان سے ریاست بہاولپور کے الحاق کا اعلان کیا اور حسب منشاً دفعہ ۲ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء ایک تحریری

معاہدہ ہوا جس پر امیر بہاولپور نے ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دستخط کئے اور جس کو قائد اعظم محمد علی جناح نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اپنے دستخطوں سے منظور و قبول فرمایا۔ اس معاہدے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس کے پیراگراف ۳ میں اس بات کی گارنٹی دی گئی تھی کہ ریاست بہاولپور پر امیر بہاولپور کے حقوق و اختیارات حکمرانی جاری و ساری رہیں گے۔

الحاق کے سلسلہ میں بدگمانیاں

پاکستان کیساتھ ریاست بہاولپور کے الحاق کا مسئلہ کافی عرصہ تک سیاسی حلقوں میں زیر بحث رہا۔ اور یہ بات مسلسل ایک الزام یا بدگمانی کے ساتھ کہی جاتی رہی کہ ہز ہائی نس پاکستان سے الحاق کرنے میں متذبذب تھے اور نواب مشتاق احمد گورمانی ایک طرف ہندوستان سے سودا کرنے کے لئے بات چیت کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف پاکستان کو یہ باور کرا رہے تھے کہ وہ نواب صاحب کو پاکستان سے الحاق کے لئے شیشے میں اتار رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے الحاق کے فیصلے میں تاخیر کی وجہ سے پاکستان کی مبینہ فوج کشی کا بھی تذکرہ کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ جنرل افتخار نے ریاست کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ نہ کیا تو وہ اس کے خطرناک نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے۔ پاکستان سے ریاست کے الحاق کے بعد اگر کوئی بدگمانی یا غلط فہمی تھی تو اسے خود بخود ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اسے سیاستدانوں کی ستم ظریفی کہیں یا دقت کی افتاد کہ ان الزامات نے گورمانی صاحب کا پیچھا ۱۹۵۸ء تک نہیں چھوڑا۔ وہ مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔ کہ کراچی کے ایک انگریزی اخبار "ٹائمز آف کراچی" میں جس کے ایڈیٹر مسٹر زیڈ۔ اے سیلری تھے مسٹر گورمانی کے متعلق اس نوعیت کے الزامات پر مشتمل ایک مضمون شائع ہوا۔ کہ وہ ریاست بہاولپور کو ہندوستان سے ملانے کے لئے سردار ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ ہند سے خط و کتابت کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں لائل پور کے ایک شخص حکیم سیف نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ اس الزام کے ثبوت میں اس کے پاس تحریری دستاویزات ہیں جنہیں وہ پیش کرنے کیلئے تیار ہے یہ خبر خاصی سنسنی خیز تھی۔ گورمانی صاحب نے پہلے سیلری صاحب کو قانونی نوٹس دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی تردید اپنے اخبار میں شائع کریں۔ سیلری صاحب اس الزام کو اس قدر درست سمجھتے تھے کہ انہوں نے اس کی تردید مناسب نہ سمجھی بلکہ اس کے بعد مزید ایسا مواد بھی اپنے اخبار میں چھاپ دیا جس سے ان کے الزام کی تائید ہوتی تھی۔ مجبوراً گورمانی صاحب نے قانونی چارہ جوئی کے لئے عدالت سے رجوع کیا۔ یہ مقدمہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۵۰۰ اور ۵۰۱ کے تحت دائر کیا گیا تھا۔ پہلے یہ نچلی سطح کی عدالت میں زیر غور آیا۔ اور پھر مغربی پاکستان ہائیکورٹ نے

اس کی سماعت کی۔ جسٹس شبیر احمد صاحب جلیس تھے۔ ۷ ارمئی ۱۹۵۸ء کو مقدمہ کا فیصلہ گورمانی صاحب کے حق میں ہوا اور مسٹر زیڈ اے سیلری اور دوسرے لوگوں کو باقاعدہ سزا ہوئی۔ اس مقدمہ میں ہز ہائی نس نواب بہاولپور کی شہادت بھی ہوئی تھی اور بہت سے ایسے امور دوران مقدمہ منظر عام پر آئے تھے جن کے ساتھ پاکستان کے ساتھ بہاولپور کے الحاق کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقدمہ کی روداد ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

نواب گورمانی کا مسٹر سیلری پر مقدمہ

اعلیحضرت اس مقدمہ میں صفائی کے گواہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں ہائیکوٹ نے ۱۴ اپریل کو طلب کیا تھا لیکن وہ اپنی علالت طبع (مرض ذیابطیس) کے باعث عدالت میں پیش نہ ہو سکے۔ اور انہوں نے درخواست کی کہ ان کا بیان کمیشن کے ذریعہ قلمبند کرایا جائے۔ چنانچہ جسٹس شبیر احمد نے اس غرض کے لئے ایک کمیشن جو مسٹر ریاض الحق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہاولپور پر مشتمل تھا۔ مقرر کیا۔ کمیشن ۲۶ اپریل ۱۹۵۸ء کو صادق گڑھ پیلس پہنچا۔ اعلیحضرت کی زندگی کا یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ ایک گواہ کی حیثیت سے کمیشن کے سامنے پیش ہوئے فریقین مقدمہ مسٹر گورمانی اور مسٹر سیلری کے ساتھ ان کے وکیل بھی تھے۔ صفائی کے وکیل شیخ عبدالحق نے سوالات کا آغاز کیا۔ اور اعلیحضرت نے جواب دینے شروع کئے۔ مختلف سوالوں کے جواب یہ تھے۔

"تقسیم ہند کے وقت میاں مشتاق احمد گورمانی میرے وزیر اعظم تھے۔

"میں عام طور پر ہر سال مئی کے آخر میں انگلستان جایا کرتا ہوں۔

"میں نے تقسیم کے وقت چیمبر آف پرنسز کے کسی اجلاس میں شرکت نہیں کی۔

"جشن قیام پاکستان میں حصہ لینے کے لئے میں اگست ۱۹۴۷ء میں انگلستان سے کراچی آیا تھا۔

"چند ہفتوں بعد میں دوبارہ انگلستان چلا گیا اور پھر اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں واپس آیا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تمام ریاستوں سے کہا گیا تھا۔ کہ وہ دونوں ملکوں میں سے کسی سے بھی الحاق کرلیں۔

اس مرحلہ پر اعلیحضرت نے استفسار کیا کہ کیا عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس دور کے معاملات کے متعلق سوالات کرے جب ریاست بہاولپور پاکستان میں شامل نہیں تھی۔

وکیل صفائی۔ ان استفسارات کا مقصد صرف حقائق معلوم کرنا ہے۔

اعلیحضرت ۔ چاہے اختیار نہو ۔ بہر حال میں جواب دینے کو تیار ہوں ۔ اور انہوں نے کہا ۔

"انگلستان کے دوران قیام بھی ریاست کے تمام اہم معاملات سے میرا تعلق قائم رہتا تھا۔"

"میں جانتا ہوں کہ ریاست کے لوگ مسلمان کی حیثیت سے پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے تھے ۔ لیکن اس وقت لندن کے دوران قیام میں نہ مجھے کوئی برقیہ ملا اور نہ اس سلسلہ میں عوام کے کسی قسم کے تاثرات مجھے معلوم ہوئے ۔"

وکیل صفائی ۔ کیا اس وقت کچھ لوگ اس الزام میں گرفتار کئے گئے تھے ۔ کہ وہ ریاست کا الحاق بھارت سے کرانا چاہتے تھے ۔

اعلیحضرت ۔ مجھے یاد نہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی خاص بات اس وقت میرے علم میں لائی گئی تھی ۔

وکیل صفائی نے ایک مقامی اخبار (ستلج) مورخہ ۸ ؍ اگست ۱۹۴۷ء کا ایک اقتباس پڑھ کر سنایا ۔ جس میں کہا گیا تھا ۔ کہ "ریاست بہاولپور ہندوستانی یونین سے الحاق کا فیصلہ کرنے والی ہے کیونکہ پاکستان کوئی وعدہ کرنے کو تیار نہیں جبکہ دوسری طرف بھارت اسے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے کو تیار ہے ۔"

یہ اقتباس پڑھنے کے بعد وکیل صفائی نے سوال کیا ۔ کہ یہ خبر آپ کے علم میں لائی گئی تھی ؟ جس کے جواب میں اعلیحضرت نے کہا کہ اخبارات میں اس قسم کی خبریں جو شائع ہوتی تھیں قاعدہ کے مطابق میرے پرائیویٹ سکرٹری ان کی کٹنگ کرتے تھے اور اگر وہ اہم ہوتیں تو میرے علم میں لائی جاتی تھیں مجھے یاد نہیں کہ مذکورہ بالا خبر میرے علم میں لائی گئی تھی یا نہیں ۔

وکیل صفائی نے اسی تاریخ کے ستلج کا ایک اور اقتباس پڑھ کر سنایا جو شیخ محمد چوہڑ نگر صدر خدام الوطن کے بیان پر مشتمل تھا ۔ اس میں کہا گیا تھا کہ "ریاست بہاولپور کو الحاق کرنے کا فیصلہ کرتے وقت یہ اہم بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اسے پانی ، کھانڈ ، کپڑا اور آٹا کس سے میسر آ سکتا ہے ۔" یہ اقتباس پڑھنے کے بعد وکیل نے استفسار کیا کہ کیا یہ بیان آپ کے علم میں لایا گیا ۔

اعلیحضرت نے کہا "میری جانب سے اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے سوال کا تھا ۔ لیکن پھر کہا ۔ "بہر حال یہ تھی تو ایک احمقانہ تجویز تھی کہ ایک ریاست جو مسلم اکثریت پر مشتمل تھی ۔ بھارت کے ساتھ کھانڈ اور کپڑے کے لئے سودا کرتی ۔

سوال ۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ تقسیم کے نتیجے میں پانی کی سپلائی کا بڑا ذریعہ فیروزپور مشرقی پنجاب

میں چلا گیا۔ اور اس نے ریاست کے علاقہ میں پانی کی سپلائی پر گہرا اثر ڈالا۔
جواب ۔ نہیں فیروزپور ہیڈ سے بہاولپور کے لئے کوئی نہر نہیں نکلتی تھی۔
سوال ۔ کیا ریڈ کلف ایوارڈ نے پانی کی سپلائی کے سلسلے میں ریاست کو متاثر کیا۔
جواب ۔ ایوارڈ نے پورے مغربی پاکستان کے ذرائع آبپاشی کو متاثر کیا۔ مگر ہم اس وقت صرف ریاست بہاولپور کے مفاد کے متعلق نہیں سوچ رہے تھے۔ بلکہ پاکستان کے عظیم مفادات کے نقطہ نظر سے سوچ رہے تھے۔
سوال ۔ کیا آپ بتائیں گے کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد اسوقت آپ کے وزیر اعظم نے ریاست کے متعلق کوئی مشورہ دیا تھا۔
جواب ۔ اس وقت یہ واضح نہیں تھا کہ پاکستان کا آئین و دستور کیا ہوگا۔ میری حکومت نے اس وقت مشورہ دیا تھا کہ گہرے جائزے اور غور کے بعد آخری فیصلہ کیا جائے۔ میں نے قائد اعظم کو بھی ایک غیر رسمی گفتگو کے دوران اپنے وزیر اعظم کی موجودگی میں اپنے اس موقف سے آگاہ کیا تھا۔ تاہم یہ بات طے شدہ تھی کہ ریاست بہاولپور پاکستان کے ساتھ الحاق کرے گی
سوال ۔ کیا آپ کے وزیر اعظم نے تقسیم کے بعد آپ کو اعلیحضرت اور جلالۃ الملک کے القاب اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔
جواب ۔ اعلیحضرت ہز ہائی نس کا صحیح ترجمہ ہے اور یہ ایک عرصہ تک استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جلالۃ الملک کا لقب میں نے اپنی حکومت کی درخواست پر اختیار کیا۔ اس وقت ریاست پاکستان سے ملحق نہیں ہوئی تھی۔ جہاں تک امیر کا تعلق ہے ہمارے اجداد "امیر سندھ" کہلاتے تھے۔ میں نے اسی روائیت کو "امیر بہاولپور" کی صورت میں زندہ کیا۔
سوال ۔ ہندو جب ریاست سے نکل رہے تھے تو کیا آپ نے ان کی متروکہ جائداد کے متعلق کوئی ہدایت جاری کی تھی۔
جواب ۔ میں نے ہدایات جاری کیں تھیں کہ تمام جائیداد کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے۔ بعد میں ان ہدایات پر عمل بھی کیا گیا۔
سوال ۔ کیا اس وقت کچھ لوگوں نے وزیر اعظم مسٹر گورمانی کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا۔
جواب ۔ جہاں تک سرکاری ریکارڈ کا تعلق ہے میری فائل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
اس مرحلہ پر وکیل صفائی نے ۱۹۴۷ء کے مقامی اخبار ستلج کے ایک اداریہ کا اقتباس پڑھا

جس کا عنوان تھا "مسٹر گورمانی پر مقدمہ چلایا جائے" اور اس میں کہا گیا تھا کہ گورمانی پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق میں روڑے اٹکاتے رہے ہیں"۔ یہ اقتباس سنانے کے بعد وکیل صفائی نے دریافت کیا کہ کیا یہ اداریہ اعلیٰحضرت کے علم میں لایا گیا تھا ؟

جواب ۔ دنیا میں ہر طرح کی مخلوق موجود ہے۔ کسی نے لکھ دیا ہوگا۔ عام طور پر غیر مطمئن قسم کے لوگ ایسی چیزیں لکھتے ہیں۔

سوال ۔ کیا مسٹر گورمانی نے کسی وقت آپ کو بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کا مشورہ دیا تھا

جواب ۔ مسٹر گورمانی نے مجھے کبھی بھارت کے ساتھ الحاق کا مشورہ نہیں دیا۔

مدعا علیہ کے وکیل کے بعد مسٹر گورمانی (مستغیث) کی طرف سے مسٹر اے۔ کے بروہی نے جرح کا آغاز کیا۔ ان کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰحضرت امیر بہاولپور نے بتایا کہ "ان کی جانب سے مسٹر گورمانی کو وزارت عظمیٰ کی پیشکش ۶ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو کی گئی تھی جسے انہوں نے قبول کر لیا تھا۔

ایک اور سوال کے جواب میں اعلیٰحضرت نے کہا کہ

"ہمارے اقتصادی، جغرافیائی اور سیاسی حالات ایسے تھے کہ میری ریاست کو قدرتی طور پر پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا تھا۔"

"قائد اعظم میرے ذاتی دوست تھے اور ہمارے باہمی احترام کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب قائد اعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ہو کر کراچی پہنچے تو انہوں نے ملیر میں میری کوٹھی پر ملاقات کا شرف بخشا"۔

سوال ۔ کیا آپ کو علم ہے کہ مسلم لیگ نے جس وقت متحدہ ہندوستان کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا تو بہاولپور سے بھی کسی امیدوار نے حصہ نہیں لیا تھا۔

اس مرحلہ پر اعلیٰحضرت نے مسٹر گورمانی سے جو ان کے بالکل قریب بیٹھے تھے کچھ سرگوشی کی جس پر مدعا علیہ کے وکلاء نے اعتراض کیا۔ اور کہا کہ مدعی امیر بہاولپور کو کچھ نہ بتائیں۔ اعلیٰحضرت نے کہا کہ "یہ ایک عرصہ تک میرے وزیر رہے ہیں۔ اسوقت میں نے ان سے گفتگو کی ہے۔ انہوں نے نہیں کی" اعلیٰحضرت نے مزید کہا کہ "میں بالکل خالی الذہن ہو کر یہاں بیٹھا ہوں۔ آپ کو مطمئن رہنا چاہیئے۔ کہ میرا کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" گذشتہ سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ بہاولپور سے کسی امیدوار نے ان انتخابات میں حصہ نہیں لیا تھا۔

ایک سوال کے جواب میں امیر بہاولپور نے بتایا کہ۔

"میں قیام پاکستان کے تاریخی جشن میں شرکت کے لئے خاص طور پر لندن سے کراچی آیا تھا۔ اور اس وقت ایک عظیم الشان جلوس کے لئے قائد اعظم کی خواہش پر میری کار بھی استعمال کی گئی تھی"۔

انہوں نے مزید بتایا کہ

"قائد اعظم پاکستان کے ساتھ بہاولپور کے الحاق کے بیحد خواہشمند تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ دوسری ریاستوں کے لئے ایک رہنمائی ہوگی"۔

"ریاست اور عوام کے مفادات نے مجھے قدرتی طور پر پاکستان کے ساتھ الحاق پر مجبور کیا"۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "میں اپنے دوست مسٹر گورمانی کا خط پہچانتا ہوں اور دستخط بھی"۔

اس مرحلہ پر اعلیحضرت کو دو خطوط کی فوٹو کاپیاں دکھائی گئیں جنہیں ایک شخص حکیم سیف علی نے پچھلے دنوں مقدمہ کی سماعت کے دوران ہائی کورٹ میں پیش کیا تھا۔ اور دعویٰ کیا تھا کہ یہ خطوط مسٹر گورمانی نے سردار پٹیل کے نام لکھے تھے۔ ان خطوط میں بھارت کے ساتھ ریاست بہاولپور کے الحاق کی پیشکش کی گئی تھی۔

اعلیحضرت نے ان خطوط کو دیکھنے کے بعد کہا کہ یہ دونوں جعلی ہیں۔ نہ یہ مسٹر گورمانی کا خط ہے نہ ان کے دستخط ہیں۔ نہ ان کی زبان ہے اور نہ ان کا انداز۔ انہوں نے کہا کہ ریاست میں ایسا لیٹر ہیڈ بھی نہیں تھا۔

مسٹر بروہی نے آخری سوال کیا کہ کیا مسٹر گورمانی نے کبھی آپ کو بھارت کیساتھ الحاق کا مشورہ دیا تھا۔ اعلیحضرت نے جواب دیا —— "نہیں کبھی نہیں"۔ اس کے بعد شہادت ختم ہوگئی۔

یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ ملزم سیلری اور مستغیث گورمانی دونوں اعلیحضرت کے مہمان تھے۔

بہاولپور سے ہندوؤں کا انخلاء — مہاجرین کی آمد

ظہور پاکستان کے بعد جہاں ریاست میں مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ وہاں ریاست میں ہندو مسلم فسادات کا بھی ردعمل ہوا تھا

جس کے نتیجے میں یہاں غیر مسلموں کے مال و جان کو خاصا خطرہ لاحق تھا۔ ہر چند ریاستی حکومت نے ہندوؤں کو ہر طرح کا تحفظ دیا تھا۔ اور جو لوگ ترک وطن کر کے ہندوستان جانا چاہتے تھے۔ انہیں بحفاظت یہاں سے رخصت کرنے کا انتظام کیا تھا۔ پھر بھی بعض مقامات پر ہندو آبادی کو جوشیلے مسلمانوں کے غیض و غضب کا نشانہ بننا پڑا۔ لوگوں نے تارکین وطن کے مال و اسباب پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ کئی دن تک شہروں کی فضا کافی مکدر رہی۔

ریاستی حکومت قتل و غارت کی ہرگز روادار نہ تھی۔ اس نے اپنی طرف سے ایسے تمام انتظامات کئے تھے کہ ہندوؤں کے جان و مال پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے اگر کہیں تشدد یا زیادتی کے واقعہ کی اطلاع حکومت کو ملتی تھی تو وہ اس کا سخت نوٹس لیتی تھی۔ چنانچہ ریاستی فوج کے کرنل درانی کے متعلق جب اسی قسم کی ایک زیادتی کی رپورٹ حکومت کو ملی تو نواب صاحب کے حکم سے ان کا کورٹ مارشل ہوا اور انہیں ڈیوٹی پر سے ہٹا کر قید کر دیا گیا۔ کرنل درانی ہندوستانی فوج کے ان چند بہادر افسروں میں سے تھے جن کی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے انگریزوں نے انہیں وکٹوریہ کراس دیا تھا۔ نواب صاحب نے ہندوؤں کی خیر خواہی کے مقابلہ میں ان کی شاندار فوجی خدمات کی بھی پروا نہ کی۔ بغرض جہاں تک ریاستی حکومت اور نواب صاحب کی اپنی ذات کا تعلق تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندو ترک وطن کر دیں چنانچہ انہوں نے قیام امن کی پوری پوری کوشش کی۔ اس غرض کے لئے جگہ جگہ امن کمیٹیاں بھی قائم کیں۔ میجر شمس الدین وزیر معارف کی سرکردگی میں ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ۴۰ ممبران پر مشتمل ایک ریاست گیر امن کمیٹی قائم ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کے ۲۵ اور ہندوؤں کے ۱۵ ممبر شامل تھے۔ جو ہندو مسلمانوں میں باہم اعتماد پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے۔ خود ریاستی وزیر اعظم نے ریاست بھر کا دورہ کر کے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن ہندو ترک وطن پر مصر تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے قافلے یہاں سے ہندوستان جاتے رہے اور تقریباً تین مہینے میں یعنی اگست ۱۹۴۷ء سے اکتوبر ۱۹۴۷ء تک ریاست کی ۹۹ فیصدی غیر مسلم آبادی ریاست چھوڑ کر ہندوستان چلی گئی۔

ادھر بہاولپور میں مہاجرین کی آمد کا سلسلہ کافی دن تک جاری رہا۔ شروع شروع میں مقامی آبادی نے ان ننگے بھوکے خستہ حال لوگوں پر ترس کھایا۔ کپڑے لتے اور کھانے پینے کی اشیاء سے ان کی کسیقدر مدد بھی کی لیکن اس سلسلے میں جس جوش و خروش اور ایثار و قربانی کی ضرورت تھی۔ اس کا عوام کی جانب سے کوئی خاص مظاہرہ نہ ہو سکا۔ مقامی سیاسی جماعتیں بھی اس طرف سے خاصی غافل تھیں۔ مسلم لیگ اور جمعیت المسلمین نے ان کے لئے کچھ کیمپ کھول دئیے تھے۔ جو کھانے کی دیگیں پکوا کر انہیں بھیج دیتی تھیں

لیکن ان کی ستر پوشی۔ سردی اور بیماری سے بچاؤ سر چھپانے کے لئے مکانوں کی فراہمی اور روزگار کے حصول کا مسئلہ حل کرنے کی کوئی تدبیر ابھی تک نہیں کی گئی تھی۔

انجمن امداد مہاجرین

حکومت کی مشینری کا رویہ بھی اس معاملہ میں خاصا سرد مہری کا تھا۔ ادھر ریاستی عوام نے بھی ریاست میں مہاجرین کی آمد کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ بعض لوگ کھلم کھلا یہ کہتے تھے کہ سونا چلا گیا اور مٹی کا ڈھیر آ گیا۔ گویا ہندو سکھ ان کے نزدیک مسلمان مہاجروں کے مقابلہ میں سونا تھے۔

میرزاہد حسین کا بیان

اس افسوسناک صورت حال کے باوجود بعض محب وطن حضرات ایسے موجود تھے جنہیں ریاستی آبادی کے یہ تیور بڑے شاق گذرتے تھے اور وہ مہاجرین کی بحالی اور آبادکاری کو ایک قومی و دینی فریضہ سمجھ کر ادا کرنا چاہتے تھے۔ میر زاہد حسین ممبر مجالس عاملہ آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم بورڈ ایسے ہی ہمدرد قوم لوگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے مہاجرین کے ساتھ مقامی آبادی کی بے التفاتی پر انہی دنوں ایک بڑا دلسوز بیان اخبارات میں شائع کرایا۔ ان کے بیان کا پورا متن درج ذیل ہے۔

"ریاست بہاولپور میں بے یار و مددگار مہاجرین کی آمد سے پہلے خیال تھا کہ اسلامیان ریاست ان مہاجرین کا اپنے دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے خیر مقدم کریں گے۔ ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کریں گے۔ اور ریاست کے مسلمان انصار کے روپ میں اپنی صدیوں پرانی روایات کو ایک بار پھر زندہ کر کے اخوت اسلامی کے علمبردار اعظم کے ارشادات عالیہ پر عمل پیرا ہوتے نظر آئیں گے مگر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

"افسوس اہالیان بہاولپور نے یہ فراموش کر دیا کہ ملت پاکستان ان ہی مردان ذی وقار کی بے پناہ قربانیوں کے باعث عالم وجود میں آئی ہے۔ اگر یہ مجاہدین پاکستان میدان میں نہ اترتے تو آج ہماری ریاست میں بھی مشرقی پنجاب دہلی۔ اجمیر گڑھ مکیشر اور بہار کی تاریخ دہرائی جاتی یہی وہ مہاجر ہیں جو اپنے محشر خیز انجام سے باخبر ہو کر بے خبر بنے رہے اور یہی وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اسلامی اخوت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی بساط سے زیادہ قربانی پیش کی یہاں تک کہ اپنی عزت و ناموس تک پاکستان کی راہ میں قربان کر دی۔

"آج ہمارے یہ محسن اور پاکستان کے معمار زبوں و زار حالت میں دربدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو کر ریاست میں بہت سی امیدیں لیکر داخل ہوئے ہیں اور ہم لوگ ان کے دامن کو مالا۔

مال کرنے کے بجائے ان کو جھڑک رہے ہیں۔ بعض ان محسنوں کو سر آنکھوں پر جگہ دینے کے بجائے ان کو اپنے پاؤں تلے روند دینا چاہتے ہیں انہوں نے ہماری عزتیں بچائیں۔ ہم انکی عزتوں پر طعنہ زن ہیں۔ انہوں نے ہماری جانیں بچائیں اور ہم ان کے خون کے پیاسے بن رہے ہیں انھوں نے ہمیں پاکستان جیسا وطن دلایا اور جب خود بے وطن ہو کر یہاں آئے تو ہم ان کو فنا فی النار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مقام رنج و افسوس اور گریہ و ماتم ہے کہ عزت و احتشام کی نظروں سے دیکھنے کی بجائے ان پر ذلت و نفرین کی قہرمانی نظریں ڈالی جا رہی ہیں۔ ان کو فقیروں اور وحشیوں کے ناپاک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور چور اچکوں کے خطابات دیئے جاتے ہیں قسم قسم کے بہتان ان پر باندھے جاتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ یہ چند ایک افسوسناک حقائق ہیں جن کا ارتکاب اہالیان ریاست بتانِ رنگ و خون کے پجاری بن کر کر رہے ہیں۔ اور ریاست کی اقلیتوں کو تو واپس لانے کے لئے بیقرار ہیں جو ہمارا خون چوسیں گے اور ہماری پشتوں میں چھرا گھونپیں گے۔ اور ہندوستان کے ففتھ کالم بن کر پاکستان کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ لیکن پاکستان کے معمار اور اپنے محسن ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتے ہیں۔ سینکڑوں بتوں کے پجاری تو ان کو مرغوب و محبوب لیکن ایک خدا کے نام لیوا مقہور و مغضوب!

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ایک طرف مہاجرین سے عوام کی یہ سرد مہری اور دوسری طرف مقامی جماعتوں کی بے اعتنائی خانماں برباد مہاجرین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

• اس وقت ہزاروں مہاجر تلاش روزگار میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ لیکن ان کے لئے کوئی روزی کی صورت نہیں۔ مزدور طبقہ فاقے کر کے جانیں توڑ رہا ہے۔ لیکن مزدوری نایاب ملازمت پیشہ اصحاب پریشان ہیں لیکن دفتروں کے دروازے ان پر بند ہیں۔ سڑکوں کا پنجسالہ تعمیری پروگرام اور اس قسم کے دوسرے بہت سے کام ہیں جو مصلحتوں کی بنا پر معرض التواء میں پڑے ہوئے ہیں، اگر اب شروع کر دیئے جائیں تو ہزاروں مہاجرین دست بکار ہو سکتے ہیں

• ارباب اختیار سے ایک اور عرض کرنی ہے کہ وہ لوگ جو امن و صلح کے اس گہوارے کو خیرباد کہہ کر عازم ہندوستان ہو چکے ہیں۔ ہرگز اس بات کے مستحق نہیں کہ ان کی جائیداد کی آمدنی ہندوستان بھیجی جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لے اور مختاری کی تم

کو کلیتہً ختم کر دے۔ کیونکہ اس طرح ریاست کی بے بہا پونجی ان کے ایجنٹوں کے ذریعہ ہندوستان جارہی ہے۔ اگر ہندوستان والے اس قسم کی مراعات دیتے تو یقیناً کوئی اعتراض ہوتا۔ لیکن اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اپنی نرم ترین پالیسی کو ذرا کڑا کر دینا چاہیئے۔

آخر میں ایک بار میں اسلامیان ریاست سے اپیل کرتا ہوں کہ خدارا مہاجرین کے جذبات سے نہ کھیلیں۔ یہ شعلے ہیں ان کو ہوا نہ دیں یہ آندھی ہیں ان کی لپیٹ سے بچیں یہ طوفان ہیں ان کی زد میں آنے سے گریز کریں۔ یہ چٹانیں ہیں ان سے نہ ٹکرائیں کیونکہ مصائب و آلام کی کثرت سے ان کے صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی نفرت و حقارت کی معمولی ٹھوکر ہی سے چھلک جائے"۔ (اخبار انصاف۔ بہاول پور)

آخر کچھ صاحب خیر لوگوں کی حمیت ایمانی جوش میں آئی اور انہوں نے "انجمن امداد مہاجرین" قائم کر کے ان بے یار و مددگار لوگوں کی مستقل امداد کا سامان کیا۔ اس انجمن کے روح رواں مولوی اختر علی مرحوم تھے۔ بعد میں وہی اس انجمن کے صدر اور شیخ بشیر احمد سیکرٹری بنے۔

انجمن امداد مہاجرین کا پہلا اجلاس ۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو مولوی اختر علی مرحوم ڈائریکٹر ہیڈ ریکارڈ کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت میجر شمس الدین محمد وزیر معارف نے کی شرکاء میں سید نور حسین کمشنر پولس اور سید غلام مرتضیٰ شاہ جج ہائیکورٹ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولوی صاحب نے مختصراً انجمن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور اس بات پر زور دیا کہ

"سب کو اشتراک عمل کے ساتھ مہاجرین کی مکمل اعانت کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھانا چاہیئے"۔

اس کے بعد انجمن کے سیکرٹری شیخ بشیر احمد نے ایک پر تاثیر تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

اگرچہ ہر سلیم العقل انسان ان مصائب کے سمندر سے تیر کر آنے والے تھکے ماندے مسافروں کی اعانت حتی المقدور انفرادی طور پر کر رہا ہے۔ مگر یہ مشکل ایسی نہیں جسے انفرادی کوشش دور کر سکے نوع انسانی کے اس بے پناہ ہجوم کی طرف جب آپ نگاہ اٹھا کر دیکھیں گے تو ضعیفی کی شکن۔ جوانی کی پژمردگی اور بچپن کی نحیف و نزار معصومیت خاموش نگاہوں سے آپ کی امداد و اعانت کی ضرورت کا اظہار کرتی ہوئی صاف نظر آئیں گی۔ اولاد آدم کی تذلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی۔ کہ کل جو خود خیرات کیا کرتے تھے آج بھیک مانگنے پر

مجبور ہیں جو قوم کی ننگی اور لباس سے بیگانہ خواتین کو اچھے سے اچھے کپڑے دیا کرتے تھے آج ان کی بہو بیٹیاں نیم برہنگی کی حالت میں بہاولپور کے مسلمان بھائیوں سے لباس وخوراک کی مجسم اپیل بنی ہوئی ہیں "

انہوں نے مزید کہا کہ

" ای۔ پی۔ مون وزیر مال نے میر اجمل حسن ریفیوجیز افسر کی معیت میں مہاجرین کے کیمپوں کی حالت زار دیکھ کر کہا تھا کہ

"ان غریبوں کے دکھ درد کی کیفیت کو دیکھ کر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"

شیخ بشیر احمد صاحب کی اس تقریر کے بعد مہاجرین کی امداد کے سلسلے میں مختلف تجاویز زیر غور آئیں۔ آخر مولوی اختر علی صاحب کی تحریک اور سید نور حسین کمشنر پولیس اور سید غلام مرتضیٰ شاہ جج ہائیکورٹ کی تائید سے یہ تجویز حکومت بہاولپور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے منظور ہوئی کہ

"مہاجرین کی امداد کے لئے سرکاری ملازمین سے ہر ماہ کی تنخواہ میں سے ایک یوم کی تنخواہ اور زمینداروں اور تاجروں سے مالیہ اور انکم ٹیکس پر ۶ پائی فی روپیہ یومیہ وصول کیا جائے"

حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی اور ساتھ ہی یہ طے کیا کہ امداد کا یہ سلسلہ ۶ ماہ تک جاری رہے گا۔

انجمن امداد مہاجرین کے ان ٹھوس اقدامات کے بعد حکومت نے مہاجرین کی آبادکاری کے کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے لئے وزارت مہاجرین قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۸ء کو ریاست کی کابینہ میں توسیع کر کے مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کو وزارت مہاجرین کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔

باب ششم

آئینی اصلاحات کی جدوجہد

اس میں شک نہیں کہ برطانوی سامراج کی حکمت عملی نے ریاستوں میں اصلاحات اور عوامی رجحانات کی مخالفت کی اور ذمہ دار عوامی حکومت قائم نہ ہونے دی۔ تاہم ریاست بہاولپور میں چاہے دکھاوے کو ہی سہی کچھ اقدامات ایسے ضرور کئے جاتے رہے جس سے یہ تاثر پیدا کرنا مقصود تھا کہ حکومت عوام کی بہبود کی طرف سے غافل نہیں ہے۔

چنانچہ قیام پاکستان سے پہلے اعلیحضرت امیر بہاولپور نے یہاں ایک ریفارمز کی کمیٹی مقرر کی تھی تاکہ اس کی سفارشات کی روشنی میں ریاست میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔ اس کمیٹی میں عوام کی طرف سے مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ۔ سردار محمد افضل خاں لغاری۔ مخدوم محسن شاہ۔ میر عابد حسین اور پنڈت شودت بیرسٹر وغیرہ تھے اور سرکاری ممبران میں دیگر افسران کے علاوہ شیخ حفیظ اللہ وزیر قانون تھے۔ اس کمیٹی کے اجلاس وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پر ہوتے رہتے تھے ایک اجلاس میں مخدوم زادہ حسن محمود زمیندارہ لیگ کی طرف سے پیش ہوئے۔ انہوں نے کمیٹی کے سامنے مخلوط حلقہ ہائے نیابت کی تجویز پیش کی جبکہ منشی عبدالحمید اور پیرزادہ سلیم جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ کی طرف سے پیش ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کیلئے جداگانہ حلقہ ہائے نیابت کا مطالبہ کیا۔ اس کا آخری اجلاس نواب مشتاق احمد گورمانی وزیراعظم بہاولپور کی زیر صدارت، رحیم یار خان میں ہوا تھا۔ اجلاس میں جب مختلف طبقات آبادی کی نمائندگی کا سوال پیش ہوا۔ تو پنڈت شودت نے مطالبہ کیا کہ ریاست میں ہندوؤں کو پچاس فیصدی نمائندگی دی جائے (واضح ہو کہ یہ انتہائی غیر متعصب مشہور تھے۔) اس مطالبے کے جواب میں ابھی دوسرے ممبران خاموش تھے۔

کہ میر عابد حسین صاحب نے فرمایا کہ "پنڈت جی ہم آپ کو اس سے بھی زیادہ نمائندگی دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن آپ صرف یہ یقین دلا دیں کہ کشمیر میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے گی۔" اس جواب پر دوسرے مسلمان ممبران کے چہرے کھل اُٹھے اور پنڈت شودت

اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ اس کے بعد یہ اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔

تقسیم ہند اور مملکت پاکستان کے قیام کے بعد صورت حالات یکسر بدل گئی اور عوامی حکومت کے مطالبے کو ریاستوں میں مرکزی حکومت کی مشفقانہ سرپرستی حاصل ہو گئی۔ چنانچہ پاکستان سے الحاق کے بعد بہاولپور میں بھی عوامی تحریکات نے زور پکڑا۔ یہاں کی سیاسی سرگرمیاں اسوقت دو نکتوں پر مرکوز تھیں۔ پہلا نکتہ مسلم لیگ کا باقاعدہ قیام اور دوسرا نکتہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کا حصول تھا۔

جہاں تک ذمہ دارانہ نظام حکومت کا تعلق تھا یہ تحریک حسب سابق دو علیحدہ دو گروپوں کی طرف سے اپنے اپنے جداگانہ انداز میں چلائی جا رہی تھی۔ ایک گروپ انہیں نیشنلسٹ مسلمانوں کا تھا جو خدام وطن کے نام سے کام کرتا رہا تھا۔ اور دوسرا گروپ جمیعت المسلمین اور مسلم بورڈ کے ارکان پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں جماعتیں چونکہ مسلم لیگی خیال کی تھیں اور پاکستان سے بہاولپور کے الحاق کی تحریک کے دنوں میں انمیں باہم اتحاد عمل ہو گیا تھا۔ اس لئے اب یہ ایک مشترکہ بورڈ کی صورت میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ ان دو گروپوں کے علاوہ تیسرا گروپ سرکاری ملازمین کا بھی تھا۔ جو اب سے پہلے تو در پردہ سیاست میں حصہ لیتا رہا تھا۔ لیکن اب کھل کر سامنے آگیا تھا۔ سرکاری ملازمین کے اس گروپ کے متعلق عام طور پر سیاسی حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ یہ امیر بہاولپور پر سیاسی اثرات ڈال کر اپنے لئے ترقیوں کا سامان مہیا کرتا ہے۔ بہر حال ان کے سرخیل سید غلام مرتضےٰ شاہ جج ہائیکوٹ تھے جنہیں خدام وطن کے کارکنوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔

سرکاری ملازمین کے استعفے

انہوں نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریاست کے ۱۴ چھوٹے بڑے افسروں کے ساتھ ملازمت سے استعفے دیدیئے۔ استعفوں کی غرض وغایت شاہصاحب نے ایک پریس کانفرنس میں یہ بیان کی تھی کہ

> "حکومت بہاولپور کے مظالم حد برداشت سے بڑھ گئے ہیں۔ وہ اس حکومت کے پرزے بن کر کام کرنے کو تیار نہیں۔ وہ بہاولپور میں ذمہ دارانہ نظام حکومت قائم کرنے کے لئے عوامی تحریک میں شامل ہوں گے۔ اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔"

استعفے کے دو دن بعد اعلیٰحضرت امیر بہاولپور نے شاہ صاحب کو طلب کر کے انہیں وزارت کی پیشکش کی اور یہ اطمینان دلایا کہ وہ عنقریب بہاولپور میں اصلاحات نافذ کرنے والے ہیں تو شاہ صاحب نے اس پیشکش کو فوراً قبول کر لیا اور وزارت تعلیم کے عہدے پر متمکن ہو گئے۔ مسلم لیگی حلقوں میں اس کا شدید ردعمل ہوا۔ مشترکہ بورڈ نے جامع مسجد بہاولپور میں ۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو ایک جلسۂ عام کر کے سرکاری ملازمین کے استعفے اور سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کے وزارت قبول کرنے پر سخت تنقید کی۔ صاحبزادہ ریاض احمد رحمانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ "ان ملازمین نے محض ترقیاں حاصل کرنے کے لئے استعفے دیئے تھے۔ ان کا تحریک ذمہ دارانہ نظام حکومت سے کوئی تعلق نہیں

چودہ طبق

مسلم لیگی اخبار الفلاف نے اپنے ۵ اپریل ۱۹۴۷ء کے شمارے میں "چودہ افسروں کے طبق روشن ہو گئے" کے عنوان سے اپنے اداریتی کالموں میں سرکاری ملازمین کے استعفوں اور وزارت کی پیشکش کو قبول کرنے پر سخت تنقید کی اس نے لکھا کہ

"سید غلام مرتضیٰ شاہ سابق جج ہائیکورٹ (حال وزیر تعلیم) کی قیادت میں ریاست بہاولپور کے چھوٹے بڑے افسروں کی جس تحریک نے ۲۶ مارچ کو جنم لیا تھا۔ ۲۸ مارچ کو اسے وزارت کے لبادے میں کفنا کے دفن کر دیا گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آگے چل کر یہی اخبار لکھتا ہے۔

"جب حضور والا شان نے وزارت کی پیشکش کی تو پبلک سے ہمدردی کا جو جذبہ شاہ صاحب کو کشاں کشاں حضور سرکار کی بارگاہ میں لے گیا تھا وہ وزارت کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔

"وزارت قبول کرنے کے جواز میں جو بیان شاہ صاحب نے پریس کانفرنس کو دیا ہے وہ قابل غور ہے۔ سنئے

"گفتگو کے اس اطمینان بخش مرحلے پر پہنچ کر میں نے قبول وزارت سے انکار کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ کیونکہ جو اغراض و مقاصد صاحب ممدوح کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا تھا۔ وہ پورے ہوتے دکھائی دیئے اور میں نے سمجھا کہ پبلک مفاد کی کامیابی کی پہلی منزل طے ہو گئی۔"

"گویا پبلک مفاد کی پہلی منزل یہ تھی کہ سید غلام مرتضیٰ شاہ کو جج ہائیکورٹ سے ترقی دے کر وزیر تعلیم بنا دیا جائے"۔

جن دوسرے افسران کو اس موقع پر ترقیاں دی گئیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱. سردار محمود خاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے جج ہائیکورٹ

۲. مسٹر رحیم خاں لغاری سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ڈی۔ آئی۔ جی پولیس

۳. سید حسین شاہ۔ ایس۔ ڈی۔ فرسٹ سرکل سے چیف انجینئر

۴. خان حق نواز خاں قمر اکمیشن سے ایس۔ ای۔ بنا دیئے گئے۔

عام طور پر یہ خیال تھا کہ سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کے کابینہ وزارت میں شامل ہونے اور دیگر افسران کے ترقی یاب ہونے کے بعد ذمہ دارانہ نظام حکومت کی تحریک سرد پڑ جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ پرانے مسلم لیگیوں کا گروپ برابر اس تحریک کو چلاتا رہا۔

اصلاحات کی پہلی قسط

بالآخر ۷، نومبر ۱۹۴۷ء کو اعلیحضرت کی طرف سے اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا گیا اور ایک غیر معمولی گورنمنٹ گزٹ کے ذریعہ یہ فرمان جاری ہوا کہ

"آپ اپنی ریاست میں نمائندہ اداروں کے قیام۔ ان کی توسیع اور فروغ کی غرض سے فوری مناسب اقدامات کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی عزیز رعایا کو حکومت کے نظم و نسق میں شریک کار ہونے کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر آجائیں اور انہیں جلد سے جلد کل ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار کیا جاسکے۔

"آپ نے فرمانِ مبارک میں اس امر کی وضاحت فرمادی ہے کہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کے سلسلہ میں جو پہلا قدم اٹھایا جارہا ہے وہ اس لئے محدود ہے کہ نئے رائے دہندگان اور نمائندگان عمومی کو اپنے اہم فرائض کی ادائیگی اور اپنے نئے اختیارات کا صحیح استعمال سیکھنے کے لئے کچھ وقت اور تجربہ کی ضرورت ہوگی۔ اور وہ جب آنے والی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی پوری استعداد حاصل کرلیں گے تو اعلیحضرت دلی مسرت کے ساتھ تمام ذمہ داریاں ان کے سپرد کردیں گے

"اعلیحضرت نے اپنی کابینہ وزارت کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسی اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں فوراً حسب ذیل اقدامات کئے جائیں۔

۱. قلمروئے ہذا میں ادارہ جات مقامی یعنی دیہی پنچایتوں. میونسپل کمیٹیوں. نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے اختیارات اور ذمہ داریوں میں فوراً توسیع و اضافہ کر دیا جائے اور ان کا معیار مملکت مختشمہ پاکستان کے صوبجات میں مماثل اداروں کے برابر کر دیا جائے۔

۲. ان اداروں کے تمام رکن رائے عامہ سے منتخب ہوں اور اپنے عہدیداروں کو خود منتخب کریں، چند سرکاری افسران جو مفاد عامہ کے مہارت طلب محکموں سے متعلق ہیں، ان اداروں میں محض بطور صلاح کار نامزد کئے جائیں. قلمروئے ہذا کے ہر بالغ باشندے کو حق رائے دہندگی حاصل ہو۔

۳. رائج الوقت قوانین متعلقہ میں فوراً مناسب ترمیم کر کے ترمیم شدہ قوانین کے ماتحت ۱۹۴۹ء کے آغاز میں انتخابات کئے جانے کا انتظام مکمل کر دیا جائے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ " نمائندگان عمومی کے انتخاب اور نمائندہ اور منتخب شدہ مقامی حکومتی اداروں کی تکمیل کے بعد نظم و نسق کے دیگر شعبوں میں نمائندگان عمومی کی مشاورت اور شمولیت کے متعلق مزید اقدامات کرنے کے سلسلہ میں ہم عوام کے منتخب شدہ نمائندگان سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔" آپ نے توقع ظاہر فرمائی ہے کہ "عوام ان نئے مواقع سے جو ان کی جمہوری طرز پر نمائندہ اداروں کو کامیابی سے چلانے کے طور طریق سے مانوس کرنے میں بحد مفید و موثر ثابت ہوں گے، پورا فائدہ اٹھائیں گے اور ان نئے تجربوں سے اپنی استعداد اور صلاحیتوں میں اضافہ کر کے بہت جلد زیادہ اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو سکیں گے۔"

اس اعلان نے بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں خاصی گہما گہمی پیدا کر دی. ریاستی لیگ اور آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ نے علیحدہ علیحدہ اپنے اجلاس طلب کر کے اس پر غور کیا. ریاستی لیگ کے نزدیک یہ اصلاحات قطعی ناکتفی اور غیر تسلی بخش بخش تھیں. لہذا اس نے انہیں مسترد کر دیا. چنانچہ سید غلام مرتضیٰ شاہ جو اسی لیگ کے حامی تھے اور ذمہ دارانہ نظام حکومت کی تحریک میں ہائیکورٹ کی ججی سے مستعفی ہو کر نواب صاحب کی خواہش پر وزارت معارف کے عہدے پر متمکن ہو گئے تھے. بطور احتجاج وزارت سے مستعفی ہو گئے. انہوں نے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اس سلسلے میں ایک پریس کانفرنس طلب کی اور یہ بیان دیا کہ

"میں اس سال کے آغاز میں امن و آئین کے قیام اور عوام کے جمہوری حقوق

ہز ہائینس کا دربار جس میں اصلاحات کا اعلان کیا گیا، نواب مشتاق احمد گورمانی تقریر کر رہے ہیں
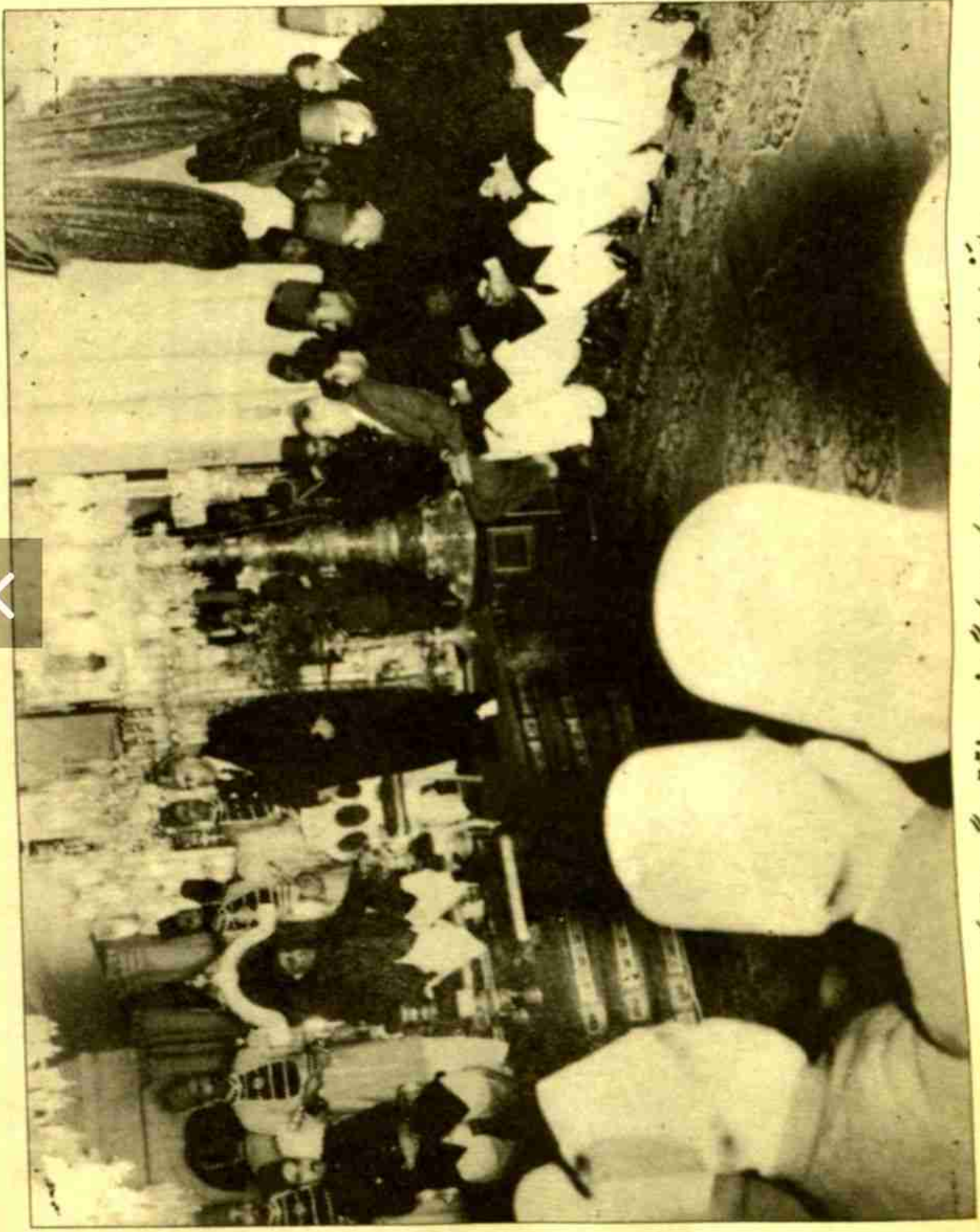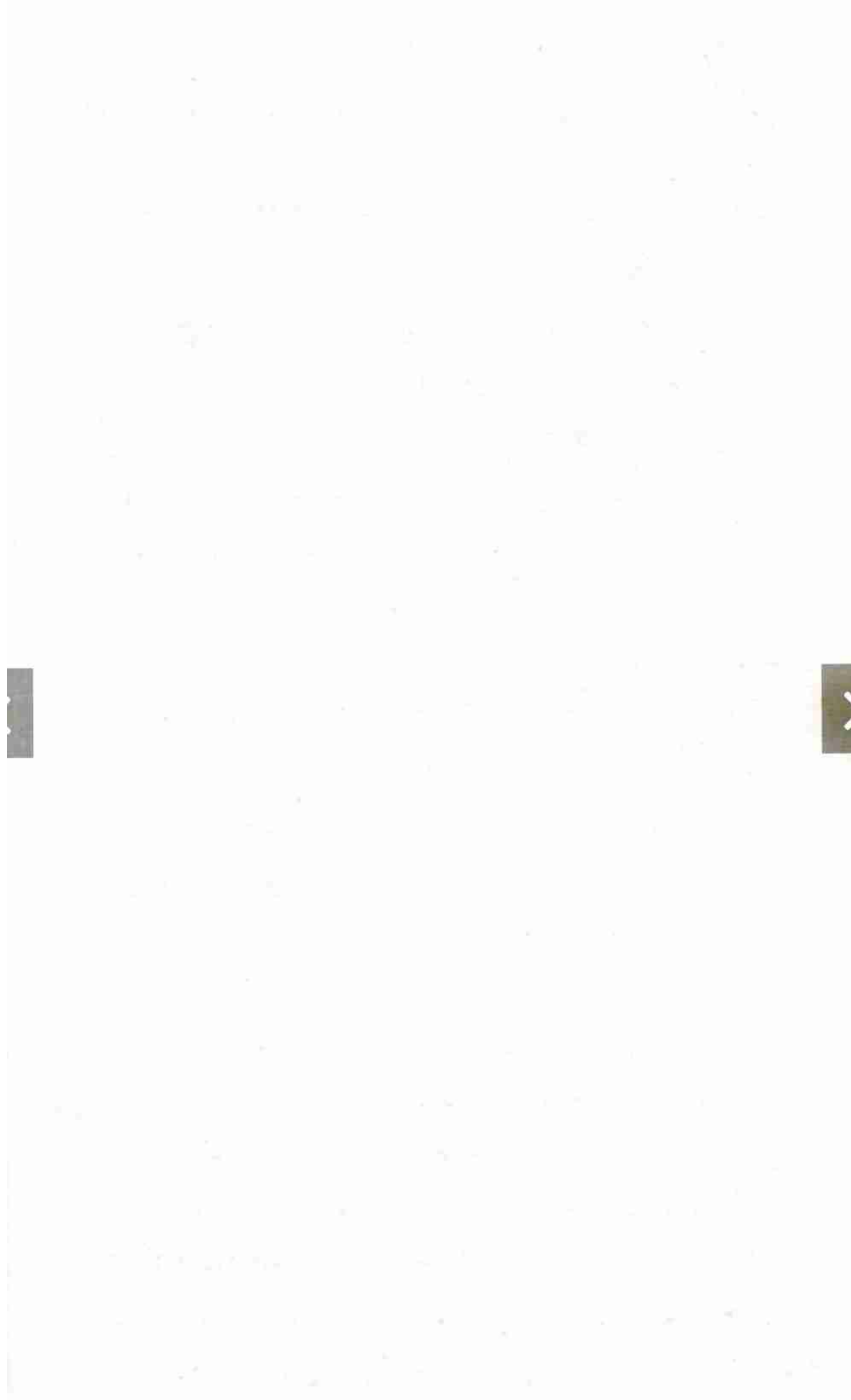
کی جدوجہد کے لئے اپنے رفقاء کے ساتھ مستعفی ہوا تھا۔ جب اعلیحضرت نے مجھے طلب فرمایا تو میں نے پوری وضاحت کے ساتھ عوام کی مشکلات۔ لاقانونی کے واقعات اور واقعات کے جمہوری تقاضوں کی تفصیل ممدوح کی خدمت میں پیش کر دی۔ اعلیحضرت نے مجھے کابینہ وزارت کا رکن نامزد فرما کر اصلاحات کا مسودہ مرتب کرنے کا کام سپرد کیا اور فرمایا کہ وہ انگلستان سے مراجعت پر اصلاحات کے لئے اقدام اٹھائیں گے۔ لیکن یہ جو اصلاحات کا اعلان ہوا ہے اس میں اسمبلی کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف میونسپلیٹوں، پنچایتوں۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں انتخاب جاری کرنے کو کافی سمجھا گیا ہے۔

"پورے غور و فکر کے بعد میرا یقین ہے کہ حکومت کی عطا کردہ اصلاحات کی یہ قسط قطعاً ناکافی ہے اور یہ نام نہاد اصلاحات ریاست کے کسی سیاسی رخ کو نہیں بدل سکیں۔ لہذا انہیں کسی حالت میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

"میں نے سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں حکومت کے موجودہ نظم و نسق میں اپنے عہدے پر رہتے ہوئے ریاست کی صحیح اور ٹھوس خدمت نہیں کر سکتا۔ میں ریاست میں پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کی نگرانی میں تنظیم کا جو کام ہو رہا ہے، اعلیحضرت کے ایک سچے وفادار کی حیثیت سے وہ آنے کا رکن بن کر اس کی تنظیم اور کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کو بروئے کار لانے کی آئینی جدوجہد کروں گا۔"

آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر محمد محمود نے بھی اس موقف کی تائید کرتے ہوئے ایک بیان کے ذریعہ ان اصلاحات کو غیر مفید قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ

"بہاولپور میں نافذ ہونے والی اصلاحات کو اٹھارہویں صدی کی اصلاحات کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ایسی اصلاحات برطانوی ہند میں ایک صدی پیشتر رائج تھیں۔ ان اصلاحات کے لئے بھی ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کی ضرورت ہے۔ امیر بہاولپور فی الفور اقتدار عوام کو سونپ دیں اور کسی قسم کے تاخیرانہ حربوں سے کام نہ لیں۔ عوام کا کم سے کم مطالبہ یہ ہے کہ ریاست میں ایک عبوری ذمہ دار حکومت قائم کی جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ریاست میں ایک مجلس آئین ساز قائم کی جائے۔"

بیرونی اخبارات میں بھی اس پر اچھی خاصی لے دے ہوئی۔ خاص طور پر زمیندار لاہور اور احسان

نے ان اصلاحات پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اداریئے لکھے۔
آل بہاولپور مسلم لیگ ابھی اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ لوگ بڑی بے تابی سے اس کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آخر اس نے اپنے اجلاس میں متواتر دو دن تک غور کرنے کے بعد یہ قرارداد منظور کر لی کہ

"ان اصلاحات کو اپنا پیدائشی حق اور ذمہ دارانہ نظام حکومت کا ابتدائی حصہ سمجھتے ہوئے اس شرط پر قبول کر لیا جائے کہ حکومت بہاولپور ان اصلاحات کے عمل درآمد کے فوراً بعد دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان اور عبوری دور کیلئے پاپولر وزراء کا تقرر عمل میں لائے گی۔

نیز یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہم صرف میونسپل کمیٹی۔ نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ اور دیہی پنچائتوں پر ہی اکتفا نہیں کریں گے۔ بلکہ دستور ساز اسمبلی اور قانون ساز اسمبلی جو عوام کا حقیقی مطالبہ ہے۔ اس کے حصول کی جدوجہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔"

بظاہر یہ فیصلہ غیر متوقع نہیں تھا۔ کیونکہ مخالفین اس جماعت پر رجعت پسندی کا جو الزام لگاتے تھے اس سے اس کی تصدیق ہوتی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس جماعت میں جو لوگ شریک تھے وہ طبعاً ہنگامہ پرور نہیں تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی پالیسی کے مطابق ہمیشہ متوازن رویہ اختیار کیا۔ اس موقع پر بھی ان کا مؤقف یہ تھا کہ کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی جارحانہ سرگرمیوں نے حکومت پاکستان کے دفاع کو چیلنج کر رکھا ہے۔ ریاست بہاولپور ہندوستان کی تین سو میل لمبی سرحد سے ملحق ہے اور اس کی دفاعی پوزیشن نازک ہی نہیں بلکہ تمام پاکستان کے استحکام و بقا کے ضامن ہے۔ پاکستان کے تمام ارباب اختیار ان پیچیدہ مسئلوں کو حل کرنے میں سرگرداں ہیں اس لئے اس موقع پر کوئی ایسی شورش برپا نہیں ہونی چاہیے جو حکومت پاکستان کی مشکلات میں اضافہ کا موجب ہو۔ چنانچہ انہوں نے ان حالات کے پیش نظر احتجاج اور واویلا کرنے کے بجائے تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے یک راہگیر دگیر را دعویٰ کن کے مصداق ان اصلاحات کو قبول کر لیا اور ساتھ ہی مزید اصلاحات کے حصول کی کوششیں جاری رکھیں۔

اس مصلحت اندیشانہ روش کا یہ فائدہ ہوا کہ متذکرہ اصلاحات کے اعلان کے صرف

چار ماہ بعد اعلیحضرت امیر بہاولپور نے مزید اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں نواب مشتاق احمد گورمانی کے سبکدوش ہونے کے بعد ریاست کی وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ کرنل اے، جے ڈرنگ نے سنبھال لیا تھا۔ یہ صاحب انڈین پولیٹیکل سروس سے تعلق رکھتے تھے اور صوبہ سرحد میں مختلف اہم عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ انھوں نے یہاں آتے ہی حالات کا جائزہ لیا۔ اور حکومت پاکستان کی طے شدہ پالیسی کے مطابق بہاولپور میں مزید سیاسی اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں امیر بہاولپور سے تبادلۂ خیالات کیا۔ وہ پہلے ہی بہاولپور میں عوامی حکومت کے جلد از جلد قیام کا فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو امور تصفیہ طلب تھے ان پر غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ اعلیحضرت امیر بہاولپور کی پچیس سالہ سلور جوبلی کے موقع پر جو ۸ مارچ کو منعقد ہو رہی ہے مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائے گا۔ چنانچہ کرنل ڈرنگ نے ۲۲ جنوری ۱۹۴۹ء کو ایک پریس کانفرنس طلب کر کے حکومت کے اس فیصلے سے عوام کو آگاہ کیا۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں بتایا تھا کہ

"اعلیحضرت امیر بہاولپور نے یہ منظور فرما لیا ہے کہ وہ آئندہ بہاولپور میں محض آئینی حکمران کی حیثیت سے رہیں گے۔ اور آپ کی پچیس سالہ سلور جوبلی جو مارچ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہو رہی ہے اس پر وسیع پیمانہ پر مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائیگا"

کرنل ڈرنگ نے پریس کانفرنس میں یہ بھی واضح کیا کہ

"بہاولپور کی حیثیت پاکستان کے ایک جزو کی طرح برقرار رہے گی البتہ یہاں کے ملٹری جنرل آفیسر کمانڈنگ پاکستان ملٹری کمانڈر ان چیف کے زیر کمان ہوں گے اور ہائیکورٹ کو چھوڑتے ہوئے کمیونیکیشن اور فارن آفیئرز پاکستان کے ماتحت ہوں گے۔"

انہوں نے کہا

"حکومت کا یہ قطعی ارادہ ہے کہ بہاولپور میں زیادہ سے زیادہ اصلاحات کی جائیں تاکہ پاکستان کا یہ حصہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہو۔"

جماعتی کشمکش

ادھر بہاولپور میں آئینی اصلاحات کے نفاذ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ادھر بہاولپور کی سیاسی جماعتوں کی رسہ کشی عروج پر تھی۔

جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے جن کا تحریک الحاق کے دنوں میں باہم اتحاد عمل ہو چکا تھا اب مستقل طور پر آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی تھی۔ اس

صدر نور محمد تنکانی تھے اور ممبران میں پیرزادہ سلیم اسلم ۔ حافظ احمد یار ۔ منشی عبدالحمید ۔ عبدالمجید صحرائی حیات ترین اور میرزا زاہد حسین شامل تھے ۔ قیام پاکستان سے پہلے جن پابندیوں نے انہیں بہاولپور مسلم لیگ قائم کرنے سے باز رکھا تھا ۔ وہ اب ان کی راہ میں حائل نہ تھیں ۔ انہوں نے آل پاکستان مسلم لیگ یا آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ سے منظوری لینی بھی ضروری نہیں سمجھی اور آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ خود قائم کر دی ۔ ان کے خیال میں اب ان کا کوئی حریف نہیں رہا تھا ۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب ضرورت محسوس ہوگی ۔ وہ اپنی لیگ کا متذکرہ لیگوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق بھی کر لیں گے ۔ لیکن ادہر یہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے ۔ اور اُدہر خدامِ وطن کے اس نیشنلسٹ گروپ نے جو مصلحتاً کچھ عرصہ سے خاموش تھا ۔ مسلم لیگیوں کو خوش فہمی میں مبتلا چھوڑ کر چپکے سے بہاولپور سے باہر کا رخ کیا ۔ اور وہاں مختلف سیاستدانوں سے رابطہ قائم کر کے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کا پروگرام بنایا ۔

نیشنلسٹ گروپ میں علامہ ارشد کا ریاست سے باہر سیاسی و صحافتی حلقوں میں اچھا خاصا اثر تھا ۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں مولانا عبدالمجید سالک سابق ایڈیٹر انقلاب لاہور سے رابطہ قائم کیا ۔ ان کے مسٹر منظر عالم صدر آل پاکستان سٹیٹس مسلم لیگ سے اچھے تعلقات تھے علامہ صاحب نے مولانا سالک سے مسٹر منظر عالم کے نام سفارشی خط حاصل کیا اور ایک وفد کراچی روانہ کر دیا ۔ سفارش بڑی تگڑی تھی مسٹر منظر عالم رام ہو گئے ۔ اور انہوں نے بہاولپور میں اس گروپ کے ذریعہ ریاستی لیگ کی تنظیم کا فیصلہ کر لیا ۔

اس وقت اس گروپ میں جو لوگ شریک تھے انمیں علی احمد رفعت ۔ ولی اللہ ادحد ۔ چوہدری رحمت اللہ اور مسٹری عبدالرحمن کے علاوہ ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ سید غلام مرتضیٰ شاہ کا نام سرفہرست ہے ۔ علاوہ ازیں مخدوم الملک سید حسن محمود کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ شرکت پر آمادہ کر لیا تھا ۔

پرانے مسلم لیگیوں کو جب اس سازش کا علم ہوا تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ۔ وہ حیران تھے کہ جو لوگ کل تک مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے مخالف تھے آج یک جھپکتے کس طرح مسلم لیگ کے کرتا دھرتا بن بیٹھے ۔ بہرحال انہوں نے پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کے اس فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا ۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسلم بورڈ اور جمعیت المسلمین جن کا نام اب انہوں

لہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی اپیل پر جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے اپنی جداگانہ تنظیمیں ختم کر کے آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت بنائی تھی ۔

نے آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ رکھ لیا ہے قدیم سے مسلم لیگی نظریات کی حامی ہے اور یہ کہ قیام پاکستان سے پہلے جمعیت کا کا ریاستی لیگ سے الحاق بھی تھا۔ اس لئے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کا حق صرف انہیں کو ہونا چاہیئے۔ مسٹر منظر عالم نے اس کے باوجود دونوں گروپوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ یہ مئی ۱۹۴۸ء کے اواخر کی بات ہے (۲۵، ۲۶، ۲۷، جون ۱۹۴۸ء) کو کراچی میں مرکزی ریاستی لیگ کا ایک اجلاس ہونے والا تھا۔ جسمیں مسٹر منظر عالم نے یہاں کے دونوں گروپوں کے نمائندوں کو مدعو کیا۔ اجلاس میں ریاستہائے قلات میر لوپہ۔ چترال اور لسبیلہ کی مسلم لیگیوں کا الحاق منظور ہوا۔ بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کی طرف سے بھی الحاق کی درخواست زیر غور آئی اس پر بہاولپوری نمائندوں کے درمیان سخت ردو قدح ہوئی جس کی وجہ سے یہ درخواست منظور نہ ہو سکی دراصل مسٹر منظر عالم دونوں گروپوں کو ایک تنظیم میں منسلک کرنا چاہتے تھے۔ جو بہاولپور کے قدیم مسلم لیگی نمائندوں کو قبول نہ تھا۔ انہوں نے دونوں پارٹیوں کے ۱۵ افراد پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی بنانے کی تجویز بھی پیش کی لیکن مسلم لیگی پارٹی کے صدر مسٹر نشکانی اور ان کے رفقانے اس تجویز کو بھی رد کر دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ دوسری پارٹی کے ارکان کانگریسی اور نیشنلسٹ خیال کے لوگ ہیں جو مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے مخالف رہے ہیں۔ اگر اب انہیں مسلم لیگ میں شامل کر لیا گیا۔ تو یہ مسلم لیگ کی تنظیم کے حق میں مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی ذہنیت اب بھی نہیں بدلی ہے۔ مسٹر نشکانی اور ان کے ساتھیوں نے جب اپنی ضد نہ چھوڑی اور مسٹر منظر عالم کے کسی فارمولے کو قبول نہ کیا تو انہوں نے مسٹر رفعت وغیرہ کو بہاولپور میں ریاستی لیگ کی تنظیم کرنے کی باقاعدہ اجازت دیدی۔

اِدھر ان لوگوں نے بہاولپور پہنچ کر ریاستی مسلم لیگ کی تنظیم کا کام شروع کیا اور اُدھر آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ نے ان کے خلاف زبردست محاذ آرائی کی ان کے سابقہ کردار کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلے میں کئی پمفلٹ اور اشتہار چھاپ کر نہ صرف بہاولپور میں تقسیم کئے بلکہ بیرون ریاست عمائدین لیگ کو بھی بھجوائے۔ ان پمفلٹوں میں "گندم نما جو فروش" برادران یوسف اور EXPLOITED BAHAWALPUR OVER خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان پمفلٹوں میں مسلم لیگ کا چولا بدلنے والے پرانے کانگریسی اور نیشنلسٹوں کا کچا چٹھہ کھولا گیا تھا۔ ان کے وہ بیانات جو مسلم لیگ، تحریک پاکستان قائد اعظم اور پاکستان سے بہاولپور کے الحاق کے خلاف چھپتے رہے تھے ان پمفلٹوں میں درج کئے گئے تھے۔

چند اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں قائد اعظم کے متعلق اس طرح اظہار خیال کیا گیا تھا۔

"کون نہیں جانتا کہ مسٹر جناح اور ان کے معتمدین اپنے اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت دے چکے ہیں۔ انہوں نے امام الہند اور پیشوائے اعظم علامہ ابو الکلام آزاد جیسی شخصیتوں کو جن اہانت آمیز خطابات سے نوازا ہے اس سے ان کی ذہنی پستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور یہ اس شخص کی جانب سے کیا گیا ہے جو خود اسلامی تہذیب سے نابلد ہے۔ جو یہ بھی نہیں جانتا کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے جو اسلام کے اصول محمدی شریعت اور اسلام کے بنیادی عقائد سے بھی بے خبر ہے۔ جو عربی میں کلمہ تک نہیں پڑھ سکتا۔ جو رمضان المبارک کے مہینے میں وائسرائیگل لاج سے تین انچ لمبا سگار پیتے ہوئے باہر آئے ہیں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتا۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ایسے شخص کو اپنا لیڈر بنائیں اور اس کے کہنے پر راست اقدام کریں۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو اس تحریک میں مرے گا۔ وہ شہید نہ ہوگا۔"

(کائنات ۲۸ر نومبر ۱۹۴۶ء)

کلکتہ اور بہار میں ہندو مسلم فساد پر اس اخبار نے تبصرہ کیا تھا۔

"اس وقت ملک میں قحط اور قتل غارتگری کا بازار گرم ہے۔ کیا کبھی آپ نے اس کی وجہ پر غور کیا۔ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بزرگوں کی توہین کا بدلہ لے رہا ہے کیا یہ وہی بنگال اور بہار نہیں جس نے امام الہند ابو الکلام آزاد کی بے عزتی کی تھی۔ کیا یہ وہی بہاری نہیں جنہوں نے جمعیت الاسلام حسین احمد مدنی کے سر پر سے ٹوپی اتار لی تھی۔

(کائنات ۳۰ر نومبر ۱۹۴۷ء)

"بدقسمتی سے ہم اب تک نظریۂ پاکستان کی افادیت کے قائل نہیں ہو سکے پاکستان کا تخیل برصغیر کے مسلمانوں کے لئے زہر کا پیالہ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس خطرے سے بچنے کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔"

(کائنات ۱۲ر مئی ۱۹۴۸ء)

بعض لیڈر پاکستان کے نعرے سے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہے ہیں۔ اگر لوگوں نے ان لیڈروں کی پیروی کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک ایسے مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں جس کا فائدہ باہر کے لوگوں کو ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاست کی ترقی رک جائے گی۔ اصلاحات کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ لہذا اس تحریک سے

الگ رہو"

(ستلج یکم جنوری ۱۹۴۷ء)

اس پروپیگنڈا مہم نے ان لوگوں کے کام میں خاصی رکاوٹ ڈالی۔

مسٹر منظر عالم کو اس صورت حاصل سے مجبور ہو کر معاملات کو سدھارنے ستمبر ۱۹۴۷ء میں خود بہاولپور آنا پڑا۔ بہاولپور کے پرانے کانگریسیوں نے ان کے کان میں نہ جانے کیا پھونک دیا تھا کہ وہ اس تمام مخالفت کے باوجود انہیں مسلم لیگ سے باہر رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہاں دونوں گروپوں سے انہوں نے کافی طویل مذاکرات کئے۔ لیکن پرانے مسلم لیگی گروپ کے موقف میں پھر بھی کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے دونوں متوازی لیگوں کو توڑ کر آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر محمد محمود کی سرکردگی میں ایک نئی تنظیمی کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ عوام اس فیصلے کا خیر مقدم کریں گے۔

جامع مسجد بہاولپور میں ہنگامہ

چنانچہ اس خوش فہمی کی بنا پر انہوں نے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جامع مسجد بہاولپور میں ایک جلسۂ عام منعقد کرا کے اس میں اس فیصلے کا اعلان کیا لیکن ابھی وہ اعلان کر کے اسٹیج سے اُترنے ہی والے تھے کہ ہجوم میں سے لوگوں نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ مسٹر منظر عالم کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشتعل ہجوم مسٹر منظر عالم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بڑی مشکل سے مسلم لیگی کارکنوں نے ان کی جان بچائی اور انہیں بحفاظت جلسہ گاہ سے باہر نکال کر ان کے مستقر پر پہنچایا۔ پیرزادہ سلیم اسلم نے قرآن شریف اٹھا کر لوگوں کو واسطہ دیا تھا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے مہمان ہیں جب انہیں حملہ آوروں سے بچا کر موٹر میں بٹھایا گیا تو مشہور نجشا قصائی ان کی حفاظت کیلئے موٹر پر چڑھ گیا۔

مسلم لیگیوں پر مسلم لیگ کے دروازے بند ہو گئے

اس واقعہ کے بعد مسٹر منظر عالم کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہیئے تھی لیکن اس کے برعکس وہ بہاولپور کے پرانے لیگیوں کے سخت مخالف ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ سارا ہنگامہ خود ان لیگی کارکنوں نے کرایا ہے۔ بہر حال انہوں نے اسی غصے میں اپنی ریاستی لیگ کی مقرر کردہ تنظیمی کمیٹی کو ہدایت کر دی کہ وہ ان لوگوں کو مسلم لیگ کا رکن نہ بنائیں۔ جن لوگوں کو مسلم لیگ کی رکنیت

سے محروم کرنیکا فیصلہ کیا گیا تھا! انمیں نیر زادہ سلیم اسلم منشی عبدالحمید میرزا حسین عبدالحمید صحرائی مسٹر نور محمد مکانی ورحیات شامل تھے. خدا کی شان! جن لوگوں نے قیام پاکستان سے قبل ریاست میں مسلم لیگ کے نظریات کو پھیلایا تھا اور اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا آج انہیں پر مسلم لیگ کے دروازے بند کردیئے گئے تھے.

خیر اس ضرب کاری نے ان لوگوں کو چوکنا کردیا. اور وہ اس عنصر کی مخالفت میں پہلے سے زیادہ سرگرم عمل ہو گئے جن کی سازش سے مسٹر منظر عالم کو ان کے خلاف یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا تھا. دراصل مسلم لیگ کے پرانے علمبرداروں کا یہ گروہ اپنے اخلاص کی بے پناہی کے باوجود مالی وسائل و ذرائع سے محروم تھا. اسے نہ اندرون ریاست کسی سرمایادار کی سرپرستی و حمایت حاصل تھی اور نہ بیرون ریاست مسلم لیگ کے لیڈروں سے اس کا کوئی خاص ربط و ضبط تھا. قیام پاکستان سے پہلے زیادہ تر میلاد کی محفلوں تک اس کی سرگرمیاں محدود تھیں لیکن انمیں بھی یہ کسی جید عالم کو باہر سے کبھی نہیں بلوا سکے تھے واقعہ یہ ہے کہ یہ سیاسی قلندروں کا ایک ایسا ٹولہ تھا جو محض اپنے جوش عمل اور جذبۂ اخلاص کے بل پر اپنے سے زیادہ طاقتور اور بااثر حریف کا مقابلہ کرتا رہا تھا. لیکن ظاہر ہے جہاں اسباب و ذرائع کا بالکل فقدان ہو وہاں محض جوش و جذبہ کیا کام دے سکتا ہے ان کے مقابلے میں نیشنلسٹ اور کانگرسیی معتقدات کے حامل وہ لوگ جو اب مسلم لیگ پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھے بڑے شاطر اور ہوشیار تھے. ذہنی سطح کے اعتبار سے بھی انہیں نسبتاً برتری حاصل تھی. چنانچہ لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت پرستی کا الزام تو مسلم لیگی گروپ پر لگایا جاتا تھا لیکن حکومت میں عمل دخل ان کا تھا انہوں نے افسران میں ایک ایسا حلقہ پیدا کر رکھا تھا جو حکومت کے خلاف سرگرمیوں میں ان کی امداد و اعانت کرتا تھا اور اس طرح یہ عوام میں بھی سرخرو رہتے تھے اور مادی اعتبار سے فائدے بھی اٹھاتے رہتے تھے. اب مسلم لیگ پر قبضہ جمانے کے لئے بھی انہوں نے مقامی سرگرمیوں پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ بیرون ریاست کے بعض بااثر لوگوں کی حمایت حاصل کر کے یہ قدم اٹھایا تھا. بہر حال اب کے پرانے مسلم لیگی ان کی تمام چالاکیوں اور ہوشیاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے ان کا یہ اٹل فیصلہ تھا کہ خواہ آئندہ سیاست میں ان کے لئے صفِ اول میں جگہ باقی نہ رہے. اس غیر لیگی عنصر کا قلع قمع ضرور کریں گے.

بہاولپور کی سیاست میں مخدوم زادہ کی آمد

ادھر یہ پرانا لیگی گروپ لیگ کا چولا بدل کر نمودار ہونے والے نیشنلسٹوں اور احراریوں

کی اس دیدہ دلیری پر تاؤ کھا رہا تھا۔ ادھر ان کے جھانسے میں آنے والے مخدوم زادہ سید حسن محمود ان کی بعض من مانی کارروائیوں سے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ قصہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے ریاستی مسلم لیگ کی ممبر سازی کے لئے جو کاپیاں تقسیم کی تھیں اس میں مخدوم زادہ کی رائے اور مشورہ کو ضروری نہیں سمجھا تھا یہاں تک کہ انہیں مطلوبہ کاپیاں بھی فراہم نہیں کی گئی تھیں۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جن لوگوں کی خودسری کا ابتدائے کار میں یہ حال ہے وہ آگے چل کر انہیں کیا خاطر میں لائیں گے۔ لہٰذا ان حالات میں انہوں نے پرانے مسلم لیگیوں سے رجوع کرنے کی خواہش کی یہاں یہ وقت درپیش تھی کہ یہ مسلم لیگی تھے تو قلندر محض لیکن مزاج اور طبیعت میں کسی بڑے رئیس سے کم نہ تھے۔ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بڑا آدمی محض اپنی دولت کے بل پر ان کا لیڈر بن جائے۔ چنانچہ ایک آدھ بار اس طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی ہوئی تو انہوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی بالآخر مخدوم زادہ صاحب کے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ نے میر زاہد کے والد میر عابد حسین صاحب کو واسطہ بنا کر ان مسلم لیگیوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ میر صاحب کا مسلم لیگیوں کے دل میں بےحد احترام تھا۔ یوں بھی چونکہ میر صاحب اور ان کے صاحبزادے میر زاہد حسین شروع سے اس لیگی گروپ کے ساتھ تھے اس لئے ان کی کسی بات کو رد کرنا آسان نہ تھا۔ تاہم جب انہوں نے یہ مسئلہ لیگی گروپ کے سامنے رکھا تو اس پر کافی رد و قدح ہوئی۔ خود میر زاہد حسین اس کے حق میں نہ تھے منشی عبد الحمید صاحب پیرزادہ سلیم اسلم عبد الحمید صحرائی حافظ احمد یار اور نور محمد تنکانی نے بھی اس کی مخالفت کی لیکن جب میر صاحب نے معاملہ کے نشیب و فراز پر پوری طرح روشنی ڈالی اور ان کے سامنے یہ پہلو رکھا کہ اب مقابلہ پرانے حریفوں کا نہیں بلکہ سرمایہ اور دولت کا ہے اور مخالف فریق کو ایسے لوگوں کی حمایت حاصل ہے جو حسب ضرورت روپیہ صرف کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان کے مقابلے میں انہیں بھی کسی ایسے دولتمند کی مدد میسر آ جائے تو صحیح معنی میں مقابلہ ہو سکتا ہے۔ غرض میر صاحب کے دلائل اور ان کی شخصیت نے کام کیا اور یہ لوگ مخدوم زادہ اور ان کے والد کو اپنے ساتھ ملانے پر کسی حد تک رضامند ہو گئے۔

جہاں مخدوم الملک اور مخدوم زادہ حسن محمود میر عابد حسین صاحب کے توسط سے پرانے مسلم لیگی گروپ سے ملنے کی کوشش کر رہے تھے وہاں انہوں نے امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی کو بھی اس غرض کے لئے وسیلہ بنایا۔ ایک دن مولانا فضل الٰہی بہاولپور سے ملتان تشریف لے جا رہے تھے۔ اور میر زاہد حسین انہیں الوداع کہنے اسٹیشن تک گئے تھے کہ اچانک مخدوم الملک بھی اسٹیشن پر برآمد ہو گئے انہوں نے امیر المجاہدین سے بڑی عقیدت کے ساتھ مصافحہ کیا

میرزاہد حسین چونکہ ساتھ ہی کھڑے تھے اس لئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۔
مخدوم الملک نے امیر المجاہدین سے کہا کہ حضرت ان سے تو میرزاہد حسین کی طرف اشارہ کرکے کہا
ہماری سفارش کریں کہ یہ ہم سے ناراض نہ ہوں۔ یہ ہم سے بات کرنی بھی گوارا نہیں کرتے۔
میرزاہد خاموش تھے امیر المجاہدین نے بھی ابھی ان کی بات کا کوئی جواب
نہ دیا تھا کہ مخدوم الملک نے کہا کہ وہ بھی ملتان جا رہے ہیں۔ اگر میرزاہد حسین بھی ان کے ہمراہ
ملتان تک چلیں تو راستے میں ان سے بعض ضروری امور پر تبادلہ خیالات ہو سکے گا میں بہاولپور
کے کانگریسیوں کی ریشہ دوانیوں پر روشنی ڈالوں گا۔ ممکن ہے اس کے بعد ہمارے ان کے درمیان
مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو سکے اس خواہش کے مطابق مولانا فضل الٰہی نے میرزاہد حسین
سے ملتان تک چلنے کے لئے کہا اور وہ ان کی تعمیل ارشاد میں ان کے ہمرکاب ہو گئے۔ راستے
اس دوران گفتگو جب شکوہ و شکایت کی باتیں چلیں تو میرزاہد حسین نے مولانا فضل الٰہی کو مخاطب کرکے کہا،

"میری ذاتی تو مخدوم صاحب سے کوئی مخالفت نہیں اور میرے والد سے
بھی ان کے برادرانہ تعلقات ہیں لیکن جو بات میری رنجش کا باعث ہے وہ مخدوم
صاحب کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے صادق آباد کے ریسٹ ہاؤس میں وزیر
مہاجرین بننے سے پہلے حکومت اور ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر کی تھی اور
جس میں انہوں نے مہاجرین کے متعلق بڑے نا ملائم اور اہانت آمیز خیالات کا
اظہار کیا تھا (اس واقعہ کی رپورٹ "نوائے وقت" لاہور نے بھی ایک
سخت انتقادی نوٹ کے ساتھ شائع کی تھی)

اس پر مخدوم الملک نے کہا کہ پھر بھی ہم ان کانگریسیوں سے تو بہتر ہیں۔ جو
شروع سے ہی پاکستان کے خلاف رہے ہیں۔ یہ بات سن کر مولانا فضل الٰہی نے کہا۔ کہ
مخدوم صاحب آپ اطمینان رکھئے۔ خدا بہتری کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ ادھر ملتان ریلوے
اسٹیشن پر گاڑی سے اترنے کے بعد مولانا نے میرزاہد صاحب سے کہا کہ بہتر ہے ان لوگوں
کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے ان کے پاس پیسہ بھی ہے اور اثر و رسوخ بھی۔ ان کی مدد سے کانگریسیوں
کا مقابلہ کرنا آسان ہو جائیگا۔ آپکے پاس اخلاص کی طاقت ہے اور ان کے پاس دولت۔ یہ دونوں
چیزیں مل کر کامیابی کی راہ ہموار کر دیں گی

میرزاہد صاحب نے ملتان سے واپس آکر اپنے پرانے مسلم لیگی ساتھیوں کے سامنے یہ واقعہ رکھا اور امیر المجاہدین کے مشورے سے بھی سب کو آگاہ کیا چونکہ ان کا مشورہ حکم کا درجہ رکھتا تھا اس لئے انہیں اس مشورے پر سر تسلیم خم کرتے ہی بنی اور اس طرح مخدوم الملک اور مخدوم زادہ کو قدیم مسلم لیگی گروپ کی حمایت حاصل ہو گئی۔

مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور مخدوم زادہ سید حسن محمود کی شرکت نے اس لیگی گروپ میں جان ڈال دی انہوں نے سب سے پہلے بہاولپور سے نکل کر پاکستان کے زعما کو یہاں کی سیاسی صورت حالات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ایک وفد جس میں پیرزادہ سلیم اسلم۔ ملک محمد دین۔ حافظ احمد یار۔ حیات ترین اور راقم الحروف[1] (شہاب دہلوی) شامل تھے کراچی روانہ ہوا۔ وہاں جاکر چوہدری خلیق الزماں، علامہ شبیر احمد عثمانی اور متعدد دوسرے لیگی زعما سے ملا۔ اور انہیں کانگرسیوں کی ریشہ دوانیوں کا حال سنایا۔ جب ان حضرات کو اسٹیٹ مسلم لیگ کے ساتھ کانگرسیوں کے گٹھ جوڑ کا علم ہوا تو ان سب کی ہمدردیاں مسلم لیگی گروپ کو حاصل ہو گئیں۔ اسی موقع پر پہلی مرتبہ قومی سطح پر بہاولپور کے کانگرسی گروپ کے عزائم کو بے نقاب کرنے کے لئے کراچی میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ جس سے مخدوم زادہ حسن محمود نے خطاب کیا۔

آل بہاولپور مسلم لیگ کا کنونشن

کراچی سے واپس آکر ایک آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کنونشن منعقد کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ پرانے مسلم لیگیوں نے اس کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس غرض کے لئے ایک مجلس استقبالیہ بنائی گئی تھی۔ جس کے صدر مخدوم زادہ حسن محمود تھے۔ انہوں نے ریاست کی زمیندار برادری سے رابطہ قائم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ اس میں حصہ لینے کی دعوت دی۔

اس موقعہ پر پرانے لیگیوں نے مخدوم زادہ حسن محمود کی طرف سے ایک پوسٹر شائع کیا تھا جس میں کنونشن میں شریک ہونے والے جن متوقع اکابر کے نام درج کئے گئے تھے ان میں امیر المجاہدین

---

[1] میرا تعلق یوں تو ریاست سے بڑا دیرینہ تھا۔ میرے ننھیالی عزیز یہاں تقریباً سو سال سے ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ میں نے بھی سنہ ۱۹۳۲ء سے سنہ ۱۹۳۵ء تک یہاں تعلیم پائی تھی۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد مستقل طور پر میں یہاں آباد ہو گیا۔ اور اپنے سیاسی رجحانات کے مطابق بہاولپور کے لیگی ذہن کے لوگوں کے ساتھ شریک کار ہو گیا۔ میں نے اپنا ہفت روزہ الہام بھی جو پہلے دہلی سے شائع ہوتا تھا یہاں سے جاری کیا۔ میرے ساتھ میرا اخبار بھی اسی لیگی گروپ کا حامی تھا۔

مولانا فضل الٰہی بھی شامل تھے۔ اس پوسٹر کا مضمون بھی خاصا تھلکہ انگیز تھا۔ مثلاً اس میں لکھا تھا کہ "شاہی نظام کا تانا بانا ٹوٹ رہا ہے ۔۔۔۔۔۔"

یہ پوسٹر مخدوم الملک نے پڑھا تو وہ بڑے گھبرائے ساتھ ہی میر عابد حسین صاحب بیٹھے تھے ان سے مخاطب ہو کر مخدوم الملک نے کہا "میر صاحب اس دیو (امیر المجاہدین) کو کون لائے گا"

چنانچہ حیات ترین مرحوم اور میر زاہد حسین کی طلبی ہوئی اور ان سے پوچھا گیا کہ کنونشن میں شرکت کرنے والے جن حضرات کے نام پوسٹر میں دیئے گئے ہیں انہیں یہاں لانے کا کیا بندوبست کیا گیا ہے۔ ان صاحبان نے کہا کہ یہ نام تو محض عوام میں ایک کشش پیدا کرنے کے لئے دے دیئے گئے ہیں۔ اور بس! مخدوم صاحب نے کہا کہ "لیکن کم از کم امیر المجاہدین کو تو ضرور آنا چاہیئے اور اب یہ آپ کی ڈیوٹی ہے کہ انہیں خود جا کر لائیں"۔ حیات ترین اور میر زاہد حسین وزیرآباد گئے امیر المجاہدین حالانکہ اس وقت صاحب فراش تھے اور ڈاکٹروں نے ان کا کہیں آنا جانا بند کر رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میر زاہد حسین نے جب بہاولپور میں ان کی ضرورت کی طرف انہیں متوجہ کیا تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور ان کے ہمراہ بہاولپور تشریف لے آئے۔

پروگرام کے مطابق یہ کنونشن ۱۵ فروری ۱۹۴۹ء کو گیارہ بجے عیدگاہ بہاولپور میں شروع ہونا تھا۔ لیکن اچانک مولوی غلام حسین صاحب سابق ہوم منسٹر کے انتقال کی وجہ سے دو بجے دوپہر تک ملتوی کرنا پڑا۔ تاکہ لوگ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کر سکیں۔

کنونشن کا پہلا اجلاس

دو بجے کے بعد کنونشن کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس میں ریاست کے مختلف علاقوں سے آنے والے تقریباً ایک ہزار مندوبین نے شرکت کی۔ مخدوم شمس الدین گیلانی سجادہ نشین اوچ شریف صدر اجلاس تھے۔ مخدوم زادہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ جس میں کنونشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کے علاوہ ریاست کے پرانے کانگرسی عنصر کی ریشہ دوانیوں سے عوام کو آگاہ کیا اور بہاولپور میں مسلم لیگ کی صحیح خطوط پر تنظیم کی ضرورت پر زور دیا۔ اس کے بعد پیرزادہ سلیم اسلم ایڈوکیٹ نے ایک قرارداد پیش کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ

"پاکستان مسلم لیگ کی موجودگی میں کسی ریاستی لیگ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کا نام "پاکستان مسلم لیگ بہاولپور" رکھا جائے۔ اور

اس کا باضابطہ الحاق آل پاکستان مسلم لیگ سے کرایا جائے "۔

منشی عبدالحمید نے اس کی تائید کی اور شرکائے اجلاس نے متفقہ طور پر اسے منظور کیا۔

کنونشن کا دوسرا اجلاس

کنونشن کا دوسرا اجلاس میر حمید علی (مہاجر) کی صدارت میں ۹ بجے شب منعقد ہوا اس اجلاس سے میر زاہد حسین۔ شیخ عبدالحمید صحرائی۔ پیرزادہ سلیم اسلم۔ نور محمد تنکانی اور مخدوم زادہ حسن محمود نے خطاب کیا۔

پھر باری باری کئی قراردادیں پیش ہوئیں۔ میر زاہد حسین نے یہ قرارداد پیش کی۔

" بہاولپور میں دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جس کے سب ممبران منتخب ہوں۔ اسمبلی کے قیام سے قبل پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے مشورے سے عبوری حکومت بنائی جائے "۔

شیخ عبدالحمید صحرائی نے قرارداد پیش کی۔

" بہاولپور میں ایک جمہوری ذمہ دارانہ نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد اسلامی اصولوں اور کتاب و سنت پر ہو "۔

آخری قرارداد مخدوم زادہ حسن محمود کی تھی۔

" پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی تنظیم اور انتخابات کی تکمیل تک کنونشن کے اغراض و مقاصد کو بالمشورہ نمائندگان عوام عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک کنوینر یا ناظم مقرر کیا جائے جسے حاضرین منتخب کریں "۔

اس قرارداد کی منظوری کے بعد شیخ عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ (بہاولنگر) نے کنوینر کے لئے مخدوم زادہ حسن محمود کا نام پیش کیا جسے منظور کر لیا گیا۔

کنوینر منتخب ہونے پر مخدوم زادہ نے عوام کے مطالبہ پر امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی کے روبرو کلمۂ شہادت پڑھ کر یہ حلف اُٹھایا کہ

" وہ ریاست میں خدا کی حکومت قائم کرانے کے لئے حتی الوسع پُرامن ذرائع سے اس وقت تک جدوجہد کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ وہ اُن کی جماعت اس نیک مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے "۔

کھلے اجلاس

۱۶ فروری ۱۹۴۹ء کو تین کھلے اجلاس ہوئے جن میں امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی۔ مولانا غلام محمد ترنم اور مولانا محمد بخش مسلم کے علاوہ متعدد مقامی کارکنوں

نے تقریریں کیں تقریروں میں زیادہ تر اسلامی نظام حکومت کے قیام کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔

مخدوم الملک کا وزارت سے استعفیٰ

انہیں دنوں مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ وزارت مہاجرین کے منصب سے مستعفی ہو گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنی تمام تر سرگرمیاں لیگ کی تنظیم پر مرکوز کر دیں۔

مسلم لیگی وفد کی کراچی روانگی

۲۰ر فروری ۱۹۴۹ء کو پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں ہونے والا تھا اس لئے یہ طے پایا کہ بہاولپور کا ایک مسلم لیگی وفد کراچی جا کر عمائدین مسلم لیگ سے ملے اور کنونشن کی روداد سنانے کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ پاکستان مسلم لیگ کی باقاعدہ شاخ بہاولپور میں قائم کرنے کے لئے مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کی تحریک کریں۔

چنانچہ اس غرض کے لئے ایک وفد جس میں عبدالحمید حجازی حافظ یار حیات ترین اور منشی عبدالحمید شامل تھے کراچی روانہ ہوا۔ اراکین وفد نے امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی سے درخواست کی کہ وہ اس وفد کی قیادت کریں چونکہ انہیں ان پرانے مسلم لیگیوں سے یک گونہ تعلق خاطر پیدا ہو چکا تھا۔ بالخصوص میر زاہد حسین کی وہ بیحد قدر کرتے تھے ان کے اصرار پر وہ بہاولپوری وفد کی قیادت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ یہ وفد امیر المجاہدین کی قیادت میں متعدد مسلم لیگی رہنماؤں سے ملا۔ آخر میں اس کی ملاقات سردار اورنگ زیب سابق وزیر اعلیٰ سرحد سے ہوئی جو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی تھے اور مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی آئے ہوئے تھے انہیں بہاولپور میں کانگرسیوں کی ریشہ دوانیوں کا حال سنایا گیا۔ اور مسلم لیگ کنونشن کی قراردادیں دکھائی گئیں تو وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کریں گے کہ ریاستی باشندوں کو بھی پاکستان مسلم لیگ کا ممبر بنانے کی اجازت دی جائے۔

مسلم لیگی رہنماؤں سے وفد کی ملاقات نہایت مفید ثابت ہوئی ۲۰ر فروری کو مسلم لیگ کا اجلاس چوہدری خلیق الزماں کی صدارت میں ہوا۔ تو حسب وعدہ سردار اورنگ زیب نے متذکرہ بالا قرارداد پیش کی۔ خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان نے اس کی تائید کی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے آئین کی دفعہ ۶۵ میں متفقہ طور پر یہ ترمیم منظور کی گئی کہ

"آئندہ پاکستان میں شامل ہونے والی تمام ریاستوں کے باشندے بھی براہ راست پاکستان مسلم لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں"

خان لیاقت علی خاں نے اس ترمیم پر ایک وضاحتی تقریر بھی کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ "اب بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر آل پاکستان مسلم لیگ کی موجودگی میں کسی دوسری سیاسی جماعت کی ضرورت نہیں

ہے "گویا بہاولپور کے لیگی اور غیر لیگی گروپ کی کشمکش نے مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کا احساس دلایا اور اس طرح ریاستی مسلم لیگ کی علیحدہ تنظیم سے جو دوگلی کا جو احتمال ہو سکتا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اس فیصلے کے بعد پاکستان مسلم لیگ نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے ایک کمیٹی نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ کی سرکردگی میں تشکیل دی جس کے ارکان میں مخدوم زادہ سید حسن محمود۔ چوہدری محمد اسحاق۔ شیخ عبدالحمید صحرائی۔ میاں فرید خاں لالیکا۔ ایم عبدالجبار خاں اور سید احمد نواز شاہ گردیزی شامل تھے۔

کانگریس زدہ ریاستی لیگ کو یہ فیصلہ بڑا شاق گذرا۔ اس نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور ایک محضر نامہ کے ذریعہ پاکستان مسلم لیگ پر زور دیا کہ وہ ان کی ریاستی لیگ کو کل پاکستان مسلم لیگ میں صوبائی یونٹ کی حیثیت سے شامل کرے۔ پاکستان مسلم لیگ نے اس محضر نامہ کو مسترد کر دیا اور انہیں ریاستی لیگ کو جس کی یہ اپنے طور پر تنظیم بھی کر چکے تھے۔ فی الفور ختم کرنے کی ہدایت کی۔ لیکن یہ نہ مانے اور بدستور اپنی جماعتی حیثیت کو منوانے کی تگ و دو میں لگے رہے۔

انہوں نے پاکستان مسلم لیگ کے فیصلے کے خلاف نہ صرف اپنی تنظیم جاری رکھی بلکہ اس کے انتخابات بھی کرائے"

ریاستی لیگ کے انتخابات کا تماشہ

یہ انتخابات بڑے تماشے کے تھے۔ پہلے پرائمری لیگوں کے انتخابات تھے جو چند لمحوں میں مکمل ہو گئے۔ زاہد شیروانی عہدیداروں کے نام فہرست میں سے پڑھتے جاتے تھے۔ اور لوگ "منظور ہے" "منظور ہے" کی صدائیں لگاتے جاتے تھے۔ لیکن جب اگلے دن ریاستی لیگ کونسل کے انتخابات کا مرحلہ آیا۔ اور صدارت کے لئے سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کا نام تجویز ہوا تو حاضرین نے جن میں اکثریت آباد کاروں کی تھی اس پر رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ چوہدری رحمت اللہ صاحب نے ان کی وکالت کی اور کہا کہ

"چونکہ شاہ صاحب قدیم ریاستی طبقہ میں سے ہیں اور انہوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ آباد کاران اور مہاجرین کو پچاس فیصدی نشستیں کونسل میں دلائیں گے دوسرا کوئی ریاستی یہ تناسب روا نہیں رکھے گا۔ یوں بھی شاہ صاحب کی حیثیت کا کوئی اور بڑا زمیندار اس وقت تک ریاستی لیگ میں شامل نہیں ہوا ہے۔ اس لئے انہیں صدر بنا دیا جائے"

اس کے بعد لوگوں نے خاموشی سے شاہ صاحب کو صدر چن لیا۔ نائب صدر کے لئے سردار غفر اللہ کا نام پیش ہوا تھا۔ وہ بغیر کسی اعتراض کے منتخب ہو گئے۔ لیکن سیکرٹری کے لئے علی احمد رفعت صاحب

کا نام سامنے آیا تو لوگوں میں پھر کھسر پھسر ہونے لگی۔ بعض لوگوں نے کھلم کھلا کہا کہ یہ کانگرسی ہیں۔ انہیں ریاستی لیگ کا سیکرٹری نہیں بنایا جاسکتا۔ بایں ہمہ ان کے انتخابات کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ اس پر بھی خاصی بدمزگی ہوئی۔ کافی لوگ اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ اس کے باوجود ریاستی لیگ کی تنظیم مکمل ہو گئی اس کے انتخابات ہو گئے اور وہ بزعم خود اس پوزیشن میں آگئی کہ ایک منتخبہ عوامی جماعت کی حیثیت سے ریاستی حکومت میں اپنا حق طلب کرے۔

آل پاکستان اسٹیٹ کانفرنس کا انعقاد

فروری کے مہینے میں ریاستی لیگ نے بہاولپور میں آل پاکستان اسٹیٹ کانفرنس منعقد کی جس میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کیا گیا۔ یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ جنوری کے اواخر میں حکومت کی طرف سے یہ یقین دلایا جاچکا تھا۔ کہ اعلیحضرت کی سلور جوبلی کے موقع پر جو ۸ر مارچ ۱۹۴۹ء کو ہوگی۔ ریاست میں اصلاحات کا اعلان کیا جائے گا۔ اس اعلان کا انتظار کئے بغیر متذکرہ کانفرنس میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کے مطالبے کو دہرانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ تاثر دیا جائے کہ حکومت آئندہ جو کچھ کرنے والی ہے وہ ان کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔

کانفرنس میں شرکت کے لئے جن لوگوں کو باہر سے مدعو کیا گیا تھا۔ ان میں میاں ممتاز دولتانہ۔ علامہ علاؤالدین صدیقی اور بیگم سلمیٰ تصدق حسین کے نام بھی شامل تھے۔ لیکن یہ کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے۔ لے دیکے اہلحدیث کے مشہور عالم مولانا داؤد غزنوی تھے جنہوں نے کانفرنس میں شرکت کی لیکن اپنی تقریر میں جو کچھ کہا وہ ریاستی لیگ کے کرتا دھرتا حضرات کے خلاف تھا۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ

"ریاست بہاولپور میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہاولپور کا الحاق ہندوستان سے کرانا چاہتے تھے۔ مگر چند مخلص لیگی کارکنوں نے ان کے اس نابکارانہ پروپیگنڈے کی مخالفت کی اور خدا کے فضل سے یہ ریاست سکھ اور سنگھی بدمعاشوں کے ہاتھوں سے بچ گئی۔"

ظاہر ہے کہ بہاولپور کا الحاق ہندوستان سے کرانے والے ان کے میزبان ہی تھے۔ بہرحال یہ کانفرنس جو عیدگاہ بہاولپور میں ہوئی تھی۔ بڑی ناکامی اور افراتفری کے عالم میں ختم ہوئی۔ شرکائے جلسہ نے کانگرسی لیگ مردہ باد کے نعرے تک لگائے جو قرار دادیں کانفرنس میں پیش ہوئیں وہ ہنگامہ آرائی کی نذر ہو گئیں۔

اس کانفرنس کا یہ پہلو بطور خاص قابل غور ہے کہ اس میں بعض مقررین نے ایسی تقریریں کی تھیں جو اعلیحضرت امیر بہاولپور اور حکومت پاکستان کے تعلقات کو خراب کرنے کا موجب ہو سکتی تھیں

مثلاً ہارون آباد کے عبدالمناف شاہ صاحب نے اس مضمون کی ایک قرارداد پیش کی کہ

" اعلیحضرت کے دورہ کے موقع پر بہادلنگر چشتیاں اور ہارون آباد کے چند ماتحت افسران نے ان مقامات پر مسلم لیگ کے جھنڈے اتروائے۔ قائداعظم کے فوٹو ہٹوائے اور جناح کیپ پہننے سے روکا۔ لہذا یہ اجلاس اس قابلِ مذمت فعل پر اظہار تاسف کرتا ہے۔"

اس قرارداد کی تائید کرتے ہوئے سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب نے کہا کہ

"اعلیحضرت ان ملازمین کے اس رویہ سے باخبر نہیں ہوں گے ورنہ وہ اب تک ضرور انکو کڑی سزا دیتے۔"

اس کے جواب میں لاڑکانہ کے سید ولی اللہ شاہ نے کہا کہ

"یہ سب کچھ اعلیحضرت کے ایما سے ہوا ہے۔"

انہوں نے اس جھنڈے کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لئے بھی عوام کو اکسایا۔ خانپور کے عبدالغفور خوجہ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر حاضرین میں ایمان ہے تو ان کو اس جھنڈے کی بے حرمتی کا بدلہ لئے بغیر گھر واپس نہیں جانا چاہیئے۔

ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ۱۲ مارچ کو پاکستان کے سفیر چوہدری خلیق الزماں کراچی سے لاہور جاتے ہوئے بہاولپور سے گذرے تو اسٹیشن پر بہاولپور کے پرانے مسلم لیگی رہنماؤں کے علاوہ کچھ "نو مسلم" لیگی بھی پہنچ گئے۔ انہیں مسٹر ولی اللہ اوحد مدیر کائنات بھی تھے جو جھٹ ٹرین پر چڑھ گئے اور لگے مسلم لیگی جھنڈے کی بے حرمتی کا رونا رونے۔ اندازہ کیجئے کہ جو خود کچھ عرصہ پہلے تک قائداعظم مسلم لیگ اور پاکستان کی تذلیل و توہین میں کسی سے کم نہ تھے آج مسلم لیگ کے کتنے غمخوار بنے ہوئے تھے۔ بہرحال پرانے مسلم لیگی لیڈر پیرزادہ سلیم اسلم اسوقت ٹرین کے اس ڈبہ میں موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے اوحد صاحب کا مفصل تعارف کرا دیا۔

جس کے بعد چوہدری خلیق الزمان نے صرف ان سے اتنا کہا کہ

"میں نے جھنڈے کی کہانی نہیں سنی اور کیونکہ گاڑی چلنے والی ہے اس لئے آپ اُتر جائیں۔"

غرض امیر بہاولپور سے حکومت پاکستان کو بدظن کرنے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا وہ پورا نہ ہوسکا اور بے چارے ولی اللہ بے نیل و مرام گاڑی سے نیچے اُتر آئے۔

غیر لیگیوں کی لیگ میں شامل ہونے کی کوشش

کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اب ان کی علیحدہ دفلی کام نہیں دے گی اور اب پاکستان مسلم لیگ کی ہی شاخ یہاں قائم ہو گی۔ جس کی تنظیمی کمیٹی مقرر ہو چکی ہے تو انہوں نے بہ لطائف الحیل اس میں شامل ہونے کی تدبیریں شروع کیں۔ پرانے مسلم لیگی بھی ان کے عزائم سے غافل نہیں تھے۔ ان کی طرف سے برابر ان کی قلعی کھولی جاتی تھی۔ اور جب بھی کسی مسلم لیگی رہنما سے ان کی ملاقات ہوتی۔ تو یہ اس کے سامنے ان کا کچا چٹھا ضرور کھول کر رکھ دیتے تھے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں مسلم لیگ کی ایک نگران کمیٹی نے جو چوہدری خلیق الزمان۔ صوفی عبدالحمید۔ محمد یوسف خٹک۔ یوسف ہارون اور ممتاز دولتانہ پر مشتمل تھی بہاولپور کا دورہ کیا تو پرانے مسلم لیگیوں کے ایک وفد نے مل کر ان کے سارے کرتوت ان کے سامنے پیش کئے اور یہ مطالبہ کیا کہ انہیں مسلم لیگ کا ممبر نہ بنایا جائے۔

مسلم لیگیوں کی طرف سے پیش بندی

لیکن اب اس گروپ کے لئے بھی کوئی چارہ نہیں رہا تھا مسٹر منظر عالم نے آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ توڑ دی تھی۔ اس لئے اب ان کی یہ کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح یہ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے رکن بن جائیں۔ ان کی یہ تگ و دو جاری تھی کہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۹ء کو تنظیمی کمیٹی مسلم لیگ بہاولپور کا ایک اجلاس خان افتخار حسین خاں ممدوٹ کی زیر صدارت عباس منزل بہاولپور میں ہوا تو اس میں مسلم لیگی ارکان نے اس عنصر کے عزائم کو بھانپ کر پیش بندی کے طور پر یہ قرارداد پیش کی۔

"کوئی صاحب جن کے متعلق یہ ثابت ہو کہ وہ قیام پاکستان سے قبل ایک سال یا قیام پاکستان کے بعد پاکستان یا مسلم لیگ کے مفاد کے خلاف تخریبی کاروائی کرتے رہے ہیں وہ آئندہ دو سال تک صرف مسلم لیگ کے ابتدائی ممبر بن سکیں گے لیکن ان کو کوئی عہدہ یا ذمہ داری سپرد نہیں کی جائے گی۔"

یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی اس کے بعد تنظیمی کمیٹی نے ممبر سازی کے طریق کار کے متعلق ضروری فیصلے کے ساتھ ہی ذیلی تنظیمی کمیٹیاں بھی مقرر کیں۔ اجلاس کے اختتام پر خان افتخار حسین خاں ممدوٹ نے ایک پریس کانفرنس دی۔ جس میں انہوں نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے کام پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ

"بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے ہر شہر ہر قصبہ میں

تنظیمی کمیٹیاں بنادی گئی ہیں۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر علاقہ اور ہر فرقہ کے حقوق اور ضروریات کا خیال رکھا جائے"۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ

" مرکزی کونسل میں ریاست بہاولپور کو ۔ ۱۸ نشستیں دی گئی ہیں"۔

غیر لیگیوں کی لیگ میں شمولیت اور اس پر احتجاج

خاں ممدوٹ کا یہ بیان بڑا اطمینان بخش تھا۔ لیکن جب مختلف تنظیمی کمیٹیوں کی فہرست سامنے آئی تو پرانے مسلم لیگیوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ انمیں متعدد ایسے لوگوں کو شامل کر لیا گیا تھا۔ جو مذکورہ بالا قرارداد کی زد میں آتے تھے۔ مثلاً چوہدری رحمت اللہ۔ علی احمد رفعت۔ رحمت اللہ ارشد۔ ولی اللہ اوحد۔ مستری عبدالرحمٰن اور سید غلام مرتضیٰ شاہ۔ پرانے مسلم لیگیوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ ان افراد کو تنظیمی کمیٹیوں سے خارج کیا جائے۔ اخبار انصاف۔ الہام اور مسلمان نے اداریے لکھے۔ کئی حضرات احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔ میرزا ہدحسین بھی انمیں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے استعفے میں لکھا تھا۔

" خان ممدوٹ اور اراکین تنظیمی کمیٹی نے قدیم مسلم لیگیوں کے منہ پر ایک زور دار چپت رسید کی ہے صادق آباد سے فورٹ عباس تک کمیٹیوں کے ممبران کی فہرست کو دیکھئے اور یہ دیکھ کر سر پیٹ لیجئے کہ اِدھر سے اُدھر تک کانگرسی۔ کٹر لیگ دشمن اور ملت کش افراد اور بہت سے ایسے جہلاً کو جنہوں نے آج تک مسلم لیگ کا نام بھی نہ سُنا ہوگا، مسلم لیگ کا جوبن نکھارنے کے لئے مشاطگی کے فرائض سپرد کئے گئے ہیں اور ان پرانے مخلص۔ تعلیمیافتہ سمجھدار اصحاب کو دانستہ نظر انداز کر دیا گیا ہے جنہوں نے اپنی جانوں کو مسلم لیگ کے لئے وقف رکھا تھا۔

"پاکستان بن جانے کے بعد ان جعفران ملت کی سیاسی موت واقع ہو چکی تھی۔ مگر آفرین ہے ہمارے قائدین کی مسیحا نفسی اور بردباری پر کہ دوبارہ انہیں قم کہہ کر جلایا جا رہا ہے اور آستین میں بٹھا کر دودھ پلایا جا رہا ہے۔

میں تنظیمی کمیٹی اور اس کے صدر خان ممدوٹ کی طرح وسیع القلب اور روادار نہیں کہ ذاتی اقتدار و بقا کی خاطر ملت اسلامیہ اور پاکستان کے غداروں کا ساتھ دوں

اس لئے میں پاکستان ۔ ملت اور مسلم لیگ کی خاطر اس زہریلی مکھی کو دیکھتے بھالتے نگلنے کے لئے تیار نہیں۔ میرے لئے آخری چارۂ کار یہی ہے کہ اپنے تمام جماعتی دلی جذبات کو تنظیمی کمیٹی کے اس عاجلانہ اقدام پر نچھاور کر کے الگ ہو جاؤں اور قاتلوں کے گروہ سے تعاون کرنے سے بچ جاؤں۔

لہٰذا میں بصد رنج و ملال صادق آباد کی شہری تنظیمی کمیٹی سے مستعفی ہوتا ہوں۔ مگر اس یقین کے ساتھ کہ پاکستان مسلم لیگ ہماری تھی۔ ہماری ہے اور ہماری رہے گی"

باب ہفتم

اصلاحات کا اعلان

جیسا کہ کرنل ڈوننگ نے ۲۲ فروری ۱۹۴۹ء کو پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا تھا کہ اعلیٰحضرت کی سلور جوبلی کے موقع پر مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائے گا۔ ۸ مارچ ۱۹۴۹ء کو اعلیٰحضرت کی طرف سے نئی اصلاحات کا اعلان ہوا اور اس کے مطابق یہ طے پایا کہ

"۱۔ ریاست بھر کے مقامی اداروں کے منتخب اراکین کی تعداد ۱۶۶ ہوگی ان میں سے ۱۱۸ ممبران میونسپل کمیٹی کے اور ۴۸ اراکین ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہوں گے۔

۲۔ مذکورہ بالا اراکین کا اجتماعی اجلاس ۱۶ نمائندے منتخب کرے گا جنہیں مجلس کی رکنیت کا فخر حاصل ہوگا۔

۳۔ متذکرہ صدر ۱۶ اراکین کے علاوہ اس مجلس کے لئے اعلیٰحضرت ۹ ایسے افراد کو جو ٹیکنیکل خصوصیات کے حامل ہوں گے بہ نفسِ نفیس نامزد فرما کر مجلس کے اراکین کی تعداد کی تکمیل فرمائیں گے۔ اور اس طرح اس مجلس کے اراکین کی کل تعداد ۲۶ افراد پر مشتمل ہوگی۔

۴۔ وزراء کی ایگزیکٹیو کونسل میں سے دو وزیروں کا انتخاب مجلس مذکور کے منتخب ۱۶ اراکین کو عمل میں لانے کا اختیار ہوگا۔ اسی طرح مجلس کے سولہ منتخب اراکین جن دو نمائندوں کو اپنی جانب سے وزارت کے لئے منتخب کریں گے انہیں علی الترتیب وزارت تعلیم و صحت اور وزارت لوکل سیلف گورنمنٹ کے قلمدان ذات ہمایونی کیجانب سے تفویض کئے جائیں گے۔"

۵ . دیگر وزراء اعلیحضرت کے نامزد کردہ ہوں گے اور صدر اعظم یعنی وزیر اعظم حکومت پاکستان کی طرف سے برضامندی والئی ریاست دام اقبالہٗ منتخب یا مقرر کیا جائے گا . نامزدہ وزراء کو قلمدان وزارت مال وغیرہ سپرد ہوں گے .

فرمان میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں کے لئے ممبران کا انتخاب آخر مارچ سے شروع ہو کر وسط اپریل تک پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے گا . اور آخر اپریل میں مجلس کی تشکیل عمل میں آئے گی .

اصلاحات پر عوامی ردعمل

اس اعلان پر بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں ملے جلے جذبات کا اظہار کیا گیا . اس میں جہاں یہ امر موجب طمانیت تھا کہ اعلیحضرت بطیب خاطر اختیارات حکمرانی عوام کو منتقل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں . اگرچہ یہ آمادگی تدریجی عمل کے تابع تھی تاہم اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ آہستہ آہستہ عوام کاروبار حکومت میں زیادہ سے زیادہ شریک ہوتے جائیں گے . ان اصلاحات کے بعض پہلو معرض تنقید میں بھی آئے . مثلاً ۲۵ افراد کی منتخبہ و نامزد کردہ مجلس کے متعلق یہ واضح نہیں تھا کہ یہ مجلس وزراء پر حاوی ہو گی یا اس کی حیثیت محض مشاورتی ہو گی . بعض لیگی حلقے بھی یہ خدشہ ظاہر کر رہے تھے کہ یہ مجلس جسے اسمبلی کا بدل سمجھا جا رہا تھا . محض نمائشی نہ ہو . کیونکہ اگر یہ خود مختار اور آزاد نہ ہوں تو اس کی کوئی افادیت نہیں ہو گی . فرمان میں دو عوامی وزیروں اور دو سرکاری وزیروں کے محکموں کی تفصیل تو بتائی گئی تھی . لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ محکمہ مال . محکمہ نشر و اشاعت سول سپلائز اور خزانہ کس کی تحویل ہو گا .

فرمان کے ان تشنہ پہلوؤں کے باوجود رائے عامہ اس نقطہ پر متفق تھی کہ اعلیحضرت کو اپنی رعایا کے جذبات کی پاسداری کا احساس ہو گیا ہے اور وہ اس امر میں کوشاں ہیں کہ جلد سے جلد اختیارات میں رعایا کے نمائندوں کو شریک کیا جائے . علاوہ ازیں حکومت پاکستان کا یہ اعلان بھی لوگوں کے سامنے تھا جس میں کہا گیا تھا کہ

" وہ پاکستان کی ریاستوں کو صوبجات کے برابر ترقی یافتہ اور سیاسی و آئینی اعتبار سے ان کے ہم وزن و ہم رنگ دیکھنا چاہتی ہے ."

حقیقتاً ریاست میں جو آئینی تغیر رونما ہوا تھا وہ حکومت پاکستان کے مشورے سے ہوا تھا اور اس نے اس ارتقائی و تدریجی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مناسب سمجھا تھا کہ " تمام تشنہ کامی بقدر ظرف " ہو اور ذمہ داری اہلیت کے اندازے سے متجاوز نہ ہونے پائے .

لیاقت علی خاں کا پبلک جلسہ سے خطاب

انہیں دنوں پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علی خاں بہاولپور کے دورے پرتشریف لائے ۴ مارچ ۱۹۴۹ء کو سرکاری طور پر ایک جلسہ عام کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ جلسہ سنٹرل لائبریری بہاولپور کے گراؤنڈ میں ہونا تھا۔ اور ملک نذیر احمد لائبریرین اسٹیج سکرٹری کے فرائض ادا کرنے پر مامور تھے۔ مقامی جماعتوں میں سے کسی کا اس جلسہ میں دخل نہ تھا۔ لیکن عین اس وقت جب خان لیاقت علی خاں جلسہ گاہ میں داخل ہوئے تو میرزاہد حسین ملک نذیر احمد کو دھکا دیکر یہ کہتے ہوئے اسٹیج پر چڑھ گئے کہ آپ اسٹیج کو نہیں سنبھال سکتے تو ایک طرف ہٹ جائیں۔ اور لاؤڈ سپیکر پر لیاقت علی خاں کی آمد کا اعلان کیا اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگوائے یہ کام انہوں نے کچھ ایسے ڈرامائی انداز میں کیا کہ کارکنان حکومت بھی انہیں نہ روک سکے اور مخالف سیاسی جماعتوں کے افراد بھی انہیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

اس کے بعد لیاقت علی خاں نے جلسہ سے خطاب کیا۔ نواب صاحب کی طرف سے جاری ہونے والی اصلاحات کے بعض پہلوؤں کی تعریف کی اور کہا کہ

> "نواب صاحب بہاولپور نے جن اصلاحات کا اعلان کیا ہے ان پر محض تنقید کرنا غلط ہے۔ ان پر تجربہ کرکے دیکھئے۔ اگر آپ انتخاب میں ۷۵ فیصدی ایماندار اور محنتی لوگ منتخب کرلیں تو بہاولپور پاکستان کا سب سے زیادہ خوش قسمت حصّہ بن جائے گا۔"

انہوں نے مزید کہا کہ

> "نواب صاحب کی اصلاحات میں جو سب سے زیادہ حیران کن بات ہے اور برعظیم پاک و ہند کے کسی حصہ میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس انتخاب میں بالغوں کو رائے دینے کا حق ہوگا۔"

انہوں نے یہ نصیحت بھی کی کہ بہاولپور کے عوام آپس میں لڑنے کے بجائے ان اصلاحات کو صحیح طور پر استعمال کریں۔

مسلم لیگی وفد کی لیاقت علی خاں سے ملاقات

خان لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان سے بہاولپور کے پرانے مسلم لیگیوں کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی جس میں پیرزادہ سلیم اسلم۔ نور محمد مکانی۔ عبدالحمید صحرائی۔ منشی عبدالحمید اور میرزاہد حسین شامل تھے۔ اس وفد کی غرض وغایت خان موصوف کو نیشنلسٹ اور کانگرسی

مسلمانوں کے متعلق یہ آگاہ کرنا تھا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کس طرح اب مسلم لیگ کا لبادہ اوڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ جب وفد نے یہ اظہار خیال کیا تو خان لیاقت ایک دم غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ

"اب کوئی لیگی اور کوئی کانگرسی نہیں۔ سب پاکستانی ہیں۔ اپنے اختلافات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں"

خان لیاقت علی خاں کے ان خیالات نے مسلم لیگی وفد کو بڑا مایوس کیا اور وہ خاموشی سے بوجھل دل کے ساتھ واپس آگئے۔

مقامی اداروں کے انتخابات

اصلاحات کے نفاذ کے بعد انتخابی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور تو اصلاحات کی پہلی قسط بھی منظور کر چکی تھی اور اسے متذکرہ بالا مزید اصلاحات کو قبول کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں تھا۔ لہذا اس کو تو بہر حال انتخابات کی تیاری کرنی ہی تھی۔ لیکن ریاستی مسلم لیگ جس نے اصلاحات کی پہلی قسط کو مسترد کر دیا تھا اور جو اصلاحات کے اس اضافے سے بھی مطمئن نہ تھی۔ الیکشن میں حصہ لینے کے لیے وہ بھی تیار تھی۔ چنانچہ مئی ۱۹۴۹ء میں بلدیات کے انتخابات عمل میں آنے تھے۔ جس کے لیے مسلم لیگ نے اپنے امیدوار نامزد کیے تو ریاستی لیگ کی طرف سے بھی اپنے نمائندے نامزد کیے گئے۔ سید غلام مرتضیٰ شاہ خاص طور پر میدان میں آئے۔ موصوف پہلے عوامی تحریکات میں شمولیت کی خاطر ہائیکورٹ کی ججی سے مستعفی ہوئے تھے۔ لیکن وزارت تعلیم کے عہدے سے ہمکنار ہونے کے بعد سیاسی تحریکات سے دستکش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد اصلاحات کی پہلی قسط کا اعلان ہوا تو یہ بیان دے کر کہ وہ ان اصلاحات کو ناکافی سمجھتے ہیں پھر وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ لیکن ساتھ ہی ججی دوبارہ قبول کر لی۔ ابھی اس عہدے پر فروکش ہوئے ایک مہینے سے زیادہ نہیں گذرا ہو گا کہ انہوں نے پھر استعفیٰ دے دیا اور یہ اعلان کیا کہ "وہ اب پبلک کی صحیح خدمت انجام دیں گے"

چنانچہ وہ اپنے پہلے موقف "ناکتفی اصلاحات" کو نظر انداز کر کے بلدیہ بہاولپور کی ممبری کے امیدوار بنے۔ وہ ریاستی لیگ کے صدر بھی بن چکے تھے۔ لیکن انتخاب میں حصہ لینے کی خاطر انہوں نے ریاستی لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ تاکہ ان کی سیاسی قلابازی پر کوئی حرف زنی نہ کر سکے تاہم عملی طور پر ان کا تعاون ریاستی لیگ کے ساتھ رہا۔ جس نے بلدیہ کے انتخابات میں ان کی کھل کر مدد کی۔ اور بھی جہاں جہاں ایسے امیدوار ریاستی لیگ کو میسر آئے جو مسلم لیگی امیدوار کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے

ان کی اس نے کمر ٹھونکی۔

مسلم لیگ کی کامیابی

دراصل یہ انتخابات ریاستی لیگ اور پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے درمیان ایک معرکہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس کے لئے دونوں طرف سے سخت زور آزمائی ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کا اب بہاولپور میں ایسا سحر چل چکا تھا کہ اس کے مقابلہ میں کسی اور کا جمنا بڑا مشکل تھا۔ چنانچہ بھاری اکثریت میں اسے کامیابی ہوئی۔ ریاست کے تمام بلدیاتی اداروں کی کل نشستیں ۱۲۳ تھیں جنمیں سے ۹۰ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح ڈسٹرکٹ بورڈ کی ۸۰ نشستوں میں سے ۴۴ نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کیں۔ بلدیہ بہاولپور کے انتخابات میں سید غلام مرتضیٰ شاہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کامیاب ہو گئے تھے۔ جنمیں مولوی منظور احمد علوی مستری عبدالرحمٰن اور چوہدری رحمت اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میونسپل کمشنروں کے انتخابات کے بعد بلدیات کے صدر اور نائب صدر کے انتخابات کا مرحلہ تھا چونکہ بہاولپور دارالحکومت تھا اس لئے بلدیہ بہاولپور کی اہمیت بھی ریاست کے دوسرے بلدیات کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے ریاستی لیگ نے بھی اپنا زور اسی پر صرف کیا تھا۔ اس نے بلدیہ کے صدر اور نائب صدر کے لئے مسلم لیگی امیدوار پیرزادہ سلیم اسلم اور مسعود حسن شہاب کے مقابلے میں مولوی منظور احمد علوی اور میر حمید علی کو کھڑا کیا اور سلسلے میں اتنی زبردست کنویسنگ کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شائد بہاولپور کے سیاسی مستقبل کا دارومدار اسی پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اور بلدیہ بہاولپور کے صدر پیرزادہ سلیم اسلم اور نائب صدر مسعود حسن شہاب منتخب ہو گئے۔

مجلس کے انتخابات

۲۸ مئی ۱۹۴۹ء ریاستی مجلس کے انتخاب کے لئے مقرر تھی ڈسٹرکٹ بورڈ رحیم یار خاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ بہاولپور کے (اس وقت ضلع بہاولنگر کا علیحدہ صوبہ معرض وجود میں نہیں آیا تھا) ۸۰ ممبران کو مجلس کے لئے ۱۲ ارکان اور میونسپل کمیٹیوں کے ۱۲۳ ممبروں کو ۴ ارکان چننے تھے۔

انتخابی اجلاس کرنل اے۔ جے ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور کی زیر نگرانی دربار ہال میں منعقد ہوا۔ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور نے مجلس کے لئے جن ارکان کے نام تجویز کئے تھے انمیں سے اکثر ایسے تھے جن کے مدمقابل کوئی دوسرا امیدوار نہیں تھا۔ چنانچہ جب انتخاب کے نتائج سامنے آئے تو ۱۶ میں سے ۱۵ نشستیں مسلم لیگ کے حصہ میں آئیں۔ اور اس طرح اسے ۹۴ فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔

کامیاب امیدوار جو ریاستی مجلس کے رکن قرار پائے یہ تھے۔

۱. شیخ سلطان (تحصیل بہاولپور) ۲. خان محمد بخش کھوسیرا (چشتیاں)
۳. چوہدری جمال دین (چشتیاں) ۴. غلام فرید خاں لالیکا (منچن آباد)
۵. فتح محمد خاں لالیکا (منچن آباد) ۶. محمد قاسم علی گدھوکا (تحصیل منچن آباد)
۷. سردار محمد افضل خاں لغاری ۸. مخدوم روشن چراغ (رحیم یار خاں)
(تحصیل صادق آباد) ۱۰. سید عنایت حسین شاہ (خانپور)
۹. مخدوم زادہ حسن محمود ۱۲. غلام حیدر خاں ڈاہر
(تحصیل صادق آباد) (احمد پور شرقیہ)
۱۱. مخدوم محسن شاہ (رحیم یار خاں) ۱۴. سید محمد چراغ شاہ (خانپور)
۱۳. چوہدری کامحمد خاں ایڈوکیٹ (بہاولنگر) ۱۶. سید غلام مرتضیٰ شاہ (بہاولپور)
۱۵. شیخ بشیر احمد (رحیم یار خاں)

مخدوم زادہ حسن محمود مجلس میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے۔

۲۹ مئی ۱۹۴۹ء کو صبح ۸ بجے دربار ہال میں بہاولپور مجلس کے ارکان کا اجتماع ہوا جس میں کرنل اے۔ جے ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور نے خطاب کیا۔ ان کی تقریر کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ذمہ دار حکومت کی طرف آج جو پہلا قدم اٹھایا گیا ہے۔ اس سے اعلیٰحضرت کی ایک بڑی خواہش پوری ہوتی ہے۔ میں آپ سب کو عوام کا پہلا چنا ہوا نمائندہ ہونے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ ریاست میں اگرچہ پہلی بار انتخابات ہوئے مگر کسی قسم کی کوئی ناگوار بات اس زمانہ میں پیش نہیں آئی۔ اور امن داماں کے ساتھ ہر ایک کام انجام پاگیا۔ جب بھی اس قسم کا کوئی کام پہلی دفعہ کیا جاتا ہے تو اس میں بہت سی کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور آئندہ انتخابات کے لئے انتظامات کو رولس تیار کرنے کے متعلق خصوصاً بناہ گزینوں کی مردم شماری کے متعلق حلقوں میں ترمیم کرنے اور ایسی ہی دوسری باتوں کے متعلق بہتر بنائیں گے۔

"اعلیٰحضرت کی یہ دلی خواہش ہے کہ بہاولپور کے لوگ پاکستان کی ترقی میں دل و جان سے کوشش کریں۔ اعلیٰحضرت کی اس منشا کو پورا کرنا اور اپنے آپ کو اپنی نئی ذمہ داریوں کے لائق ثابت کرنا اب آپ کا کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپس کے جھگڑوں کو دور کرکے اور اتحاد کے ساتھ مل کر کام کرنے سے آپ ضرور ایسا کر سکتے ہیں۔" آپکو

آنریبل لیاقت علی خاں کے وہ الفاظ جو انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا یہاں فرمائے تھے یاد ہوں گے ۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر بہاولپور ۲۵ ایماندار کام کرنے والے اور بے غرض آدمی انتخابات میں چن سکتا ہے تو یہ پاکستان کا سب سے خوش قسمت حصہ ہوگا :" آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی خدمات سے اپنی خوش قسمتی کا ثبوت دیں ۔ برے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے ۔

" اس وقت ریاست کی حکومت چند بہت بڑے کام کر رہی ہے ۔ اس میں عباسیہ اسکیم پر ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین آباد کرنا ۔ تین لاکھ کے علاوہ پناہ گزینوں کی ایک اور بڑی تعداد کو بسانا ۔ اسی ہزار ٹن غلہ حاصل کر کے کمی والے علاقوں کو روانہ کرنا اور رحیم یار خاں میں دو بڑے کارخانے لگانا شامل ہیں ۔ ان سکیموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ریاست کی حکومت کیا کرتی رہی ہے ۔ اور یہ کہ اس میں پاکستان کی ترقی میں امداد دینے کی کتنی اہمیت ہے ":

" آپ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ عوام کی حالت کو سدھارا جائے اور ان کی زندگی کے معیار کو اونچا کیا جائے ۔ ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں ۔ خصوصاً عوام کے لئے علاج اور تعلیم کی آسانیاں پیدا کرنا ۔ نئے اسکول اور ہسپتال ہونا بہت ضروری ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ جلد ہی ان باتوں پر غور کر کے ان کے لئے تجاویز کریں گے ہمیں اور میرے تمام افسران ان معاملات میں آپ کی ہر طرح سے امداد کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں مشکل یہ ہے کہ اس وقت ڈیفنس کے اخراجات کی وجہ سے ترقی کے کاموں کے لئے ہمارے پاس روپیہ کی کمی ہے ۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اپنی آئندہ مشکلات کو حل کرنے میں ہمیں مرکزی حکومت کی ہمدردی اور تعاون حاصل ہوگا ۔ مرکزی حکومت کی یقیناً یہ خواہش ہونی چاہیے کہ اعلیٰحضرت اور ان کی حکومت کی اس کوشش میں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ پاکستان سے الحاق اور ترقی کرنا مترادف باتیں ہیں ۔ ان کی امداد کی جائے ۔

" حضرات ! اپنے فرائض کے انجام دینے میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ آپ قائداعظم کے مقولہ " اتحاد ۔ یقین کامل اور تنظیم " پر عمل کریں "

کرنل ڈرنگ کی تقریر کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے جوابی تقریر کی اور اعلیٰحضرت کے ساتھ ممبرانِ مجلس کی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ ۔

"ہم سب نے عزم کیا ہے کہ نہایت درجہ اخلاص اور یک جہتی کے ساتھ بہاولپور کے عوام کی خدمت کریں گے اور ان کی حالت درست کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے۔ امید ہے کہ حکومت کے جملہ کارکنان ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ عالیمرتبت وزیراعظم نے اس سلسلہ میں جو یقین دلایا ہے ہم اس کے شکرگذار ہیں"

ابھی وزیروں کا تقرر اور مجلس کے باقی ممبران کی نامزدگی جو خود اعلیحضرت کو کرنی تھی باقی تھی۔ اعلیحضرت ان دنوں لندن کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ ان پر ذیابطیس کے مرض کا شدید غلبہ تھا۔ بہرحال توقع تھی کہ چند روز تک وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وزیراعظم بہاولپور کی تجاویز کی روشنی میں وزیروں کا تقرر اور نامزد ممبران کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکیں۔

مجلس کے انتخابات کے متعلق عام تاثر

مجلس کے جو ممبران منتخب ہوئے تھے ان کی اہلیت کے متعلق عموماً پڑھے لکھے لوگوں میں اطمینان کا اظہار نہیں کیا جا رہا تھا۔ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ خود اختیاری اور خود انتظامی کے جو مقتضیات ہیں۔ ان سے یہ حضرات عہدہ برا ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تاہم جو لوگ امہال و تدریج کے قائل تھے وہ ضابطۂ ارتقا کے قدرتی اصول سے مایوس نہ تھے اور انہیں امید تھی کہ تجربات کی بھٹی میں پڑنے کے بعد ان کی صلاحیتیں مزید صیقل ہوں گی۔

دراصل بات یہ تھی کہ ریاست بہاولپور میں عوامی حکومت کا دور بالکل نیا اور آئینی اصلاحات یہاں کے عوام کے لئے قطعی اجنبی تھیں۔ اس سلسلے میں حکومت خود بھی تجربہ کار نہیں تھی۔ اس لئے جہاں اس کے نفاذ میں نقائص رہ گئے وہاں عوام کی ناواقفیت بھی انہیں اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں بنا سکی۔ عموماً سیاسی جماعتیں ایسے موقعوں پر اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں کی مختلف الخیال جماعتوں کی آویزش ان دنوں اتنے عروج پر تھی کہ وہ بھی اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہیں۔

اس مایوس کن صورتِ حال کے باوجود لوگوں کے لئے امید کی ایک کرن باقی تھی۔ ابھی مجلس کے لئے نامزد ہونے والے ارکان کے ناموں کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ انہیں امید تھی کہ حکومت نامزدگیوں کے ذریعہ منتخبہ ممبروں کی خامیوں کا علاج کر سکے گی۔ اور جو فرقے اپنی کوتاہیوں یا حکومت کی ناتجربہ کاری کے باعث مجلس تک نہیں پہنچ سکے ہیں ان کا خیال رکھے گی۔ خاص طور پر مہاجرین کا چونکہ ایک نمائندہ

بھی اس انتخاب میں نہیں آیا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ مایوسی کا شکار بھی وہی تھے۔ اور انہیں وزیر اعظم کی طرف سے یہ واضح یقین دہانی بھی کرائی گئی تھی کہ نامزدگیوں کے وقت انہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

وزیروں کا تقرر

۱۴ر جون ۱۹۴۹ء کو اعلیحضرت نے مجلس کے منتخبہ ممبران میں سے دو وزیروں کو کابینہ وزارت میں شامل کرنے کی منظوری دی۔ ان میں ایک مخدوم زادہ سید حسن محمود اور دوسرے فتح محمد لالیکا تھے۔ ساتھ ہی ان کے محکموں کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق صحت۔ تعلیم۔ لوکل باڈیز اور پبلسٹی کے محکمے مخدوم زادہ کو اور پنچایت ایگریکلچر سول سپلائز اور پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے محکمے میاں فتح محمد لالیکا کو سپرد کئے گئے۔

اسی تاریخ کو مجلس کے صدر کے طور پر سید عنایت حسین شاہ کو نامزد کیا گیا۔ کابینہ وزارت میں عوامی نمائندوں کے علاوہ خان بہادر سید احمد فنانشل کمشنر اور ولیعہد برگیڈیئر محمد عباس کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ جب کہ سربراہ کابینہ کرنل لے۔ جے ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور تھے۔

مجلس کے نامزد ارکان

۲۲ر جون ۱۹۴۹ء کو اعلیحضرت کی طرف سے مجلس کے نامزد ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا جو یہ تھے۔

۱۔ سید فتح محمد شاہ ۲۔ میر عابد حسین ۳۔ میاں حامد خان
۴۔ مسٹر سیموئل بیدی ۵۔ کرنل عبد الرؤف ۶۔ حاجی شیر محمد
۷۔ چوہدری فرزند علی

ان ارکان میں چوہدری فرزند علی کو مہاجرین کا نمائندہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ چونکہ آرائیں ہیں اس لئے ان کی نامزدگی سے آباد کاروں کی مزید نمائندگی کا سامان بھی پیدا کیا گیا ہے"۔

انتخابات سے زیادہ یہ نامزدگیاں مہاجرین کے لئے بڑی مایوس کن تھیں۔ آباد کار بھی مطمئن نہ تھے۔ یہی وہ حالات تھے جنہوں نے آگے چل کر مہاجرین کو اپنی جداگانہ تنظیم کے ذریعہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کی ضرورت کا احساس دلایا۔

کامیابی کا جلوس

بہر کیف ۲۶ر جون ریاستی مجلس کے افتتاح کے لئے مقرر تھی۔ چونکہ مجلس کے ارکان کی اکثریت پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی مرضی و منشا کے مطابق منتخب اور نامزد ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے اس سلسلے میں اظہار مسرت کے طور پر ایک جلوس نکالنے

کا پروگرام بنایا یہ جلوس مخدوم زادہ حسن محمود کی کوٹھی عباس منزل سے نکلا اور شہر کے تمام بازاروں سے ہوتا ہوا ٹاؤن ہال پر آ کر ختم ہوا جہاں مجلس کا پہلا افتتاحی اجلاس ہونے والا تھا۔ اس جلوس میں اہالیان شہر کے علاوہ منتخب و نامزد اراکان مجلس، نامزد وزراٗ اور صدر مجلس سید عنایت حسین شاہ بھی شامل تھے۔ سید احمد نواز شاہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار کی وردی پہنے ہوئے ایک براق گھوڑے پر سوار جلوس کے آگے آگے تھے۔

مجلس کا اجلاس

ساڑھے گیارہ بجے ٹاؤن ہال میں مجلس کا اجلاس شروع ہوا۔ ولیعہد محمد عباس ایگزیکٹیو کونسلر اور چوہدری فرزند علی نامزد رکن کے علاوہ باقی تمام ارکان موجود تھے۔ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد عوامی وزراٗ اور اراکین مجلس نے حلفِ وفاداری اٹھایا سید عنایت حسین شاہ کرسیٔ صدارت پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد کرنل ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور نے اعلیحضرت امیر بہاولپور کا پیغام تہنیت اردو میں پڑھا۔ اور اپنی طرف سے اراکین مجلس کو محنت اور دیانتداری کے ساتھ خدمتِ خلق کرنے کی تلقین کی۔ کرنل ڈرنگ کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

اس ریاست میں یہ پہلا موقع ہے کہ عوام اور حکومت کے نمائندے ایک دوسرے کے دوش بدوش کاروبار مملکت میں حصہ لینے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ میں اس مبارک تقریب پر اپنی پارٹی کی طرف سے اعلیحضرت سرکاری عالی امیر بہاولپور کی پیشگاہ معلی میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

"یہ امر موجب مسرت ہے کہ ریاست کی اس پہلی مجلس میں باشندگان ریاست کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کا نمائندہ موجود ہے۔ قدیم باشندگان ریاست کے دوش بدوش آباد کار بھی ہیں۔ اور مہاجر بھی۔ زمیندار بھی ہیں کاشتکار بھی، شہری بھی ہیں اور دیہاتی بھی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم اقلیت کا نمائندہ بھی موجود ہے۔

"جہاں تک موجودہ اصلاحات کا تعلق ہے۔ میں قانونی موشگافیوں سے قطع نظر یہ سمجھتا ہوں کہ اعلیحضرت سرکار عالی کا یہ منشاء ہے کہ ریاست کے جملہ مسائل پر سرکاری و عوامی نمائندے کامل یگانگت کے ساتھ سوچ بچار کیا کریں گے۔

"میری پارٹی جس کو آل پاکستان مسلم لیگ کی دوستی اور تعاون کا شرف

حاصل ہے ہمہ وقت اس امر کی کوشش کرے گی کہ باشندگان ریاست کے تمام طبقوں میں اتحاد۔ اخوت اور یگانگت قائم رکھے اور ان سب کا معیار زندگی بلند کرنے کی اور ان کے موجودہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے۔

ہمارا منشاء چونکہ ریاست میں اسلامی شریعت کی اساس پر مبنی کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت ہے اس لئے میں اپنی پارٹی کی طرف سے اس "قرارداد مقاصد" کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ جو حال ہی میں آنریبل لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کی تحریک پر پاکستان کی مجلس دستور ساز نے منظور کی ہے "

مخدوم زادہ حسن محمود کی تقریر کے بعد خان بہادر سید احمد ایگزیکٹو کونسلر (ریونیو) نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"یہ اعلیحضرت کی مہاجر نوازی کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے مجھ مہاجر کو وزیر بنا کر مہاجرین کی خدمت گذاری پر مامور کیا "

ان تقاریر کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے ایک قرارداد پیش کی جس میں اعلیحضرت امیر بہاولپور کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور کرنل ڈرنگ وزیر اعظم کے حسن تدبر اور مساعی جمیلہ کو سراہا گیا تھا۔ اس قرارداد کی تائید میں سید محمد چراغ شاہ اور حاجی شیر محمد کے علاوہ سید غلام مرتضےٰ شاہ نے بھی تقریریں کی تھیں۔ شاہ صاحب نے اگرچہ ان اصلاحات کو ۱۹۰۸ء کی برطانوی ہند والی اصلاحات سے تشبیہہ دی تھی اور یہ کہا تھا کہ اس قسم کی اصلاحات کبھی کامیاب نہیں بنائی جا سکیں۔ لیکن چونکہ وزیر اعظم اور حکومت بہاولپور نے ان اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کے تعاون اور امداد کا یقین دلایا ہے اس لئے وہ بھی اراکین مجلس کی جانب سے ان کی کامیابی کے لئے پورے اشتراکِ عمل کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد اجلاس برخاست ہوگیا۔

سیاسی گرفتاریاں

آئینی اصلاحات کے اس مرحلے کے دوران بعض سیاسی نوعیت کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

برگیڈیر قاسم گیلانی[1] تو پہلے سے نظر بند تھے۔ چوہدری رحمت اللہ اور علامہ ارشد بھی دھر لئے گئے۔ یہ گرفتاریاں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت عمل میں لائی گئی تھیں۔ علامہ ارشد کی گرفتاری کی

---

[1] برگیڈیر قاسم گیلانی سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج میں شامل رہ چکے تھے۔

وجوہات یہ بیان کی گئی تھیں کہ

"آج (۲۲ر جون ۱۹۴۹ء) مسٹر رحمت اللہ ارشد کو حکومت بہاولپور کے خلاف تخریبی کاروائیوں کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مسٹر ارشد سرکاری ملازم کچھ عرصہ ہوا وہ ضابطۂ ملازمت سرکاری کے خلاف سیاسی تحریکوں میں عملی حصہ لینے کی بناء پر معطل کر دیئے گئے تھے اس اقدام کے بعد بھی وہ اپنی خلافِ قانون کاروائیوں سے باز نہیں آئے اور برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ عوام میں نفرت اور اشتعال پھیلا کر ریاست کے نظام کو نقصان پہنچانے کے لئے عام شورش کی جائے۔ اور اس کے ساتھ پاکستان مسلم لیگ کو بھی جہاں تک ہو سکے ریاست میں بدنام اور کمزور کیا جائے۔

" ایسے وقت میں جب کہ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ریاست کے لئے آئین کو مستحکم بنیادوں پر قائم کیا جائے تاکہ پاکستان کو مضبوط بنانے کی کاروائیوں میں پورا پورا حصہ لیا جا سکے، اس قسم کی بالارادہ غداری اور رکاوٹیں پیدا کرنے کے طریقوں کو ہرگز گوارا نہیں کیا جا سکتا"

بریگیڈیر قاسم گیلانی کو حکومت نے کچھ عرصہ بعد ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ چوہدری رحمت اللہ نے اپنی گرفتاری کے خلاف بہاولپور کے ہائیکورٹ میں ہیبیس کارپس کے تحت مقدمہ دائر کیا۔ سید حسین شہید سہروردی نے چوہدری صاحب کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کی۔ بہاولپور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس خان بہادر عبدالعزیز اور گورنمنٹ ایڈوکیٹ ملک عبدالحمید صاحب تھے۔ گورنمنٹ ایڈوکیٹ اور حسین شہید سہروردی کی بحث سننے کے بعد فاضل عدالت نے ۲ر جولائی ۱۹۴۹ کو چوہدری رحمت اللہ کی رہائی کے احکام صادر کر دیئے۔ سہروردی صاحب نے یہ قانونی نکتے پیش کئے تھے۔ کہ (۱) بہاولپور پاکستان کا حصہ ہے اور ریاست کا اندرونی امن مرکزی حکومت کے زیر اثر ہے۔ لہٰذا پبلک سیکورٹی ایکٹ کے تحت امن قائم کرنے کے لئے چوہدری رحمت اللہ کو گرفتار کرنے کا اختیار مرکزی حکومت کو ہے (۲) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حکومت بہاولپور سیکورٹی ایکٹ کے تحت یہ گرفتاری عمل میں لا سکتی ہے تو یہ دیکھنا ہو گا کہ حکومت سے مراد اعلیحضرت امیر بہاولپور ہیں یا وزیر اعظم بہاولپور۔

بہرحال دو دن تک ان قانونی نکتوں پر بحث ہوئی۔ بالآخر عدالتِ عالیہ نے وکیل صفائی

کے دلائل سے مطمئن ہو کر چوہدری رحمت اللہ کو رہا کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

علامہ ارشد ابھی تک محبوس زنداں تھے۔ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے ان کے جرم کی نوعیت نے اُن کے لئے عدالتی چارہ جوئی کی راہ بھی مسدود کر دی تھی۔ ادھر حکومت بھی ان کے خلاف کوئی ایسی کارروائی کرنے کی فکر میں تھی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ چنانچہ انہی دنوں حکومت نے بہاولپور سیکورٹی ایکٹ میں یہ ترمیم کی کہ حکومت کسی شخص کو نہ صرف نظر بند کر سکتی ہے بلکہ اسے جلا وطن کرنے اور اس کے خاندان کی جائیداد ضبط کرنے کا بھی اختیار رکھتی ہے۔ غالباً حکومت علامہ صاحب کو اس ترمیم شدہ پبلک سیکورٹی ایکٹ کے تحت ریاست بدر کرنا چاہتی تھی۔ اس قسم کی خبریں بھی بعض مقامی اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ لیکن رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت کے مصداق کسی نہ کسی طرح علامہ صاحب بخیر اس قانونی کارروائی سے بچ گئے۔ ڈاکٹروں نے طبی معائنہ کے بعد ان کے متعلق یہ رپورٹ دی تھی کہ ان کی صحت مزید قید و بند کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکومت نے ان سے دس ہزار روپے کی شخصی نیک چلنی کی ضمانت داخل کرا کے انہیں رہا کر دیا۔

مخالفت کا رُخ انگریز وزیر اعظم کی جانب

اس دارو گیر کے بعد مخالف سیاسی جماعت نے اپنی مخالفت کا رُخ قومی آزادی اور حریت پسندی کے نام پر ریاست کے انگریز وزیر اعظم کرنل ڈرنگ کی طرف موڑ دیا اور اس سلسلے میں زبردست ہنگاموں اور مظاہروں کا پروگرام بنایا۔ اس جماعت میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا ریاست کی تجارت میں کافی حصہ تھا۔ وہ ان مظاہروں کی آڑ میں حکومت سے تجارتی مراعات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کرنل ڈرنگ چونکہ حکومت پاکستان کے فرستادہ تھے اور انہیں ہز ہائی نس کا اعتماد و تعاون بھی حاصل تھا اس لئے وہ اس عنصر کے پروپیگنڈے سے قطعی متاثر نہ ہوئے۔ آئینی اصلاحات کے نفاذ کے بعد عوامی نمائندگان کی تائید بھی انہیں حاصل ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے ۱۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو صادق آباد میں ایک انتباہی نوعیت کی تقریر کی جس میں کہا گیا تھا کہ

"میں دو اہم امور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا امر ایجی ٹیشن کے بارے میں ہے۔ میری حکومت کو فخر ہے کہ اس وقت سیکورٹی ایکٹ یا سیفٹی آرڈیننس کے تحت ایک آدمی بھی گرفتار نہیں۔ حکومت کو اطمینان ہے کہ جن لوگوں کو ریاست بہاولپور

اور پاکستان سے حقیقی دلچسپی ہے اور محبت ہے وہ خود تخریب پسندوں کی کارروائیوں کو ختم کردیں گے۔ حکومت اس سلسلے میں کمزور نہیں ہے۔ وہ واقعات کا پوری طرح جائزہ لے رہی ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی تو قانون کو بلا تامل استعمال کیا جائے گا۔

" مجھے یہاں حکومت پاکستان نے ہز ہائی نس کی رضامندی پر بھیجا تھا۔ اس لئے مجھے ہز ہائی نس کا کامل تعاون اور مرکزی حکومت کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔ کسی قسم کا ذاتی ایجی ٹیشن مجھے اپنے فرائض کی انجام دہی سے باز نہیں رکھ سکتا لیکن میں ہز ہائی نس اور پاکستان کی غداری کو کسی طرح برداشت نہیں کروں گا۔"

" دوسرا امر تجارت کے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں تمام محکمہ جات کو میں نے اس پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کی ہے کہ ایسے لوگوں کی قطعی سرپرستی نہ کی جائے۔ جو حکومت کے نظم و نسق کے مخالف ہیں۔ دنیا کی تمام حکومتوں کا یہی اصول ہے۔"

اس تقریر کا بہاولپور کے مخالف سیاسی حلقوں میں شدید ردعمل ہوا۔ مخالف عنصر کا مؤقف یہ تھا کہ آزادی کے بعد کسی حصۂ ملک پر انگریزوں کا تسلط عوام کے جذبۂ حریت کی توہین ہے اس نے جمہوری آزادی کو مسلوب اور حقوقِ عامہ کو پامال کر رکھا ہے۔ ریاست کا انتظام انصاف کے اصولوں کے مطابق نہیں۔"

اس کے برعکس لیگی دوائر میں اس رائے کا اظہار کیا جاتا تھا کہ کرنل ڈرنگ اگرچہ انگریز ہیں۔ لیکن حکومت پاکستان کے معتمد ہیں۔ نیز شخصی دیانت اور فرض شناسی قیدِ رنگ و بو اور تعین ملک و نسب سے آزاد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ریاست بہاولپور میں انگریز قوم کے مفاد یہاں کے مقامی مفاد کے ساتھ متصادم نہیں۔ اس لئے کرنل ڈرنگ کی مخالفت محض اس وجہ سے کرنا کہ وہ انگریز ہیں مناسب نہیں۔

دراصل معاملہ سیاسی نہیں کاروباری نوعیت کا تھا۔ جیسا کہ کرنل ڈرنگ نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ کہ حکومت کے نظم و نسق کے مخالفوں کی حکومت قطعی سرپرستی نہیں کرے گی۔ ایسے لوگ بعض تجارتی مراعات سے محروم ہو گئے تھے۔ مثلاً گندم کی برآمد کا جو اجارہ پہلے چوہدری رحمت

اللہ وغیرہ کے پاس تھا، وہ ان سے لے لیا گیا تھا۔

مخالفین کے خلاف کاروائی اور ان کی طرف سے اظہار وفاداری

بہر حال ابھی مظاہروں اور مخالفت کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ حکومت نے چوہدری رحمت اللہ کی تمام جائیداد تکفول کر لی۔ ان کے ذمہ انکم ٹیکس کے ۸ لاکھ روپے قابل وصول تھے۔ ایسے ہی اقدامات بعض دوسرے سیاسی کارکنوں کے خلاف بھی عمل میں آئے۔ جس سے اس عنصر کے حوصلے پست پڑ گئے۔ چنانچہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو ہفت روزہ تبلیغ بہاولپور میں چوہدری رحمت اللہ۔ علی احمد رفعت اور علامہ ارشد کا ایک مشترکہ بیان شائع ہوا۔ جس میں ان تینوں نے پاکستان۔ فرمانروائے بہاولپور اور حکومت بہاولپور سے وفاداری کا اظہار کرنے کے ساتھ یہ کہا تھا کہ

"وہ کسی تخریبی یا منفی کاروائی کو ملک وملت کے لئے مضرت رساں تصور کرتے ہیں۔"

مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کا اجلاس

اس سے پہلے پاکستان مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کے اجلاس مورخہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۴۹ء کی روداد اور تنظیمی کمیٹیوں میں غیر لیگی عناصر کی شمولیت پر ردعمل کا ذکر آچکا ہے۔ ۶ر نومبر ۱۹۴۹ء کو مرکزی تنظیمی کمیٹی کا ایک غیر معمولی اجلاس بہاولپور میں زیر صدارت خان افتخار حسین خاں ممدوٹ منعقد ہوا۔ جس میں ان اراکین تنظیمی کمیٹی کے استعفوں پر غور کیا گیا۔ جو تنظیمی کمیٹیوں میں کانگرسی افراد کی شمولیت پر بطور احتجاج مستعفی ہو گئے تھے اس پر کافی بحث وتمحیص ہوئی۔ خان ممدوٹ نے فرمایا کہ تنظیمی کمیٹی کی ممبری کوئی عہدہ نہیں ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ مستعفی ہونے والے اراکین اپنے استعفے واپس لے لیں اور تنظیم اور ممبر سازی کا کام باہمی تعاون واتحاد سے انجام دیں۔ اس موقع پر سینکڑوں کی تعداد میں ایسے تار اور خطوط بھی پیش کئے گئے تھے جن میں لوگوں نے تنظیمی کمیٹی کو اس رائے سے مطلع کیا تھا کہ کانگرسی عنصر کی شمولیت کے باعث تنظیم کا کام خاطر خواہ نہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد بہاولپور سٹی و ڈسٹرکٹ تنظیمی کمیٹی کی اکثریت کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ

"کانگرسی افراد۔ چوہدری رحمت اللہ۔ علی احمد رفعت۔ ولی اللہ اوحد۔ علامہ ارشد۔ مستری عبدالرحمن۔ میاں محمد قاسم۔ سید محمد قاسم گیلانی اور شیخ بشیر احمد پر بذریعہ قرارداد پابندی لگائی جائے کہ وہ لیگ میں کوئی ذمہ داری یا عہدہ نہیں لے سکتے

کنوینر نے کہا کہ ان کے متعلق تحریری ثبوت طلب کیا جائے تاکہ غور و خوض کے بعد ایک سوالنامہ مرتب کیا جائے ۔ اور متذکرہ لوگوں سے جواب طلب کر کے انہیں صفائی کا موقع دیا جائے ۔

تنظیمی کمیٹی کا دوسرا اجلاس اسی روز بعد دوپہر ہوا جس میں طے پایا کہ

۱ ۔ یکم دسمبر سے آخر دسمبر ۱۹۴۹ء تک ممبر سازی مکمل ہو جانی چاہیئے ۔

۲ ۔ ۸ جنوری سے ۱۵ فروری ۱۹۵۰ء تک الیکشن کا پروگرام مرتب کیا جائے ۔

کانگرسی عناصر کے متعلق تنظیمی کمیٹی میں جو تجویز پیش کی گئی تھی اس کی حمایت میں ریاست کے مختلف حصوں سے بیانات جاری کئے گئے ۔ بعض تنظیمی کمیٹیوں نے باقاعدہ قرار دادیں پاس کر کے بھی مرکزی تنظیمی کمیٹی کو بھجوائیں ۔ ان بیانات کا لب لباب یہ تھا کہ :

۱ ۔ یہ لوگ انجمن خدام وطن کے کارکن تھے یا

۲ ۔ ان کا براہ راست مجلس احرار سے تعلق تھا یا

۳ ۔ کانگرسی جمعیت العلمائے ہند کے ساتھ ان کے تعلقات پائے گئے تھے ۔

۴ ۔ ان حضرات میں سے نمبر ۱ تا ۶ ایسی مجلس کے سرگرم کارکن اور ہمدرد رہے ہیں جو یگی تخیل اور نظریۂ پاکستان کی شدید مخالفت کرتی رہی ہے ۔

۵ ۔ یہ حضرات اور ان کی وابستگی کا شرف حاصل رکھنے والی متذکرہ انجمن ریاست بہاولپور کو ہندوستان سے ملحق کرانے کی مذموم کوشش بھی کر چکی ہے ۔

۶ ۔ نمبر ۸ (کرنل قاسم گیلانی) سبھاش چندر بوس کی قائم کردہ آزاد ہند فوج کے سرگرم رکن اور اکھنڈ بھارت کے زبردست حامی رہے ہیں ۔ (آزاد ہند فوج کے اراکین نے ہندوستان میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ بچہ بچہ کو معلوم ہیں ۔)

مرکزی تنظیمی کمیٹی کا اگلا اجلاس ۳۱ دسمبر ۱۹۴۹ء کو رحیم یار خاں میں ہونا تھا ۔ لیکن خان افتخار حسین خاں ممدوٹ کنوینر تنظیمی کی جانب سے عین وقت پر یہ معذرت وصول ہوئی کہ وہ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے ۔ اس لئے یہ اجلاس نہ ہو سکا ۔

عوامی حکومت اور رفاہی کام

عوامی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی بہاولپور میں رفاہی کاموں کی رفتار میں اضافہ ہوا ۔ ۱۹۴۹-۵۰ء کا جو بجٹ حکومت نے منظور کیا تھا اس میں عوامی تقاضوں کے مطابق نظر ثانی کر کے بعض فلاحی اداروں کے لئے مزید رقوم فراہم کی گئیں چنانچہ وزیر اعظم بہاولپور نے اس سلسلہ میں ۱۲ نومبر ۱۹۴۹ء کو ایک اخباری

بیان دیا جس میں کہا۔

"حکومت نے ریاست کے منتقل شدہ محکموں کی توسیع کے سلسلہ میں ضروری اقدامات کئے ہیں۔ مثلاً اصل بجٹ میں سال رواں کے لئے محکمہ تعلیم وصحت کی گرانٹ میں ۳۵۰۰۰۰ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ بعدازاں نئے آئین کے آغاز پر ۲۵ لاکھ روپے کی مزید گرانٹ متعلقہ محکمہ جات کے وزیروں کو دے دی گئی ہے۔ اسی طرح ۸۵۰۰۰۰ روپے کی زائد رقم سال رواں میں صحت و تعلیم۔ ایگریکلچرل اور ویٹرنری کی سہولتیں بہم پہنچانے کے کام پر استعمال کی جا سکتی ہے۔"

کرنل ڈرنگ وزیر اعظم نے مختلف محکموں کی ترقیاتی اسکیموں پر بھی روشنی ڈالی جن میں نئے اسکولوں کا اجرائ۔ ہسپتالوں کی توسیع اور زراعت کے فروغ کی تجاویز شامل تھیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا اس وقت ریاست میں مہاجرین کی مجموعی تعداد تین لاکھ پچاس ہزار ہے۔ جن میں سے تقریباً ۸۰ فیصد کو بحال کیا جا چکا ہے۔

وزیر اعظم کے علاوہ عوامی وزرائ نے بھی اپنے اپنے محکموں کی کارکردگی پر روشنی ڈالی تھی۔ وزیر زراعت میاں محمد فتح محمد لالیکا نے بتایا تھا کہ حکومت نے مہاجرین کی زرعی شعبے میں امداد کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ دیا ہے۔ جس سے ان کے لئے آلاتِ زراعت اور بیل وغیرہ خریدے جا رہے ہیں علاوہ ازیں غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے مہاجرین کے لئے ٹریکٹر بھی خریدے جا رہے ہیں۔

وزیر تعلیم وصحت مخدوم زادہ حسن محمود نے بتایا کہ طلبائ میں صحیح اسلامی سیرت پیدا کرنے کیلئے پرائمری سے مڈل کلاسوں تک کے نصاب تعلیم میں نئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا شبیر احمد عثمانی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین اور سید سلیمان ندوی کے گرانقدر مشورے حاصل کئے جا رہے ہیں۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی کی بہاولپور میں آمد اور اچانک وفات

اس پروگرام کے مطابق مولانا شبیر احمد عثمانی ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور تشریف لائے۔ عباس منزل میں ان کا قیام تھا۔ جہاں تین روز تک وہ نصابِ تعلیم کے سلسلے میں بہاولپور کے ماہرین تعلیم کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ ابھی یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ ۱۳ر دسمبر کو یکایک ان کی حالت غیر ہوئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے صبح گیارہ بجے وفات پا گئے۔ ان پر کافی عرصہ سے فالج کا اثر تھا۔ چلنے پھرنے اور بات کرنے میں بھی تکلف ہوتا

تھا۔ اس کے باوجود ملی وقومی خدمت کا جذبہ انہیں بہاولپور کھینچ لایا تھا۔ ان کا ارادہ یہاں ایک ماہ قیام کا تھا لیکن افسوس قضاء وقدر نے یہ مہلت نہ دی۔ ان کی تکفین و تجہیز کا یہاں سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ ساڑھے تین بجے کالج گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی نماز کے بعد جنازہ پاپیادہ بہاولپور ریلوے اسٹیشن لیجایا گیا۔ ہزاروں آدمی جنازہ کے ہمراہ تھے۔ وہاں سے جنازہ کراچی میل کے ذریعہ کراچی روانہ ہوگیا۔ جنازہ کے ہمراہ منشی عبدالحمید۔ حافظ احمدیار۔ عبدالحمید صحرائی میرزاہد حسین اور مخدوم زادہ حسن محمود کراچی تک گئے۔ ڈیرہ نواب صاحب کے اسٹیشن پر نواب بہاولپور بمعہ اپنے وزراء کے پہنچے اور میت پر چادر چڑھائی۔

پریس مشاورتی کمیٹی کا قیام

ریاست بہاولپور میں جمہوریت کے فروغ میں اخبارات نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اصلاحات کے نفاذ کے ساتھ ہی یہاں بہاولپور نیوز پیپرایڈیٹرز ایسوسی ایشن کے نام سے مدیران اخبارات کی ایک تنظیم قائم ہوگئی تھی جو وقتاً فوقتاً جہاں اپنے حقوق کے لئے مشترکہ و متفقہ اقدامات کرتی رہتی تھی وہاں ریاست میں بعض جمہوری عوامل کو ترقی دینے کے لئے بھی مشترکہ اڈیٹوریل لکھنے اور شائع کرنے کا اہتمام کرتی تھی اس کے مطالبے پر عوامی وزراء نے باقاعدہ پریس کانفرسوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں حکومت پاکستان نے تمام ملک میں بشمول ریاست بہاولپور پبلک سیفٹی آرڈیننس نافذ کیا تھا اس کے نفاذ کے خلاف بہاولپور نیوز پیپر ایڈیٹرز ایسوسی ایشن نے زبردست احتجاج کیا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ مرکزی حکومت کو پاکستانی ریاستوں کے لئے صرف وہی قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے جن کا تذکرہ معاہدہ الحاق میں کیا گیا ہے۔ ایسوسی ایشن کی رائے میں مرکز کو حکومت بہاولپور سے مشورہ اور اس کی مرضی کے بغیر خود بخود اس آرڈیننس کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ آرڈیننس میں پریس سے متعلق بعض امور بھی وجہ تشویش تھے چونکہ ریاست میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ احتمال تھا کہ ان اختیارات کا ریاست میں غلط استعمال ہوگا۔ لہذا ایسوسی ایشن نے یہ مطالبہ کیا کہ حکومت پاکستان ریاستی عوام کو یہ یقین دلائے کہ نئے آرڈیننس اور پہلے سے نافذ شدہ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت عوام اور اخبارات کے خلاف کسی قسم کی کاروائی سے پہلے علی الترتیب عوام کے منتخب نمائندگان اور نمائندگان پریس سے

بہاولپور کے اخبارات نے اس مطالبے کو شدومد کے ساتھ پیش کیا۔ نائب وزیر داخلہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی بہاولپور کے دورے پر آئے تو اخبار نویسوں کے ایک وفد نے ان کے سامنے بھی یہ مطالبہ پیش کیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد یعنی نومبر ۱۹۴۹ء میں حکومت نے ایک پریس مشاورتی کمیٹی تشکیل دی جس میں محکمہ اطلاعات اور محکمہ تعلیمات کے نمائندگان کے علاوہ مندرجہ ذیل تین اخبار نویسوں کو شامل کیا گیا۔

۱۔ حیات ترین مدیر انصاف ۲۔ شہاب دہلوی مدیر الہام ۳۔ ولی اللہ احمد مدیر کائنات۔ پریس مشاورتی کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو محکمہ اطلاعات کے دفتر میں منعقد ہوا۔ متذکرہ تینوں اخباری نمائندوں کے علاوہ مسٹر فضل کریم افسر اطلاعات اور پروفیسر عبدالمجید ڈائریکٹر تعلیم بھی شریک ہوئے۔ ڈائریکٹر تعلیم نے اجلاس کی صدارت کی۔ کارروائی شروع ہوئی تو مسٹر ولی اللہ احمد نے تجویز کی کہ پریس مشاورتی کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا جائے۔ پھر خود انہوں نے اس غرض کے لئے مسٹر حیات ترین کا نام پیش کیا۔ مدیر الہام کی تائید کے بعد یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی اور حیات ترین پریس ایڈوائزری کمیٹی کے کنوینر منتخب ہو گئے۔

پاکستان آئین ساز اسمبلی میں ریاست کی نمائندگی

پاکستان دستور ساز اسمبلی میں خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کی تحریک پر یہ بل منظور کیا گیا تھا کہ گورنر پنجاب اور ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کے مشورے سے ریاست بہاولپور اور ریاست خیرپور میں سے ہر ایک کو یہ حق دیا جائے کہ وہ دستور ساز اسمبلی کے لئے ایک ایک نمائندہ نامزد کر دیں۔

اس بل کی منظوری کے ساتھ ہی پاکستان دستور ساز اسمبلی کے لئے بہاولپور سے ریٹائرڈ چیف جج مولوی فضل حسین کے نام کی سفارش کی گئی۔ مسلم لیگی حلقے اس نامزدگی کے خلاف تھے۔ علاوہ ازیں ان کا مطالبہ تھا کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں بہاولپور کو آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے۔ کیونکہ خود پاکستان دستور ساز اسمبلی ہر دس لاکھ پر ایک نمائندے کا اصول تسلیم کر چکی ہے اور بہاولپور کی آبادی اس وقت بیس لاکھ ہے اس لئے اسے دو نمائندے منتخب کرنے کا حق ملنا چاہیئے۔

۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو خواجہ ناظم الدین بطور گورنر جنرل پاکستان بہاولپور کے دورے پر آئے تھے

لہٰذا مسلم لیگی ارکان کے ایک وفد نے جس میں شیخ عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ ممبر مرکزیہ تنظیمی کمیٹی. چوہدری فرزند علی ممبر مجلس چوہدری محمد خاں ممبر مجلس اور شیخ عبدالحمید صحرائی ممبر مرکزیہ تنظیمی کمیٹی شامل تھے. ان سے ملاقات کر کے یہ مطالبہ کیا کہ

"آئین ساز اسمبلی میں آبادی کا لحاظ رکھتے ہوئے کم از کم دو نشستیں بہاولپور کو ملنی چاہئیں اور وہ نمائندے عوام کے منتخب کردہ ہوں"

مہاجرین کا وفد ایک وفد مہاجرین کا بھی گورنر جنرل سے ملا جس میں آل بہاولپور انجمن مہاجرین کے نائب صدر مسٹر عبدالسلام اور ورکنگ کمیٹی کے رکن حکیم محمد حنیف شامل تھے

اس وفد کی طرف سے مندرجہ ذیل تحریری مطالبات پیش کئے گئے تھے.

۱. "مہاجرین کو ۷۵ فیصدی دوکانیں تقسیم کی جائیں ۲. تارکین کی سکنی جائیداد مقامی حضرات کو نہ دی جائے۔ ۳. مکانات کی قلت کے پیش نظر مہاجر کالونی تعمیر کی جائے جس میں مہاجرین کو مفت پلاٹ تقسیم کئے جائیں اور نادار مہاجرین کے لئے مکانات تعمیر کر کے انہیں وہاں آباد کیا جائے۔ ۴. جب تک اراضیات کی مستقل تقسیم شروع نہ ہو اس وقت تک مطالبہ کی شرح مغربی پنجاب کے مطابق وصول کی جائے ۵. سابقہ واجب الوصول کرائے قطعی معاف کر دیئے جائیں ۶. ملازمتوں میں مہاجرین کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ اور ان کی لیاقت اور تجربہ کے مطابق انہیں اچھی اسامیاں دی جائیں. محکمہ بحالیات میں زیادہ سے زیادہ مہاجر لئے جائیں ۷. پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ریاست بہاولپور کے دو نمائندوں میں سے ایک نمائندہ مہاجر منتخب کیا جائے"

گورنر جنرل پاکستان نے مسلم لیگی اور مہاجر وفود کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا تھا. تاہم جہاں تک پاکستان دستور ساز اسمبلی میں بہاولپور کی نمائندگی کا تعلق تھا. مسلم لیگ کی مساعی کا سلسلہ جاری تھا. اس سلسلہ میں ان کا ایک وفد مولوی فضل حسین ریٹائرڈ چیف جج سے بھی ملا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نامزدگی کو منظور نہ کریں. کیونکہ یہ بہاولپور کے جمہوری حقوق کا مسئلہ ہے. البتہ وفد نے مولوی صاحب کو یہ یقین دلایا کہ اگر انتخاب کا فیصلہ ہو گیا تو وہ موصوف کو ہی ان کی قابلیت. اہلیت اور موزونیت کی بنا پر منتخب کرانے کی کوشش کریں گے.

مولوی فضل حسین نے مسلم لیگی وفد سے وعدہ کیا تھا کہ جب انہیں باقاعدہ نامزدگی کی اطلاع ملے گی تو وہ اسے عوامی مطالبہ کے پیش نظر نامنظور کر دیں گے. لیکن انہوں نے یہ وعدہ ایفا نہ کیا. جس پر مسلم

یگی حلقوں میں سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا: تاہم وہ ریاست کی طرف سے پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن نامزد کردیئے گئے۔

مخدوم زادہ کے خلاف قرارداد عدم اعتماد

اصلاحات کے نفاذ اور مخالف عنصر کے "سجدۂ سہو" کے بعد ریاست کی فضا قدرے پُرسکون تھی کہ بہاولپور کی سیاست میں یکبارگی پھر دھماکہ ہوا۔ مجلس کے کچھ ممبروں نے مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کی تھی وہ ان کی بجائے مخدوم روشن چراغ کو پارٹی لیڈر بنانا چاہتے تھے۔ مخالف عنصر کو بعض سرکاری افسران کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ اور وہ عدم اعتماد کی قرارداد پر ممبران مجلس کے دستخط کرا رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس تحریک سے ولیعہد بریگیڈیئر محمد عباس کو بھی ہمدردی تھی۔ چونکہ مخدوم روشن چراغ کی میجر شمس الدین صاحب کے واسطہ سے ولیعہد صاحب کے ساتھ قرابت[1] داری تھی اس لئے عام خیال یہی تھا۔ کہ وہ بھی مخدوم زادہ کے خلاف ہیں۔
اس صورتِ حالات کے خلاف مخدوم زادہ نے اخباری بیان کے ذریعہ احتجاج کیا۔ انہوں نے کہا کہ

"بعض سرکاری افسران نہ صرف ناجائز طور پر ممبران مجلس کو میرے خلاف قرار داد عدم پر دستخط کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ بلکہ اعلیحضرت کا نام بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

اس پر اعلیحضرت نے ایک تردیدی بیان ۸ر جنوری ۱۹۵۰ء کو جاری کیا۔ جسمیں واضح کیا کہ

"ہمیں یہ سنکر بے حد افسوس ہوا ہے کہ بعض سیاسی اقتدار کے متمنی صاحبان رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے لوگوں میں یہ بے بنیاد پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ سیاسی معاملات میں ہمارا ہر قسم کا تعاون انہیں حاصل ہے۔ ہمیں نظام نو کی کامیابی کے سوا کسی فرد یا افراد کی مخصوص کامیابی یا ناکامیابی سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

بہرحال ممبران مجلس کی جانب سے ایک محضر نامہ وزیر اعظم بہاولپور کی خدمت میں اس مضمون کا پیش کیا گیا کہ انہیں مخدوم زادہ حسن محمود پر اعتماد نہیں ہے۔ اور وہ اپنا لیڈر ان کے بجائے مخدوم روشن چراغ

---

[1] مخدوم چراغ کا تعلق میانوالی قریشیاں سے تھا۔ وہ میجر شمس الدین وزیر معارف ریاست بہاولپور کے بہنوئی تھے۔ اور میجر شمس الدین کی صاحبزادی ولیعہد سے منسوب تھیں اور اس رشتہ سے میجر صاحب ولیعہد کے خسر اور مخدوم روشن چراغ پھوپھیا سسر ہوئے۔

کو بتانا چاہتے ہیں۔ وزیر اعظم نے اس ہدایت کے ساتھ مجلس کا اجلاس طلب کرنے کا حکم دیا کہ مطلوبہ کاروائی (قرارداد عدم اعتماد) کرنے کے لئے ممبران مجلس بہاولپور کے آئین کی کوئی ایسی دفعہ پیش کریں جس کے تحت یہ کاروائی عمل میں لائی جا سکے۔

فی الحقیقت قرارداد عدم اعتماد کے اصل محرک وہی لوگ تھے جنہیں مقامی اداروں اور مجلس کے انتخابات میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ سید غلام مرتضےٰ شاہ حسب سابق اس دفعہ بھی ان کے آلۂ کار بنے تھے۔ مجلس میں قرارداد پیش کرنے کا کام بھی انہیں کو سونپا گیا تھا۔

اجلاس سے پہلے تقریباً ایک ماہ تک بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں بڑی گہما گہمی رہی۔ کبھی عباس منزل میں (جہاں مخدوم زادہ کا قیام تھا) لوگوں کا اژدہام نظر آتا تو کبھی میجر شمس الدین صاحب کی کوٹھی لوگوں کے ہجوم سے گھری ہوئی دکھائی دیتی۔ اگرچہ میجر صاحب عملی طور پر ان سیاسی سرگرمیوں سے لاتعلق تھے لیکن چونکہ مخدوم روشن چراغ وہیں قیام کرتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ان دنوں میجر صاحب کا مکان بھی سیاسی اکھاڑہ بن گیا تھا۔

قرارداد عدم اعتماد کے سلسلہ میں مبینہ طور پر جہاں مخدوم روشن چراغ کو ولیعہد اور بعض دوسرے سرکاری افسران کی مدد و اعانت حاصل تھی وہاں مخدوم زادہ بھی تن تنہا نہ تھے۔ کرنل ڈرنگ خصوصیت کے ساتھ ان کے حامی و مددگار تھے۔ انہوں نے دوسرے سرکاری افسروں کی طرح عام اراکین مجلس سے تو کوئی رابطہ قائم نہیں کیا البتہ ولیعہد صاحب کو بلا کر ان کے کان میں کچھ ایسا پھونکا کہ تحریک عدم اعتماد کے سلسلہ میں ان کی سرگرمیاں یکسر بدل گئیں۔

مخدوم روشن چراغ کا دعویٰ تھا کہ مجلس کے نوے فیصد ارکان قیادت کے لئے انہیں منتخب کر کے مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف اپنی بیزاری کا اعلان کر چکے ہیں۔ انہوں نے تحریک عدم اعتماد میں سرکاری مداخلت کے الزام کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا۔ کہ "چونکہ حسن محمود کا عارضی اور ہنگامی اقتدار بعض حکام کی جانبدارانہ تگ و دو کا رہین منت ہے۔ اس لئے شائد وہ باور نہیں کر سکتے کہ بعض حکام کی مداخلت کے بغیر مجلس کی قیادت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔" تاہم یہ بات اہل فکر و نظر کے لئے حیران کن تھی کہ جن لوگوں نے ابھی چند ماہ پہلے مخدوم زادہ کو اپنا قائد بنایا تھا۔ انہیں یکایک انمیں ایسی کونسی خرابیاں نظر آ گئیں جن کی وجہ سے وہ کھلم کھلا اختلاف پر مجبور ہوئے۔ جن لوگوں نے تحریک عدم اعتماد پر دستخط کئے تھے۔ ان میں سے اکثریت ان کی تھی جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ اس لئے پارٹی کے میثاق کے خلاف ان کی کاروائی کا کوئی جواز ہونا ضروری تھا۔ لیکن اس سارے ہنگامے میں

مخدوم زادہ پر ایسا کوئی الزام نہیں لگایا گیا جس کی بنا پر قیادت سے ان کی علیحدگی ضروری قرار دی جائے۔ سوائے اس کے کہ ایک مخصوص گروہ ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اور بعض سادہ دل و فریب خوردہ ارکان مجلس ان کے دام تزویر میں آگئے تھے۔ بہرکیف ذاتی خود غرضیاں اور رقابتیں ایک ایسی غیر مطبوع شکل میں ظاہر ہوئی تھیں کہ جمہوریت کا سفر جسکا اہل ریاست نے ابھی آغاز ہی کیا تھا سخت مخدوش ہو کر رہ گیا تھا۔

مخدوم زادہ کے مخالفین کرنل ڈرنگ پر جانبداری کا الزام لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مخدوم زادہ کی قیادت انہیں کی مرہون منت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کرنل ڈرنگ مخدوم زادہ کے بہت بڑے مربی تھے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ان کی قیادت کی ناؤ کبھی کی ڈوب چکی ہوتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کرنل ڈرنگ کسی ذاتی غرض کے تحت مخدوم زادہ کی قیادت کو بچا رہے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کرنل ڈرنگ کا ہر عمل حکومت پاکستان کی مصلحت و خواہش کے تابع تھا۔ حکومت یہ سمجھتی تھی کہ اگر بہاولپور میں مسلم لیگ کی نوزائیدہ قیادت کو دھچکا لگا تو وہ غیر لیگی عنصر جس کا ریاست میں پہلے ہی کافی اثر ہے یہاں کی سیاست پر غالب آجائے گا۔ جو پاکستان کی سالمیت کے تقاضوں کیخلاف ہوگا۔ چنانچہ اسی پالیسی کے تحت کرنل ڈرنگ نے مخدوم زادہ کی امداد کی تاہم انہوں نے عام ممبران کو اپنے عہدے سے متاثر نہیں کیا۔ نہ سرکاری افسران کو اس غرض کے لئے استعمال کیا۔ بلکہ عدم اعتماد کے محرکین کو جہاں سے شہ ملی تھی وہاں انہوں نے اپنا اثر ڈالا اور اس طرح جو بساط سیاست مخالفین نے بچھائی تھی وہ الٹ گئی۔

بہرحال ۶ر فروری ۱۹۵۰ء کو مجلس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ سید عنایت حسین شاہ کرسی صدارت پر فروکش تھے۔ اجلاس شروع ہوتے ہی مخدوم زادہ حسن محمود نے یہ اعتراض کیا کہ سید غلام مرتضیٰ شاہ نے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پیش کی ہے اس لئے انہیں مسلم لیگی بنچ چھوڑ کر غیر لیگی سیٹ پر حزب مخالف کی صورت میں بیٹھنا چاہیئے۔ معمولی سی بحث کے بعد سید غلام مرتضیٰ شاہ حزب اختلاف کی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد تعزیت کی دو قراردادیں علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات اور حادثہ جنگ شاہی کے متعلق پیش ہوئیں اور اجلاس اگلے دن کے لئے ملتوی ہو گیا۔

دوسرے دن صبح دس بجے پھر اجلاس شروع ہوا۔ آج سب سے پہلے صدر مجلس نے مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف قرارداد عدم اعتماد پڑھ کر سنائی اور محرک سے کہا کہ انہیں اس

سلسلہ میں جو کچھ کہنا ہو کہیں۔ وہ خاموش رہے اس پر صدر مجلس نے کہا کہ جو صاحبان اس قرارداد کی تائید کرتے ہیں۔ کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ چھ ممبران جو سید غلام مرتضےٰ شاہ کے ساتھ حزبِ اختلاف کی نشستوں پر بیٹھے تھے قرارداد کی تائید میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد مجلس میں دوسرے امور جن میں آبادکاری مہاجرین اور کاٹن کنٹرول ایکٹ وغیرہ شامل تھے زیر بحث آئے۔ ۷ر سے ۹ر فروری تک انہی مسائل پر غور ہوتا رہا۔ ۱۰ر فروری کو جمعہ کی چھٹی تھی۔ ۱۱ر فروری کو جب اجلاس شروع ہوا تو صدر مجلس نے سید غلام مرتضیٰ شاہ کو قرارداد عدم اعتماد پیش کرنے کے لئے کہا۔ اب اس قرارداد کا مختصر حال ملاحظہ ہو۔

چودھری فرزند علی:- میری رائے میں یہ قرارداد غیر آئینی ہے اس لئے اس پر بحث سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے آئینی پہلو پر غور کر لیا جائے۔

سید غلام مرتضیٰ شاہ:- کل کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ میں اس قرارداد پر بحث کو ملتوی کرانے کا خواہشمند ہوں۔ اس لئے جناب صدر قانونی نکتہ پر بحث کی اجازت دیدیں۔

مخدوم زادہ حسن محمود:- میں قانون کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میری خواہش ہے کہ اگر ممبران مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو قیادت اور وزارت پر قائم رہوں ورنہ اپنے سے بہتر آدمی کے لئے جگہ خالی کرنے کو تیار ہوں اور اکثریت کے روبرو اپنا سر تسلیم خم کر دوں گا۔

فرزند علی:- میرا عذر یہ ہے کہ یہ قرارداد سرے سے غیر آئینی ہے اس لئے پہلے اس کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔

ولیعہد بہادر:- میری رائے میں پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہیئے کہ قرارداد آئینی بھی ہے یا نہیں۔

مخدوم زادہ:- میں کہتا ہوں کہ قرارداد پر بحث کی اجازت دی جائے اور قانونی اعتراض کی پرواہ نہ کیجائے تاکہ ہاؤس کو اکثریت کا فیصلہ معلوم ہو جائے۔

غلام مرتضےٰ شاہ:- کل کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ مصالحت ممکن ہو گئی ہے اس لئے میں التوا چاہتا ہوں۔

مخدوم زادہ:- میری مصالحت کسی غیر لیگی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ چونکہ قرارداد کا محرک مسلم لیگی نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ کسی سمجھوتہ کے تصور کو بھی میں اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا۔

غلام مرتضیٰ شاہ:- کیا میں مسلم لیگ تنظیمی کمیٹی کا ممبر نہیں ہوں۔ آپ مجھے غیر لیگی کیونکر

سمجھتے ہیں ۔

مخدوم زادہ :۔ تنظیمی کمیٹی میں سبھی ممبران مسلم لیگی نہیں ہیں ۔

صدر مجلس :۔ یہ بحث غیر متعلق ہے ۔ میں ہاؤس سے دریافت کرتا ہوں ۔ کہ کیا وہ التوا چاہتے ہیں ۔

آوازیں :۔ نہیں ۔ نہیں ۔ ہرگز نہیں ۔

غلام مرتضےٰ شاہ :۔ مجھے میرے لیڈر نے ہدایت کی ہے کہ میں التوا کی درخواست کروں

صدر :۔ آپ کا لیڈر رہے کہاں ؟

غلام مرتضیٰ شاہ :۔ (اپنے لیڈر کی خالی نشست دیکھ کر) ابھی تک تو یہیں تھے نہ جانے اب کہاں چلے گئے ۔

(میاں باغ علی سکھیرا سابق ایم ۔ ایل ۔ اے سکنہ منٹگمری آباد نے جو پریس گیلری کے پاس بیٹھے تھے فوراً پنجابی کا یہ شعر پڑھا ۔

جیہڑے کیندے سن مراں گے نال تیرے
چھڈ گئے مدان بھج گئے

ہال تالیوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا ۔)

صدر :۔ جو ممبران تحریک پر بحث ملتوی کرانے کے حق میں ہیں ہاتھ اٹھائیں ۔

(غلام مرتضےٰ شاہ ۔ قاسم گدھوکا ۔ غلام حیدر ڈاہر ۔ اور شیخ بشیر احمد نے ہاتھ کھڑے کئے)

صدر :۔ اب جو تحریک التوا کے خلاف ہیں ہاتھ کھڑے کریں ۔

(مخدوم زادہ حسن محمود ۔ میاں فتح محمد لالیکا ۔ فرید خاں لالیکا ۔ محمد بخش لکھویرا ۔ چودھری محمد خاں ۔ سید محمد چراغ شاہ ۔ مخدوم محسن شاہ ۔ شیخ سلطان ۔ افضل خاں لغاری اور چودھری جمال الدین نے ہاتھ کھڑے کئے ۔)

صدر :۔ تحریک التوا نامنظور ہو گئی ہے اب غلام مرتضےٰ شاہ صاحب اپنی قرارداد واپس لے لیں یا فیصلہ کرا لیں ۔

میر عابد حسین :۔ قرارداد واپس لینے سے پہلے اپنے لیڈر سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے فیصلہ ملتوی کر دینا چاہیئے ۔

کو نامزد کیا جن کو اس کا اہل اور لائق سمجھا۔ اس طرح یہ مجلس مکمل ہوئی۔ اور تقریباً ایک سال سے مرتب ہے
سالِ گذشتہ جب کہ یہ مجلس وجود میں آئی مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی صحت کے باعث ڈاکٹری مشورہ
کے ماتحت انگلستان میں تھا اور بذاتِ خود افتتاح کی مسرت حاصل نہ کر سکا۔

"آج کہ میں آپ صاحبان کو مخاطب کرنے آیا ہوں۔ میرا یہ فرض ہے کہ یاد دلاؤں کہ بحیثیت رکن
مجلس آپ کی ذمہ داریاں کس درجہ اہم ہیں۔ اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے لازمی ہے کہ اپنے
اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات و اسوہ حسنہ کی روشنی میں اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی وصیت کو
گرہ میں باندھ کر ذاتی برتری یا باہمی اختلافات سے بلند و بالا ہو کر ملک و قوم کے مشترکہ مفاد کے حصول
کے لئے اپنے کو وقف کیجئے۔ تب ہی آپ اپنے فرائض منصبی کو صحیح طور پر بجا لا سکیں گے اور اس مجلس
کی رکنیت کے حق دار رہ سکیں گے شوریٰ میں اختلافِ رائے اور پارلیمنٹری سسٹم میں پارٹی بنانا بیشک صحیح بجا
لیکن اس اختلاف کی بنا پر اس کا محرک "تعمیر" ہوتا ہے جس اختلاف کی بنا گروہ بندی یا فرقہ وارانہ تسلط
یا ذاتی برتری ہوگی وہ ہمیشہ مفادِ قومی اور فلاحِ ملک کے منافی ہوگا۔ اسی پر راسخ اور متحد رہ کر آپ ایک
مستحکم جماعت کی طرح خلائق عامہ کی بہبودی کے لئے اپنا تمام غور و فکر و تدبر و تدبیر کو مرکوز کیجئے۔
آپ میں نوعمر بھی ہیں جن کے دلوں میں ولولے ہیں سن رسیدہ بھی ہیں۔ جن کی فہم و ادراک بوجہ تجربہ
کاری سنجیدہ ہے۔ کار آزمودہ سپاہی بھی ہیں جو زمانے کے سرد و گرم دیکھے ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ زندگی
کے ہر طبقہ کے صاحبان شریک ہیں۔ اب اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا اور جس غرض کے
لئے آپ مجلس میں آئے ہیں اس کا کماحقہ حق بجا لانا آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

"حضرات حوصلوں کو بلند کیجئے اور اندرونِ ریاست ہی نہیں بلکہ بیرونِ ریاست بھی سب پر ثابت
کر دیجئے کہ جو اعتبار آپ پر واضح کیا گیا ہے آپ اس کے پورے اہل اور مستحق ہیں۔ جو ذمہ داریاں آپ پر
عائد ہوئی ہیں ان کا آپ کو پورا احساس ہے۔ اور حکمران خاندان عباسی سے کامل وفا شعاری کے ساتھ
آپ پبلک کے دیانت دار خادم اور مفاد ملک و ملت کے پُرخلوص محافظ ہیں۔

"ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ یہ دور ہماری مملکت خداداد پاکستان کے لئے کس قدر نازک گذر رہا
ہے۔ قوم مسلم پاکستان کے کامرانی اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کا واحد طریقہ اتحادِ مستحکم اور عمل پیہم ہے
اٹھیئے اور اپنی مملکت محبوب کو جس کے ہم ایک اہم یونٹ ہیں۔ منزل کامگاری تک پہنچانے میں وہ کار
گزاری دکھایئے جو ہماری قدیم اور تاریخی روایات کے عین مطابق ہو۔

"آپ کا سالانہ بجٹ اس اصول پر مرتب کیا جا رہا ہے کہ حسب حالات اور مطابق گنجائش

"حاضرین! مجلس شوریٰ اور بذریعہ انتخاب حکومت عین اسلامی تعلیم ہے ہادیٔ اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات میں صحابۂ کرام سے مشاورت فرمایا کرتے تھے۔ اور اختلافِ رائے کو جماعت کے لئے موجبِ رحمت ارشاد فرماتے تھے۔ رحلتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جماعت مسلمین کا امیر بذریعہ انتخاب بنایا جانا مسلمانِ عالم کے لئے حکومت انتخابی کا کھلا سبق ہے۔ پھر خلفائے راشدین کا انتظام حکومت میں اہل رائے حضرات سے ہمیشہ مشاورت کرنا اور مشورہ پر عمل پیرا ہونا انتخابی طرز حکومت اور مجلس شوریٰ کے جزوِ حکومت ہونے کی دلیل ہے۔

"اسلام نے اپنی ہمہ گیر تعلیم میں انسانی زندگی کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور اہالیان اسلام نے اس کی تعلیم کے سبق کو عملاً کر کے دکھلایا ہے۔

"تہذیب جدید جو عرف عام میں مغرب کا کارنامہ کہی جاتی ہے۔ تاریخ عالم کے اوراق پکار رہے ہیں۔ کہ جہاں علم و حکمت کے لئے مسلمانوں کی ترقیات کی خوشہ چینی ہے وہاں سیاست و حکومت رانی کے لئے پارلیمنٹری طرز کا پہلا سبق بھی مسلمانوں ہی سے لیا ہے مجلس شوریٰ اور انتخاب قائد ہی پارلیمنٹری طرزِ حکومت کا بنیادی اصول ہے۔

"اسی تعلیم کو مشعل راہ رکھتے ہوئے میں نے تقریباً دس سال ہوئے کہ اپنے پرائم منسٹر صاحبان کو بتاکید ایما کیا تھا کہ بتدریج اسی نصب العین کی جانب اقدام کیا جائے چنانچہ سر رچرڈ کرافٹن ہمارے سابق لائق پرائم منسٹر نے اس کے ابتدائی مراحل میں کافی عمل پیرائی کی تھی اور بعدازاں جب کہ اپنے دربار سلور جوبلی میں میں نے نمائندہ حکومت کا اعلان کیا تو انتخاب وغیرہ کے مراحل خصوصاً ایک ایسی ریاست میں جہاں یہ طرز عمل بالکل نیا تھا میرے موجودہ وزیر اعظم کرنل ڈرنگ نے نہایت خوش اسلوبی تندہی مستعدی اور چابکدستی سے اپنے ماتحت افسران کی حسن کارکردگی کے ساتھ کم از کم وقت میں تکمیل کو پہنچادیئے۔

"ساتھ ہی میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ باوجودیکہ میری ریاست کے اہالیان کے لئے قطعی نیا سبق تھا لیکن پبلک کے ہر طبقہ سے حسن تعاون شوق عمل و بردباری سے اس میں اشتراک کیا۔ اگر معمولی دقتیں پیش بھی آئیں تو ہم نے اپنے کسی ہمسائے صوبہ سے کم خوش اسلوبی سے اُن پر قابو نہیں پالیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ انتخاب اور چناؤ میں ایسے صاحبان مجلس میں آگئے جن کے خاندانی روایات اور وجاہت مسلمہ ہے۔ میں نے حکومت کی جانب سے بسیط نظر ڈال کر ایسے اصحاب

صدر :- اس معاملہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے بحث ملتوی نہیں کی جا سکتی۔

غلام مرتضیٰ شاہ :- میں تحریک عدم اعتماد واپس لینے کی درخواست کرتا ہوں۔

فرزند علی :- قانون کے مطابق یہ اختیار ایوان کو ہے کہ وہ تحریک کو واپس کرنے کی اجازت دے یا اس کا فیصلہ کرے۔

صدر :- یہ درست ہے۔

مخدوم زادہ :- میری پارٹی کو اعتراض نہ ہوگا اگر ہاؤس غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کو تحریک عدم اعتماد واپس لینے کی اجازت دیدے۔

صدر :- کیا ہاؤس متفق ہے۔

آوازیں :- سب کو اتفاق ہے۔

غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کو تحریک عدم اعتماد واپس لینے کی اجازت دیدی گئی۔

اس طرح وہ قرارداد جس پر مخالفین کو نوے فیصد اراکین مجلس کی حمایت کا دعویٰ تھا، ۷ فروری ۱۹۵۰ء کو بہاولپور کی مجلس میں پیش ہوئی اور ۱۱ فروری کو باعزت طور پر سپرد خاک کر دی گئی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے تحریک عدم اعتماد کے داعی معدودے چند افراد تھے جن کے مطامع اور نظریئے سراسر غیر ملکی تھے۔ اور مخدوم روشن چراغ اپنی سادگی کی بنا پر کانگرس نواز حضرات کے آلۂ کار بن گئے تھے جن کی وجہ سے ان کے وقار کو ناحق ٹھیس لگی۔

بہاولپور مجلس کا اجلاسِ میزانیہ اور اعلیٰحضرت کی تقریر

۱۱ اپریل ۱۹۵۰ء بہاولپور مجلس کے اجلاس میزانیہ کے لئے مقرر تھی۔ یہ اجلاس اس وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کہ اس میں اعلیٰحضرت امیر بہاولپور صادق محمد خاں خامس مرحوم کو شرکت کرنا تھی۔ اور ممبران سے خطاب کرنا تھا۔ اعلیٰحضرت کی یہ تقریر بڑی فکر انگیز تھی اس میں ریاست کی ہمہ جہتی ترقیاتی سرگرمیوں کا جائزہ بھی لیا گیا تھا۔ اس تاریخی تقریر کا پورا متن یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

"عالیمرتبت وزیر اعظم۔ عالیمرتبت صدر مجلس۔ وزراء صاحبان۔ ممبران مجلس و دیگر معزز حضرات! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نئے نظام حکومت کا اعلان میں نے اپنی سلور جوبلی پر کیا تھا اس کے تحت تشکیل شدہ اس پہلی مجلس کے افتتاح کی مسرت مجھے حاصل ہو رہی ہے۔

محکمہ جات رفاہ عامہ یعنی صحت، تعلیم صنعت وحرفت وزراعت وغیرہ کی ترقی پر زیادہ سے زیادہ صرف کیا جائے، تلیج ویلی پراجیکٹ کا گراں بار قرضہ بڑی حد تک اور بڑی مدت تک ہماری ایسی اسکیموں میں سدراہ رہا ہے اب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم اس سے فارغ ہو چکے ہیں ہماری حکومت کی بیش از بیش توجہ اس طرف ہے کہ رفاہِ عامہ پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے اس جگہ میں یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہماری زمینوں کے فروخت نہ ہونے ہماری پیداوار کی آمد کے رک جانے اور شرح مبادلہ پر عائد شدہ پابندی سے ہماری متوقع آمدنی میں کافی کمی واقع ہو رہی ہے لیکن یہ ایسی مجبوریاں ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں اور حکومت مرکزی بھی جس سے ہم متواتر خط وکتابت کر رہے ہیں بڑی حد تک ان حالات کے لئے مجبور رہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری دولت متحشمہ پاکستان کے لائق وفائق آنریبل وزیر اعظم اور آنریبل فناس منسٹر اور دیگر متعلقہ ارباب حکومت کی دانش مندانہ جدوجہد اس عقدہ کا حل تلاش کرے گی اور اس وقت مزید بہتر حالات کر پیدا کر کے دکھا سکیں گے۔ فی الحال عباسیہ کالونی اسکیم کے اجرائے سے ہم نہ صرف اس قابل ہو سکے کہ باشندگان ریاست کی بہبود کا مزید سامان مہیا کریں بلکہ اپنے لاکھوں مصیبت زدہ مہاجر بھائیوں کے لئے ایک ایسا مسکن بنا سکے ہیں جہاں وہ اطمینان سے آباد ہو کر گذر اوقات کر سکیں یہ اسکیم بفضل تعالیٰ امید افزا ہے اور انشا اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر توقعات کی حامل ہے۔ اس نفع بخش اسکیم کے لئے محکمہ جات متعلقہ لائق مبارک باد ہیں ہزایکسلنسی الحاج خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان نے جن قدر افزا الفاظ میں اپنے حال کے دورہ ریاست میں ہماری خدمات در بارہ آبادی مہاجرین پر تبصرہ فرمایا تھا۔ ہمارے لئے موجب فخر ہے مجھے امید ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب پاکستان کے اس یونٹ میں جملہ ساکنان اس امتیاز کو بھول جائیں گے۔ کہ کون مہاجر ہے کون آباد کار اور کون باشندہ قدیم بلکہ سب اپنے آپ کو باشندہ بہاولپور سمجھ کر اس ریاست کی اور دولت مشترکہ پاکستان کی بہتری اور برتری کے لئے سرگرم عمل رہیں گے اس ضمن میں میں یہ فراموش نہیں کر سکتا کہ بین الاقوامی قوانین کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تمام نعمتیں مثلاً بہتا ہوا پانی متعلقہ ملکوں میں مشترک مانی جاتی ہیں بین الملکی تنازعہ اس بارے میں نقصان دِہ ہے۔ مجھے اعتماد ہے کہ ہمارے دانش مند معاملہ فہم آنریبل پرائم منسٹر پاکستان اور ان کے زیرک رفقا کار کی مساعی جلد ہی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اطمینان بخش حل تلاش کریں گی۔ پھر بھی حفاظتی دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے زرعی علاقوں میں دوسرے ذرائع آبپاشی کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیں تاکہ اگر کوئی عارضی رکاوٹ بالغرض پیش بھی آجائے تو اس

وقت ہمارا انحصار محض ایک ہی ذریعہ پر نہ ہو بلکہ اضافی چاہات اور دیگر ذریعہ آبپاشی سے کام لے سکیں۔

"ہر ایک ذی فہم یہ سمجھ سکتا ہے کہ ملک کی ترقی و فلاح امن و صلح پر ہے۔ ہماری حکومت کی یہی کوششیں ہیں کہ اپنے ہمسایوں سے یگانگت کا برتاؤ رکھیں لیکن اپنے گھر کی حفاظت ہر فرد کا فرض ہے چنانچہ ڈیفنس پر حکومت مستقرہ پاکستان کے زیر نگرانی خاطر خواہ خرچ کیا جا رہا ہے۔

"افواج ریاست ہذا جو اب نمبر ۶ بہاولپور ڈویژن کے نام سے موسوم ہے اور ایک مکمل آراستہ فارمیشن ہے۔ میجر جنرل گریوز جیسے جنگ آزمودہ جرنل کے زیر کمان ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ جرنل گریوز کی کمان میں ہماری فورسز اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے بجا لانے کے لائق ہیں اور موصوف کا حسن انتظام میری نظر میں لائق تحسین ہے اس بارے میں ہم پاکستان کے شکر گذار ہیں کہ ایسے قابل افسر کی خدمت ہم کو دے رکھی ہے۔

"آپ حضرات سے جن کو ملک کی نمائندگی کی عزت حاصل ہے میں پر زور اپیل کروں گا کہ آپ باشندگان ریاست میں یہ شوق اور ولولہ پیدا کریں کہ ان کے نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں بہاولپور فورسز میں بھرتی ہوں۔ تاکہ صحیح معنوں میں بہاولپور ڈویژن اس ریاست کے باشندگان کی اپنی ڈویژن بنے اور اپنے وطن کی آپ خود حفاظت کی ذمہ داری لیں بلکہ اپنی مملکت عزیز پاکستان کی حفاظت میں حصہ ہماری تاریخی روایات کے مطابق ہو۔ جہاں ہم کسی دوسرے کے حقوق پر دستبرد کے خواہاں نہیں وہاں ہماری کوشش یہ بھی ہے کہ ہمارے حقوق بھی کسی طرح دوسرے کی دستبرد میں نہ آئیں اسی حفاظتی تدابیر کے لئے نیشنل گارڈ اور سیکورٹی پولیس قائم کی گئی ہے میں نے اپنے دورہ میں بغور ان شعبوں کا معائنہ کیا ہے۔ ضروری ہے کہ میں اس پر زور دوں کہ ان کو مزید منضبط اور منظم کیا جائے۔ پبلک کو زیادہ سے زیادہ اس میں شرکت کا شوق دلایا جائے۔ سرحد کے باشندگان کو زیادہ مضبوط اور مستعد بنایا جائے جو صاحبان ان شعبہ جات کی ترقی میں جد و جہد کر رہے ہیں لائق تحسین ہیں۔ الحمدللہ باشندگان سرحد ریاست ہذا ہراساں بھی نہیں ہیں اور ان کو ہراساں ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے جس کی بجا آوری کے لئے وہ ہر طرح تیار ہے۔ شب و روز ہم اس میں لگے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی باشندگان سرحد کا بھی اپنی حفاظت میں ہاتھ بٹانا فرض ہے اور یہ اس طرح پورا ہو گا کہ وہ خود تدابیر حفاظتی میں ہمت شوق اور دلچسپی سے کام لیں اور اپنی روایات خودداری کو برقرار رکھیں۔ حکومت اپنے فرض میں ان کے بارہ میں

کبھی غافل نہیں ہو سکتی۔

"ہر وہ خدمت جو ہماری حکومت سے مہاجر بھائیوں کے آباد کرنے میں ممکن تھی وہ کی گئی ہے اور آئندہ بھی کی جاتی رہے گی۔ لیکن میں مہاجر صاحبان کو بھی یہ ہدایت کروں گا کہ وہ حکومت کی مشکلات کی قدر کریں۔ یہاں کے باشندگان سے یگانگت اور یکجہتی برتیں اور یہاں آباد ہو کر محنت و جفاکشی سے جدوجہد کریں پھر اپنے لئے آسودگی اور ہمارے لئے وجہ طمانیت پیدا کریں۔

"مجھے یقین ہے کہ ہماری ریاست کے ہر چھوٹے بڑے بچے جوان بوڑھے کا قلبی جذبہ یہ ہے کہ دولت خداداد پاکستان کا یہ یونٹ یعنی بہاولپور قدیم تاریخی روایات کے مطابق مملکت محبوب کے استحکام و ترقی میں شاندار اور یادگار حصہ لے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی اور زیادہ سے زیادہ جدوجہد اپنا فرض عین سمجھے۔"

مسلم لیگ میں مخالفین کی شمولیت

تحریک عدم اعتماد کی ناکامی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ سب طوفان چائے کی پیالی میں تھا اور اس کے محرکات سطحی و شخصی تھے۔ مخدوم زادہ حسن محمود مخالفین کی اس ناکامی کے بعد اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ اب ان کی پوری توجہ مسلم لیگ کی تنظیم کی طرف ہوئی۔ وہ جلد از جلد اسے پوری ریاست میں پھیلانا چاہتے تھے۔ تاکہ عوام کے سیاسی حقوق کی جدوجہد کے لئے انہیں ایک منظم سیاسی پلیٹ فارم میسر آجائے۔ خان افتخار حسین ممدوٹ بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے کنوینر مقرر کئے گئے تھے لیکن وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس غرض کے لئے خاطر خواہ وقت نہیں دے سکے لہذا پاکستان مسلم لیگ کو ان کی بجائے مخدوم زادہ کو کنوینر مقرر کرنا پڑا۔ مخدوم زادہ کنوینر بننے کے بعد زمین کا گز بن گئے۔ وہ مہینوں کا کام دنوں میں نمٹا دینا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی راہ میں اب بھی دہی کانگرسی عنصر مزاحم تھا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ جس طرح ممکن ہو وہ زیادہ سے زیادہ آدمی اپنے مسلم لیگ میں داخل کر دیں اگرچہ مخدوم زادہ اس معاملہ میں کافی محتاط تھے لیکن پھر بھی وہ کلیتہً ان سے اپنا اور مسلم لیگ کا دامن نہیں بچا سکے۔ مخدوم زادہ جتنا ان سے کھنچتے تھے اتنا ہی یہ ان کے پیچھے پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں اپنے ڈھب کے مسلم لیگی کونسلر اور عہدیدار بنانے کا موقع مل گیا۔ یہ صورت حالات پرانے مسلم لیگیوں کے لئے خاصی سوہان روح تھی اور انہوں نے مرکزی تنظیمی کمیٹی میں باقاعدہ یہ تحریک کی کہ انہیں مسلم لیگ کی کوئی ذمہ داری یا عہدہ نہ دیا جائے جیسا کہ صفحات گذشتہ میں

ہو چکا ہے کہ کنو ینیر نے کہا تھا کہ جن لوگوں کے خلاف تحریک کی گئی ہے ۔ ان کے متعلق ثبوت طلب کر کے انہیں صفائی کا موقع دیا جائے ۔ اس سلسلہ میں مرکزی تنظیمی کمیٹی نے ایک سب کمیٹی مقرر کی جس کو مذکورہ بالا الزامات کی مزید تحقیقات کا کام سپرد کیا گیا ۔ اس کمیٹی نے تحقیقات کے لئے ۲۸ر فروری ۱۹۵۰ء مقرر کی تھی ۔ اور ان صاحبان کو موقع دیا تھا کہ وہ مقررہ تاریخ پر اپنی برأت کا ثبوت پیش کریں ۔ لیکن انہوں نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کے بجائے بذریعہ تحریر یہ اطلاع دی کہ

"ہمارا کسی دوسری سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے اور ہم صرف مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے وقف ہیں ۔"

تحقیقاتی کمیٹی نے الزامات کا جائزہ لینے اور مذکورہ تحریر پر غور کرنے کے بعد یہ سفارش کی کہ

"ان لوگوں کو مسلم لیگ کا صرف ابتدائی رکن بنایا جا سکتا ہے ۔"

مرکزی تنظیمی کمیٹی نے تحقیقاتی کمیٹی کی اس سفارش کو منظور کر لیا اور اپنی تمام ذیلی کمیٹیوں کو اس فیصلہ سے مطلع کر دیا ۔ مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کے جس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا تھا ۔ اس میں پنجاب کے مشہور مسلم لیگی لیڈر صوفی عبدالحمید بھی شریک تھے ۔ اور انہوں نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں تنظیمی کمیٹی کی کارکردگی پر اظہار اطمینان کیا تھا ۔

یہ فیصلہ کانگریس نواز حضرات کو بڑا شاق گذرا ۔ انہیں اپنا سیاسی مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر مسلم لیگ میں ان کی معقول پذیرائی نہ ہوئی تو انہیں ہمیشہ کے لئے گوشہ نشین ہونا پڑے گا ۔ چنانچہ انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ جس طرح ممکن ہو اپنے مخالفوں سے دوستی کی راہ ہموار کی جائے ۔ اس سلسلہ میں پرانے مسلم لیگی سب سے زیادہ رکاوٹ تھے وہ ان کے احوال سے بھی واقف تھے اور ان کو اپنا حریف بھی سمجھتے تھے ان صاحبان نے جن کی ذہانت چالاکی اور پھرتی کے آگے یہ مسلم لیگی گھڑے بھی نہیں گئے تھے ۔ مسلم لیگ میں گھسنے کے لئے دوسری راہ اختیار کی اور کچھ بااثر زمینداروں اور کچھ قابلِ اعتماد افسروں کو بیچ میں ڈال کر حسن محمود کو رام کرنے کی کوشش کی حسن محمود کچھ تو مسلم لیگ میں پرانے مسلم لیگیوں کی حد سے زیادہ مداخلت سے پریشان تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ مسلم لیگ میں اتنے چھا جائیں کہ انہیں ان کا دست نگر ہو کر رہنا پڑے ادھر کانگریس نواز لوگوں کی فتنہ پردازی اور شورانگیزی بھی ان کے پیش نظر تھی ۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں

کی مستقل مخالفت کی وجہ سے سکون و عافیت کے ساتھ اپنے سیاسی عزائم کو پورا کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ لہذا انہوں نے اپنے پرانے مسلم لیگی رفیقوں کو اپنے اعتماد میں لے کر غیر ان کی جانب سے دوستی کی پیشکش کو قبول کر لیا۔

سیاست آپ کی اور تجارت ہماری

اس سلسلہ میں ۲۷ اپریل ۱۹۵۰ء کو مخدوم زادہ کے قیام گاہ عباس منزل، میں یہ لوگ جمع ہوئے انتہائی دوستی کی فضا میں ان کے اور مخدوم زادہ کے درمیان ضروری گفت و شنید ہوئی ان کی جانب سے مخدوم زادہ کی قیادت کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔ انہیں صرف اس بات کی ضمانت درکار تھی کہ مسلم لیگی حکومت میں انہیں تجارت کی مراعات سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک لیڈر نے تو یہاں تک مخدوم زادہ سے کہدیا کہ "سیاست آپ کی اور تجارت ہماری" گویا مخدوم زادہ سیاسی میدان میں جو کچھ بھی کریں گے۔ یہ ان کی حمایت کریں گے اور تجارت سے یہ جو بھی مفاد اٹھائیں گے۔ مخدوم زادہ اس میں بالکل مزاحم نہیں ہوں گے۔ فریقین نے جب ہر طرح سے ایک دوسرے کا اطمینان کر دیا تو ایک تحریر مرتب ہوئی جس میں مخدوم زادہ کی قیادت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کرنے اور اپنے اختلاف کو ختم کر کے مسلم لیگ میں اپنے پورے خلوص کے ساتھ کام کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ اس عہد نامہ پر جن لوگوں نے دستخط کئے انمیں چوہدری رحمت اللہ، مسٹر علی احمد رفعت اور علامہ ارشد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مسلم لیگ کے انتخابات

۶ جون ۱۹۵۰ء مسلم لیگ کے انتخابات کے لئے مقرر ہوئی تھی مرکزی مسلم لیگ کونسل کے ارکان لائبریری ہال میں جمع تھے۔ کانگریس نواز عنصر بھی جو متذکرہ بالا معاہدے کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہو چکا تھا۔ اجلاس میں موجود تھا۔ سب سے پہلے مخدوم زادہ حسن محمود نے بحیثیت کنوینر تقریر کی۔ لیگ کا کاروبار ارکان لیگ کے سپرد کرنیکا اعلان کیا۔ اس کے بعد انتخابات شروع ہوئے۔ صدارت کے لئے چودھری رحمت اللہ صاحب نے حسن محمود صاحب کے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کا نام تجویز کیا۔ جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔ دیگر عہدوں کے لئے حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

۱۔ سینئر وائس پریذیڈنٹ ———— میاں فرید خاں لالیکا

۲۔ جونیئر نائب صدر (۱) ———— حاجی شیر محمد

۳۔ جونیئر نائب صدر (۲) ———— چودھری فرزند علی ایڈوکیٹ

۴. جنرل سیکرٹری ——————— شیخ عبدالرحمن ایڈوکیٹ
۵. جائنٹ سیکرٹری ——————— چودھری محمد شفیع۔ حاجی عبدالغفور رحمانی
اور شیخ عبدالحمید صحرائی
۶. خزانچی ——————— سید احمد نواز شاہ گردیزی

سالک و مجذوب کا فرق

انتخابات کے بعد چند کونسلروں نے تقریریں کیں اور مسلم لیگ میں اتحاد و اتفاق کی فضا کو سراہا۔ علامہ ارشد نے اس موقع پر کہا تھا کہ "حزب موافق و مخالف میں فرق محض سالک و مجذوب کا ہے۔" گویا اگر مخدوم زادہ کی پارٹی سالک کی حیثیت رکھتی تھی تو ان کی اپنی پارٹی کو مجذوب کا مقام حاصل تھا۔ بہر حال ان کے خیال کے مطابق مجذوب کی "ہا و ہو" سے جو جذب عشق پیدا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے منزل رسی آسان ہو گئی۔ اور "طالبانِ حقیقت" سالک کے ارشاد و ہدایت کی روشنی میں منزلِ طریقت تک پہنچ گئے۔

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں ۴ قراردادیں بھی منظور ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے سلسلہ میں میاں فتح محمد لالیکا نے پیش کی تھی۔ دوسری قرارداد شیخ عبدالرحمن کی طرف سے پیش ہوئی تھی۔ جس میں صرف ایک نشست بہاولپور کے لئے رکھی گئی تھی۔ تیسری قرارداد شریعت بل کے متعلق سید غلام مرتضےٰ شاہ نے پیش کی تھی۔ جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ وہ بہاولپور مجلس کے منظور شدہ شریعت بل کو ریاست میں نافذ کرے۔ چوتھی قرارداد راقم الحروف (مسعود حسن شہاب) نے پیش کی تھی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ مہاجرین کی آبادکاری کے لئے مرکزی لیگ کونسل کی ایک مشاورتی کمیٹی بنائی جائے۔

مسلم لیگ کے پہلے اجلاس کی کاروائی سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ جماعت محض خانہ پری کے لئے نہیں بنائی گئی تھی۔ اور اس کی حیثیت کاغذی ناؤ کی نہ تھی بلکہ یہ صحیح معنی میں عوام کی نمائندگی کا حق ادا کرنا چاہتی تھی۔ اب ایک باقاعدہ اور نمائندہ سیاسی جماعت کی تشکیل کے بعد یہ ممکن ہو گیا تھا کہ حکومت خود اختیاری کے لئے منظم آئینی جدوجہد کی جائے۔ حزب موافق و مخالف کی یکجائی نے بھی حالات خاصے سازگار کر دیئے تھے۔ لیکن بعد کے واقعات بتائیں گے کہ خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں کی یہ فضا کتنی بے ثبات تھی اور جن لوگوں پر بھروسہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے کتنی جلدی اپنی آنکھیں بدل لیں۔

مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صدر مسلم لیگ نے ۱۱ر جولائی ۱۹۵۰ء کو مندرجہ

ذیل مجلس عاملہ کا اعلان کیا تھا۔

۱۔ مخدوم زادہ حسن محمود	لیڈر لیگ اسمبلی پارٹی
۲۔ میاں فتح محمد لالیکا	وزیر زراعت
۳۔ سردار محمد افضل خاں لغاری	ممبر مجلس
۴۔ میاں محمد بخش لکھویرا	ممبر مجلس
۵۔ مخدوم محمد محسن شاہ	ممبر مجلس
۶۔ مخدوم شمس الدین گیلانی	ممبر مجلس
۷۔ چوہدری امام الدین	صدر بلدیہ بہاولنگر
۸۔ چوہدری بشیر احمد چیمہ	صدر ضلع لیگ۔ یزمان
۹۔ چودھری عبدالحمید	جنرل سیکرٹری ضلع لیگ رحیم یار خاں
۱۰۔ راؤ حفیظ الرحمٰن	ہارون آباد
۱۱۔ ملک محمد مسلم	رحیم یار خاں
۱۲۔ چودھری جمال الدین	ممبر مجلس
۱۳۔ سید شہاب دہلوی	سینئر نائب صدر بلدیہ بہاولپور
۱۴۔ چودھری عبدالغنی	فورٹ عباس
۱۵۔ حافظ احمد یار	بہاولپور
۱۶۔ مولوی محمد اصغر نوّہ۔	

مخالفین کی توقع کے خلاف اس مجلس عاملہ میں ان کا کوئی فرد شامل نہیں تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مذکرہ بالا عہد نامہ کے مطابق یہ لوگ اس محرومی کا کوئی شکوہ نہ کرتے اور کچھ صبر سے کام لیتے۔ لیکن کچھ جلد بازوں نے اس پر بھی طوفان کھڑا کر دیا خاص طور پر سید غلام مرتضےٰ شاہ کو یہ اعتراض تھا کہ صدر مسلم لیگ اپنی مجلس عاملہ خود نامزد نہیں کر سکتے۔ اگرچہ یہ قانونی موشگافی مسلم لیگ کے آئین و ضوابط کی رو سے درست نہیں تھی۔ تاہم اس واویلا کا یہ فائدہ ہوا کہ علامہ ارشد بھی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن بنا دیئے گئے۔

ایک نووارد سیاستداں نے بڑے بڑے مشتاق سیاستدانوں کو مات دیدی

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ جو کام پرانے اور مشتاق سیاسی کارکن برس ہا برس میں نہیں کر سکے تھے۔ وہ مخدوم زادہ حسن محمود جیسے نووارد و ناپختہ کار

سیاستدان نے چند مہینوں میں کیسے کر لیا۔ لیکن اگر حالات کا بنظر عمیق جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مخدوم زادہ کی کامیابی میں جہاں سازگار ماحول کا دخل تھا۔ وہاں صحیح سمت کی جانب ان کی مساعی نے بھی ان کی مدد کی اور اس طرح منزل مقصود ان کے لئے آسان ہوتی گئی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلم لیگ کنونشن کے انعقاد سے پہلے بہاولپور میں متعدد سیاسی و نیم سیاسی جماعتیں موجود تھیں لیکن صحیح معنی میں عوامی نمائندگی کا حق کسی کو بھی حاصل نہ تھا کیونکہ ان جماعتوں کا اثر و رسوخ اور ان کی تحریکات کا سارا زور شہروں یا بڑے قصبات تک ہی محدود تھا۔ اور ان کے حلقہ میں سیاسی شعور رکھنے والے بہت ہی کم افراد تھے۔

ان جماعتوں میں دو جماعتیں مقتدر تھیں۔ اولاً بہاولپور مسلم لیگ جس کے خیالات کے ساتھ اکثر پڑھے لکھے لوگوں کو اتفاق تھا۔ ثانیاً بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ کانگریسی خیال کے لوگوں نے مصلحت وقت کے تقاضوں سے یہ نئی رنگ روپ اختیار کر لیا ہے تنظیم کے لحاظ سے یہ دونوں جماعتیں درماندہ کار تھیں۔ اول الذکر جماعت سے گو شہری آبادی کا پڑھا لکھا طبقہ

ہمخیال تھا۔ مگر دیہات میں اس کا چنداں اثر و رسوخ نہ تھا۔ موخر الذکر جماعت کے ساتھ زیادہ تر وہ افراد تھے جو متحدہ قومیت کے علمبردار تھے اور شخصی حکومت کو ناپسند کرتے تھے اگرچہ حالات مابعد سے ان کی حریت نوازی نمایاں نہیں ہوتی اور ان کی تمام سیاست ہی قصر دیوان کے گرد چکر لگاتی نظر آتی ہے تاہم ان کا داعیہ عوامی و جمہوری حقوق کا حصول تھا۔ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ بھی پہلے پہل ان کی طرف سے ہی کیا گیا تھا۔ اگرچہ اصولاً بہاولپور مسلم لیگ نے بھی اس آواز کے ساتھ آواز ملانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ یہ مصلحت اور تدبیر سے کام لے کر تدریجی طور پر حکومت خود اختیاری لینے کے لئے تیار تھے اور وہ تخت یا تختہ کا مضمون پیش نظر رکھتے ہوئے بیک جنبش قلم حکومت کے مکمل اختیارات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اس اہم سیاسی پروگرام کے باوجود نہ بہاولپور مسلم لیگ صحیح طور پر اپنی تنظیم کر سکی اور نہ بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ ہی پوری ریاست میں پھیل سکی دیہی آبادی بالخصوص زمیندار طبقہ کی حمایت سے دونوں جماعتیں ہی محروم تھیں۔ بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کی راہ میں یہ سد سکندری بھی حائل تھی کہ اس میں جو فعال و ذی اثر افراد شامل تھے وہ اپنے غیر ملکی امیال و عواطف کی وجہ سے خاصے بدنام تھے۔ بہرکیف عوامی نمائندگی کی قبا دونوں جماعتوں کے جسم پر چست نہ ہو سکی اور ان کی تحریک قیل و قال سے آگے نہ بڑھ سکی۔

دراصل ان جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت نے بھی اس حقیقت کو محسوس نہیں کیا تھا۔ کہ ہمارا

ملک بشیتر زرعی ہے اور اس میں اقتدار ہمیشہ زمیندار طبقہ کے ہاتھ میں رہا ہے دیہاتی آبادی زیادہ سیاسی شعور اور روشن خیالی نہیں رکھتی۔ اس کی وفاداری شخصیتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ سیاسی مسلک کے ساتھ نہیں چنانچہ جب تک بہاولپور کی آبادی کا یہ طبقہ سیاسیات سے الگ تھلگ رہا نہ کوئی عوامی تنظیم حقیقی معنی میں یہاں معرض وجود میں آسکی اور نہ عوامی حکومت کے مطالبہ میں کوئی زور اور وزن پیدا ہو سکا۔

مسلم لیگ کنونشن کے بعد یہ صورت حالات بدلی۔ مخدوم زادہ حسن محمود اس کنونشن میں تن تنہا شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ زمینداروں کی بھاری تعداد ان کے ساتھ تھی جن کی مدد سے انہوں نے گاؤں گاؤں قریہ قریہ مسلم لیگ کا جال بچھا دیا۔ چنانچہ جب مسلم لیگ کی تنظیم مکمل ہوئی تو اس کے ممبران کی تعداد ۵ لاکھ تھی اور دو ہزار پرائمری لیگوں اور تقریباً ۲۳ بلدیاتی اور ضلعی سطح کی لیگوں کا قیام عمل میں آچکا تھا اس کے علاوہ متعدد جماعتیں جو ریاستی آبادی کے مختلف حصوں کی نمائندگی کرتی تھیں جیسے انجمن آبادکاران اور انجمن مہاجرین وہ سب مسلم لیگ میں جذب و مدغم ہوگئیں اور لیگ کے انتخاب کے بعد ان سب جماعتوں نے اپنی انفرادی اور جداگانہ حیثیت کو ختم کر دیا لیگ کنونشن کے بعد محض بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ ایسی جماعت رہ گئی تھی جس نے اپنے وجود کو ختم نہیں کیا تھا۔ لیکن لیگ کے جدید انتخابات کے وقت وہ بھی مسلم لیگ میں آملی اور اس طرح بہاولپور میں مسلم لیگ کی ایک زبردست تنظیم قائم ہوگئی جس کے صدر مخدوم زادہ حسن محمود کے والد محترم مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور کرتا دھرتا خود مخدوم زادہ حسن محمود تھے۔ بالفاظ دیگر جو کام بہاولپور کے سیاسی کارکن مدتِ مدید سے انجام نہیں دے سکے تھے وہ مخدوم زادہ حسن محمود ان کارکنوں کے پرخلوص تعاون کی وجہ سے مہینوں میں تکمیل پذیر ہوگیا۔ اور مخدوم زادہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے طاقتور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے ریاست بہاولپور پر چھا گئے جن کا کوئی مدمقابل اور حریف نہ تھا اور وہ اناولاغیری کا نعرہ بجا طور پر لگا سکتے تھے۔ انہیں بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے دوران پاکستانی لیڈروں کے ساتھ بھی ربط ضبط کا موقع ملا اور وہ آہستہ آہستہ مرکزی حکومت کے بھی قریب ہوگئے۔ مرکزی حکومت پہلے ہی بہاولپور میں مسلم لیگ کا اثر و نفوذ قائم کرنا چاہتی تھی اس لئے اس نے مخدوم زادہ کی نہ صرف اخلاقی مدد کی بلکہ بہاولپور مسلم لیگ کے ذمہ دارانہ نظام حکومت کے مطالبہ کو پورا کرانے میں بھی عملی تعاون کیا

کامل اختیارات کے حصول کا سفر

ہز ہائی نس امیر بہاولپور جزوی طور پر ذمہ دارانہ نظام کا نفاذ کر چکے تھے لیکن ابھی کامل عوامی اختیارات کا مسئلہ حل طلب تھا اس کے لئے مسلم لیگ کا موثر پلیٹ فارم تو تیار ہو چکا تھا لیکن وہ مخالف عنصر جو بظاہر

مسلم لیگ میں شامل ہو چکا تھا۔ اندرونی طور پر ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی ان مواقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ کسی طرح مسلم لیگ کی قیادت متزلزل ہو جائے اس سلسلہ میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بہاولپور کا انگریز وزیر اعظم کرنل ڈرنگ تھا۔ جو مرکزی حکومت کی مخصوص ہدایات کی روشنی میں یہاں کام کر رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ جس طرح جزوی ذمہ دارانہ نظام حکومت نے بخیر و خوبی اپنی منازل طے کرلی ہیں اس طرح مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کا مرحلہ بھی خوبصورتی کے ساتھ طے ہو جائے۔

مرکزی حکومت تو چاہتی ہی تھی کہ بہاولپور میں جلد از جلد جمہوری حکومت قائم ہو اور اپنے فرمان کے مطابق ہز ہائی نس امیر بہاولپور بھی اختیارات حکومت عوام کو منتقل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن اس نظام میں ان کی اپنی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے جو امور فیصلہ طلب تھے ان کی وجہ سے اس سلسلہ میں تاخیر ہو رہی تھی۔ قدرتی طور پر انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ مکمل عوامی حکومت کی صورت میں ان کی فرمانروائی کی آئینی حیثیت کیا ہوگی۔ اگرچہ بہاولپور مسلم لیگ واضح طور پر اس امر کی وضاحت کر چکی تھی کہ جمہوری حکومت میں بھی امیر بہاولپور کے وقار و احترام اور فعال افادی حیثیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی سوائے اس کے کہ حکومت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اور رنگ شاہی پر سے ہلکا ہو جائے گا۔ ان کی شاہی شخصیت اور وقار کو ٹھیس نہیں لگے گی۔ اور وہ آئین کے سرپرست عوامی حقوق کے محافظ اور پارٹیوں کی باہمی آویزش میں ثالث بالخیر کا کردار انجام دیں گے۔ تاہم وہ مرکزی حکومت سے بھی اس سلسلہ میں اپنا اطمینان کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے مکمل جمہوری حکومت کا مسودہ آئین مشورہ و ہدایت کے لئے بہاولپور سے کراچی اور کراچی سے بہاولپور کا سفر کرتا رہا۔

اسی اثنا میں مسلم لیگی قیادت کے حریفوں نے ایک طرف ہز ہائی نس کو مخدوم زادہ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور انہیں یہ تاثر دیا کہ وہ اقتدار میں آنے کے بعد سب سے پہلے انہیں کو اپنا ہدف بنائیں گے ادھر کرنل ڈرنگ کے خلاف اس امید پر پروپیگنڈے کا دوبارہ آغاز کیا کہ اگر جمہوری حکومت کے قیام سے قبل انہیں یہاں سے نکالنے میں کامیابی ہوگئی تو مخدوم زادہ کو بھی بہاولپور کے سیاسی منظر پر سے ہٹانا آسان ہو جائے گا۔

ان آویزشوں نے بہاولپور کی سیاسی فضا کو ایک بار پھر مکدر کر دیا۔ جس مسلم لیگ کونسل میں ابھی کچھ عرصہ قبل بہاولپور کی عبوری حکومت میں کرنل ڈرنگ کی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ اسی لیگ کونسل میں ایک قرارداد کرنل ڈرنگ کے خلاف پیش کر دی گئی۔ یہ قرارداد مسٹر علی احمد رفعت

نے پیش کی تھی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ سال رواں کے اختتام تک کرنل ڈرنگ کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے فارغ کرکے انکی جگہ کسی مسلمان کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کیا جائے۔

اس قرارداد نے مسلم لیگ کو دوبارہ دو دھڑوں میں تقسیم کردیا۔ اور قرارداد کے حامی حکومت کے جتنے قریب ہوئے تھے اتنے ہی پھر دور ہو گئے۔

ریاست کے انگریز وزیر اعظم کی علیحدگی کا مطالبہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلم لیگ کی قیادت کے مخالفین بہاولپور کے وزیر اعظم کرنل ڈرنگ کو اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر سمجھتے تھے اس لئے ان کی یہ کوشش تھی کہ جس طرح ممکن ہو انہیں یہاں سے نکلوا دیا جائے اس کے برعکس مسلم لیگی قیادت کا موقف یہ تھا۔ کہ ریاست کے وزیر اعظم کرنل ڈرنگ چونکہ لیگ کے نظریات اور اس کے مطالبات سے متفق ہیں اس لئے جمہوری حکومت کے قیام تک انہیں وزارتِ عظمیٰ کے فرائض انجام دیتے رہنے چاہئیں۔ صدر مسلم لیگ مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور جنرل سیکرٹری شیخ عبدالرحمٰن اخباری بیانات کے ذریعہ اس خیال کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ مخالفین کو اس رائے سے اتفاق نہیں تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز وزیر اعظم کا ریاست میں وجود ملکی مصالح کے خلاف ہے اس لئے انہیں فی الفور یہاں سے سبکدوش کردینا ضروری ہے۔

چنانچہ مسٹر علی احمد رفعت نے اپنے رفقا کی حمایت سے ایک قرارداد مسلم لیگ میں پیش کرنے کا نوٹس دیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ کرنل ڈرنگ کے بجائے کسی مسلمان کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ۷ اگست ۱۹۵۰ء کو ایک مفصل اخباری بیان دیا جس کا ملخص یہ ہے کہ

"بہاولپور مسلم لیگ کے جنرل سکرٹری نے ایک حالیہ پریس کانفرنس میں یہ کہا ہے کہ جب تک ریاست میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت نافذ نہ ہو جائے کرنل ڈرنگ کا وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنا ضروری ہے اس بیان پر ریاست کے سیاسی حلقوں میں تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

"حکومت پاکستان اپنی اس پالیسی کی وضاحت کر چکی ہے کہ جنوری ۱۹۶۰ء تک تمام ایسے غیر پاکستانی عہدیداروں کو فارغ کر دیا جائے گا۔ جو ٹیکنیکل آسامیوں پر مامور نہیں ہیں۔ کرنل ڈرنگ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ اس لئے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی وزارت عظمیٰ کا دور نیا سال شروع ہونے تک خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن اب یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ مفاد پرست افراد کا ایک گروہ ان کی توسیع کے لئے تگ و دو کر رہا ہے یہ افراد اپنے عمل سے حکومت پاکستان کی پالیسی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کے طرز عمل سے باشندگان ریاست کو بے حد نقصان پہنچ رہا ہے۔

"اگر کرنل ڈرنگ کی میعاد ملازمت میں توسیع ہو گئی تو وہ اپنے سابقہ طریق کار کو دوہرائیں گے۔ قبل ازیں اہل ریاست کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے سیاسی دھڑے بندی کو ہوا دی گئی ہے تاکہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خلاف اکسا کر مطلب براری کی جائے نسلی اور قبائلی تعصب کو بھڑکا کر مسلمانوں کے درمیان نفرت اور حقارت کا بیج بویا گیا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم متحد ہو کر ان قباحتوں کی بیخ کنی کریں۔

"مسلم لیگی لیڈروں نے مندرجہ بالا حالات میں جو موقف اپنے لئے پسند کیا ہے اس سے انتہائی افسوسناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے کرنل ڈرنگ کی توسیع کا مسئلہ کونسل میں زیر بحث نہیں آیا جہاں تک بہاولپوری عوام کی سیاسی ترقی کا سوال ہے یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اس لئے میں نے کونسل میں ایک قرارداد رکھنے کا نوٹس دیا ہے جس میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ سال رواں کے اختتام تک کرنل ڈرنگ کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے فارغ کر کے اُن کی جگہ کسی مسلمان کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کیا جائے"۔

مسٹر رفعت کی قرارداد پر غور کرنے کے لئے ۱۸ اگست ۱۹۵۰ء کو بہاولپور کے ٹاؤن ہال (جہاں اب سنٹرل لائبریری ہے) میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ سب سے پہلے مسٹر رفعت نے اپنی قرارداد کی وضاحت کی اس کے بعد مسلم لیگ کے جنرل سکرٹری شیخ عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ (بہاولنگر) نے قرارداد کی مخالفت میں تقریر کی اور اپنی تقریر کے دوران مسٹر رفعت کے بیانات اور لیڈنگ آرٹیکل جو اُن کے اپنے اخبار "ستلج" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے تھے ایوان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مسلم لیگ کے وقار کو ٹھیس لگائی ہے اور لیگ لیڈران پر بہتان طرازی کر کے ایک ناخوشگوار فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کرنل ڈرنگ کی سبکدوشی اور نئے وزیر اعظم کے تقرر کے متعلق انہوں نے کہا کہ مطالبہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کے بعد کسی نئے وزیر اعظم کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسٹر رفعت نے جو قرارداد پیش کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے منتہائے مقصد سے دور ہٹ جائیں یہ قرارداد کسی اعتبار سے کونسل کی منظوری کی مستحق نہیں ہے

شیخ عبدالرحمٰن کی تقریر کے بعد راقم الحروف (شہاب دہلوی) نے ایک طویل تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"مسٹر رفعت نے جو قرارداد پیش کی ہے وہ میری رائے میں نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ مضر اور خلاف مصلحت بھی ہے اور واقعات کے نقطۂ نظر سے صحت کے درجہ سے بھی گری ہوئی ہے دراصل محرک کے ذہن میں صاف اور واضح تخیل نہیں ہے اگر وہ اس قرارداد کا منطقی تجزیہ کر لیتے تو وہ اسے پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے وہ فرماتے ہیں کہ پاکستان کے وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ۱۹۵۱ء تک تمام انگریز افسروں کو سبکدوش کر دیا

جائے گا۔ اگر ان کے بیان کے مطابق یہ صحیح بات ہے تو میں کونسل کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ تحریک قطعاً غیر ضروری ہے ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ پاکستان کے وزیر اعظم نے جو اعلان کیا ہے اُس کی عملی تصدیق کریں گے بہرکیف یہ مسئلہ مقامی نہیں ہے اس کا تعلق مرکز کی حکمتِ عملی سے ہے۔

"رفعت صاحب نے مسئلہ کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے میں عجلت اور عدم تدبر سے کام لیا ہے۔ اصول کی بحث اور چیز ہے اور شخصیتوں کا معاملہ دوسرا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انگریز قوم اپنے مخصوص ملکی مفاد کو دُنیا کی تمام چیزوں پر مقدم سمجھتی ہے لیکن یہاں برطانیہ اور پاکستان کے مفاد کا ٹکراؤ نہیں ہو رہا۔ انگریز اپنی نجی زندگی میں دیانتدار اور فرض شناس ہوتے ہیں۔ اگر مرکزی حکومت غیر ملکی عنصر کو تدریجاً سبکدوش کرنا مناسب سمجھتی ہے تو یہ اس کا اپنا کام ہے۔ جہاں تک کرنل ڈرنگ کے متعلق جانبداری اور پارٹیوں کے اختلافات کو ہوا دینے کے الزامات کا تعلق ہے یہ واقعات و حقائق کے خلاف ہیں کرنل ڈرنگ کے زمانہ میں ریاست نے ہر شعبۂ حیات میں ترقی کی ہے۔ اور عوامی وزراء کو اُن کا مکمل تعاون حاصل رہا ہے علاوہ ازیں ایک منظم و متحد مسلم لیگ کی تنظیم کا کام بھی اُنہی کے عہد میں یہاں ہوا ہے اگر انتشار و نفاق ان کا مطمع نظر ہوتا تو بہاولپور کو مسلم لیگ کا متحدہ و مشترکہ پلیٹ فارم میسر نہ آتا۔

"اس تحریک کا مفاد و منشاء یہ ہے کہ ہم مرکزی حکومت سے یہ استدعا کریں کہ وہ ایک نئے وزیر اعظم کو ہمارے سروں پر مسلط کر دے یہ قرارداد ہمارے مقاصد اور لیگ کے نظریات کے خلاف ہے ہم کسی وزیر اعظم کو خواہ وہ مقامی ہی کیوں نہ ہو حکومت پاکستان کی طرف سے اپنے اوپر مسلط دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اجراء کیا جائے جس کے بالفاظ دیگر یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے وزیر اعظم کا اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کریں گے۔ مطالبۂ زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت پر اصرار نہیں ہے۔ ہماری اشک شوئی کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مقامی وزیر اعظم کو حکومت پاکستان مقرر کر دے۔

" یہ اس قرارداد کا ظاہر تھا اس کا باطن جس کو سمجھنے کی رفعت صاحب نے کوشش نہیں کی وہ یہ ہے کہ ہم عبوری دور میں موجودہ وزارتِ عظمیٰ کو اس لئے تبدیل کرنا نہیں چاہتے

کہ ہمارا ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ مرکز کے سامنے موجود ہے جس کے خاطر خواہ فیصلہ کے ہم متمنی ہیں چونکہ موجودہ وزیر اعظم کا رویہ ہمارے اس مطالبہ کے ساتھ ہمدردانہ ہے اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ کوئی نیا شخص اس عبوری دور میں وزارتِ عظمیٰ کی باگ دوڑ سنبھالے اور ہر کرآمد عمارت نو ساخت کے مضمون پر عمل پیرا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو نیا شخص آئے گا۔ وہ موجودہ صورت حال کو طول دینے کی کوشش کرے گا اور ممکن ہے کہ ہماری راہ میں غیر شعوری طور پر رکاوٹ کا باعث بن جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر لیگ کونسل سے درخواست کروں گا کہ اس غیر ضروری۔ خلافِ مصلحت اور کوتاہ اندیش قرارداد کو مسترد کردے۔"

شہاب دہلوی کی تقریر کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود وزیر تعلیم وصحت نے مسٹر رفعت کی قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ

"مجھے حیرت ہے کہ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ موجودہ وزیر اعظم کے بعد جو شخص آئے وہ ہمارا منتخب کردہ ہو اور مسٹر رفعت ابھی تک اس کے متمنی ہیں کہ دوسرا وزیر اعظم بھی حکومت پاکستان نامزد کرے انہوں نے کہا کہ مسٹر رفعت کا بیان لیگ کونسل کی سابقہ قرارداد کے خلاف ہے اور ایوان کے باہر جو بیان انہوں نے دیا ہے اور مسلم لیگ کے خلاف جو پروپیگنڈہ انہوں نے کیا ہے اس کے پیش نظر میں ان کے خلاف تادیبی کاروائی کا مطالبہ کرتا ہوں۔"

مخدوم زادہ کی تقریر کے بعد علامہ ارشد نے ایک مختصر تقریر کی جس میں شہاب دہلوی کی اس رائے کی تائید کی کہ اس مسئلہ کا تعلق مرکز کی حکمتِ عملی سے ہے اور ہمیں اس الجھن میں نہیں پڑنا چاہیئے انہوں نے مسٹر رفعت کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی قرارداد واپس لے لیں۔

علامہ ارشد کے بعد سید عبدالوہاب شاہ اور چودھری محمد اسحاق نے بھی قرارداد کے خلاف تقریریں کیں۔ مسٹر رفعت کو جن حضرات سے اپنی حمایت کی توقع تھی وہ بھی ان کے مؤید نہیں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے عزیز چودھری کارحمت اللہ نے بھی اُن کی تائید نہیں کی اور یہ کہا "چونکہ مسلم لیگ کا مطالبہ ذمہ دارانہ نظام حکومت مرکز کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے جس کی کامیابی کے خاطر خواہ امکانات ہیں اس لئے میں اپنے دوست مسٹر رفعت سے گذارش کروں گا۔ کہ وہ اپنی قرارداد واپس لے لیں۔"

معلوم ہوتا تھا کہ رفعت صاحب ان مشوروں سے بڑے جز بز ہیں۔ تاہم اب ان کے لئے کیا

چارہ کار تھا۔ وہ تیزی سے اسٹیج پر دوبارہ نمودار ہوئے اور اپنی قرارداد واپس لینے کی درخواست کر کے غصہ میں اپنی نشست پر پھر جا بیٹھے۔ اور اس طرح سیاسی شوراشوری کے دن ایکٹ پلے کا ڈراپ سین ہو گیا۔

ذمہ دارانہ نظام حکومت کیلئے مسلم لیگ کی مساعی اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں

عام لوگوں کا خیال تھا کہ کرنل ڈرنگ کی فراغت کے متعلق قرارداد کی واپسی کے بعد مسلم لیگ کا اندرونی خلفشار ختم ہو جائے گا۔ اور مسلم لیگی قیادت یکجہتی و یکسوئی کے ساتھ عوامی حقوق کے لئے جدوجہد کر سکے گی لیکن یہ توقع پوری نہ ہو سکی خودکام دخود پرور لوگوں کی ریشہ دوانیاں برابر جاری رہیں۔ دراصل یہ وہی لوگ تھے جو پہلے محض اس وجہ سے لیگ کے ساتھ نہیں تھے کہ اُن کو شکایت تھی کہ وہ حکومت وقت کے ساتھ تعاون کر رہی ہے اور رث ہی اقتدار کے خلاف بغاوت کا علم بلند نہیں کرتی اور جمہوریت کے لئے برسرپیکار نہیں ہوتی جب لیگ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت اور جمہوریت کے لئے آئینی جدوجہد کرے گی اور اس مقصد کے حصول کے لئے کمربستہ ہو گئی تو یہ ستم ظریف اس تگ ودو میں لگ گئے کہ کسی طرح لیگ میں ایسا انتشار و خلفشار پیدا کر دیں۔ کہ اس کے لئے کامیابی ناممکن ہو جائے۔

اُنہوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ چننے کی بھی کوشش کی تھی لیکن جب اس میں کامیاب نہ ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ عوام اُن کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور لیگ کی قیادت کے تحت جمع ہو گئے ہیں تو یہ بھی بادل نخواستہ لیگ میں شامل ہو گئے مگر یہاں بھی اُن کی تفرقہ پردازی اور تخریب پسندی اُن کے ساتھ رہی اور جو وہ ہمی دبر ہمی یہ لیگ سے باہر رہ کر نہیں کر سکتے تھے وہ لیگ کے اندر رہ کر شروع کر دی

جمہوریت کا اصول یہ ہے کہ جو امور شوریٰ سے طے ہو جائیں خواہ غالب اکثریت کا فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو ہر شخص دیانتداری کے ساتھ جماعتی فیصلوں کی پابندی کرے۔ لیگ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مکمل اختیارات حکومت عوامی نمائندوں کو حاصل ہوں جس کے معنی یہ تھے کہ اعلیحضرت امیر بہاولپور کی حیثیت آئینی امیر کی سی ہو گی۔ اور جب یہ فیصلہ منظور ہو جائے گا۔ تو اس کے جملہ لوازم و عواطف خود بخود بروئے کار آ جائیں گے۔ یعنی جب ذمہ دارانہ نظام حکومت کا قیام ہو گا۔ تو ریاست کا وزیراعظم بھی عوام کا نمائندہ ہو گا اور وہ یقیناً بہاولپوری ہو گا۔ اسی نصب العین کے تحت مسلم لیگ کے اجلاس میں انگریز وزیراعظم کی علیحدگی کی قرارداد کی مخالفت کی گئی تھی اور محرک نے بھی اپنی دلائل کے پیش نظر اسے واپس لے لیا تھا

چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کر لی جاتی اور ذمہ دارانہ نظام حکومت

کے قیام کے مطالبہ کو تیز کر دیا جاتا لیکن اس کے برعکس لیگی قیادت کے مخالفین کی غوغا آرائی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ انہوں نے ایک اور شاطرانہ چال سے مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی کوشش کی انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ موجودہ اسمبلی کو فوری طور پر برطرف کر دیا جائے البتہ موجودہ کابینہ بشمول عوامی وزراء بدستور قائم رہے ۔

یہ تجویز ایک عیارانہ چال تھی ایک طرف عوامی وزراء کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ تاثر دیا گیا تھا کہ مجلس کی برخاستگی کے بعد بھی زمام اختیار ان کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور دوسری طرف حکومت کے ساتھ اُن کو خواہ مخواہ کی آویزش میں مبتلا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ عوامی وزراء مجلس کے نمائندے تھے اگر مجلس برخاست ہو جاتی تو ان وزراء کی حیثیت دفعالیت کا بقیہ وزارت میں کیسے قائم رہ جاتی علاوہ ازیں مجلس کی عدم موجودگی میں مجلس کے اختیارات بہر صورت فرمانروا کی طرف راجع ہو جاتے اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو دو ہی نتیجے مرتب ہوتے۔ یا تخصی حکومت کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو جاتی یا بدنظمی و بے آئینی کا دور دورہ ہوتا اس بنا پر مسلم لیگ نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی۔

اسی اثناء میں ایک اور رجعت پسندی کا مظاہرہ ہوا۔ ایک وفد دسمبر ۱۹۵۰ء کے اوائل میں اعلیحضرت امیر بہاولپور سے ملا جس نے کہا کہ سرکار عالی کی رعایا اپنی موجودہ حالت پر قانع ہی نہیں بلکہ خوش اور مطمئن بھی ہے اور جمہوریت کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے تیار نہیں۔ گویا مسلم لیگ عوام کو مار مار کر حلوہ کھلانا چاہتی ہے اور وہ کسی طرح حلوہ کھانے کے لئے تیار نہیں رجعت پسندی کے اس مظاہرے میں منسلکان دودمانِ عالیتبار شاہی اور صاحبزادگانِ خانوادۂ عباسیہ ہی نہ تھے بلکہ کچھ عمائدگان حسرت و ناکامی بھی تھے جو دراصل مکافاتِ عمل میں گرفتار تھے۔

ان احوال میں مسلم لیگ کے لئے اپنی قرارداد کو آگے بڑھانا خاصا دشوار تھا تاہم لیگی قیادت اپنی دھن میں لگی رہی اور حصول مقصد کے لئے اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرتی رہی۔ ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں چوہدری فرزند علی نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی۔

> "ریاست بہاولپور میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے حصول سے متعلق بہاولپور مسلم لیگ کونسل نے اپنے اجلاس مورخہ ۷ جون ۱۹۵۰ء میں متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کر کے اعلیحضرت امیر بہاولپور کی خدمت میں بھجوائی تھی لیکن تاحال اس بارہ میں کوئی مؤثر اقدام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے عوام میں سخت اضطراب اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔
> بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس صورت حالات کے مضمرات پر پورے

غور وخوض کے بعد اعلیٰحضرت کی خدمت عالیہ میں باادب استدعا یہ ہے کہ ریاست بہاولپور میں جلد از جلد کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا نفاذ فرمایا جائے۔

"یہ اجلاس مزید قرار دیتا ہے کہ ایک مذاکراتی کمیٹی مشتمل بر ارکان مسلم لیگ منتخب کی جائے جو اندریں بارہ اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر باشندگان بہاولپور کا صحیح نصب العین پیش کرے۔"

قرارداد باتفاق رائے منظور ہوئی اور ۲۳ ممبران پر مشتمل ایک سب کمیٹی اس غرض کیلئے منتخب ہوئی جس کے کنوینر مخدوم زادہ حسن محمود تھے دیگر اراکین کے علاوہ راقم الحروف (شہاب دہلوی) بھی اس کا رکن تھا۔

اسی اجلاس میں ایک اور قرارداد پاکستان دستور ساز اسمبلی میں بہاولپور کی نمائندگی کے سلسلہ میں شیخ عبدالرحمٰن جنرل سکرٹری مسلم لیگ نے پیش کی جس کا متن یہ ہے۔

"مملکت پاکستان میں ریاست بہاولپور کے عوام کا مستقبل پاکستان کے نئے آئین کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اس کی تشکیل وتکمیل میں عوام بہاولپور کو کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا بہاولپور مسلم لیگ مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس خلا کے نتائج کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کی خدمت اقدس میں پُرزور الفاظ کے ساتھ مستدعی ہے کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ریاست بہاولپور کے نمائندگان کا حق انتخاب بہاولپور اسمبلی کو مرحمت فرمایا جائے۔"

یہ قرارداد بھی اتفاق رائے سے پاس ہوئی۔

اس کے بعد بہاولپور مسلم لیگ نے عام جلسوں کا پروگرام مرتب کیا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۰ء کو بہاولپور میں ایک جلسہ ہوا جس میں متعدد مقررین نے تقریریں کیں۔ مخدوم زادہ حسن محمود نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے مطالبہ کے پیچھے عوام کی بے پناہ قوت موجود ہے اس لئے اسے کوئی شخص نہیں ٹھکرا سکتا۔

"مجھے افسوس ہے کہ کچھ لوگ اعلیٰحضرت سے جا کر یہ کہتے ہیں کہ لیگ عوام کی نمائندہ نہیں ہے اور اس کے مطالبات عوام کے مطالبات نہیں ہیں۔ حالانکہ ریاست کے بیس لاکھ باشندے مکمل طور پر لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہیں۔

"وہ شخص نہایت نادان ہوگا جو یہ کہے کہ ریاست پر صرف ایک فرد حکومت کرتا رہے اور عوام کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔"

اس موقع پر چوہدری فرزند علی صاحب نے بھی تقریر کی۔ اُنہوں نے کہا

"جو لوگ اصلاحات کے نفاذ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اپنے قول و فعل سے نہ صرف ملی دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں بلکہ اعلیحضرت نے اپنی محبوب رعایا کو اصلاحات عطا کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اس میں بلاوجہ روڑے اٹکا رہے ہیں۔"

اُنہوں نے عوام کو ایسے خود غرض لوگوں کے ہتھکنڈے سے خبردار رہنے کی تلقین کی۔

۲۱ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک اور جلسہ ٹاؤن ہال بہاولپور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ سے وزیر ریاستہائے پاکستان ڈاکٹر محمود الحسن نے بھی خطاب کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ

"یہ امر باعث مسرت ہے کہ بہاولپور میں مسلم لیگ نہایت زندہ ادارہ ہے اور یہ اس قسم کی تنظیم نہیں جو محض کاغذوں پر ہوتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس کا گھر ہے مجھے یقین ہے کہ یہ بہاولپور کی بہترین خدمت انجام دے سکتی ہے۔"

ذمہ دارانہ نظام حکومت کے مطالبہ کے سلسلہ میں اُنہوں نے کہا کہ

"یہ مسئلہ عوام اور اعلیحضرت کے درمیان کا ہے تاہم جب ہم سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا گیا تو ہم وہی مشورہ دیں گے جو قوم اور ملک کے مفاد کے مطابق ہوگا۔ اور جس سے پاکستان کو تقویت پہنچے گی۔"

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جن دنوں بہاولپور میں جمہوری حقوق کی جدوجہد زور شور سے جاری تھی انہی دنوں ریاست خیرپور کے عوام کو جمہوری اور بنیادی حقوق مل چکے تھے اور پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان نے خیرپور کی مجلس قانون ساز کا افتتاح بھی کر دیا تھا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا تھا کہ

"پاکستان کے ریاستی عوام کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو پاکستان کے دوسرے علاقوں کے عوام کو حاصل ہیں اور ریاستہائے پاکستان میں وہی جمہوری حکومتیں قائم کی جائیں گی جو پاکستان کے صوبجات میں قائم ہیں۔"

ان خبروں نے بہاولپور مسلم لیگ کے مطالبۂ ذمہ دارانہ نظام حکومت کے لئے مہمیز کا کام دیا۔ ریاست کے اطراف و جوانب سے شہری اور ضلعی لیگوں نے بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد

کی تائید و حمایت میں دھڑا دھڑ قرار دادیں پاس کرنی شروع کر دیں۔ ان قرار دادوں میں عوامی مطالبہ کی تکمیل کے لئے مرکزی لیگ بہاولپور کو ہر ممکن قربانی و تعاون کا یقین دلایا گیا تھا۔

باب ہشتم

نئی اصلاحات کا اعلان

مخالفین چیختے رہے مسلم لیگ نے انہیں قبول کر لیا

جوں جوں دن گذرتے جا رہے تھے عوام میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی مسلم لیگی حلقوں میں یہ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں اعلیحضرت امیر بہاولپور پر رجعت پسندوں کا جادو نہ چل جائے کیونکہ ان کی جانب سے مسلم لیگی لیڈروں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا لیکن اعلیحضرت کے اخلاص و تدبر نے معاملات کو خراب نہ ہونے دیا۔ انہوں نے عوام کو جمہوری حقوق منتقل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس سے منحرف نہ ہوئے اور ۱۴؍ جنوری ۱۹۵۱ء کو نئی اصلاحات کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے مطابق یہ طے پایا کہ

(۱) محکمہ ہائے مشمولہ پاکستان ACCEEDED SUBJECTS فنانس اور لاء اینڈ آرڈر وزیر اعظم کے چارج میں رہیں گے۔ باقی محکمہ جات محفوظ بردئے سیکشن ۱۲ (۷) بہاولپور گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۴۹ء محکمہ ہائے منتقلہ متصور ہوں گے۔

(۲) کابینۂ وزارت میں ممبران مجلس میں سے ایک یا دو وزراء کا اضافہ کیا جائے گا۔ وہ محکمہ جات جو ایگزیکیٹو کونسلران کے چارج میں رہے ہیں وہ عوامی وزراء کو منتقل کر دیئے جائیں گے اور محکمہ جات کی از سر نو تقسیم وزیر اعظم کے مشورہ سے اعلیحضرت کریں گے۔

(۳) ایسے طبقات کی نمائندگی کی خاطر جنہیں اب تک پوری نمائندگی نہیں ملی مجلس کے منتخب شدہ ممبروں میں پانچ ممبروں کا اضافہ کیا جائے گا۔

(۴) مجلس کے صدر اور نائب صدر کا انتخاب مجلس کے ممبران کریں گے۔

اعلان میں مزید کہا گیا تھا کہ

"مندرجہ بالا فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہاولپور گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۴۹ء اور قواعد دربارہ انصرام حکومت میں فوری طور پر ترمیمات کی جائیں گی۔

"اعلیحضرت کی منشائے مبارک ہے کہ براہِ راست طریق انتخاب جو ہر بالغ کی حق رائے دہندگی پر مبنی ہو جلد از جلد رائج کیا جائے اور یہ عبوری حکومت فہرست ہائے رائے دہندگان اور حلقہ ہائے انتخابات کو آئندہ مردم شماری کی تکمیل کے بعد مرتب کرنے کا انتظام کرے گی۔"

یہ اعلان کرنل ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور نے اعلیحضرت کی طرف سے دربار ہال میں افسران اعلیٰ کے ایک خصوصی اجلاس میں کیا تھا۔ انہوں نے اس موقع پر ایک تقریر کی تھی جس میں کہا تھا

"میں نے آج آپ کو یہ بتانے کے لئے یہاں آنے کی تکلیف دی ہے کہ ہم آئینی ترقی کے نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ اعلیحضرت سرکار عالی نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام انتظامیہ محکمہ جات ماسوائے (ACCEEDED SUBJECTS) اور لاء اینڈ آرڈر محکمہ جات منتقلہ متصور ہوں اور اس تغیر و تبدل کے مطابق آج ہی گزٹ جاری کیا جا رہا ہے۔

"میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ آئینی اصلاحات کا پہلا دور کامیاب رہا اور گذشتہ ۸ مہینوں کے دوران میں ٹھوس اور نمایاں ترقی حاصل ہوئی ہے اگر آپ محنت اور دلجمعی سے کام کریں گے۔ تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ عبوری دور اور زیادہ کامیابیوں کا حامل ہو سکتا ہے آپ نے اپنے آپ کو ذمہ داریاں سنبھالنے کا اہل ثابت کر دیا ہے اور درحقیقت آپ اپنے معاملات کے نظم و نسق میں ہمسایہ صوبوں کے ہم پلہ ہیں۔ ان نمایاں ترقیوں کے علاوہ یہ امر موجب مسرت ہے کہ اس وقت ریاست میں ایک بھی سیاسی قیدی نہیں ہے۔

"آپ نے جس طرح مجھ سے تعاون کیا ہے اس کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں آپ نے جس تندہی سے فرائض منصبی انجام دیئے ہیں وہ قابل تحسین ہیں اور میں آپ کے خلوص اور تعاون کو قابل تحسین سمجھتا ہوں۔

"میں بحیثیت سرکاری ملازم آپ کی سیاست کے متعلق کوئی رائے دینا نہیں چاہتا۔ لیکن میں بصمیم قلب یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ یہ عبوری دور کامل اتحاد اور یکجہتی کے ساتھ گذاریں گے

تخریبی عناصر کو کچل دیں گے اور اعلیحضرت کے پورے وفادار رہیں گے اور ریاست اور ریاست کے عوام کی صیح خدمت بجالائیں گے اور اس طرح اس ریاست کو پاکستان کا ایک نہایت کارآمد جزو ثابت کریں گے۔ جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ آئندہ انتخابات میں ہو جائے گا "

مسلم لیگ نے اصلاحات قبول کرلیں

ان اصلاحات پر غور کرنے کے لئے بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۸ر جنوری ۱۹۵۱ء کو عباس منزل میں زیر صدارت مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ منعقد ہوا جس میں کافی غور و خوض کے بعد انہیں قبول کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں نئی اصلاحات کے نفاذ پر اعلیحضرت کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ قرارداد میں اس توقع کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ کہ نئے انتخابات مکمل ہونے کے ساتھ ہی عوام کے مطالبہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

مسلم لیگ کے فیصلے کیخلاف مسلم لیگیوں کا ردِ عمل

مسلم لیگی قیادت کے مخالفین میں اس قرارداد کا شدید ردعمل ہوا انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کی رائے کو نظر انداز کر کے ایسی قرارداد منظور کرتی ان کی رائے میں نئی اصلاحات مسلم لیگ کی اس قرارداد کے خلاف تھیں جو اس نے ۷ر جون ۱۹۵۰ء کو متفقہ طور پر پاس کی تھی۔ اس سلسلہ میں کچھ دن تک اخبارات میں بھی خاصی رد و قدح ہوتی رہی۔

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس

آخر ۲ر فروری ۱۹۵۱ء کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ان اصلاحات کے متعلق حتمی رائے معلوم کرنیکی غرض سے طلب کیا گیا۔ ذیل میں اس اجلاس کی مختصر روداد پیش کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے شیخ عبدالرحمٰن جنرل سیکرٹری مسلم لیگ نے تقریر کی اور تازہ اصلاحات کو قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ ان اصلاحات سے ہمارا مطالبہ کمزور نہیں ہوتا البتہ اگر عام انتخابات تک کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان نہ کیا گیا تو لیگ ان اصلاحات سے تعاون نہیں کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر قابل تاسف ہے کہ اعلیحضرت نے تازہ اصلاحات کے اعلان سے پہلے مسلم لیگ سے مشورہ نہیں کیا۔

اس کے بعد دیگر مقررین نے بہ تفصیل ذیل تقریریں کیں۔

پیرزادہ سلیم اسلم ایڈوکیٹ مسلم لیگ کے آئین کی دفعہ ۳۷ کو رو سے مجلس عاملہ کو کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ اعلیحضرت کا شکریہ ادا کرتی۔ عاملہ کا کام کونسل کے فیصلوں کو جامۂ عمل پہنانا ہے اگر موجودہ اصلاحات ہمارے مطالبہ کے منافی ہیں تو عاملہ کو انہیں قبول کرنے کا قطعاً اختیار نہ تھا۔

چودھری رحمت اللہ لیگ نے مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کیا۔ پھر ہر اجلاس میں اس کو دہرایا۔ لیگ لیڈروں کی زبان پر بھی یہ مطالبہ وظیفہ کی طرح رہا۔ ان حالات کی روشنی میں موجودہ ناکارہ اصلاحات کو قبول کرنے کا فیصلہ قطعاً لیگ کے فیصلے کے خلاف ہے مجلس عاملہ نے شکریہ کی قرارداد پاس کر کے ۲۰ لاکھ عوام کی توہین کی ہے۔ انگریز وزیراعظم موجود ہے لیکن حکومت کو عبوری کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ کونسل کو چاہیئے کہ ان اصلاحات کو ٹھکرا دے۔

سید غلام مرتضیٰ شاہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کے نفاذ کے لئے حلقہ ہائے انتخاب کی تیاری لازمی تھی اور اس کے لئے وقت درکار تھا اگر موجودہ اصلاحات رد کر دی جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حلقہ ہائے انتخاب خود حکومت بنائے اب یہ کام اس حکومت کے سپرد ہوگا جس میں ہماری اکثریت ہوگی۔

علامہ ارشد جماعتیں خدا کے حکم سے بنتی ہیں اور اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے مر جاتی ہیں اگر مسلم لیگ کو ایک جماعت کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو جن اصلاحات کے متعلق ان سے مشورہ نہیں کیا گیا انہیں پائے استحقار سے ٹھکرا دے۔

ان اصلاحات میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان ہے اور نہ اس کے لئے کسی تاریخ کے تعین کا ذکر ہے۔ میں کونسل سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کوئی غلط فیصلہ نہ کرے کیونکہ ان اصلاحات کو قبول کرنے کا فیصلہ اس کے مقاصد کے خلاف ہے اور اگر کوئی جماعت مقاصد ترک کر دے تو وہ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

مستری عبدالرحمٰن جب تک ذمہ دارانہ نظام حکومت کے لئے کوئی قطعی تاریخ مقرر نہ ہو اس وقت تک کوئی چیز قبول کرنا جماعتی مقاصد کے خلاف ہوگا۔ مبہم یا زبانی وعدوں پر یقین کرنا بے وقوفی ہے۔

شیخ قمرالدین (خانپور) چونکہ میں بیوپاری ہوں اس لئے میں اسی نقطۂ نظر سے عرض کروں گا کہ جس طرح حکومت پاکستان برطانیہ سے قرضوں کا کچھ حصہ وصول کرتی جا

رہی ہے اور باقی کا مطالبہ کرتی جا رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی موجودہ اصلاحات کو منظور کر لینا چاہیئے اور باقی کا مطالبہ جاری رکھنا چاہیئے۔

شہاب دہلوی

دنیا کی تاریخ میں اور افراد کی جدوجہد کی سرگزشت میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے کہ خواہشات کی تکمیل سو فیصدی ہو جائے آرزوئیں اس حد تک پوری نہیں ہوا کرتیں۔ کہ کوئی تشنگی باقی نہ رہے۔

ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ ہمارے مطالبات کس حد تک پورے نہیں ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کس حد تک پورے ہو گئے ہیں۔ اگر ان کا معقول اور وزنی حصہ ہمیں مل گیا ہے۔ تو ہمیں یقیناً نئی اصلاحات کو شکریئے کے ساتھ قبول کر لینا چاہیئے اور یک رائیگرو دیگر راد عوی کی آگے دانشمندانہ مقولہ پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

ہمارا قدم آگے بڑھا ہے اور ہم کامیابی کی اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے ہمارا قدم آگے ہی بڑھے گا۔ پیچھے نہیں ہٹے گا۔

چوہدری فرزند علی ایڈوکیٹ

مسلم لیگ کو یہ اصلاحات قبول کر لینی چاہئیں البتہ اگر کرنل ڈرنگ کی فراغت (اکتوبر ۱۹۵۱ء) تک ہمیں کامل ذمہ دارانہ حکومت نہ دی گئی تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔ ہمیں اصلاحات کو اس نظریئے کے ساتھ قبول کر لینا چاہیئے کہ ہمیں اکتوبر میں کامل ذمہ دارانہ حکومت مل جائے گی۔

مخدوم زادہ حسن محمود (لیڈر لیگ اسمبلی پارٹی)

یہ درست ہے کہ ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کچھ جماعتیں کرتی رہی ہیں لیکن ان کی تگ و دو صرف اس قدر تھی کہ قلم چلتے رہے اور تقریریں ہوتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان جماعتوں نے اتنے طویل عرصہ میں عوام کو کچھ بھی لیکر نہ دیا۔ اس کے بعد لیگ نے تھوڑے ہی دنوں میں بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اگر آپ میں اتحاد رہا تو آپ ہر قدم پر کامیابی حاصل کریں گے۔ ہم حکومت کی کرسیوں پر اپنی غرض کے لئے نہیں بیٹھے ہم صرف ذمہ دارانہ نظام حکومت کے لئے آپ کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ ہم نے لیگ سے جو وعدے کئے ہیں وہ پورے ہوں گے۔"

ان تقریروں کے بعد مسلم لیگ کونسل نے نئی اصلاحات کو قبول کر لیا۔ اور اس طرح مجلس عاملہ نے جو قرار داد تشکر منظور کی تھی اس کی بھی توثیق ہو گئی۔ اگر مسلم لیگ ان اصلاحات کا بائیکاٹ کر دیتی تو جہاں فرمانروا سے ناحق بگاڑ کی صورت پیدا ہوتی وہاں رجعت پسند اور اقتدار پرست طبقہ بدستور حکومت

پر قابض رہتا۔ اس فیصلہ سے عبوری دور میں اقتدار اور وزارتی نظام عوام اور مسلم لیگ کے نمائندوں کے ہاتھ میں آگیا۔

مسلم لیگ کی کامیاب حکمتِ عملی

آئینی طریق کار میں جہاں یہ فائدہ اور مصلحت ہے کہ ملت کا ربط و نظم اور ملک کا امن و امان برباد نہیں ہوتا وہاں تھوڑی بہت آزمائشِ صبر و تحمل سے بھی گذرنا پڑتا ہے یعنی حصول مقاصد کے لئے قدم تدریجی طور پر بڑھتا ہے اور تاخیر و تعویق ناگزیر ہوتی ہے نیز سلطانِ وقت کی منشاء و مرضی کا بھی کسی حد تک احترام کرنا پڑتا ہے اس سلسلہ میں ہندوستان کی مثال کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے جہاں کانگریس کی انقلابی تحریک اور غیر آئینی سرگرمیوں کو حکومت برطانیہ نے ابتدا میں ہی کچل ڈالا اور چار و ناچار کانگریس کو آئینی طور طریقے اختیار کرنے پڑے۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۰۸ء میں منٹو مارلے ریفارمس کا اعلان ہوا۔ اس کے گیارہ سال بعد مانٹیگو چیمسفرڈ ریفارمس جاری ہوئیں۔ پھر اس کے بھی ۱۶ سال بعد ۱۹۳۵ء کے آئین کا نفاذ ہوا اور بالآخر ۱۹۴۷ء میں یعنی مجموعی طور پر تقریباً چالیس سال بعد ہندوستان آزاد ہوا۔

بہاولپور کے بعض سیاستدان اس حکمتِ عملی کے خلاف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا مطالبہ ذمہ دارانہ نظام حکومت فی الفور مان لیا جائے اور اگر حکومت اس میں لیت و لعل کرے تو مسلم لیگ لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں آجائے۔ مسلم لیگی قیادت نے اس طرزِ فکر کو قبول نہ کیا۔ اور اپنی تمام جدوجہد آئینی دوائر میں محدود رکھی۔ چنانچہ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جن حقوق کے لئے بہاولپور کے سیاستدان ۱۹۳۵ء سے مصروف عمل تھے۔ اور اس میں انہیں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی تھی وہ مسلم لیگ نے دو سال کی قلیل مدت میں حاصل کر لئے۔ یعنی ۱۹۴۹ء میں مساعی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اور ۱۹۵۱ء میں مطالبات کا ایک بہت بڑا حصہ منظور ہو گیا۔

وزیر اعظم کی پریس کانفرنس

کرنل اے جے ڈرنگ وزیر اعظم ریاست بہاولپور نے ایک پریس کانفرنس میں جو انہوں نے صدارت منزل میں طلب کی تھی نئی اصلاحات کے سلسلہ میں حکومت کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ

> "آئندہ مردم شماری کے نتائج کے اعلان کے ساتھ ہی براہ راست انتخابات جو کہ بالغ حق رائے دہندگی پر مبنی ہوں گے۔ کے انتظامات شروع کر دیئے جائیں گے اور فہرست ہائے رائے دہندگان و حلقہ بندی کا کام بھی ساتھ ہی شروع کر دیا جائے گا۔ اور یہ تمام کام چھ ماہ میں ختم ہو جائے گا۔"

مجلس میں پانچ نئے ممبران کی ایزادی کے طریق کار کے متعلق انھوں نے بتایا کہ

"جس طرح پہلے ممبران کا انتخاب ہوا تھا۔ اسی طرح مزید ۵ ارکان کا انتخاب بھی ہوگا۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ میں سے کتنے نمائندے لئے جائیں گے اور میونسپل کمیٹی میں سے کتنے۔ البتہ اگر لوگوں کی خواہش ہوئی تو ان نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیوں کو بھی انتخاب میں شامل کر لیا جائے گا۔ جو سابقہ انتخاب کے بعد بنی ہیں"

نئے وزراء کے بارے میں انہوں نے کہا کہ

"ان کا تقرر یاں اعلیحضرت فرمائیں گے اور اُمیدواروں کی فہرست پارٹی لیڈر بھجوائیں گے۔ اعلیحضرت اور گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ یہ نئی نشستیں مہاجروں اور آباد کاروں کو ملیں اور ان کی خانہ پُری بذریعہ انتخاب لوکل باڈیز میں سے سابقہ طریقہ کے مطابق ہو لیکن میونسپل کمیٹیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا"

مہاجرین کی نمائندگی کے سلسلہ میں کرنل ڈرنگ نے یہ بھی کہا کہ

"ابھی تک بہاولپور گورنمنٹ نے جدید انتخابات کی تفصیل تو طے نہیں کیں لیکن اگر رائے عامہ کا تقاضا ہوا تو مہاجروں کے لئے نئے انتخابات میں نشستیں مخصوص کر دی جائیں گی اور گورنمنٹ انتخابات سے پہلے سیاسی پارٹیوں۔ پریس اور دوسرے اداروں سے انتخابات کی نسبت ان معاملات میں مشورہ کرے گی"

اضافی نشستوں کا انتخاب

بہاولپور مجلس میں پانچ اضافی نشستوں کے لئے دربار ہال میں ۵ فروری ۱۹۵۱ء کو انتخابی جلسہ ہوا۔ انتخابات کی نگرانی بذات خود کرنل ڈرنگ نے کی۔ انتخابی حلقہ جملہ ڈسٹرکٹ بورڈز اور نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیوں پر مشتمل تھا۔ جس کے کل ممبران جنہیں ان انتخابات میں ووٹ دینے تھے، ۸۷ تھے۔ مسلم لیگ پارٹی کی طرف سے مندرجہ ذیل اُمیدواروں کے نام پیش کئے گئے۔

(۱) مخدوم شمس الدین گیلانی (اوچ شریف)

(۲) ملک محمد مسلم (رحیمیار خاں)

(۳) سید احمد نواز شاہ گردیزی بہاولپور

(۴) سید محمد نواز شاہ گردیزی بہاولپور

(۵) راؤ حفیظ الرحمٰن (ہارون آباد)

ان کے مقابلہ میں کسی اور امیدوار کا نام پیش نہیں کیا گیا اس لئے یہ بلا مقابلہ منتخب قرار دیئے گئے۔

نامزد ممبران کا اعلان

پانچ اضافی نشستوں کے پُر ہونے کے بعد اعلیحضرت کی جانب سے دو نامزد ممبران کا اعلان ہونا تھا۔ چنانچہ ۱۰ فروری ۱۹۵۱ء کو مندرجہ ذیل ممبران کی نامزدگی کا اعلان ہوا۔

(۱) چوہدری شکر دین (آبادکار) (۲) میر حمید علی (مہاجر)

کابینۂ وزارت میں تبدیلی

۱۱ فروری ۱۹۵۱ء کو کابینۂ وزارت میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں عمل میں آئیں:-

(۱) مخدوم زادہ حسن محمود وزیر معارف کو خان بہادر سید احمد وزیر مال کی جگہ مقرر کیا گیا۔

(۲) راؤ حفیظ الرحمٰن کو مخدوم زادہ حسن محمود کی جگہ وزیر تعلیم و صحت مقرر کیا گیا۔

(۳) میاں فتح محمد لالیکا وزیر زراعت و حیوانات کو جیل خانہ جات و پنچایت چولستان ڈیولپمنٹ۔ کواپریٹو سوسائیٹیز۔ جنگلات اور سمال سیونگ اسکیم وغیرہ کے محکمے بھی تفویض کئے گئے۔

وزارت مال کے ساتھ۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ آبادکاری مہاجرین۔ فوڈ۔ اطلاعات۔ لوکل باڈیز لیجسلیشن۔ کورٹ آف وارڈز اور رجسٹریشن کے محکمے اور وزارت تعلیم و صحت کے ساتھ انڈسٹریز آبکاری۔ پرنٹنگ و سٹیشنری۔ سکاؤٹنگ اور امور مذہبی وغیرہ کے محکمے شامل کئے گئے تھے۔

نئی اصلاحات پر رد و قدح کے وقت مسلم لیگ میں اندرونی انتشار کی جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس کے پیش نظر یہ خطرہ تھا کہ کابینۂ وزارت میں جو رد و بدل متوقع ہے اس میں کہیں مخالفین لیگ نہ شامل ہو جائیں۔ اگرچہ مسلم لیگ نے نئے وزراء کی نامزدگی کے لئے لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر مخدوم زادہ حسن محمود کو اعلیحضرت کی خدمت میں اپنی سفارشات پیش کرنے کا اختیار دیدیا تھا لیکن یہ اندیشہ اپنی جگہ موجود تھا کہ کہیں اعلیحضرت غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو جائیں لیکن یہ اندیشے غلط ثابت ہوئے۔ اور مسلم لیگ پارٹی جو چاہتی تھی وہی ہوا یعنی بہاولپور مجلس میں ان کے پانچ ارکان کا اضافہ ہو گیا۔ اور کابینۂ وزارت میں جو رد و بدل اور اضافہ ہوا وہ بھی اس کی منشاء و مرضی کے عین مطابق ہوا۔ لیکن ان کامیابیوں کے باوجود مسلم لیگ پارٹی مخالفین سے اپنا دامن نہیں بچا سکی۔ پہلے انہیں اصلاحات کو قبول کرنے پر اعتراض تھا۔ اب انتخاب اور نامزدگیوں کے نتائج نے ان کیلئے مزید شکوہ و شکایت کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ ان کو گلہ تھا کہ پانچ اضافی نشستوں کے انتخاب میں لیگ کی قیادت نے اپنے

وعدوں کے باوجود آبادکاروں اور مہاجروں کا خیال نہیں رکھا۔ اور پانچوں کے پانچوں ارکان پرانی آبادی سے لے لیئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ پانچ میں سے دو لیگی قیادت کے قریبی رشتہ دار تھے۔

مسلم لیگ فارورڈ بلاک کا قیام

حقیقت میں ۱۹۵۱ء کی اصلاحات کے نفاذ کے بعد جماعتی نظم و نسق کی جتنی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اتنی ہی شدت سے مخالفین نے بھی اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مسلم لیگ سمجھتی تھی کہ ان اصلاحات سے مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کی بنیادیں مستحکم و استوار ہو گئی ہیں ان کے ستون کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور اب صرف چھت پڑنی باقی ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو رجعت پسند اور اقتدار پرست طبقے کو قریب نہ بھٹکنے دیں۔ مخالفین یہ سوچ رہے تھے کہ اگر انہوں نے اس موقع پر اپنے وجود کی اہمیت ثابت نہ کی تو مستقبل میں انہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ لہذا گزشتہ روز اول کے مصداق انہوں نے ایک انتہائی قدم اٹھایا اور بہاولپور مسلم لیگ فارورڈ بلاک قائم کر دیا۔ جس کے بانی مبانی چوہدری رحمت اللہ تھے انہوں نے فارورڈ بلاک کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ

> "لیگ لیڈر شپ کو راہ راست پر لانے اور مہاجرین و آبادکاران کے حقوق کے تحفظ کے لئے یہ بلاک قائم کیا گیا ہے اس بلاک میں فی الحال ۲۵ ارکان ہیں جنہوں نے بلاک کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے حلف اٹھایا ہے۔"

فارورڈ بلاک کے صدر چوہدری عزیز بخش سکرٹری منشی ولی محمد اور اراکین میں چوہدری عبدالغنی اور بشیر احمد چیمہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مسلم لیگ کے مقتدر حلقہ میں اس خبر کا شدید رد عمل ہوا اور بعض مسلم لیگی لیڈروں نے اس پر سخت تنقید کی۔ بہاولپور مسلم لیگ کے جائنٹ سکرٹری عبدالغفور رحمانی نے ایک اخباری بیان میں کہا

> "مسلم لیگ فارورڈ بلاک کی تشکیل کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ چودھری رحمت اللہ صاحب نے اپنے نظریہ کی تبدیلی کی خاطر نہیں بلکہ عواقب پاکستان دشمنی سے ڈر کر لیگ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ سیاسیات حاضرہ کا یہ بڑا بھاری نقص ہے کہ کسی شخص کے سابقہ اعمال کا جائزہ لیئے بغیر اس سے مودت استوار کر لی جاتی ہے چنانچہ چودھری صاحب پر لیگ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ تو مختصر وقفہ کے لئے ان کی زبان لیگ کے حق میں تھی لیکن دل اور دماغ کانگریس کے لئے وقف رہا۔
>
> یہ مسلم لیگ فارورڈ بلاک کیا ہے۔ کیا سبھاش چندر بوس کے فارورڈ بلاک کی

صدائے بازگشت نہیں ؟ "

اسی طرح مخدوم زادہ حسن محمود نے ایک پریس کانفرنس میں کہا

"مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت بدقسمتی سے ایک بزرگ کی تشریف آوری کے فوراً بعد چند افراد نے اپنے ذاتی مفاد اور رنجشوں کے پیش نظر گروہ بندی کی مسموم فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

"میں انہیں بروقت متنبہ کرتا ہوں کہ عوام پر ان کے ڈھول کا پول کھل چکا ہے اور ان کے انتشار و تفریق پیدا کرنے کی مذموم کوششیں انشاء اللہ کامیاب نہیں ہوں گی"۔

اسپیکر کا انتخاب

بہاولپور مجلس کی تشکیل اور نئے وزراء کے تقرر کے بعد مجلس کے اسپیکر کا انتخاب عمل میں آنا تھا۔ اس غرض کے لئے یکم مارچ ۱۹۵۱ء کو مجلس کا اجلاس منعقد ہوا۔ سید غلام مرتضیٰ شاہ اس اجلاس کے عارضی صدر تھے۔ چوہدری شیر محمد (نامزد رکن) نے میر عابد حسین (نامزد رکن) کی تائید سے چوہدری فرزند علی (نامزد رکن) کا نام اسپیکر کے لئے پیش کیا جسے بہ اتفاق رائے مجلس نے منظور کر لیا۔ سید غلام مرتضیٰ شاہ اور پارٹی لیڈر مخدوم زادہ حسن محمود نے اس انتخاب پر چوہدری صاحب کو مبارکباد دی۔ چوہدری صاحب نے بھی ایوان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ

"اس ایوان کی صدارت میرے لئے کچھ وجہ عزت نہیں ہے اور نہ میں نے اس کے حصول کے لئے تگ و دو کی ہے۔ میں نے یہ ذمہ داری سنبھال کر پارٹی لیڈر کے حکم پر عمل کیا ہے۔ البتہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں مجلس کا پہلا منتخب صدر ہوں۔ ریاست کے نہایت متمول۔ ذی اثر اور ذی حیثیت لوگ اس ایوان کے رکن ہیں۔ ان کی موجودگی میں میرا انتخاب یقیناً یکجہتی کی روشن دلیل ہے۔ میرا انتخاب ان تخریب پسندوں کا منہ توڑ جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بہاولپور مجلس پر چند خاص لوگوں کا قبضہ ہے"۔

چوہدری فرزند علی صاحب کے اسپیکر منتخب ہونے پر مسلم لیگی قیادت کا خیال تھا کہ بیک کرشمہ دو دو کار کے مصداق آباد کار اور مہاجر دونوں طبقے خوش ہوں گے کیونکہ چوہدری صاحب مہاجر بھی ہیں اور جالندھر سے تعلق رکھتے ہیں جو بہت سے آباد کاروں کا وطن ہے۔ مزید برآں چونکہ نسبی لحاظ سے وہ آرائیں ہیں۔ اس لئے آباد کاروں کا آرائیں طبقہ ان کے انتخاب سے خاص طور پر مطمئن ہوگا لیکن فی الواقع مسلم لیگی قیادت کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی کیونکہ چند در چند وجوہات کی بنا پر مہاجرین اور آباد کاروں میں مجلس کے تازہ انتخابات سے جو بے اطمینانی کی فضا پیدا ہو گئی تھی وہ بدستور قائم رہی۔

مہاجرین کی مایوسی

مہاجرین کو شکایت تھی کہ مجلس کے جدید پانچ ممبروں کے انتخاب اور دو مزید ممبروں کی نامزدگی کے سلسلے میں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے انہیں توقع تھی کہ اعلیحضرت کے فرمان کے مطابق دونوں نامزد ممبر مہاجرین میں سے لئے جائیں گے۔ اور مجلس میں جن پانچ ممبروں کا مزید انتخاب ہونا ہے ان میں بھی کم از کم تین ممبر مہاجرین میں سے منتخب ہوں گے۔ کیونکہ مجلس کے انتخاب میں ان کا ایک نمائندہ بھی نہیں آسکا تھا۔ صرف چودھری فرزند علی مہاجرین یا آباد کاروں کو خوش کرنے کے لئے نامزد کئے گئے تھے۔ اب جب کہ اعلیحضرت نے واضح طور پر مہاجرین کو نمائندگی دینے کے لئے دو نشستوں کا اضافہ کیا تھا۔ تب بھی دو میں سے ایک نشست آباد کاروں کو دے دی گئی۔ حالانکہ مجلس کے ۲۳ ممبروں میں سے ۵ ممبر پہلے ہی آباد کاروں کے موجود تھے اور نئے اضافے کے بعد دو اور بڑھ گئے تھے۔ یعنی ۳۰ کے ہاؤس میں ۷ ممبر آباد کاروں کے ہو گئے تھے۔ اس کے برعکس مہاجرین میں سے ایک نامزد رکن پہلے چودھری فرزند تھے اور دوسرے میر حمید علی نامزد کر دیئے گئے تھے جو تناسب آبادی کے لحاظ سے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے۔ اس وقت ریاست میں مہاجرین کی آبادی بیس فیصدی کے قریب تھی۔ جس کی رو سے مجلس میں ان کے کم از کم ۶ نمائندے ہونے چاہیئے تھے۔

یہ صورتِ حالات مہاجرین کے لئے خاصی مایوس کن تھی اور مسلم لیگ کے مہاجر نمائندے اس اتلافِ حقوق کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ مسلم لیگی قیادت کے مخالفین نے یہ موقع غنیمت جان کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مسلم لیگ فارورڈ بلاک قائم ہو ہی چکا تھا جس نے مہاجرین اور آباد کاروں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا تھا۔ مہاجر چاہتے تو اس بلاک میں شامل ہو کر اپنی حق تلفی کا ازالہ کرا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ نہ لیگی قیادت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ بلکہ لیگ سے اپنی وابستگی کو قائم رکھتے ہوئے لیگی قیادت کو تلافیٔ مافات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مہاجرین کے نمائندے یہ محسوس کرتے تھے کہ اگر انہوں نے کسی خاص دھڑے کے ساتھ مل کر اپنے حقوق کی جدوجہد کی تو بلا سبب یہ فرقہ داریت کا موجب ہوگا۔ اور وہ ناحق مقامی آبادی کی ہمدردیوں سے محروم ہو جائیں گے۔ فارورڈ بلاک کے متعلق وہ جانتے تھے۔ کہ اس کا منتہائے مقصود مہاجرین اور آباد کاروں کے حقوق کی آڑ میں کسی نہ کسی طرح لیگی قیادت کو کمزور کرنا ہے تاکہ لیگ کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ اس لئے مہاجرین ان کے چکر میں نہ آئے۔

ویسے بھی مہاجرین یہ سمجھتے تھے کہ آباد کاروں کا کیس ان کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ آباد کاروں کو نہ صرف مجلس میں بڑی حد تک نمائندگی مل چکی تھی۔ بلکہ وزارت میں بھی ان کے ایک نمائندے کو لیا جا چکا تھا۔ اگر وہ

فارورڈ بلاک کے مشترکہ پلیٹ فارم سے اپنی آواز اُٹھاتے تو آباد کاروں کے ساتھ ان کے مطالبے کی معقولیت بھی مشکوک ہو جاتی۔ مہاجرین کا مدعا یہ تھا کہ آئندہ انتخابات میں ان کے لئے نشستوں کا تعین ہو جائے کیونکہ مجلس کے موجودہ انتخابات سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ وہ لیگی قیادت کی خواہش کے باوجود مقامی اور آباد کاروں کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

آباد کار بھی اپنی علیحدہ نیابت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حالانکہ نہ انہیں اقلیت تصور کیا جا سکتا تھا اور نہ ان کی کوئی مخصوص و جداگانہ حیثیت تھی وہ اسی طرح ریاست کے باشندے تھے۔ جسطرح قدیم ریاستی البتہ مہاجرین کا مسئلہ بالکل دوسری نوعیت کا تھا۔

مہاجرین کے نمائندے مہاجرین کے سیاسی واقتصادی حقوق کا تحفظ اس لئے نہیں چاہتے تھے۔ کہ وہ مہاجر ہیں۔ غیر جنس ہیں۔ کسی دوسرے علاقے سے آئے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس لئے چاہتے تھے کہ وہ تباہ شدہ ہیں۔ خستہ حال ہیں۔ پراگندہ دل اور پراگندہ روزی ہیں۔ لٹ لٹا کر آئے ہیں۔ تتر بتر ہو گئے ہیں۔ لگدکوبِ زمانہ نے انہیں جابجا منتشر کر دیا ہے اس لئے کچھ عرصہ تک وہ مراعات اور خاص سلوک کے متمنی و مستحق ہیں۔

مہاجرین کے اس مطالبے کو مقامی باشندگان کے بعض لیڈروں نے بھی سراہا اور اس کی تائید میں بیانات بھی دیئے۔ بلدیہ بہاولپور کے صدر پیرزادہ سلیم اسلم نے تو مہاجرین کی جداگانہ نیابت کے لئے سات حلقوں کی بھی تجویز کی۔ خود لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر مخدوم زادہ حسن محمود نے ایک پریس کانفرنس میں مسلم لیگ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے صاف لفظوں میں یہ کہا تھا کہ "بشرطِ ضرورت اگر مہاجروں نے اپنے لئے نشستوں کے تعین کا مطالبہ کیا تو اس کے مان لینے میں انہیں تامل نہ ہوگا۔"

مہاجرین کی میانہ روی کا اور لیگی قیادت کے متذکرہ ہمدردانہ طرزِ عمل سے یہ توقع تھی کہ مسلم لیگ واضح طور پر آئندہ انتخابات میں مہاجرین کے لئے نشستوں کے تعین کے مطالبہ کو منظور کرنے کا اعلان کر دے گی لیکن جب مخدوم زادہ کی یقین دہانی کے باوجود لیگ کی طرف سے اس سلسلہ میں باقاعدہ اعلان کرنے سے گریز کیا گیا تو مہاجرین کی بے چینی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اور وہ جواب تک لیگی قیادت سے ناامید نہیں تھے۔ ان کا اعتماد متزلزل ہونے لگا۔

مہاجرین کے لئے نشستوں کے تعین کا مطالبہ

آخر دس اپریل ۱۹۵۱ء کو راقم الحروف (شہاب دہلوی) نے جو بہاولپور مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا رکن اور بلدیہ بہاولپور کا سینئر وائس پریذیڈنٹ تھا۔ ایک طویل بیان اخبارات کو

دیا۔ اس بیان کے بعض اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"بہاولپور کی کل آبادی جدید مردم شماری کی رو سے ساڑھے اٹھارہ لاکھ ہے جس میں سے میری معلومات کے مطابق ۴ لاکھ مہاجرین ۷ لاکھ آبادکار اور ۷½ لاکھ قدیم باشندے ہیں۔

"جس وقت مہاجرین لیگ میں شامل ہوئے تھے تو ان کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے لیگ ہر ممکن قدم اٹھائے گی۔ اور مہاجرین کا اسی طرح ساتھ دے گی جس طرح پنجاب مسلم لیگ نے دیا ہے۔ اس بنا پر مہاجرین نے اپنی علیحدہ تنظیم ختم کر دی تھی۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر انتہائی افسوس اور قلق ہوا ہے کہ ہر شعبۂ حیات میں اور ہر سرکاری و غیر سرکاری ادارے میں مہاجرین کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ سیاسی زندگی کے اعتبار سے تو انہیں بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔

"مہاجرین کو پہلی شکایت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی جنرل کونسل اور ڈسٹرکٹ وسٹی لیگوں میں ان کو تناسب آبادی کے لحاظ سے نہیں لیا گیا۔ مثلاً لیگ کونسل میں ممبروں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے جن میں مہاجرین دس گیارہ سے زیادہ نہیں۔ ورکنگ کمیٹی کے ارکان کی تعداد ۳۰ ہے جن میں مہاجرین صرف دو ہیں۔

"دوسری ناانصافی مہاجرین کے ساتھ یہ ہوئی کہ اسمبلی میں پہلے صرف ایک مہاجر کو نامزد کیا گیا۔ اور اس کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ اسمبلی میں پانچ نشستوں کا اضافہ ان طبقات کو نمائندگی دینے کے لئے کیا جائے گا جن کو نمائندگی نہیں مل سکی وزیر اعظم بہاولپور نے خود میرے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ان طبقات سے مراد محض مہاجرین اور آبادکار ہیں اس کے باوجود ایک بھی مہاجر ان پانچ ممبروں میں نہیں لیا گیا۔ بلکہ تین قدیم باشندوں اور دو آبادکاروں کو لے لیا گیا۔

"میری ذاتی طور پر یہ کوشش رہی ہے کہ مہاجرین مقامیوں کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہیں۔ اور کوئی صورت علیحدہ یا جداگانہ عصبیت کی پیدا نہ ہونے پائے۔ اسی مصلحت کے پیش نظر میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مہاجرین اور آبادکار باہم مل کر کوئی سیاسی جدوجہد کریں لیکن تلخ حقیقتوں اور جگر خراش واقعات نے مجھے یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جب تک مہاجرین کے حقوق کا تحفظ یا ان کی نشستوں کا تعین نہیں ہوگا ان کے لئے

باعزت طور پر زندگی بسر کرنا یا سیاسی توانائی حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔ اگر انہوں نے اپنے حقوق کو محض دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تو ان کے لئے اپنی آبادی کے تناسب سے تو کجا اس سے نصف حقوق بھی حاصل نہیں ہو سکیں گے۔

"تیسرا معاملہ جس میں مہاجرین کے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ مہاجر نشستوں کی تخصیص کا مسئلہ ہے۔ باوجود مہاجرین کے پیہم مطالبے اور تقاضے کے نہ بہاولپور گورنمنٹ نے مہاجر نشستوں کی تخصیص کے مطالبے کے بارے میں آج تک اپنی پالیسی کا اعلان کیا اور نہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اس مسئلہ میں مہاجرین کے مطالبہ کی تائید و حمایت کی۔

"بعض لوگ مہاجر نشستوں کی تخصیص کے خلاف عجیب و غریب دلائل پیش کر رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ اس تخصیص سے مہاجرین اور مقامیوں کے تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں گے اور ان کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو جائے گی۔ حالانکہ پنجاب کا تجربہ اس اندیشہ کی پُرزور تردید کر رہا ہے۔

"لیگ کے اتحاد و مرکزیت کے بدخواہ سندھ کی مثال بھی دے رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب وہاں نشستوں کا تعین نہیں ہوا تو بہاولپور میں کیوں ہو۔ حالانکہ بہاولپور کے حالات سندھ سے بالکل مختلف ہیں۔ سندھ میں مہاجرین کی آبادی دیہاتی علاقوں میں نہیں ہے۔ صرف شہروں میں مہاجر آباد ہیں جہاں اُن کی اکثریت ہے تاہم وہاں نشستوں کی عدم تخصیص کو بخوشی قبول نہیں کیا گیا۔

"بہاولپور میں مہاجرین ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں اور سیاسی کشمکش میں پاسنگ ان کے ہاتھ میں ہے یہاں کثرت سے جو مہاجر آباد ہیں وہ زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دیہات میں کافی تعداد میں آباد ہیں کسی بھی شہر میں مہاجرین کی اکثریت نہیں۔ پنجاب مسلم لیگ نے مہاجرین کی نشستوں کی تخصیص کے مطالبہ کی تائید کی اور مہاجرین نے لیگ کا ساتھ دیا۔ اگر بہاولپور میں مہاجرین کی نشستیں مخصوص نہ کی گئیں تو اندیشہ ہے کہ انتخابات میں مہاجر اور آباد کار بلا لحاظ مسلک و موقف آپس میں مل جائیں گے۔ گو ان کا یہ اقدام محض اپنے حقوق کے لابدی تحفظ کے لئے ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو بہاولپور مسلم لیگ کی یکجہتی اور اور اندرونی وحدت پر کاری ضرب لگنے کا قوی احتمال ہے اس لئے میرے خیال میں تدبر

اور دور اندیشی کا یہی تقاضا ہے کہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی مہاجروں کی نشستوں کے تعین کو صاف اور واضح طور پر قبول کرنے کا جلد از جلد اعلان کر دے۔"

قراردادِ مہاجرین

اس بیان کے بعد یہ توقع تھی کہ بہاولپور مسلم لیگ اس سلسلہ میں کسی واضح پالیسی کا اعلان کرے گی۔ لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ مسلم لیگی قیادت نے بعض مہاجر نمائندوں کو وزارت اور ممبری کا لالچ دے کر مہاجرین کے مطالبہ کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش شروع کر دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راقم الحروف کو ذاتی مراسم اور نجی تعلقات سے قطع نظر کھل کر میدان میں آنا پڑا واقعہ یہ ہے کہ جب فرائض اور نجی تعلقات و ذاتی مراسم کے درمیان کشمکش ہوتی ہے تو حق شناسی کی نگاہ میں ترجیح فرض کے تقاضوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حقیقت حال کے باوجود کہ راقم الحروف مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کا ذاتی طور پر بڑا احترام کرتا رہا تھا۔ اور ان کے فرزند مخدوم زادہ سید حسن محمود کی قیادت کا بھی موئید تھا۔ یہ ضروری سمجھا کہ مہاجرین کے اصولی مطالبات اور بنیادی حقوق کے لئے مصلحتوں کو پس پشت ڈال دیا جائے۔

اسی احساسِ ذمہ داری کے تحت راقم الحروف نے ایک قرارداد ۲۳ اپریل ۱۹۵۱ء کو بہاولپور مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ میں پیش کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ "آئندہ ہونے والے انتخابات میں مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ مہاجرین کے لئے نشستوں کی تخصیص کی جائے۔"

مدعا یہ تھا کہ ایسے حلقے متعین کئے جائیں جن میں ہر مہاجر اور ہر مقامی رائے دہندہ ایک مہاجر امیدوار اور ایک مقامی امیدوار کو ووٹ دے۔

اس قرارداد نے مسلم لیگی قیادت کی پیشانی پر بل ڈال دیئے۔ چنانچہ مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صدر بہاولپور مسلم لیگ نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں برملا کہا کہ شہاب نے یہ قرارداد اپنی کسی ذاتی رنجش کی بنا پر پیش کی ہے اور یہ مطالبہ مہاجرین کا نہیں بلکہ محض شہاب کا ہے۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ "یہ ایک قدرتی چیز ہے کہ انسان جو پودا اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اس سے اس کو محبت ہوتی ہے اس لئے میں نے جب اپنے ہاتھ سے لاکھوں مہاجرین کو آباد کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان کے حقوق کی حفاظت نہ کروں۔ اس مطالبے کے پیش کرنے کے تو یہ معنے ہیں کہ مہاجرین کو مسلم لیگ پر بھروسہ نہیں۔"

راقم الحروف نے جواباً کہا کہ "صدر صاحب کا خیال درست نہیں کہ میں نے ذاتی رنجش کی بنا پر یہ قرارداد پیش کی ہے مجھے افسوس ہے کہ صدر صاحب کو میری طرف سے اس قسم کی بدگمانی ہوئی حالانکہ میری سیاسی زندگی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے ذاتی اغراض کو جماعتی مفاد پر قربان کیا ہے

فی الحقیقت یہ مہاجرین کا متفقہ مطالبہ ہے اور ریاست کے طول و عرض سے اس کے حق میں آواز اُٹھائی جا رہی ہے جہاں تک مہاجرین کی مسلم لیگ سے وفاداری کا تعلق ہے۔ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ تمام مہاجرین مسلم لیگی ہیں اور مسلم لیگ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مطالبہ میں بھی مہاجرین کا یہ جذبہ موجود ہے"۔

علامہ ارشد صاحب نے بھی صدر کے خیال کی تردید کی اور کہا کہ "شہاب صاحب کا یہ خیال درست ہے کہ مہاجرین کی نشستوں کی تخصیص کے بغیر یہ ممکن نہیں کہ مسلم لیگ کے مہاجر امیدوار کے مقابلہ میں کوئی مقامی آزاد امیدوار نہ کھڑا ہو۔ اور ایسی صورت میں مسلم لیگ اپنے مہاجر امیدوار کو کامیابی کی گارنٹی کیسے دلا سکتی ہے"۔

مخدوم زادہ حسن محمود نے بھی صدر کے خیال کی تردید کی اور کہا کہ "شہاب صاحب کا دامن اس الزام سے پاک ہے انہوں نے ہمیشہ مسلم لیگ کی قابل قدر اور بے لوث خدمت کی ہے اور بغیر کسی غرض یا لالچ کے مسلم لیگ کا ساتھ دیا ہے۔ مجلس عاملہ ان کی ان قابل رشک خدمات کو سراہتی ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "میں اس مطالبہ کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ شہاب صاحب اعداد و شمار کی روشنی میں مجھے یہ یقین دلا دیں کہ مہاجرین نشستوں کی تخصیص کے بغیر انتخاب میں کامیاب نہیں ہو سکتے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ابھی انتخابات اور حلقہ بندی کے کام میں کچھ دیر ہے اس لئے اگر شہاب صاحب اس قرارداد کو آئندہ اجلاس تک کے لئے ملتوی کر دیں تو اس عرصہ میں تفصیلی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں اور پھر ہم ہمدردی سے اس مطالبہ پر غور کر سکتے ہیں"۔

راقم الحروف نے کہا کہ "اگر فیصلہ کا انحصار محض اعداد و شمار پر ہے تو میں مجلس عاملہ سے استدعا کروں گا کہ وہ اس قرارداد کو مشروط طور پر ہی قبول کرے"۔ لیکن اراکین عاملہ نے اس قرارداد کو آئندہ اجلاس تک کے لئے ملتوی کرنے کو ترجیح دی اور قرارداد آئندہ اجلاس تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔

قرارداد کے التوا کے بعد صدر مسلم لیگ نے ریاست بہاولپور کا دورہ کر کے مہاجرین کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا کہ "شہاب نے اپنی قرارداد واپس لے لی ہے"۔ اخبارات میں بھی اس قسم کی خبریں شائع کرا دی گئیں۔ چنانچہ راقم الحروف نے اس غلط پروپیگنڈے کے خلاف مسلم لیگ سے احتجاج کیا تو سکرٹری جنرل نے مندرجہ ذیل وضاحتی بیان جاری کیا۔

> مجلس عاملہ بہاولپور مسلم لیگ کے اجلاس مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۱ء میں سید مسعود حسن شہاب نے بہاولپور مجلس کے آئندہ انتخابات میں مہاجرین کے لئے نشستوں

کی تخصیص کے سلسلہ میں ایک قرارداد پیش کی تھی لیکن اعداد و شمار پیش نہ ہونے کی وجہ سے واقعات و حقائق کی روشنی میں قرارداد پر تصفیہ کن بحث نہ ہو سکی۔ شہاب صاحب نے میری توجہ بعض اخبارات میں شائع شدہ اس خبر کی طرف منعطف کرائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرارداد مذکورہ واپس لے لی گئی تھی حالانکہ یہ قرارداد واپس نہیں ہوئی تھی بلکہ ملتوی ہوئی تھی۔ اور آئندہ اجلاس میں اعداد و شمار کی روشنی میں زیر بحث آئے گی۔

اخبارات میں قرارداد کی واپسی کے متعلق جو اطلاع شائع ہوئی ہے وہ درست نہیں ہے"۔

دراصل بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اسی اجلاس میں ایک قرارداد چوہدری بشیر احمد چیمہ نے بھی پیش کی تھی جس میں آباد کاروں کے لیے الگ نشستوں کے تعین کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور چوہدری صاحب نے یہ قرارداد مخدوم زادہ صاحب کی اس یقین دہانی پر واپس لے لی تھی کہ حلقہ سازی کے وقت اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ نئی اور پرانی آبادی کے حلقہ ہائے انتخابات اس طرح بنائے جائیں گے کہ نئی اور پرانی آبادی آپس میں خلط ملط نہ ہو۔

ویسے بھی مہاجرین کا مسئلہ آباد کاروں سے بالکل مختلف تھا۔ آباد کار قدیم ریاستی باشندوں کی طرح اقتصادی و معیشتی اعتبار سے مستحکم تھے اپنے مخصوص علاقوں میں انہیں سیاسی توانائی بھی حاصل تھی جب کہ مہاجرین پراگندہ حال و پراگندا روزی بھی تھے۔ اور ضلع وار اکھٹے آباد نہ ہونے کی وجہ سے تتر بتر بھی تھے۔ اسی لیے نشستوں کی تعین کی انہی کو ضرورت تھی۔

بہرحال مہاجرین کے لیے نشستوں کی قرارداد کے التوا کے بعد جہاں مسلم لیگ کے قریبی حلقوں میں اس کی مخالفت کی گئی وہاں مہاجرین نے اس کی تائید و حمایت میں زبردست سرگرمیوں کا آغاز کر دیا جگہ جگہ جلسے کر کے مہاجرین نے اس مطالبہ کی تائید میں قراردادیں پاس کیں اور مسلم لیگی قیادت پر زور دیا کہ وہ شہاب دہلوی کی قرارداد کو منظور کرلے۔ ان دنوں مسلم لیگ کے صدر مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ ریاست کا دورہ کر رہے تھے۔ اس لئے مہاجرین نے اس موقع کو غنیمت جان کر جہاں وہ پہنچے اپنا مطالبہ ان کی خدمت میں پیش کیا اور اس طرح ہر جگہ ان کے کانوں میں وہی آواز گونجتی رہی جو راقم الحروف نے لیگ کی مجلس عاملہ میں بلند کی تھی۔ صدر کا دورہ بہاولپور شہر پر آ کر ختم ہوا۔ یہاں انہیں سٹی مسلم لیگ کونسل سے خطاب کرنا تھا۔

سٹی لیگ کونسل کا اجلاس

چنانچہ ۱۰ مئی ۱۹۵۱ء کو ٹاؤن ہال بہاولپور میں سٹی کونسل مسلم لیگ بہاولپور کا اجلاس مخدوم الملک سید غلام

میراں شاہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ تو سب سے پہلے صدر سٹی لیگ سید الطاف علی زیدی مرحوم نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں مخدوم الملک کی خدمات کو سراہنے کے بعد یہ کہا گیا تھا کہ اگر لیگ نے مہاجرین کی متفقہ آواز کو صدا بصحرا سمجھا تو لیگ کی ہمہ گیر نمائندہ حیثیت ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد سردار علی اکبر تنکانی صاحب نائب صدر سٹی مسلم لیگ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی۔

"بہاولپور سٹی مسلم لیگ کونسل کا اجلاس سید مسعود حسن شہاب کی قرارداد کی جو انہوں نے مجلس عاملہ بہاولپور مسلم لیگ میں پیش کی ہے اور جس میں انہوں نے مہاجرین کے لئے نشستوں کی تخصیص کا مطالبہ کیا ہے پُرزور تائید کرتا ہے اس اجلاس کی رائے میں اس مطالبہ کو تسلیم کر لینا لیگ کی یکجہتی اور اس کی ہمہ گیر افادی و فعال حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے اس کے بغیر لیگ مہاجرین کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتی"۔

اس قرارداد کی تائید پیرزادہ محمد سلیم اسلم ایڈووکیٹ نے کی انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"میں ایک قانون داں ہونے کی حیثیت سے بھی اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں وکیل کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ انصاف کرنے میں عدالت کی راہبری کرے۔

میں یہ یقین کرتا ہوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ہم مہاجروں کی خستہ حالی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ اور ان کے ضعف کو اپنی قوت کی تعمیر میں نہ صرف کریں۔ بلکہ ان کے ضعف کو قوت میں اور ان کی خستگی کو مضبوطی میں تبدیل کریں اور ان کو وہی مواقع حاصل ہوں جو مقامیوں کو حاصل ہیں"۔

سید الطاف علی زیدی نے کہا

میں قرارداد کی تائید میں فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہم مہاجرین کا حق پاکستان میں اتنا ہی ہونا چاہیئے جتنا کہ پاکستان کے بننے میں ہمارا حصہ تھا۔ ہم لوگ سب مسلم لیگی ہیں اور مسلم لیگ کی بنیادوں کے لئے پہلے مٹی ہمارے پسینے سے نم ہوئی تھی۔ بعد میں ہمارے لہو سے تربتر ہوئی۔ پاکستان کی اس عالیشان عمارت میں اینٹ اور پتھر کے بجائے ہمارا گوشت پوست لگا ہے۔ اور ہماری ہڈیاں اس کی تعمیر میں صرف ہوئی ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ لٹا کر آئے ہیں ہم اپنے انصار بھائیوں سے ان کی املاک و جائیدادیں سے کچھ نہیں چاہتے سیاسی طور پر ہم محض اپنی تناسب آبادی کے لحاظ سے نشستوں کی تخصیص چاہتے ہیں

"سیاسی حقوق سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ تو اس کا ہمیں بے حد رنج و ملال ہو گا۔ ہمارے انصار بھائیوں کے لئے بھی یہ امر موجبِ مسرت نہ ہو گا کہ انہوں نے ہماری بدبختی کو اپنی کامرانی کے لئے سرمایۂ عیش و نشاط بنا لیا ان وجوہات کی بنا پر میں قرارداد زیرِ بحث کی پُرزور تائید کرتا ہوں"۔

راقم الحروف (شہاب دہلوی) نے بھی اس قرارداد پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ

"سوال محض مہاجرین کے لئے چند نشستوں کا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ لیگ ہماری جملہ قوم کی نمائندہ جماعت ہے یا محض ایک آسودہ حال اور غم نادیدہ طبقہ کی خادم۔ آزمائش اس بات کی ہے۔ کہ لیگ بلا امتیاز امیر و غریب اور کمزور و ناتواں عامۃ المسلمین کے حقوق و مفاد کی پاسباں ہے یا اہلِ ثروت و جاہ کے در کی دربان۔

"جو مطالبہ میں نے اپنی قرارداد میں لیگ کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کیا ہے وہ کسی تنگ نظری یا تنگ خیالی پر مبنی نہیں۔ اس کے محرکات مفاد پرست ذہنیت کے وقتی اتار چڑھاؤ نہیں ہیں۔ ساری قوم کی خیر خواہی اور [illegible] اسی میں مضمر ہے۔ یہ مہاجر و مقامی کا سوال نہیں۔ یہ اسلامی مساوات اور ہمہ گیر اخوت کا سوال ہے۔

"آج جبکہ ہم بہاولپور مسلم لیگ سے صرف اپنا حق مانگتے ہیں۔ اپنی باعزت زندگی کے لئے اتنا ہی برگ و ساز چاہتے ہیں جتنا ہمارے انصار بھائیوں کو مسلم لیگ کی طرف سے مل رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی کی بھنویں چڑھ جائیں اور تیوریوں پر بل پڑ جائیں اور اس جائز مطالبہ کو تخریب سے منسوب اور انتشار سے موسوم کیا جائے۔ بہاولپور مسلم لیگ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ مہاجرین کے مطالبہ کو باتوں باتوں میں اڑا دے۔ یا شوخیٔ طبع اور بزلہ سنجی کی آماجگاہ بنا دے۔ مہاجرین کا مطالبہ ٹھوس اور بنیادی ہے چکنی چپڑی باتوں سے حقائق کو بدلا نہیں جا سکتا اور واقعات کی تلخیاں شیریں بیانی کے افسوں سے دور نہیں ہو سکتیں۔ ان وجوہ کی بنا پر میں مسلم لیگ سے درخواست کرونگا کہ وہ اس قرارداد کو منظور کرے"۔

آخر میں ملک محمد دین جنرل سکرٹری سٹی مسلم لیگ نے اراکین کونسل سے قرارداد کے متعلق رائے طلب کی سب نے بہ آواز بلند اسے منظور کرنے کا اعلان کیا۔

مخدوم الملک صاحب کو ستی مسلم لیگ کی یہ روداد سخت ناپسند ہوئی اور انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ مہاجرین نے نشستوں کی تشخیص کا مطالبہ کیا انہوں نے بڑے غصہ کے انداز میں کہا کہ

"میں ازروئے ایمان کہتا ہوں کہ آپ کے حقوق کی مکمل حفاظت ہو رہی ہے اور آئندہ بھی اسی طرح ہوتی رہے گی"

اجلاس مسلم لیگ زندہ باد اور مطالبات مہاجرین زندہ باد کے نعروں پر ختم ہوا۔ اور مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ سخت برہمی کے عالم میں وہاں سے چلے گئے۔

قرارداد مہاجرین کے حق میں مظاہرے

بہاولپور مسلم لیگ کے صدر مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے دورے میں یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا تھا کہ بہاولپور کے مہاجرین آئندہ انتخابات میں اپنے لئے علیحدہ نشستوں کی تخصیص کے مطالبے کے نہ صرف مؤید ہیں بلکہ وہ اپنی آئندہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے استحکام کے لئے اسے نہایت اہمیت دے رہے ہیں انہوں نے جگہ جگہ قرارداد مہاجرین کی تائید میں مظاہرے کئے یہاں تک کہ مسلم لیگی کارکنوں کے ایک جتھے نے بہاولپور مسلم لیگ کے مرکزی دفتر کے سامنے اس قرارداد کی حمایت میں بھوک ہڑتال کر دی اس کے علاوہ مسلم لیگ کے ایک جلسۂ عام میں جو ۷ ارمئی ۱۹۵۱ء کو لائبریری گراؤنڈ میں منعقد ہوا تھا۔ مہاجرین نے قرارداد مہاجرین کی طرف سے مسلم لیگی لیڈروں کی بے اعتنائی کے خلاف سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اور جب مخدوم زادہ حسن محمود اسٹیج پر تقریر کرنے آئے تو ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ مہاجرین کا اصرار تھا کہ مخدوم زادہ قرارداد مہاجرین کو منظور کرنے کا اعلان کریں مخدوم زادہ اس سوال کو ٹالنا چاہتے تھے اور مہاجرین تھے کہ ہر منٹ کے بعد اپنے مطالبات کو دہرا رہے تھے۔ اس کشمکش میں تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ نہ مہاجرین اپنے مطالبے سے دستکش ہوئے اور نہ مخدوم زادہ تقریر کر سکے۔ انہوں نے آخر میں جھنجھلا کر صرف اتنا کہا کہ

"مہاجرین کے لئے نشستیں مخصوص کرنا سخت نقصان دہ ہوگا۔ لیکن اگر مہاجرین اپنے آپ کو تخصیص کی تباہی میں ڈالنا چاہتے ہیں تو میں مرکزی حکومت سے مشورہ کر کے اس بات کا فیصلہ کر دوں گا"

مسلم لیگی قیادت کی کوتاہ اندیشی

چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلم لیگی قیادت یہ دیکھنے کے بعد کہ "قرارداد مہاجرین" مہاجرین کی متفقہ آواز ہے۔ اسے

فراخ دلی سے منظور کرنے کا اعلان کر دیتی۔ تاکہ ان میں اپنی سیاسی کم مائیگی کا جو احساس جاگزیں ہو گیا تھا۔ وہ دور ہو جاتا لیکن دراز کار وساوس اور بعید از فہم اندیشوں کی وجہ سے وہ اس بے ضرر مطالبے کو ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوئی اور اسے ناحق مقامی و غیر مقامی آبادی کے درمیان تفریق کا موجب قرار دیتی رہی حالانکہ راقم الحروف نے یہ قرارداد رکھی ہی اس نیت سے تھی کہ مہاجرین اور مقامی کسی طرح مقامی، نسلی یا طبقاتی کشمکش کا شکار نہ ہوں۔ سوال قوم کے ایک ایسے حصہ کو باعزت اور مرفع الحال زندگی بسر کرنے کے قابل بنانے کا تھا جس کو گردش روزگار نے تباہ حال اور درماندہ کر دیا تھا۔ مہاجرین کو اپنی پراگندگی، سراسیمگی اور وقتی اجنبیت کی وجہ سے انتخابات میں کامیاب ہونے کے وہ مواقع میسر نہیں تھے جو ان کے انصار بھائیوں کو حاصل تھے گویا مہاجرین کے لئے آئندہ انتخابات میں نشستوں کا تعین دراصل ان کی بحالی و آبادکاری کا ایک جزو تھا۔ مسلم لیگی قیادت نے اس حقیقت الامر کو تسلیم نہ کیا اور یہ جاننے کے باوجود کہ قرارداد مہاجرین کسی ایک فرد کی آواز نہیں بلکہ جملہ مہاجرین اس مطالبے کے حامی ہیں وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہ ہوئی اور الٹا اس کے محرک کو طرح طرح سے مطعون اور زچ کرتی رہی۔

مجلس عاملہ میں قرارداد مہاجرین پر دوبارہ بحث

چنانچہ جب بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس (۲۰ جون ۱۹۵۱ء) منعقد ہوا اور اس میں مجلس عاملہ کے سابقہ فیصلے کے مطابق قرارداد دوبارہ غور کے لئے پیش ہوئی تو یہ اعتراض کیا گیا کہ اس پر اس وقت تک غور نہیں ہو سکتا جب تک محرک اس پر دوسرے ارکان کی دوبارہ تائید حاصل نہ کر لے۔ دراصل لیگی قیادت اس عرصہ میں ارکان عاملہ کو اتنا ہموار کر چکی تھی کہ اسے یقین تھا کہ کوئی رکن اب اس کی تائید نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ ارکان (چوہدری بشیر احمد رحیمیہ اور چوہدری عبدالغنی) جو پہلے قرارداد کی تائید آبادکاروں کے مسئلہ میں راقم الحروف کی حمایت حاصل کرنے کی امید پر کر چکے تھے اب تائید کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ ان کی مسلم لیگی قیادت سے مصالحت ہو چکی تھی۔

راقم الحروف کے لئے یہ صورت حالات خاصی پریشان کن تھی۔ تاہم اس نے لیگی قیادت کے اس مطالبے کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں کوئی نئی قرارداد نہیں پیش کر رہا۔ یہ وہی قرارداد ہے جو پہلے زیر غور آ چکی ہے اور جسے آج کے اجلاس میں غور کرنے کیلئے ملتوی کیا گیا تھا اس پر دوبارہ تائید کی ضرورت نہیں۔ کافی بحث کے بعد مجلس عاملہ کو یہ موقف تسلیم کرنا پڑا اور اس نے بادل نخواستہ قرار

پر غور کرنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی محرک پر یہ دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ قرارداد واپس لے لے اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ قرارداد کو مسترد کرنے کی صورت میں مسلم لیگی قیادت کے خلاف مہاجرین میں جو ردعمل ہوگا۔ اس سے وہ بچ جائیں اور مہاجرین یہ تاثر لیں کہ مسلم لیگ تو مہاجرین کے حقوق کا تحفظ کرنے پر آمادہ ہو جاتی لیکن خود ان کے نمائندے نے ہمت ہار دی۔

قرارداد مہاجرین مسترد کردی گئی

راقم الحروف نے اسی وجہ سے قرارداد پر رائے شماری کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ وہ اس کے انجام سے واقف تھا۔ تاہم رائے شماری کے مطالبے میں اصرار کی مصلحت یہ تھی کہ مجلس عاملہ کے اراکین میں جو دوسرے دو مہاجر رکن شامل تھے۔ اور اس قرارداد کے سلسلہ میں شروع سے پُراسرار خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ کسی طرح ان کی رائے بھی ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ جب رائے شماری ہوئی تو توقع کے عین مطابق انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اس طرح وہ قرارداد جس کی حمایت بہاولپور میں آباد تقریباً تمام مہاجرین کی تھی اور جس میں جملہ مہاجرین کا مفاد مضمر تھا۔ کثرت رائے سے مسترد کردی گئی۔

بہرحال بخت و وقت کی نارسائیاں رنگ لائیں اور مہاجرین کو مستقبل میں اپنے سیاسی استحکام کی جو خواہشیں تھیں خاک میں مل گئیں۔

باغی ارکان کا مسلم لیگ سے اخراج، اپیلیں مسترد

جس اجلاس میں قرارداد مہاجرین کو بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے مسترد کر دیا تھا اسی میں چوہدری رحمت اللہ اور منشی ولی محمد کو تین تین سال کے لئے مسلم لیگ کی ادنیٰ رکنیت سے محروم کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ ان کے خلاف تخریبی کارروائیوں کا الزام تھا۔ اس سے پہلے سید عنایت حسین شاہ سابق سپیکر مجلس بہاولپور اور مسٹر علی احمد رفعت کو بھی اسی الزام میں مسلم لیگ سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔

دراصل مسلم لیگی قیادت یہ کوشش کر رہی تھی۔ کہ بہاولپور کی سیاست پر اس کا مکمل تسلط ہو جائے اور مسلم لیگ جو اب بہاولپور کی موثر ترین اور فعال جماعت بن چکی تھی اس میں اس کے خلاف آواز اٹھانے والا کوئی نہ رہے اسی جذبۂ انانیت نے اس کو بہاولپور کے اخبارات کے خلاف اکسایا اور اس نے ہفت روزہ انصاف اور تبلیغ کی اشاعت بند کر دی اس کی تفصیل علیحدہ باب میں درج ہوگی اس لئے اس کا ذکر یہاں نہیں کیا جاتا۔

۲۔ جون ۱۹۵۱ء کو بہاولپور مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا۔ صوفی عبدالحمید

مرحوم صدر پنجاب مسلم بھی بطور خاص اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے اجلاس میں مسٹر رفعت اور سید عنایت حسین شاہ کی اپیلوں پر غور ہونا تھا۔ جو انہوں نے مسلم لیگ سے اپنے اخراج کے فیصلے کے خلاف دائر کی تھیں۔

سب سے پہلے جنرل سیکرٹری نے مسٹر رفعت کے خلاف عائد کردہ الزامات پیش کئے جن میں سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے اخبار ستلج کے ذریعہ مسلم لیگی لیڈروں کو بلا وجہ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسٹر رفعت اجلاس میں موجود تھے انہوں نے اپنی صفائی پیش کرنے کی اجازت چاہی جس کی اجازت بڑی مشکل سے انہیں ملی انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا۔

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

انہوں نے کہا کہ

"میں مسلم لیگ کا وفادار ہوں۔ جماعت کا احترام کرتا ہوں البتہ میں نے لیگ کے لیڈروں پر تنقید ضرور کی ہے اور یہ کوئی جُرم نہیں۔

"مجھے یقین ہے کہ اکثریت میرے خلاف فیصلہ دے گی لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ سچائی اکثریت کے ساتھ ہو۔ نمرود کے ساتھ اکثریت تھی اور ابراہیم اکیلے تھے فرعون کے ساتھ اکثریت تھی۔ حضرت موسیٰ تنہا تھے۔ یزید کے ساتھ اکثریت تھی امام حسینؓ اکیلے تھے۔ لیکن دُنیا نے دیکھا کہ حق اکثریت کے ساتھ نہیں بلکہ اقلیت کے ساتھ تھا"

مسٹر رفعت کی یہ تقریر خاصی زہر میں بجھی ہوئی تھی ۔ ہو سکتا تھا کہ اگر ان کی تائید میں دو ایک تقریریں اسی لب و لہجہ میں ہو جاتیں تو فضا ان کے حق میں ہو جاتی۔ لیکن افسوس ہے کہ کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ یہاں تک کہ ان کے وہ پرانے ساتھی بھی سکوتِ مصلحت آمیز کے شکار رہے جن کے متعلق انہوں نے بڑے فخر سے اس اجلاس میں کہا تھا۔ کہ

"میں نے اور میرے رفقائے کار نے ریاست میں اس وقت مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی تھی جب ہمارے موجودہ رہنما طرب گاہوں میں عیش کر رہے تھے"

جنرل سیکرٹری نے مسٹر رفعت کو ان کی تلخ کلامی پر ٹوکا تو وہ یہ مصرعہ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

"یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری"

اس کے بعد مخدوم زادہ نے مخالفانہ تقریر کی اور کہا چونکہ مسلم لیگی لیڈروں کو کونسل کا اعتماد حاصل ہے اس لئے ان کو برا بھلا کہنا کونسل کو برا بھلا کہنے کے مترادف ہے۔ پیرزادہ سلیم اسلم اور بعض دوسرے ارکان نے بھی رفعت صاحب کے اخراج کے حق میں تقریریں کیں اور بالآخر متفقہ طور پر ان کی اپیل نامنظور کر دی گئی۔

سید عنایت حسین شاہ کی اپیل کا بھی یہی حشر ہوا۔ اور کونسل نے ان کی اپیل بھی مسترد کر کے ان کے اخراج کے فیصلے کی توثیق کر دی۔

آخر میں کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعہ اس معاہدے کو سراہا جو ۲۹ اپریل ۱۹۵۱ء کو امیر بہاولپور اور گورنر جنرل پاکستان کے درمیان ہوا تھا۔ اور جس کی رو سے ریاست بہاولپور کو صوبائی درجہ دیا گیا تھا۔

امیر بہاولپور اور گورنر جنرل پاکستان کے درمیان ایک نیا معاہدہ

یہ معاہدہ سیاسی۔ اقتصادی اور آئینی و قانونی اعتبارات سے بڑا اہم تھا۔ اس کی رو سے حکومت بہاولپور پر دفاع کے سلسلے میں ایک کروڑ روپے سالانہ کا جو بارگراں پڑ رہا تھا اس سے نجات مل گئی اور ریاستی عوام کے حقوق صوبائی باشندوں کے برابر ہو گئے۔ قبل ازیں آئینی طور پر سوائے ان امور کے جن کے بارے میں پاکستان کی وفاقی حکومت سے الحاق ہوا تھا باقی تمام امور میں جملہ اختیارات سلطانی اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کو حاصل تھے۔ اس بنا پر ہی اس امر کے مجاز تھے کہ مزید اختیارات جو صوبجات کی صورتیں مرکز کو تفویض شدہ تھے ریاست بہاولپور کے بارے میں وہ بھی مرکز کے حوالے کر دیں۔ اس معاہدے کے بعد صوبائی امور کے علاوہ باقی دیگر تمام امور مرکزی حکومت کی تحویل و تصرف میں آ گئے اور یہاں کے باشندوں کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ ان امور کے بارے میں جن کے لئے وفاقی عدالت العالیہ کو مجاز کیا گیا ہے۔ وفاقی عدالت العالیہ میں اپیل کریں۔

معاہدے سے قبل ریاست بہاولپور سوائے دفاع۔ امور خارجہ اور رسل و رسائل کے جن کے بارے میں اس نے الحاق کیا تھا۔ باقی سب امور میں خود مختار تھی اور مرکز کو اس کے داخلی امور میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ لیکن اس معاہدے کے بعد صورت حالات بالکل بدل گئی۔ اور مرکز کو ریاست بہاولپور کے داخلی معاملات میں زیادہ سے زیادہ دخل حاصل ہو گیا۔ اور جس طرح دیگر صوبجات میں گورنر مرکزی حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے اسی طرح امیر بہاولپور کو مرکز کے نمائندے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

اس معاہدے پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمود الحسن نے جو اس وقت وزیر امور ریاستہائے پاکستان تھے کہا تھا۔

"انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ کی رو سے جو مضامین صوبائی فہرست میں شامل ہیں وہ

وہ بدستور ریاست بہاولپور کی حکومت کی ذمہ داری میں رہیں گے۔ ریاستی اور فیڈرل مجالس قانون ساز کو متعلقہ امور کے متعلق قانون وضع کرنے کا اختیار ہوگا۔ لیکن اگر وفاق اور ریاستی مجلس قانون ساز میں کوئی اختلاف پیدا ہوا تو وفاقی مجلس کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا"

ڈاکٹر محمود حسن نے مزید وضاحت کی تھی۔

"اس معاہدے اور طریقۂ کار کا اطلاق صرف ریاست بہاولپور پر ہوگا۔ پاکستان کی دوسری ریاستوں پر نہیں ہوگا۔ جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ معاہدے کی رو سے مرکزی حکومت امداد اور قرضوں کے بارے میں ریاست بہاولپور کو دوسرے صوبوں کے برابر درجہ دے گی"

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ریاست بہاولپور کو صوبائی درجہ دینے کا مطالبہ سب سے پہلے بہاولپور مسلم لیگ نے ہی کیا تھا۔ چنانچہ جب امیر بہاولپور اور گورنر جنرل پاکستان کے مابین اس سلسلے میں متذکرہ معاہدہ طے پایا تو مسلم لیگ نے بہاولپور میں جشن مسرت منایا۔ سرکاری اور غیر سرکاری عمارات پر چراغاں کیا گیا اور غرباء میں کھانا تقسیم کیا گیا۔

معاہدے کے اثرات

بعض لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ ریاست بہاولپور سوائے امور دفاع۔ امور خارجہ اور رسل و رسائل کے جن کے بارے میں اس نے الحاق کیا تھا۔ باقی سب امور میں خود مختار رہے اور مرکز کو اس کے داخلی امور میں کوئی عمل دخل نہ ہو۔ حالانکہ صوبائی حکومتوں میں جبکہ ریاستی عوام خواہاں تھے مرکز کو بہت کچھ عمل دخل حاصل ہوتا ہے اور علاوہ خالص مرکزی امور کے وہ دوسرے معاملات میں بھی اپنی حکمتِ عملی بروئے کار لاتی رہتی ہے۔ مثلاً گورنر مرکزی حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے اور اس کو آئینی طور پر وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ جن امور میں مرکز اور صوبجات دونوں کو قانون بنانے کا اختیار ہے ان میں مرکزی قوانین کو صوبائی قوانین پر فوقیت حاصل ہوتی ہے علاوہ ازیں اگر کسی طبقہ کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھا جائے تو مرکز کو از خود یا گورنر کے ذریعہ مداخلت کا حق ہوتا ہے

بہاولپور مسلم لیگ نے جب بہاولپور کو صوبائی درجہ دینے کا مطالبہ کیا تھا تو غالباً اس کا مقصد بھی محض اقتصادی حقوق و مراعات تک محدود تھا۔ یعنی وہ یہ چاہتی تھی کہ مرکزی حکومت جن مرکزی محاصل کی آمدنی صوبجات سے وصول کرتی تھی وہی ریاست بہاولپور سے بھی وصول کرے اور جو مالی امداد صوبجات کو دیتی ہے وہی امداد ریاست بہاولپور کو بھی دے لیکن موجودہ معاہدے تے تادیل کے اس عنوان کو از سرِ نو

بدل ڈالا۔ مرکزی حکومت کو انتظامی امور میں اسی قسم کے تصرف کا حق حاصل ہو گیا۔ جو صوبجات میں اسے حاصل تھا۔ البتہ گورنر کے اختیارات بطور آئینی حکمران امیر بہاولپور کو حاصل ہو گئے اگرچہ ان کا نام نامی اور اسم گرامی امیر بہاولپور ہی کا رہا۔

باب نہم

بہاولپور کی سیاست میں صحافیوں کا کردار

بہاولپور کی سیاست میں صحافت نے سب سے زیادہ موثر کردار ادا کیا ہے خاص طور پر لوگوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اس نے عوام کو ان کے سیاسی حقوق کا احساس دلایا اور ان کے حقوق کی جدوجہد میں ان کی رہنمائی کا فرض ادا کیا۔

بہاولپور میں صحافت کا آغاز

پہلے پہل ریاست میں اخبار کی ضرورت خود حکومت نے محسوس کی تھی اور ۱۸۶۶ء میں صادق الانوار کے نام سے ایک پریس اور صادق الاخبار کے نام سے ایک اخبار جاری کر کے صحافت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ یہ کونسل آف ایجنسی کا زمانہ تھا۔ ریاست پر انگریزوں کی عملداری تھی۔ عوام تو اس عہد کو دور مداخلت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ عوام کی فلاح و ترقی کے اعتبار سے اسے ریاست کا سنہری دور کہنا چاہیئے۔ اسی دور میں انگریز حکام نے حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے صادق الاخبار کے نام سے ایک اخبار کے اجرا کا فیصلہ کیا۔

سرکاری اخبار پر بھی سنسر

صادق الاخبار شروع شروع میں تو صرف سرکاری اعلانات اور بعض احکامات کی اشاعت کیلئے وقف تھا۔ جو عوام کی آگاہی کے لئے اس میں شائع ہوتے تھے۔ بعد میں اس کا ایک حصہ مضامین نظم و نثر پر بھی مشتمل ہونے لگا۔ حکام ریاست نے تو اخبار کی اس تبدیلی پر اعتراض نہ کیا لیکن پولیٹیکل ایجنٹ کا دفتر فوراً حرکت میں آگیا اور اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں ادب اور شعر کی آڑ میں کوئی ایسی چیز اس میں شائع نہ ہو جائے جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ہو۔ اس پر سنسر کی پابندی عائد کر دی۔ چھپنے سے پہلے اخبار کے تمام مندرجات
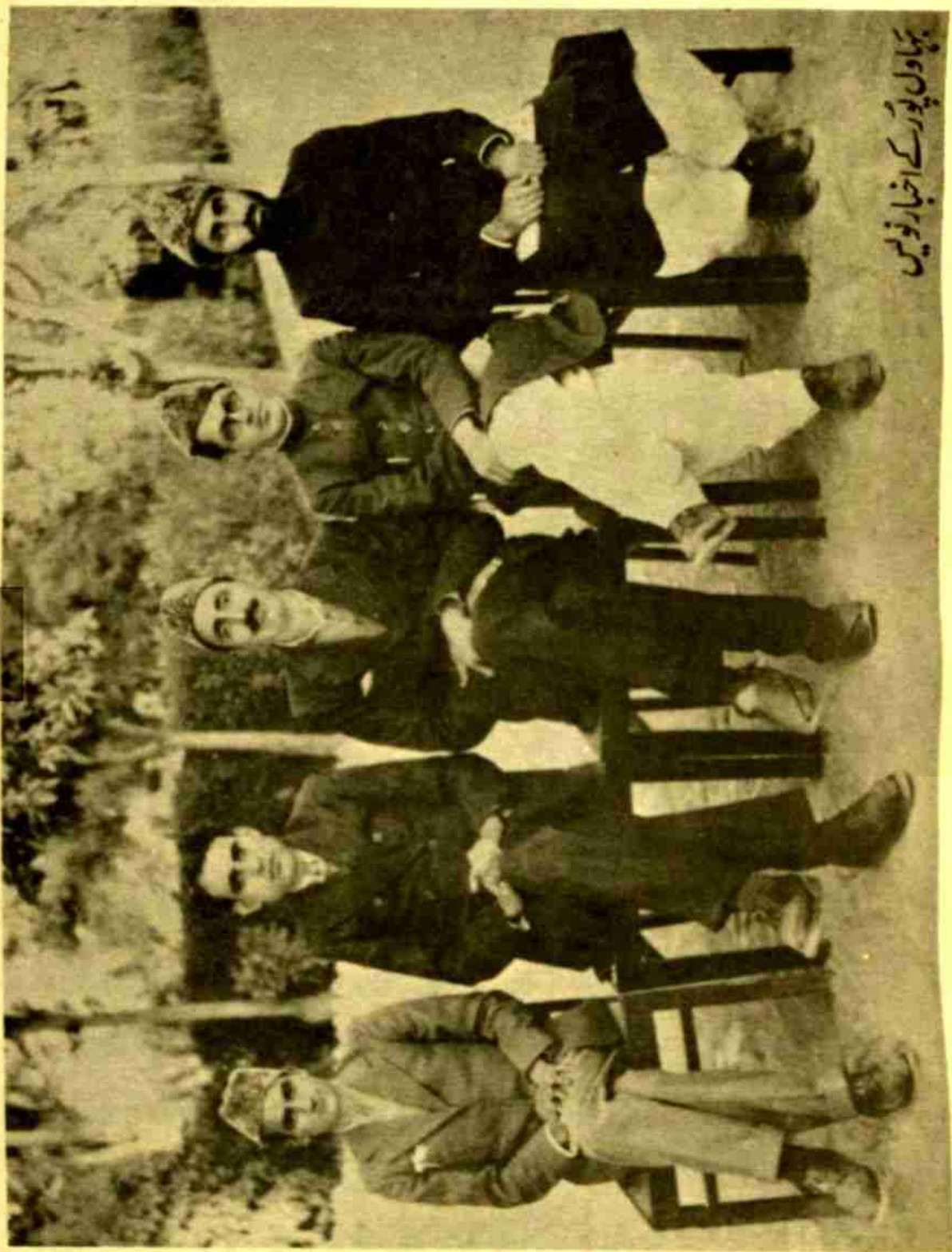
بہاول پور کے اخبار نویس

دائیں سے بائیں:۔ ولی اللہ اُوحد ، شہاب دہلوی ، ملک محمّد دین ، حیات ترین ، اقبال احمد صدیقی

پولٹیکل ایجنٹ کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے جاتے تھے۔ گویا صحافت کے آغاز کے ساتھ ہی بہاولپور میں پابندیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور یہ پابندی سرکار انگلشیہ کی طرف سے ریاستی حکومت پر تھی۔

۱۹۱۳ء میں صادق ایجرٹن کالج کی طرف سے نخلستان کے نام سے اردو اور انگریزی کا ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں سنجرپور تحصیل صادق آباد سے سید مبارک شاہ گیلانی نے ماہنامہ "لالۂ صحرا" جاری کیا جس کے ایڈیٹر مشہور شاعر روش صدیقی تھے۔ ۱۹۳۶ء میں برگیڈیئر سید نذیر علی شاہ نے "رود ستلج" نکالا جو بعد میں "ستلج" کے نام سے نکلتا رہا۔ (یہ اخبار اب بھی ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ اور مسٹر علی احمد رفعت اس کے مدیر و مالک ہیں) ۱۹۳۸-۳۹ء میں پروفیسر شجاع ناموس نے ماہنامہ محقق جاری کیا۔

۱۹۴۰ء میں العزیز اور الاصلاح کے نام سے دو اور ماہنامے بالترتیب مولوی عزیز الرحمٰن مرحوم اور مخدوم غلام کبریا مرحوم کی ادارت میں شائع ہونے شروع ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں ماہنامہ سخنور جاری ہوا۔ اس کا نام پہلے گل صحرا تھا۔ اختر منیر اس کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۴۶ء میں چاچڑاں سے ماہنامہ الفرید اور بہاولپور سے ہفت روزہ نوائے مسلم۔ ہفت روزہ کائنات اور ہفت روزہ انصاف کا اجراء ہوا۔ ۱۹۴۹ء کے اوائل میں ہفت روزہ الہام اور ہفت روزہ پرواز جاری ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں ہفت روزہ مسلمان اور ہفت روزہ الامام نکلے۔

بہاولپور کے صحافیوں کا پہلا معرکہ

قیام پاکستان کے وقت جو اخبار جاری تھے ان میں کائنات انصاف اور ستلج قابل ذکر ہیں۔ بعد میں الہام۔ پرواز مسلمان اور الامام کا بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ اخبارات یہاں کی سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور ہر اخبار اپنی جگہ ایک ادارہ اور ایک تحریک کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعض معاملات میں ان کے درمیان محاذ آرائی بھی ہوتی تھی۔ لیکن جہاں تک آزادی صحافت کا تعلق تھا۔ اس مسئلے پر یہ اپنے تمام اختلافات کے باوجود ہمیشہ یک زبان و یک آواز رہے۔ ۱۹۴۶ء میں ریاستی اور غیر ریاستی کے سوال نے خاصی نزاعی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس مسئلے پر العزیز اور ستلج کی آپس میں ٹھنی ہوئی تھی۔ العزیز ریاستی آبادی کا ترجمان تھا تو ستلج آباد کاروں کے حقوق کی نگہبانی کا علمبردار۔ اس موضوع پر طرفین کی جانب سے بڑے جذباتی انداز میں لکھا جا رہا تھا۔ العزیز کی بعض تحریریں بڑی سخت تھیں جس کی بنا پر حکومت نے اس پر سنسر کی پابندی لگا دی۔ اس پابندی کے خلاف بہاولپور کے تمام اخبارات نے بلا استثنا شدید احتجاج کیا۔ سر رچرڈ کرافٹن اس زمانہ میں ریاست کے وزیر اعظم تھے انہوں نے پریس کانفرنس منعقد کر کے صورت حالات کی وضاحت کرنی چاہی تو مسٹر علی احمد رفعت نے جو بہاولپور کی انجمن مدیران جرائد کے صدر بھی تھے اس میں شرکت سے

انکار کر دیا۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ پہلے العزیز پر سے سنسر کی پابندی اٹھائی جائے۔ گرافٹن نے اس سلسلے میں رد و قدح کی تو تمام اخبارات کے نمائندے واک آؤٹ کر گئے۔ اس متحدہ مطالبے کا یہ اثر ہوا کہ حکومت کو اسی وقت العزیز پر سے سنسر کی پابندی کے احکام واپس لینے پڑے۔

اخبارات کی بہتات

یہ تو مطلق العنانی کے دور کی صحافت کا رنگ تھا۔ اب ذرا دورِ آزادی کی صحافتی سرگرمیوں کا حال ملاحظہ کریں۔ ستمبر ۱۹۴۹ء میں عوامی نمائندہ حکومت کی داغ بیل پڑنے کے ساتھ ہی اخبارات کی اہمیت بڑھنی شروع ہو گئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ اب اخبارات زیادہ آزادی کے ساتھ اظہار رائے کر سکیں گے۔ اور دار و گیر کا جو خطرہ پہلے لاحق رہتا تھا۔ اس سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ لیکن بدقسمتی سے جمہوریت کا یہ دور صحافت کے حق میں زیادہ خوشگوار ثابت نہ ہوا۔ اور جمہوری حکومت کے نمائندے اخبارات کے معاملے میں مطلق العنان امیر سے زیادہ خطرناک اور تنگ نظر ثابت ہوئے۔ پہلا کام اس دور میں یہ ہوا کہ جہاں اب تک صرف پانچ[1] ہفتہ وار اخبارات نکلتے تھے وہاں سے درجنوں اخبارات شائع ہونے لگے لوگوں کو تھوک کے حساب سے ڈیکلریشن دیدئے گئے ایسے لوگ بھی اخبار نویس بن گئے جو صحافت کی ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔ اور اردو کی ایک سطر نہیں لکھ سکتے تھے۔

اخبارات کی یہ بہتات بظاہر بڑی خوش آئند معلوم ہوتی تھی لیکن دراصل اس سے حکومت کا مقصد یہ تھا کہ اگر ایک دو اخبار حکومت پر تنقید کریں تو درجنوں اخبار اس کی تائید و حمایت میں رطب اللسان ہوں اس غرض کے لئے بہاولپور مسلم لیگ نے ایک فنڈ بھی قائم کیا تھا۔ جو ان اخبارات کے اخراجات کی کفالت کرتا تھا۔ اخبارات کی اس کھیپ سے حکومت ان چند اخبار نویسوں کی قوت کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ جنہوں نے خود کو ایک نظم میں پرو کر خارجی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک متحدہ محاذ بنایا ہوا تھا۔

انجمن مدیران جرائد

یہ محاذ انجمن مدیران جرائد کے نام سے قائم تھا۔ اور اس کا الحاق پی۔ این۔ ای سی۔ یعنی پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس سے تھا۔ اس کے ارکان میں ایک

---

[1] قیام پاکستان سے پہلے نوائے مسلم۔ کائنات۔ ستلج اور انصاف نکلتے تھے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں راقم الحروف نے دہلی سے ہجرت کر کے بہاولپور کو وطن بنایا تو دہلی کا الہام یہاں سے شائع کرنا شروع کر دیا۔ اسطرح بہاولپور کے اخبارات کی تعداد پانچ ہو گئی۔ بعد میں محی الدین شان نے پرواز اور ملک محمد دین ایڈووکیٹ نے مسلمان کے نام سے بھی ہفتہ وار اخبارات کا اجرا کیا۔

صرف انصاف۔ ستلج۔ کائنات۔ الہام۔ مسلمان اور الامام شامل تھے۔ نئے شائع ہونے والے اخبارات کو رکن اس لئے نہیں بنایا گیا تھا کہ کہیں سیاسی مقاصد کے تحت یہ انجمن میں پھوٹ ڈالنے کا باعث نہ بنیں۔ ان اخبارات میں پرواز۔ بیباک۔ دفاع۔ العزیز۔ اذان اور جمہور شامل تھے۔

پی۔ این۔ ای۔ سی سے الحاق

پرانے ارکان کو یہ اعتراض تھا کہ یہ اخبار کبھی باقاعدگی سے شائع نہیں ہوتے۔ بلکہ جب کبھی حکومت کو کسی خاص مہم کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ ایک مسئلے پر پی۔ این۔ ای۔ سی نے ان اخبارات کی رکنیت قبول کر لی تھی لیکن بعد میں پرانے ارکان کے احتجاج پر اس کو ان کی رکنیت پھر معطل کرنی پڑی۔

انصاف اور ستلج کی بندش

بہر حال ابھی یہ متنازعہ مسئلہ طے نہیں ہوا تھا۔ کہ حکومت نے ایک ایسا قدم اُٹھا لیا جس نے انجمن مدیران جرائد کو نہ صرف چوکنا کر دیا بلکہ زیادہ فعال و مستعد بھی بنا دیا۔ بات یہ ہوئی کہ انجمن کے دو رکن اخبارات انصاف اور ستلج حکومت پر کچھ دن سے کڑی تنقید کر رہے تھے جنہیں حکومت بند کرنے کی فکر میں تھی۔ بہاولپور سے شائع ہونے والے اخبارات میں اب حکومت کے حامی اخبارات کی تعداد بڑھ ہی چکی تھی اور انہیں کسی نہ کسی طرح پی۔ این۔ ای۔ سی کی رکنیت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے اسے یہ اندیشہ نہیں رہا تھا۔ کہ حکومت کے اس اقدام کے خلاف اخبار نویسوں میں کوئی شدید ردعمل ہوگا۔ چنانچہ اس نے ۴ر جون ۱۹۵۱ء کو ۶ ماہ کے لئے یہ دونوں اخبار بند کر دیئے۔ بندش کے حکم میں لکھا گیا تھا۔

> "کچھ عرصہ سے اخبار انصاف اور ستلج قابل اعتراض مضامین شائع کر رہے تھے۔ جن سے ریاست کے عوام میں عناد اور نفرت پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ نیز ہر دو اخبارات آزادی پریس و تحریر کا بھی نہایت غلط استعمال کر رہے تھے۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مفاد عامہ اور ریاست کے امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے ان اخبارات کی ناواجب اور تخریبی کارروائیوں کو فوری بند کیا جائے۔"

حکومت نے یہ حکم تو دیدیا لیکن یہ خیال اسے بعد میں آیا کہ یہاں ایک پریس ایڈوائزری کمیٹی بھی قائم ہے جس سے کسی اخبار کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے مشورہ لینا ضروری ہے۔ حکومت کے سامنے جب ایڈوائزری کمیٹی کے ارکان کی فہرست پیش ہوئی تو اس میں ایک تو ملزم اخبار کے مدیر حیات ترین مرحوم تھے جو کمیٹی کے کنوینر بھی تھے دوسرے مسٹر ولی اللہ اوحد مدیر کائنات تھے اور تیسرا رکن راقم الحروف (شہاب دہلوی) تھا۔ ان غیر سرکاری ارکان کے علاوہ افسر اطلاعات اور ڈائریکٹر تعلیمات بھی اس کمیٹی کے رکن تھے

راقم الحروف کے متعلق حکومت کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ حکومت کی طرفداری کرے گا۔ کیونکہ بہاولپور مسلم لیگ جس کی اس وقت ریاست میں عملداری تھا۔ راقم الحروف اس کی مجلس عاملہ کا رکن تھا۔ چنانچہ اس اطمینان کے بعد اخبارات کی بندش کی توثیق کے لئے پریس ایڈوائزری کمیٹی سے رجوع کیا گیا۔ انجمن مدیران جرائد بہاولپور پہلے ہی ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کے اس حکم کو غیر جمہوری اور عاجلانہ قرار دے چکی تھی۔ انجمن مدیران جرائد کا موقف یہ تھا کہ حکومت نے پریس ایڈوائزری کمیٹی سے مشورہ کئے بغیر ان اخبارات کو بند کرنے کا حکم دیا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ جب پریس ایڈوائزری کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ تو غیر سرکاری ممبران کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ جن اخبارات کی بندش کے متعلق حکومت نے مشورے کے لئے مشاورتی کمیٹی کا اجلاس طلب کیا ہے وہ اخبارات پہلے ہی بند کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے اب مشاورتی کمیٹی سے اس سلسلے میں مشورہ طلب کرنا بے معنی ہے۔ نیز یہ کہ مشاورتی کمیٹی کا کام حکومت کو مشورہ دینا ہے اور مشورہ اقدام سے پہلے کیا جاتا ہے اس لئے اب تو صرف کمیٹی فیصلے کی توثیق یا تردید کر سکتی ہے جو اس کے حدود اختیارات سے باہر ہے۔ لہٰذا جب تک مذکورہ اخبارات کے خلاف بندش کے احکام واپس نہ لئے جائیں یا حکومت ان میں ترمیم و تنسیخ کا یقین نہ دلائے اس وقت تک مشاورتی کمیٹی کوئی اظہار رائے نہیں کرے گی

اس زمانہ میں افسر اطلاعات شیخ فضل کریم تھے جو اپنی خوش خلقی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے کافی اچھی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اخبار نویسوں کو رام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اپنے اخلاق و مروت کے تمام تیر چلائے لیکن سب خطا گئے اور اخبار نویس کسی طرح اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

آخر مسٹر ولی اللہ اوحد نے ایک قرارداد پیش کی جس میں یہ سفارش پیش کی گئی تھی کہ حکومت سنگین اور انصاف کا معاملہ پی۔ این۔ ای۔ سی کی مشاورتی کمیٹی میں پیش کرے تاکہ وہ غیر جانبدارانہ طور پر حکومت کو کوئی مشورہ دے سکے۔

پی۔ این۔ ای۔ سی کی تحقیقاتی کمیٹی

سرکاری ممبران نے اس قرارداد کی مخالفت کی۔ لیکن راقم الحروف کی تائید اور صدر اجلاس (مسٹر حیات ترین) کے استحقاقی ووٹ سے اُسے منظور کر لیا گیا۔ اور قرارداد کی کاپی پی۔ این۔ ای۔ سی کے صدر کو روانہ کر دی گئی انجمن مدیران جرائد بہاولپور پی۔ این۔ ای۔ سی کو تمام صورت حالات سے پہلے ہی مطلع کر چکی تھی۔ اسلئے اس نے ایک دن ضائع کئے بغیر ایک تحقیقاتی کمیٹی ابو سعید بزمی کی سرکردگی میں حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے فوراً بہاولپور بھیج دی۔ جس نے بہاولپور پہنچکر پہلے مقامی انجمن مدیران جرائد اور پریس ایڈوائزری کمیٹی کے غیر سرکاری ارکان سے ملاقات کی اور ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا پھر ریاست کے وزیر اعظم کرنل لے،

جے۔ ڈرنگ۔ مخدوم زادہ حسن محمود اور دوسرے سرکاری افسران سے ملاقات کی اور ان کا مؤقف دریافت کیا کمیٹی نے متذکرہ اخبارات کی قابل اعتراض تحریریں بھی دیکھیں۔ اس کے بعد اس نے ایک اخباری بیان دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ

"ستلج اور انصاف کی تحریروں کو دیکھ کر جو ریاستی حکومت نے قابل اعتراض ٹھہرائی ہیں۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان اخبارات کے خلاف اس لئے اقدام کیا گیا ہے کہ انہوں نے بہاولپور مسلم لیگ کے صدر مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ، ان کے صاحبزادے مخدوم زادہ سید حسن محمود وزیر مال ریاست بہاولپور اور ریاست کے وزیر اعظم کرنل اے۔ جے ڈرنگ کے خلاف جو آئینی نکتہ چینی کی ہے وہ ریاستی حکومت کو ناپسند ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان تین اصحاب نے پبلک سیکورٹی ایکٹ کو اپنا سیفٹی ایکٹ بنا لیا ہے۔"

ملک گیر احتجاج

اس بیان کے بعد پی۔ این۔ ای۔ سی نے ریاستی حکومت کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے تمام اخبارات کالے حاشیئے کے ساتھ شائع ہوئے اور سب نے بہاولپور کے اخبارات کی بندش کے خلاف اداریئے لکھے۔

اس ہمہ گیر احتجاج کا یہ اثر ہوا کہ حکومت بہاولپور گفت و شنید کے ذریعہ مفاہمت پر آمادہ ہو گئی اور پی۔ این۔ ای۔ سی کے قائمقام صدر مولانا اختر علی خاں مدیر اخبار زمیندار لاہور نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا کہ

"حکومت بہاولپور نے اخبارات کے خلاف جو متشددانہ اقدام کیا تھا وہ ناقابل برداشت تھا۔ اور صحافتی آزادی پر شدید حملہ تھا۔ جسے پی۔ این۔ ای۔ سی کسی صورت میں خاموشی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ صحافیان پاکستان کی نمائندہ جماعت حکومت بہاولپور کے خلاف مؤثر قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کہ حال ہی میں حکومت بہاولپور نے پی۔ این۔ ای۔ سی سے مفاہمت کرنے پر اظہار آمادگی کیا ہے میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ حکومت بہاولپور اس سطح پر اتر آئی ہے جہاں معاملے کو آسانی سے سلجھایا جا سکتا ہے۔ حکومت بہاولپور کے موجودہ مصالحانہ رویہ کے پیش نظر میں پی۔ این۔ ای۔ سی کے تمام ارکان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ نئی کوششوں کے بر آمد ہونے تک مزید کوئی کارروائی نہ کریں۔"

لطیفہ یہاں ایک دلچسپ لطیفہ بھی سن لیجئے جب مولانا اختر علی خاں حکومت سے گفت وشنید کے لئے بہاولپور آئے تو حکومت نے انہیں کچھ ایسا جھانسا دیا کہ وہ ستلج اور انصاف کے ایڈیٹروں کو حکومت سے معافی مانگنے پر مجبور کرنے لگے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ ایک طرف صحافیان پاکستان کی اس انجمن کے صدر کے وقار کا مسئلہ تھا۔ جس نے بہاولپور کے اخبارات کی آزادی کے لئے مثالی تعاون پیش کیا تھا اور دوسری طرف خود ان کے وقار اور اس اصول کا سوال تھا۔ جس کے لئے انہوں نے حکومت سے ٹکر لی تھی۔

وہ تو انجمن مدیران جرائد بہاولپور کے صدر کو بروقت ایک ایسی بات سوجھی کہ حکومت کا کھیل بگڑ گیا اور صحافیوں کی عزت بچ گئی۔ انجمن کے صدر ملک محمد دین مدیر مسلمان تھے۔ انہوں نے اب تو صحافت کو ترک کرکے پیشہ وکالت اختیار کرلیا ہے اور آج کل بہاولپور کے چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ صحافیوں کی برادری میں شامل تھے اس وقت بھی وہ اپنی حاضر دماغی اور غیر معمولی صلاحیتوں میں یکتا و بے نظیر تھے۔ انہوں نے مولانا اختر علی خاں سے علیحدگی میں ملاقات کی اور بڑے رازدارانہ انداز میں کہا کہ "حکومت بہاولپور ہمیں بطور رشوت تارکین کے کپاس کے کارخانے میں حصہ دینا چاہتی ہے۔ ہم چاہیں تو آج یہ پیشکش قبول کرکے اس سے مصالحت کر سکتے ہیں۔ لیکن ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ اس مالی منفعت کا حقدار زمیندار سے زیادہ کوئی نہیں۔ لہٰذا ہم حکومت کے آگے یہ شرط رکھیں گے کہ اگر وہ تارکین کا ایک مکمل کارخانہ زمیندار کے نام الاٹ کردے تو ہم نہ صرف حکومت سے معافی مانگ لیں گے بلکہ آئندہ بھی اس کے خلاف کوئی بات اپنے اخبارول میں نہیں لکھیں گے۔" مولانا بڑے بھولے آدمی تھے۔ ان پر ملک محمد دین کی تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی دن یہ کہہ کر واپس لاہور چلے گئے کہ "میں بہاولپور کے اخبارات کو حکومت سے معافی مانگنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔" ان کا خیال تھا کہ بہاولپور کے صحافی ان کے جانے کے بعد اپنے مشن کو خود کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے اور اس طرح وہ گھر بیٹھے کپاس کے کارخانہ کے مالک بن جائیں گے۔

کامیاب احتجاج پابندی اٹھالی گئی مولانا اختر علی خاں کے جانے کے بعد انجمن مدیران جرائد بہاولپور نے پی۔ این۔ ای۔ سی کے دوسرے ارکان کو تمام صورتِ حالات سے مطلع کیا جس پر پی۔ این۔ ای۔ سی دوبارہ حرکت میں آئی اور اس نے یہ طے کیا کہ آئندہ وہ اپنا سالانہ اجلاس بہاولپور میں منعقد کرے گی۔ تاکہ قصہ زمین برسرِ زمین کے مصداق پاکستان کے تمام صحافی بہاولپور میں جمع ہو کر یہاں کی حکومت کی نبض کی کریں۔ ادھر انجمن مدیران جرائد بہاولپور

نے ایک قرارداد منظور کی کہ اگر ۱۰ ستمبر تک اخبار ستلج اور انصاف پر سے پابندی نہ اٹھائی گئی تو انجمن کے تمام اخبارات ایک ماہ کے لئے ہڑتال کریں گے اور پاکستان کے تمام اخباروں میں بہاولپور کی خبروں کا بائیکاٹ کرائیں گے۔ یہ قرارداد ۴ ستمبر کو پاس ہوئی تھی اور اسی تاریخ کو پی۔ این۔ ای۔ سی کی سٹینڈنگ کمیٹی نے اپنا آئیندہ اجلاس ۱۴ ستمبر کو بہاولپور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ اگلے روز حکومت بہاولپور نے ستلج اور انصاف پر سے پابندی اُٹھالی۔

بہاولپور میں پی۔ این۔ ای۔ سی کا سالانہ اجلاس

بہاولپور کے اخبار نویسوں کی یہ بہت بڑی فتح تھی جس کی خوشی میں انہوں نے بہاولپور میں پی۔ این۔ ای۔ سی کے سالانہ اجلاس کی تیاری بڑے جوش و جذبہ سے کی۔ حکومت بہاولپور نے بھی جو اپنی ہزیمت پر پردہ ڈالنا چاہتی تھی، پی۔ این۔ ای۔ سی کے اجلاس کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صحافیوں کو بہاولپور کے سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرانے کی پیش کش کی۔ بہاولپور کے صحافی سابقہ تلخی کو ختم کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے بھی اس موقع پر حکومت کے تعاون کو نہیں ٹھکرایا۔ چنانچہ بہاولپور کے دارالاسلام میں پی۔ این۔ ای۔ سی کا اجلاس ہوا۔ اور دو دن تک جاری رہنے کے بعد بخیر و خوبی ختم ہوا۔

صدارتی انتخاب

یہ اجلاس اس لحاظ سے بڑا تاریخی تھا۔ کہ اس میں اس وقت کے تقریباً تمام سرکردہ صحافی شریک ہوئے تھے۔ آخری اجلاس میں پی۔ این۔ ای۔ سی کے صدر کا انتخاب ہونا تھا۔ پیر علی محمد راشدی ایڈیٹر سندھ آبزرور جو اس وقت پی۔ این۔ ای۔ سی کے صدر تھے۔ آئندہ سال صدارت کے لئے مسٹر الطاف حسین ایڈیٹر ڈان کو کراچی سے تیار کر کے لائے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اب کے وہی صدر بنیں گے۔ لیکن راشدی صاحب نے بہاولپور پہنچ کر اپنی رائے تبدیل کر لی۔ اور اردو اخبارات کے ایڈیٹروں سے مل کر عین وقت پر مولانا اختر علی خاں ایڈیٹر زمیندار کا نام صدارت کے لئے پیش کرا دیا۔ مسٹر الطاف حسین بھی اب صورت حالات کو بھانپ گئے تھے اس لئے خود انہوں نے مولانا اختر علی کے نام کی تائید کی لیکن اس سلسلے میں انہوں نے جو تقریر کی (یہ تقریر اردو میں کی تھی) وہ بڑی طنزیہ تھی اور اس سے ان کی دلی کدورت آشکارا تھی۔

پی۔ این۔ ای۔ سی کی قراردادیں

اس اجلاس میں کئی قراردادیں بھی منظور ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک میں صحافیوں کے لئے سفر کی سہولتوں کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسی قرارداد کی روشنی میں حکومت نے صحافیوں کے لئے ریلوے کے

کرالیوں میں رعایت منظور کی اور جس سے اخبار نویس آج بھی متمتع ہو رہے ہیں۔

نوائے وقت کا مسئلہ

ان دنوں حکومت پنجاب نے اخبار "نوائے وقت" کی اشاعت بند کر دی تھی اور اخبار کا ڈیکلریشن مسٹر مظفر احسانی کو دے دیا تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں بھی اس اجلاس میں ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ۔

"حکومت پنجاب" نوائے وقت "پر سے فوراً پابندی ہٹائے اگر ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک اخبار نوائے وقت کی اشاعت کی اجازت نہ دی تو کانفرنس کے تمام ممبر اخبارات ایک روز کی ہڑتال کریں گے۔ اور حکومت پنجاب کی تمام خبروں کا بائیکاٹ کر دیں گے۔"

اس قرارداد کے منظور ہونے کے بعد مسٹر مظفر احسانی نے جو پی۔ این۔ ای۔ سی کے رکن تھے نوائے وقت کا وہ ڈیکلریشن جو حکومت پنجاب نے انہیں دیا تھا۔ صدر پی۔ این۔ ای۔ سی کے حوالہ کر دیا۔

اس تاریخی اجلاس میں دو تین اور قراردادیں بھی منظور ہوئی تھیں۔ ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے اشتہارات پر جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے وہ فوراً ختم کیا جائے۔

ایک قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ دورانِ مقدمہ صحافیوں کو قید خانہ میں بی کلاس دی جائے۔ اور انہیں ہتھکڑیاں نہ لگائی جائیں۔

ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتیں پی۔ این۔ ای۔ سی کے آئین کے مطابق پریس ایڈوائزری کمیٹیوں کی تشکیل عمل میں لائیں جو صدر کی رائے سے بنائی جائیں اگر حکومت اسے منظور نہ کرے تو پی۔ این۔ ای۔ سی آئندہ کسی قسم کا مشورہ دینے سے انکار کر دے۔

اخبارات کا رہبرانہ کردار

جس طرح بہاولپور کے اخبارات نے حصول آزادی کی جنگ اور بہاولپور میں عوامی حکومت کے قیام کے سلسلے میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اسی طرح عوامی حکومت کے قیام کے بعد اس کی رہبری کا فریضہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ وقتاً فوقتاً انجمن مدیران جرائد کے اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ جن میں قومی اور علاقائی سطح کے مسائل زیر غور آتے۔ اکثر بعض اہم امور پر مشترکہ ایڈیٹوریل شائع کرنے کا فیصلہ کیا جاتا چنانچہ اس دور میں متعدد مشترکہ اداریئے ان اخبارات نے شائع کئے نئے آئین کے تحت جدید انتخابات کا مرحلہ پیش آیا تو مندرجہ ذیل مشترکہ اداریہ تمام اخبارات نے شائع کیا (ان اخبارات میں سنگم۔ انصاف کائنات۔ الہام۔ مسلمان اور الامام شامل تھے۔)

" عصر حاضر میں جمہوری طرز حکومت کو زیادہ تر اس لئے پسند کیا جاتا ہے کہ اس کے مطابق عنانِ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جن ارکان کا عزل و نصب عوام کی صوابدید پر منحصر ہو ان کو بہر حال رائے عامہ کا احترام کرنا پڑتا ہے اور ان سے بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ووٹروں کے حقوق و مراعات کی حفاظت اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن سعی کریں گے۔ جمہوریت عوام کو یہ اختیار دیتی ہے کہ جو شخص یا جماعت منتخب ہونے کے بعد ان کی توقعات کو پورا نہ کرے یا ان کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھائے اسے وہ آئندہ منتخب نہ کریں۔

" انہی وجوہ کی بنا پر جمہوری ممالک میں انتخابات کو انتہائی اہمیت دی جاتی ہے اور ملک کا ہر ذی شعور باشندہ ان میں گہری دلچسپی لیتا ہے کیونکہ اگر حکومت پر ناموزوں اور نااہل اشخاص کا تسلط ہو جائے تو ایک طویل عرصہ کے لئے پورا ملک آلام و مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

" یہ اطلاعات اب پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہیں کہ بہاولپور میں عنقریب جدید انتخابات ہوں گے۔ الیکشن افسر کا تقرر ہو چکا رائے دہندگان کی فہرستیں مرتب کی جا رہی ہیں۔ توقع ہے کہ اس مرتبہ مجلس کے انتخابات بلا واسطہ ہوں گے اور ہر نشست کے لئے الگ الگ حلقہ متعین و مخصوص کیا جائے گا۔ نئی مجلس میں جس پارٹی کے ارکان کی اکثریت ہو گی۔ وہی پارٹی وزارت مرتب کرے گی۔

قانون کے مطابق یہ ضروری ہے کہ انتخابات سے پہلے اس نئے آئین کا نفاذ کیا جائے جس کے تحت یہ انتخابات عمل میں آئیں گے۔ ان قواعد و ضوابط کا اجرا بھی ہونا چاہیئے جن کے مطابق ووٹروں کی فہرستیں مرتب ہوں گی۔ حلقہ بندی اور نشستوں کی تخصیص ہو گی۔ رائے دہندگان کی فہرستوں میں ترمیم و تنسیخ اور حلقہ بندی میں تغیر و تبدل کیا جا سکے گا۔

" امیدواروں کے کاغذات نامزدگی کی قبولیت اور استرداد بجائے خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس بارہ میں اگر واضح احکام نہ کئے گئے تو اس بات کا قوی احتمال ہو سکتا ہے کہ ریٹرننگ افسران من مانی کریں اور بیک جنبش قلم عوام کے پسندیدہ امیدواروں کو ناکام اور اپنے منظور نظر اصحاب کو کامیاب بنا دیں۔

" اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت پاکستان ایک غیر جانبدار الیکشن

کمیشن مقرر کرے جو تحقیقات کے بعد حلقہ بندی. نشستوں کا تعین باشندگان ریاست کے مختلف طبقات کی متناسب نمائندگی اور انتخابات کے طریق کار سے متعلق قواعد وضوابط مرتب کرے اور یہ کمیشن انتخابات کی نگرانی بھی کرے۔

• گذشتہ انتخابات میں جو بے قاعدگیاں اور بے ضابطگیاں ہوئیں ۔ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاستی آبادی کے دو بڑے طبقات یعنی آباد کاروں اور مہاجروں کو مجلس میں کما حقہ نمائندگی نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ ریاست میں مقیم ۴ لاکھ مہاجروں کا ایک نمائندہ بھی مجلس میں باریاب نہ ہوسکا۔ قدیم آبادی میں سے صرف ایک مخصوص گروہ ہی کامیاب وکامراں ہوا۔ غریب اور متوسط طبقہ کے اہل دماغ لوگ اپنے اپنے حلقوں میں مقبول ہونے کے باوجود اپنے وطن کی پہلی مجلس میں نہ پہنچ سکے۔

• ہم سردست یہ بحث کرنا نہیں چاہتے کہ موجودہ برسراقتدار گروہ نے کس حد تک ان توقعات کو پورا کیا جو عوام نے ان سے وابستہ کر رکھی تھیں لیکن اس مرحلہ پر ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ ریاستی عوام کی بہت بڑی اکثریت موجودہ صورت حالات سے مطمئن نہیں ہے اور تہہ دل سے اصلاح احوال کی متمنی ہے۔

• ریاستی آبادی کے تین بڑے طبقے ،، قدیم ریاستی آباد کار اور مہاجر چاہتے ہیں کہ انہیں ان کی آبادی کے مطابق نمائندگی دی جائے ۔ اس لئے حکومت کو نئے آئین کی ترتیب میں اس بات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کہ اس دفعہ کسی طبقے کی حق تلفی نہ ہونے پائے

ہم حکومت پاکستان اور حکومت بہاولپور سے مطالبہ کرتے ہیں کہ پہلے کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے آئین کو نافذ کیا جائے۔ انتخابی قواعد مرتب کئے جائیں اور پھر ان کے مطابق انتخابات کے تمام مراحل طے پائیں۔

• اس وقت ریاست میں جو پارٹی برسراقتدار ہے قدرتی طور پر سرکاری ملازمین اس کے زیر اثر ہیں۔ اگر انتخابات میں سرکاری ملازمین نے دخل اندازی کی تو یہ انتخابات ایک ڈھونگ بن کر رہ جائیں گے۔ ریاست کے ہر محب وطن کی یہ خواہش ہے کہ نئی حکومت میں ریاست کے مخلص اور قابل ترین لوگ برسرکار آئیں۔ سرکاری ملازمین کو بہر صورت پارٹی بازی سے بالاتر رہنا چاہیئے۔ ان کا اپنا بھلا بھی اسی میں ہے اور حب الوطنی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنے ہموطنوں کو آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرنے

دیں ہم حکومت کو متنبہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بہاولپور مجلس کے آئندہ انتخابات ریاست کی تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بیحد اہم ہوں گے۔ اگر بے ضابطگیوں اور بے راہ رویوں کی وجہ سے نااہل افراد مجلس میں آگئے تو ریاست پر کئی سال کے لئے ایک ایسی حکومت مسلط ہو جائے گی جو باشندگان بہاولپور اور حکومت پاکستان دونوں کے لئے یکساں طور پر نہ صرف غیر مفید بلکہ مضر ثابت ہوگی۔"

عام انتخابات کیلئے حلقہ بندی اور انتخابی قواعد کیلئے کمیٹی کا قیام

ابھی بہاولپور کا نیا آئین نافذ نہیں ہوا تھا تاہم یہ توقع تھی کہ اعلیحضرت اس سلسلے میں بہت جلد مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان کر دیں گے سرکاری سطح پر عام انتخابات کی تیاریاں قبل از وقت شروع ہو گئی تھیں۔ اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ریاست کے وزیر اعظم کو انتخابات کے سلسلہ میں حلقہ ہائے انتخابات کی حد بندی کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی اس کا چیئرمین مجلس دستور ساز پاکستان کے سکرٹری مسٹر ایم۔ بی۔ احمد کو مقرر کیا گیا۔ ممبران میں میر سید محمد فاضل کمشنر بہاولپور، سید این۔ اے۔ زیدی سپرنٹنڈنگ انجنئر اور راؤ فضل الرحمٰن ڈپٹی کمشنر بہاولپور شامل تھے کمیٹی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ حد بندی کے متعلق تمام اعتراضات اور تجاویز پر غور کرے۔

کمیٹی حلقہ بندی نے اپنی ابتدائی رپورٹ عوام کی آگاہی کے لئے ۱۲ دسمبر کو شائع کی اور عوام کو اس سلسلے میں اعتراضات کی دعوت دی۔ ساتھ ہی چیئرمین حلقہ بندی کمیٹی مسٹر ایم۔ بی۔ احمد نے ایک پریس کانفرنس منعقد کرکے وضاحت کی کہ

> "موجودہ حالات کا اندازہ لگانے کے لئے خاص خاص افسران۔ سرکردہ نمائندگان اور پبلک کی آرا معلوم کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ عالیمرتبت وزیراعظم کی رائے بھی معلوم کی گئی ہے لیکن اس مرحلہ پر دریافت حالات کے لئے موقع پر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ حلقہ کی لوٹ کے لئے انتظامیہ امور کے پیش نظر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ حلقہ کا کل حصہ یکجا ہو۔ رائے دہندگان کی اجتماعی حیثیت قائم رہے طبعی حالات یکساں ہوں۔ اور ذرائع نقل و حمل آسان ہوں۔"

کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ ہر حلقہ انتخاب کی آبادی ۲۰ ہزار نفوس کی ہونی چاہیئے۔ اس وقت

ریاست کی کل آبادی ۱۸،۲۰۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی اس حساب سے مجلس میں ۴۹ منتخب شدہ اراکین کی نشستیں رکھی گئی تھیں جنمیں تین خاص نشستیں بھی شامل تھیں۔

نشستوں کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی۔

۱. دیہاتی حلقہ جات ۴۱
۲. شہری حلقہ جات ۵
۳. مستورات ۱
۴. چولستان ۱
۵. غیر مسلم ۱

مہاجرین اور آبادکاروں کے نمائندوں نے کمیٹی حلقہ بندی کے سامنے اپنے محضر نامے پیش کئے تھے لیکن کمیٹی نے ان کی تجاویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ آباد کاروں اور مہاجروں کو تمام آبادی میں مدغم ہونا چاہیئے البتہ یہ ضروری ہے کہ حلقے ایسے بنائے جائیں کہ مہاجرین اور آباد کاروں کو مناسب نمائندگی مل جائے۔

چولستان کو کمیٹی نے مستثنیٰ قرار دے کر اس کے لئے ایک نشست مخصوص کرنے کی سفارش کی اسی طرح مستورات کے لئے بھی ایک نشست مخصوص کرنے کی سفارش کی۔ یہ نشست صرف بہاولپور میونسپل ایریا میں رہنے والی خواتین کے لئے رکھی گئی تھی دوسرے علاقوں کی خواتین کے متعلق کہا گیا تھا کہ انھیں ابھی سیاسی بیداری نہیں آئی ہے۔

کمیٹی نے پانچ شہری حلقے تجویز کئے اور انمیں شہر بہاولپور کو جنوب مشرقی اور شمالی مغربی دو حصوں میں تقسیم کر کے اول الذکر کو چشتیاں۔ حاصل پور۔ قائم پور اور خیرپور کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اور موخر الذکر کو خانقاہ شریف سمہ سٹہ اور ڈیرہ نواب صاحب کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مختلف سیاسی حلقوں کی جانب سے حد بندی کمیٹی کی تجاویز پر اعتراضات کئے گئے لیکن کمیٹی نے ان سب کو مسترد کر دیا

امیدواروں کے لئے انتخابی اخراجات کی حد

حکومت بہاولپور نے مجلس کے انتخابات کے سلسلے میں جو انتخابی قواعد مرتب کئے تھے ان کی رو سے ایک امیدوار کو اپنے انتخاب پر ساڑھے سات ہزار روپے خرچ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور بطور زر ضمانت مبلغ چار سو پچاس روپے اپنے کاغذاتِ نامزدگی کے ساتھ جمع کرانے کا پابند کیا گیا تھا۔

انتخابی قواعد کی منظوری

۲۴ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو اعلیحضرت نے انتخابی قواعد کی منظوری دیدی اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر عنقریب انتخابات کرائے جائیں گے۔

جسٹس سردار محمود خاں کا استعفیٰ

ریاست میں انتخابی سرگرمیوں کے ساتھ ہی بعض ایسے سرکاری افسران جو انتخابات میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتے تھے ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ انہیں سردار محمود خاں جج ہائیکورٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں انہوں نے اپنی پندرہ سالہ ملازمت کو خیرباد کہنے کے بعد ۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو یہ بیان اخبارات کو دیا تھا۔

"میں مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے ایک پختہ کار مسلم لیگی ہوں اور میرا یقین ہے کہ اگر مسلم لیگ خود غرضانہ محرکات سے بالاتر ہو کر کام کرے تو ہمارے جمہوری مقاصد کسی قسم کے جھگڑے اور تلخی کے بغیر حاصل ہو سکتے ہیں۔ میری ناچیز خدمات نہ صرف اس مقصد کے حصول کے لئے وقف ہوں گی بلکہ ریاست کی آبادی کے ہر طبقہ کے حقوق کی حفاظت بھی میرا فرض ہوگا۔ میرے نقطۂ نظر سے سیاست حاضرہ میں خود غرضانہ محرکات اور آئینی غلط کاریوں کو بلاتاخیر ختم ہو جانا چاہیئے۔ آئین کے تقاضوں کو نظرانداز کرنے کے موجودہ حالات سے ہمیں قطعاً مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنے قومی تحفظ، ملکی وحدت اور تعمیر و ارتقا کی خاطر ہمیں دلیری اور مردانگی سے حالات کو رد براہ کر دینا چاہیئے"۔

سردار محمود خاں جج ہائیکورٹ کے علاوہ نظام الدین حیدر ڈائریکٹر فوڈ چوہدری عبدالسلام اسسٹنٹ کمشنر بہاولپور بھی مستعفی ہو چکے تھے۔ یہ افسران اپنا علیحدہ گروپ بنانے کے بجائے مسلم لیگ کے اس بائیں بازو کے ساتھ شامل ہو گئے جو پہلے ہی مسلم لیگی قیادت کے خلاف تھا۔ حقیقت میں مسلم لیگ کا یہ بایاں بازو حزب اختلاف کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کے ارکان ریاست کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے مسلم لیگی قیادت کے خلاف فضا ہموار کر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ بہاولپور مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی جائے نیز عام انتخابات سے پہلے مخدوم زادہ اور ان کے ساتھیوں کو وزارت سے علیحدہ کیا جائے۔

بہاولپور مسلم لیگ کے خلاف قانونی چارہ جوئی

بائیں بازو والے تو مسلم لیگی قیادت کے خلاف سرگرم عمل تھے ہی ان کے علاوہ

کچھ اور عناصر بھی تھے جو مسلم لیگ پر مخدوم زادہ حسن محمود کی اجارہ داری کو پسند نہیں کرتے تھے ان میں مسٹر ریاض ہاشمی ایڈوکیٹ بھی تھے۔ انہوں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہاولپور کی عدالت میں ایک استغاثہ دائر کیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ "بہاولپور مسلم لیگ کو غیر قانونی قرار دیا جائے"۔

ایسا ہی ایک دعویٰ استقرار حق سینئر سول جج بہاولپور کی عدالت میں دائر کیا گیا جس میں مندرجہ ذیل نکات پیش کرنے کے بعد حکم امتناعی کی استدعا کی گئی تھی۔

۱. بہاولپور مسلم لیگ، بہاولپور رجسٹریشن ایکٹ کے تحت باقاعدہ رجسٹرڈ نہیں۔

۲. اس کا الحاق اب تک پاکستان مسلم لیگ سے نہیں ہوا۔

۳. بہاولپور مسلم لیگ نے اپنی جتنی شاخیں قائم کی ہیں۔ ان کا باقاعدہ الحاق بھی نہیں ہوا۔

۴. بہاولپور مسلم لیگ کے معرض وجود میں آنے کے بعد سے اب تک اس کا چندہ وصول نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس کو قائم ہوئے ایک سال سے زائد ہو چکا ہے۔

استغاثہ کی سرسری سماعت کے بعد سینئر سول جج بہاولپور نے حکم امتناعی جاری کر دیا۔ لیکن بعد میں جب مسلم لیگ کی جانب سے ہائیکورٹ بہاولپور سے رجوع کیا گیا تو اس نے حکم امتناعی منسوخ کر دیا اور ایک دو پیشیوں کے بعد مقدمہ خارج ہو گیا۔

دو ضلعوں کے بجائے تین ضلعے

۱۹۵۱ء تک ریاست بہاولپور صرف دو ضلعوں پر مشتمل تھی۔ ایک ضلع رحیم یار خاں اور دوسرا ضلع بہاولپور۔

یکم جنوری ۱۹۵۲ء کو ریاست کا ایک نیا ضلع معرض وجود میں آیا جسے ضلع بہاولنگر کا نام دیا گیا۔ اس ضلع میں بہاولنگر، چشتیاں، منچن آباد اور فورٹ عباس کی تحصیلیں شامل کی گئی تھیں۔ پہلے یہ تمام تحصیلیں ضلع بہاولپور کے ساتھ منسلک تھیں۔

نئے ضلع کی تشکیل کا مقصد جہاں عام لوگوں کو سہولتیں پہنچانا تھا جنہیں ضلع کے صدر مقام تک پہنچنے کے لئے دور دراز کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ وہاں اس کی سیاسی ضرورت بھی تھی تاکہ کوئی اُسے محض دو ضلعوں کا مختصر علاقہ سمجھ کر اس کی مسلمہ صوبائی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش نہ کرے۔

خواجہ ناظم الدین کی بہاولپور میں آمد

وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خاں کے شہید ہو جانے کے بعد خواجہ ناظم الدین نے جو پہلے گورنر جنرل پاکستان تھے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال لیا تھا۔ اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے تھے۔ چونکہ پاکستان کی وزارت عظمیٰ اور پاکستان مسلم لیگ کی صدارت خان لیاقت علی خاں کی زندگی میں ہی لازم و ملزوم قرار دے دی

گئی تھیں اس لئے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بنے تو باعتبار عہدہ پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی بن گئے انہوں نے دونوں حیثیتوں میں ۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء کو بہاولپور کا دورہ کیا۔ بہاولپور مسلم لیگ نے ان کا شاندار خیر مقدم کیا اور ان کے لئے بہاولپور اسٹیڈیم میں ایک جلسہ عام کا اہتمام بھی کیا۔

جلسہ میں مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صدر بہاولپور مسلم لیگ نے پہلے ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں وزیر اعظم پاکستان کی بہاولپور میں تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بہاولپور کی سیاسی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ

> "بہاولپور مسلم لیگ تمام باشندگان ریاست کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اسے بلا تخصیص مقامی و غیر مقامی۔ آباد کار و مہاجرین تمام طبقات آبادی کا اعتماد حاصل ہے۔"

انہوں نے اپنے سپاسنامہ میں اعلیحضرت کی ان دلچسپیوں کو بھی سراہا جو انہوں نے بہاولپور مسلم لیگ کے قیام اور عوام کو اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کا موقع دینے کے سلسلے میں لی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ

> "دو عملی طریق حکومت (جو اس وقت ریاست میں رائج تھی) کے باوجود جو متحدہ ہندوستان میں ناکام رہا ہے۔ ہمارے عوامی وزراء کی اہلیت اور مخلصانہ سرگرمیوں کی وجہ سے امور منتقلہ کے تمام شعبہ جات میں بمقابلہ سابق نمایاں ترقی ہوئی ہے۔"

آخر میں انہوں نے یقین دلایا کہ بہاولپور مسلم لیگ پاکستان مسلم لیگ کی وفادار رہے گی اور بہاولپور کے عوام پاکستان مسلم لیگ کے صدر کے ہر حکم پر لبیک کہیں گے۔

خواجہ ناظم الدین کی طرف سے امیر بہاولپور کو خراج تحسین

اس کے بعد خواجہ ناظم الدین نے تقریر کی انہوں نے کہا کہ

> "قیام پاکستان کے بعد ریاست بہاولپور نے جمہوریت کی طرف تیزی سے قدم بڑھایا ہے۔ اصلاحات کے بعد بہاولپور میں اور پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بہت کم فرق رہ گیا ہے۔

> "آپ کی ترقی میں آپ کے فرمانروا (نواب بہاولپور) کی روشن خیالی۔ ترقی پسندی اور قوم دوستی کو بہت بڑا دخل ہے۔ انہوں نے ہر معاملہ میں مرکز سے پورا پورا تعاون

کیا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے مقابلہ میں اہل ریاست کی بہبود کو مقدم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے آئینی فرمانروا کی روشن مثال قائم کی ہے ان کا تدبر بہاولپور میں یادگار ہے گا اور ان کی حب الوطنی کا جذبہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

" پاکستان میں بہاولپور پہلی ریاست ہے۔ جسمیں نمائندہ مجلس قانون ساز قائم ہوئی اور وزرا ارکان مجلس میں سے منتخب ہوئے۔ آئینی اصلاحات کی دوسری قسط انشااللہ جلد نافذ ہونے والی ہے۔ بہاولپور کی آئینی ترقی کے پیش نظر مرکزی حکومت نے کچھ عرصہ قبل یہ طے کیا کہ بہاولپور سے تقریباً ویسے ہی تعلقات قائم کئے جائیں جو صوبائی حکومتوں کے ساتھ ہیں۔ اس فیصلے سے بہاولپور کے سامنے ترقی کا ایک نیا میدان کھل گیا ہے اور امید ہے کہ ریاست کی حکومت اور یہاں کے عوام اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔

"بہاولپور نے اس منزل میں ابھی قدم رکھا ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ ایسی روایات قائم کریں جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حق رائے دہندگی کو پوری احتیاط اور تدبیر کے ساتھ استعمال کریں گے۔"

خواجہ صاحب کی تقریر خاصی طویل تھی۔ انہوں نے ریاست کی اقتصادی، صنعتی اور تعلیمی ترقی کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے علاوہ دفاعی انتظامات پر بھی اظہار اطمینان کیا تھا۔ آخر میں انہوں نے مسلم لیگ میں پیدا ہونے والے منافقات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

" کسی سیاسی جماعت میں اختلافات اور مناقشات اگر حد سے بڑھ جائیں تو وہ زیادہ عرصہ تک عوام کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتی۔ جمہور میں ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو ان اختلافات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں ان کے ذہن پر یہی اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ چند خود غرض اور اقتدار پسند جمع ہو گئے ہیں جو اعتماد کی امانت کا بار نہیں اٹھا سکتے اس طرح خود بخود وہ اقتدار ہاتھ سے نکل جاتا ہے جس کے لئے تمام مناقشات رونما ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں کا یہ دستور ہوتا ہے کہ جو امور کثرتِ رائے سے طے پائیں انہیں تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ہمارے لوگوں میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی کہ کسی فیصلہ کو آخری تصور کریں حکومت پر آپ کو نکتہ چینی کا حق ضرور ہے لیکن یہ نکتہ چینی جائز ہو۔ تخریبی نکتہ چینی ہرگز جائز نہیں۔

خان قیوم کی بہاولپور میں آمد

۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعظم خان عبدالقیوم خان بہاولپور میں آئے۔ اسی دن بہاولپور مسلم لیگ کونسل کا اجلاس تھا جس میں بطور خاص انہوں نے شرکت کی اور تقریر بھی کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"میں یہاں الیکشن میں حصہ لینے نہیں آیا بلکہ کچھ روز آرام کرنے آیا ہوں لیکن بحیثیت ایک مسلم لیگی کے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بہاولپور مسلم لیگ کو ہر قسم کی امداد دی جائے۔ مجھے امید ہے کہ بہاولپوری عوام مسلم لیگ کو کامیاب بنائیں گے۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بہاولپوری عوام اور ان کے نمائندے صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ آپ کو عنقریب ذمہ دارانہ نظام حکومت ملے گا۔ آپ کا مستقبل شاندار ہے اور انشاء اللہ ذمہ دار نظام حکومت چلانے میں آپ کامیاب ہوں گے۔"

دراصل بہاولپور میں ان پاکستانی لیڈروں کی آمد انتخابی مہم کی حیثیت رکھتی تھی۔ چونکہ عنقریب بہاولپور میں عام انتخابات ہونے والے تھے اس لئے یہ حضرات بہاولپور مسلم لیگ کی اہمیت اور وقار بڑھانا چاہتے تھے تاکہ انتخابات میں اسے کامیابی ہو۔

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ

مسلم لیگ کونسل کے جس اجلاس میں خان قیوم نے شرکت کی تھی اسمیں چند قراردادیں بھی پیش کی گئی تھیں۔

ایک قرارداد میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے فوری قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا کہ اعلیحضرت نے ابھی تک اس سلسلے میں اعلان نہیں کیا۔ ایک قرارداد کے ذریعہ خان لیاقت علی خان کی المناک وفات پر انتہائی رنج و ملال کا اظہار کیا گیا۔ اور ایک دوسری قرارداد میں خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ان کو ہر ممکن امداد و تعاون کا یقین دلایا گیا تھا۔

ایک قرارداد مخدوم زادہ حسن محمود کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کرنے کے لیے منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں بہاولپور مجلس۔ بہاولپور گورنمنٹ اور پاکستان دستور ساز اسمبلی میں انکی مخلصانہ کوششوں کو سراہا گیا تھا۔

بہاولپور میں حزب اختلاف کا قیام

بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے وقت سے ہی حزب اختلاف نے جنم لے لیا تھا۔ اسمیں کچھ تودہ لوگ شامل

تھے جو مسلم لیگ کے عہدیداروں بالخصوص مخدوم زادہ حسن محمود اور ان کے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ سے اختلاف رکھتے تھے اور کچھ وہ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ جو اسٹیٹس مسلم لیگ کے ختم ہونے کے بعد بہاولپور مسلم لیگ میں آ گئے تھے۔ آگے چل کر انہیں مستعفی ہونے والے افسروں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ ان سب نے مل کر مسلم لیگی قیادت کے خلاف متحدہ محاذ بنایا۔ ان کا مطمع نظر یہ تھا کہ یا تو لیگ کی قیادت ان کے ہاتھ میں آئے یا مسلم لیگ کی موجودہ تنظیم ختم کر دی جائے اور وہ خود اپنے ڈھب کی تنظیم کریں تاکہ آئندہ مسلم لیگی حکومت ان کے ہاتھوں پروان چڑھے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر سے انہوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک طرف مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف بہاولپور مسلم لیگ کے اراکین کو مخدوم الملک اور مخدوم زادہ کے خلاف اکسایا تاکہ ان کے ذریعہ وہ ان دونوں (باپ بیٹے) کو مسلم لیگ کے اقتدار سے ہٹا سکیں لیکن ان کی یہ کوششیں بارآور نہ ہو سکیں۔ نہ لیگ کونسل میں یہ کوئی عدم اعتماد کی قرارداد پاس کرا سکے اور نہ مرکزی لیگ کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو سکے۔ چنانچہ جو تحقیقاتی کمیٹی اس غرض کے لئے مقرر ہوئی اس نے ان کی جانب سے عاید کردہ کسی الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ علاوہ ازیں خود خواجہ ناظم الدین جو پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی تھے جب بہاولپور کا دورہ کر کے واپس کراچی پہنچے تو انہوں نے اخبارات کو بیان دیتے ہوئے صاف یہ کہا کہ

> "بہاولپور مسلم لیگ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ بعض افراد کو ریاست کی بعض شخصیتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے۔"

اس صورت حالات سے مایوس ہو کر کچھ لوگوں نے تو سجدۂ سہو کر کے دوبارہ مسلم لیگ میں جانے کی کوشش شروع کر دی۔ اور کچھ لوگوں نے بیرونی پریس کا سہارا لیا۔ اس معاملے میں میرزا حسین نے جو مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹیوں میں کانگرسی اور احراری افراد کی شرکت کے خلاف بطور احتجاج مستعفی ہو گئے تھے بڑا اہم رول ادا کیا۔ بہاولپور سے باہر ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ پاکستان کے اکثر اخبارات تک ان کی پہنچ تھی۔ نوائے وقت کے حمید نظامی مرحوم ان کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بہاولپور کی مسلم لیگی قیادت کے خلاف صحافت کا محاذ سنبھالا اور انہیں بہاولپور میں مسلم لیگ کی بے ضابطگیوں اور مسلم لیگی لیڈروں کی غلط کاریوں کے متعلق مواد فراہم کرنا شروع کر دیا۔ نوائے وقت میں وہ خود لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔

اس اخباری مہم کا مسلم لیگی قیادت کوئی توڑ نہ کر سکی۔ اس کے مقامی حامی اخبارات اگر سب مل

کر بھی بہاولپور مسلم لیگ کی حمایت کرتے اور صرف ایک نوائے وقت میں ایک مخالفانہ خبر یا مکتوب چھپ جاتا تو وہ اس کی بنیادیں ہلا دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ اس نے مسلم لیگی لیڈروں کو خاصا زچ کیا۔ ایک بار تو مخدوم زادہ حسن محمود نے اس سلسلے میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ پاکستان کے اخبارات سے بڑی دردمندانہ اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ اور موجودہ وزارت کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا نہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ

"میں بہاولپور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے پاکستان کے تمام مدیران جرائد کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ بہاولپور آکر یہاں کے حالات اور واقعات کا جائزہ لیں انہیں ریاست بھر میں پوری آزادی سے دورہ کرنے، لوگوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے اور مسلم لیگ نیز موجودہ وزارت کی تمام تعمیری کارکردگیوں کا مطالعہ کرنے کے لئے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔"

اس اپیل کے باوجود بہاولپور مسلم لیگ اور اس کی وزارت بیرون ریاست کے اخبارات کی تنقید کا ہدف بنی رہی اور بہاولپور کے جو عناصر ان کی مخالفت پر متحد ہوئے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ ایک حزب اختلاف کی شکل اختیار کر لی اور میاں نظام الدین حیدر اس کے کنوینر منتخب ہو گئے۔ ارکان میں سردار محمود خاں، میرزاہد حسین، منشی ولی محمد اور میاں عبدالسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نواب مشتاق احمد گورمانی کی بہاولپور میں آمد

نواب مشتاق احمد گورمانی ریاست بہاولپور کی وزارت عظمیٰ سے سبکدوش ہونے کے بعد پاکستان کی وزارت امور کشمیر کے وزیر بنا دیئے گئے تھے۔ پھر وزارت داخلہ کا قلمدان ان کے سپرد ہوا اسی حیثیت میں انہوں نے فروری ۱۹۵۲ء کے اواخر میں ریاست کا دورہ کیا۔ اپنے دورے میں انہوں نے لیاقت پور۔منڈی کا افتتاح کیا۔ چشتیاں کے میدہ مویشیاں میں گئے اور نئی اصلاحات کے اعلان کے سلسلے میں اعلیحضرت نے جو دربار منعقد کیا تھا اس میں بھی شرکت کی۔

لیاقت پور منڈی کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا اور مخدوم زادہ حسن محمود نے اس میں سپاسنامہ پیش کیا تو کچھ لوگوں نے "مسلم لیگ توڑ دو" کے نعرے لگائے۔ چنانچہ نواب مشتاق احمد گورمانی نے اپنی تقریر میں اس کا سخت نوٹس لیا اور کہا کہ

"میں اس تقریب میں سیاست کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے کچھ ایسے نعرے سنے ہیں جن میں مسلم لیگ کو توڑنے کا ذکر تھا۔ لیکن میں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلم لیگ توڑنے والوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

"آج مسلم لیگ کو توڑنے کا وقت نہیں ہے بلکہ اسے اور زیادہ مضبوط و مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔ مسلم لیگ قائد اعظم کی یادگار اور قومی امانت ہے۔ اس کے دشمن وطن کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی کو مسلم لیگ سے اختلاف ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی علیحدہ جماعت بنالیں اور مسلم لیگ کو توڑنے کا ہرگز نام نہ لیں۔

"ریاست بہاولپور بھی پاکستان کا حصہ ہے اور پاکستان کے صوبائی نظام میں برابر کی شریک بننے والی ہے۔ ہم اسے کبھی کمزور نہیں ہونے دیں گے"

چشتیاں کے میلہ مویشیاں کے موقع پر بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسۂ عام کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس جلسہ میں بھی نواب مشتاق احمد گورمانی نے تقریر کی انہوں نے اپنی تقریر میں ریاستی حکومت کے ڈھائی سالہ دور کی کارگذاری کی داد دیتے ہوئے کہا کہ

"میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ریاست بہاولپور ترقی و تعمیر کے میدان میں پاکستان کے کسی صوبے سے پیچھے نہیں ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے بہاولپور کی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

"میں نے یہاں دو قسم کے نعرے سنے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں ذمہ دار حکومت بنانے کا اختیار دو اور دوسرا نعرہ یہ کہ حکومت کو توڑ دو۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ لوگ حکومت بنانے اور توڑنے کے اختیارات کے لئے بیتاب ہیں لیکن یاد رکھئے کہ پاکستان زندگیوں کو سنوارنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ نہ کہ بگاڑنے کے لئے۔

"جمہوری نظام میں حزب اختلاف بڑا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن بدنظمی اور ہلڑ بازی کا حق جمہوریت بھی کسی کو نہیں دیا کرتی۔

"کل کے حزب اختلاف اور آج کے حزب اختلاف کے نظریوں میں بڑا فرق ہونا چاہیئے انگریزی حکومت کے خلاف حزب اختلاف کا شور اور ہڑبونگ بے شک بجا تھا۔ لیکن آج ہم آزاد ہیں اور ہمارے ہاں جو حکومت بھی بنتی ہے۔ وہ اکثریت کی بنائی ہوئی اپنی حکومت ہوتی ہے۔

"حکومت خدا کی نعمت ہوتی ہے۔ اور اس نعمت کو ٹھکرا دینے والوں کا حشر من و سلویٰ کو ٹھکرا دینے والی قوموں کا سا ہوتا ہے۔ اس لئے حزب اختلاف کو کبھی ہوا سے اپنا گھر آپ ڈھا دینے کے نعرے لگا کر پاکستان کی دوستی جتانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

نواب مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ حکومت پاکستان کی دونوں مذکورہ بالا تقریروں کے مطالعہ کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ حکومت پاکستان بہاولپور مسلم لیگ کو ریاست میں برسر اقتدار دیکھنا چاہتی تھی۔ گورمانی صاحب کے علاوہ وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین پہلے ہی بہاولپور کی مسلم لیگی حکومت کی تعریف کر چکے تھے۔ اس لیے اس میں کچھ شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ پاکستانی زعماء بہاولپور مسلم لیگ اور اس کے قائدین کے خلاف کسی شکایت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جو حزب اختلاف یہاں معرض وجود میں آئی تھی اس سلسلے میں اس کی کوئی کوشش فوری طور پر بار آور نہ ہو سکی۔"

باب دہم

ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان

بہاولپور کی سیاسی سرگرمیوں کا منتہائے مقصود ذمہ دارانہ نظام حکومت کا حصول تھا جس کیلئے بہاولپوری عوام کوشاں تو مدت سے تھے۔ لیکن صحیح معنی میں منتظم طور پر ان کی جدوجہد کا آغاز قیام پاکستان کے بعد ہوا۔ اور جس منزل پر پہنچنے کے لئے برصغیر کے مسلمانوں کو تقریباً چالیس سال لگے تھے وہاں ریاستی عوام صرف تین سال میں پہنچ گئے۔

اعلیحضرت امیر بہاولپور نے جب ۱۹۴۹ء میں اصلاحات کی پہلی قسط عوام کو دی تھی تو اس وقت انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ بتدریج عوام کو حکومت میں شامل کریں گے۔ چنانچہ پہلے بلدیات میں عوامی نمائندگی کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد دو عملی طرز حکومت (DIARCHY SYSTEM) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ تیسرا اور آخری مرحلہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے نفاذ کا تھا۔ جس کا باقاعدہ اعلان یکم مارچ ۱۹۵۲ء کو ایک دربار خاص منعقد کر کے اعلیحضرت نے کیا۔

یہ دربار صادق گڑھ پیلس (ڈیرہ نواب) میں منعقد ہوا۔ اس میں عمائدین ریاست۔ وزراء اور ولیعہد برگیڈیر محمد عباس کے علاوہ نواب مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ حکومت پاکستان نے بھی شرکت کی۔ انہیں اعلیحضرت نے اس تقریب میں بطور خاص مدعو کیا تھا اور اس میں شرکت کے لئے انہوں نے اپنے دورہ بہاولپور کے پروگرام میں توسیع کر دی تھی۔ اس موقع پر اعلیحضرت نے جو تقریر کی اس کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

"میں آج اس دربار میں اپنی ریاست کے اہالیان کو ذمہ دار حکومت کے اجرا کا اعلان

کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ اس موقع پر مختصراً حالات گذشتہ پر نظر ڈال لینا بے جا نہ ہوگا۔ میرا خانوادہ عم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وارث اور خلافت عباسیہ کی یادگار اس برصغیر میں پانچ سو سال سے بحیثیت فرمانروا خلق اللہ کا خدمت گذار ہے۔ مجھے چھوٹی عمر ہی میں فرمانروا کی حیثیت سے بہاولپور کے انتظام و اہتمام کا بار اٹھانا پڑا۔ اس دور کی تقریباً تیس سالہ تاریخ آپ صاحبان کے پیش نظر ہے۔ میری ہمیشہ جدوجہد یہ رہی ہے۔ کہ میری حکومت کا طرز و انداز تا حد امکان جہاں اسلامی نظام کا حامی اور عباسیہ حکومت کی روایات کا حامل ہو۔ وہاں ضروریات زمانہ اور اقتضائے حالات حاضرہ کے بھی مطابق ہو

"میں اپنے عزیز باوقار نواب گورمانی کا متشکر گذار ہوں کہ اپنے اس دورۂ ریاست میں انہوں نے بسیط تقاریر میں میری ان کوششوں کا بطریق احسن ذکر کیا ہے جو سرزمین بہاولپور کی سرسبزی اور شادابی اور اپنی عزیز ترین رعایا کی بہبودی کے لئے میں نے کی ہیں۔

"اہالیان بہاولپور کے مفاد عام کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری ہمیشہ تمنا اور سعی یہی رہی ہے کہ ساکنان سرزمین ریاست ہذا کو حکومت کے انصرام میں شریک کیا جائے تاکہ وہ ذمہ دار حکومت کی کامل اہلیت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ صاحب تدبیر اور قابل وزیر اعظم سر رچرڈ کرافٹن کو بھی میں نے اندریں بارہ ایمار کر کے مدارج اولیں کا افتتاح کرا دیا تھا۔ ان کے ممتاز جانشین یعنی ہمارے اس وقت مہمان معزز نواب گورمانی صاحب نے باوجود اس کے کہ بوجہ تقسیم برصغیر انہیں نہایت غیر معمولی حالات سے دوچار ہونا پڑا اور سخت ترین سیاسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن موصوف نے بھی اس جانب ترقی کی منازل طے کیں۔

"مملکت متبرکہ پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل ہی بابائے قوم قائد اعظم مرحوم و مغفور سے میں ۱۹۴۳ء سے اندریں معاملات تبادلۂ خیالات کرتا رہتا تھا۔ اور آج میں نہایت فخر و مسرت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سب سے پہلا مملکت محتشم پاکستان میں شامل ہونے والا بہاولپور کا حکمران ہی تھا۔ جس دستاویز پر مرحوم بابائے ملت کے اور میرے دستخط ثبت ہوئے اس کی ترتیب و تکمیل میرے اس دانشمند اور بہی خواہ دوست ہی کے فکر و تدبر کا نتیجہ تھی۔ جو کہ آج دربار میں میرے دست راست پر رونق افزا ہے۔

"اس موقع پر یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس وقت سے لے کر جب کہ اس دستاویز پر ہمارے دستخط ثبت ہوئے آج تک میرا لائحہ عمل یہی رہا ہے کہ انصرام معاملات بنانے

قوانین و شرائط طے شدہ پر نہ رہے بلکہ اس نیت خوش عقیدگی پر رہے کہ میری ریاست کے اہالیان کی بہبودی و سیاسی ترقی پیش نظر ہو۔ اور مملکت عالیہ پاکستان کے استحکام و مضبوطی ہمارا مسلک ہو۔ چنانچہ بفضل رب العزت آج جب کہ میں اپنی عزیز ترین رعایا کو حقوق حکومت ذمہ داری کا اعلان کرتا ہوں تو یہ بھی ساتھ ہی کہوں گا۔ کہ منازل سیاسی ارتقاء کی آپ کے ہمسایہ صوبہ ہائے پاکستان نے حکومت وقت سے پچھلے مزید چالیس سال چند در چند قسطوں میں حاصل کیں وہ آپ کو تین سال کے قلیل عرصہ میں بمسرت و خوشی دی جا رہی ہیں۔ اور میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ ہماری ریاست کسی سیاسی حیثیت سے بھی دیگر صوبہ ہائے پاکستان سے کم نہ رہے۔

"میں آج یہ اعلان کرتے ہوئے انتہائی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ میں نے گورنمنٹ آف بہاولپور عبوری دستور ایکٹ ۱۹۵۲ء نافذ کر دیا ہے جس کے تحت بہت جلد ریاست کی مجلس کے لئے بالغ رائے دہندگی کے اصول پر انتخابات عمل میں لائے جائیں گے اور ریاست ہذا میں بھی نمائندہ ذمہ دار حکومت قائم ہوگی۔ جو رائے عامہ کو بہر طور ملحوظ رکھے گی۔ اور عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

"ہماری یہ خواہش ہے کہ اس نئے ایکٹ کے ماتحت عام انتخابات جلد از جلد عمل میں لائے جائیں۔ اندریں بارہ ہماری جانب سے احکامات صادر ہو چکے ہیں۔

"اس موقع پر مجھے نہایت مسرت کے ساتھ یہ بھی کہنا ہے کہ میرے وزیر اعظم کرنل ڈرنگ کی خدمات عموماً ہر ایک شعبہ میں اور خصوصاً ذمہ دارانہ حکومت کی تیاری کے سلسلے میں نہایت قابل ستائش رہی ہیں۔ ان کی کارکردگی اور فرض شناسی قابل داد ہے۔ اپنے رفقائے کار کو اپنے وسیع انتظامی تجربے سے مستفید کیا ہے اور مجھے کلی یقین ہے کہ کابینہ موجودہ کے وزراء نے کرنل صاحب کی قابلیت سے کما حقہ فائدہ حاصل کیا ہے۔

"اس ریاست کی تاریخ میں آج کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اپنے عوام کو سیاسی مدارج کے اس مرتبہ پہ لانے میں خود کو کامیاب دیکھتا ہوں۔ جس طرح اپنی اولاد کو اچھی تربیت دینے کے بعد قابل اعتماد سمجھ کر انسان مسرور ہوتا ہے۔ آج میں ایسی ہی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

"جن صاحبان نے گذشتہ تین سال میں خدمات انجام دی ہیں ان کی کارکردگی:

نہایت حوصلہ افزا ہے اور اسی اعتماد کلی پر میں انہیں مزید ذمہ داریوں کا مستحق قرار دیتا ہوں میں انتظام و انصرام ملکی میں ہر وقت بدستور دلچسپی لیتا رہوں گا۔ اور ان کی معاونت اور رہبری کے لئے ہر وقت تیار رہوں گا۔ اور ان کی فلاح و بہبود ہر وقت مجھے عزیز رہے گی۔

"مجھے اس موقع پر رائے دہندگان، آنے والے ممبران مجلس اور وزراء سے چند الفاظ نصیحت کہنے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ آپ کے نئے اہم حاصل شدہ حقوق آپ پر اسی قدر اہم ذمہ داریاں بھی لا رہے ہیں۔ جمہوری حکومت کو کامیاب بنانے کے لئے خود عوام میں جمہوری جذبات اور روشن خیالی کا ہونا ضروری ہے جمہوری طریق حکومت کا ایک ناگزیر اصول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی جو آپ سے متفق نہ ہوں کشادہ دلی سے کام لیا جائے۔ جو جماعت بھی اکثریت حاصل کرے اختیار حکومت اسی کا حق ہوتا ہے۔ مگر یہ اختیار ذاتی نفع کے حصول کے لئے ہرگز استعمال نہیں ہونا چاہیئے۔

"ایک ایسی جماعت کی موجودگی جو حکومت کی کارکردگی پر نیک نیتی کے ساتھ نکتہ چینی اور اعتراض کر سکے جمہوری طریق حکومت کا ایک ناگزیر اصول ہے ایک جمہوری نظام میں جماعت مخالف کی بنیاد اس اصول پر ہوتی ہے کہ اکثریت کے طریق کار پر تعمیری انداز سے تنقید کرے اور اپنے لئے ایک ایسی فضا پیدا کرے کہ وہ ایک وقت اکثریت میں آ سکے۔ جماعت مخالف کو یہ اصول ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے کہ وہ کبھی ایسی بات نہ کہیں اور ایسے حقوق کا مطالبہ نہ کریں کہ کسی وقت اپنے اکثریت میں آنے کے بعد وہ خود ان باتوں کا کہنا مناسب نہ سمجھیں اور ان مطالبات کا پورا کرنا ان کے اپنے لئے ممکن نہ ہو۔

"تخریبی طریقہ" اعتراض۔ غیر دانشمندانہ اور غیر ذمہ دارانہ طور پر آئینی حکومت کے خلاف اقدام سے بہر حال احتراز لازم ہے۔ اس لئے کہ سیاسی ارتقاء کی موجودہ منزل پر یہ طریقہ خود جمہوریت ہی میں عوام کے اعتبار و اعتماد کو زائل کر دینے کا امکان رکھتا ہے۔ ذمہ دار حکومت کا سپرد کیا جانا آنے والی حکومت اور آئندہ جماعت مخالف پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے فرائض نہایت ذمہ داری کے ساتھ انجام دیں حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ ایک ذمہ دار حکومت کی طرح کام کرے اور جماعت مخالف کا فرض ہے کہ وہ مخالفت بھی ذمہ دارانہ انداز سے کرے اور کبھی یہ امر فراموش نہ کرے کہ ایک دن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے بھی یہ بار گراں اٹھانا پڑے۔

"رائے دہندگان پر بھی جو ریاست کی مجلس کے لئے اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک قوم کے عوام کو اسی قسم کی ذمہ دارانہ حکومت ملا کرتی ہے جس کے وہ اہل ہو گئے ہیں۔ اور آئندہ بننے والی حکومت عوام کی سیاسی پختہ کاری۔ دانشمندی اور ایمانداری کے ساتھ نئے حاصل کردہ حقوق تمام ملک اور قوم کے مفاد کے لئے استعمال کرنے کی قابلیت کی آئینہ دار ہو گی۔

"اس موقع پر اپنی حکومت کے ذمہ دار افسران۔ عہدیداران و جملہ اہلکاران کو مخاطب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں آپ صاحبان پر حکومت کی مشینری کی رفتار کا دارومدار ہے۔ مسرت سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ سب کی کارکردگی قابل ستائش ہے آپ سب سے امید یہی ہے کہ آپ بلا کسی جماعت سیاسی کا اثر قبول کئے ہوئے اپنے فرائض منصبی کو پوری پوری دیانتداری۔ غیر جانبداری اور فرض شناسی کا سے انجام دیتے رہیں گے۔

"اپنی تقریر ختم کرنے سے قبل میں اپنے معزز دوست آنریبل وزیر ریاست ہائے پاکستان کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہاں تشریف لا کر اپنے بیش بہا مشورے مستفید کیا۔ میں آپ کے محکمہ سکریٹریٹ رہا ستہائے پاکستان کا بھی ممنون ہوں کہ جو ہمیشہ ہمیشہ ہر طرح ہماری مشکلات میں ہمارا حامی و مددگار رہے۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے دیرینہ دوست کرنل اے۔ ایس۔ بی شاہ اس موقع پر موجود نہیں۔ مگر مجھے کامل یقین ہے کہ ان کے ڈپٹی سکرٹیری مسٹر بنی جن کی حسن کارکردگی ہمارے لئے ہمیشہ باعثِ امداد رہی ہے کرنل صاحب موصوف کو میرے جذبات تشکر پہنچا دیں گے۔

"مجھے امید ہے کہ ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل پاکستان اور آنریبل پرائم منسٹر پاکستان کو میرا سلام تہنیت و تشکر بھی پہنچا دیں گے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کا حامی و مددگار ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو اعتماد۔ اتحاد۔ و تنظیم پر قائم رکھے۔ آمین۔ قائد اعظم زندہ باد، قائد ملت زندہ باد، پاکستان پائندہ باد۔"

مسلم لیگ کی طرف سے اعلان کا خیر مقدم

ذمہ دارانہ نظام حکومت کے اعلان کے فوراً بعد بہاولپور مسلم لیگ کونسل کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا جس میں نواب مشتاق احمد گورمانی نے بطور خاص شرکت کی اور کونسل سے خطاب کیا انہوں نے کہا۔

"میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آج اعلیٰحضرت امیر بہاولپور نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے آپ کی سیاسی توقعات پوری کر دیں۔ آج میں اس پودے کو ہرا بھرا دیکھ کر مسرت محسوس کرتا ہوں۔ جو میرے عہد وزارت میں لگایا گیا تھا۔ مجھے مسلم لیگی خادم ہونے کی حیثیت سے خوشی ہے کہ مسلم لیگ ان مواعید کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جو اس نے عوام سے کئے تھے۔

"خدمت کا حق اسی قوم کو پہنچتا ہے جو مخلوق سے انصاف اور عدل کر سکے جب یہ جذبہ ماند پڑ جاتا ہے تو وہ قوم حکومت کی نعمت سے محروم کر دی جاتی ہے۔

"اس وقت مسلم لیگ پر بہت زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ اس نے ہی کیا تھا۔ لیگ کو اپنے رویہ سے یہ ثابت کرنا چاہئیے کہ وہ عوام کی جماعت ہے اور ان کے حقوق و آزادی کی ضامن۔

"امید ہے بہاولپور مسلم لیگ سارے پاکستان کے لئے ایک نمونہ اور مشعل راہ ہو گی اس زمانہ میں حکومت بزور طاقت نہیں بلکہ خدمت کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ اگر آپ نے عوام کی خدمت کو اپنا نصب العین بنایا تو انشاء اللہ آپ کامیاب ہوں گے اور بہاولپور تمام پاکستان کے لئے رحمت بن جائے گا۔ خدا کرے آپ اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہوں۔

"میں یقین دلاتا ہوں کہ میری تمام ہمدردیاں آپ کو حاصل ہوں گی۔"

نواب مشتاق احمد گورمانی مسلم لیگ کونسل سے خطاب کر کے رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے ایک قرارداد پیش کی جس میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور انہیں کامل وفاداری کا یقین دلایا گیا تھا۔

اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کا یہ اقدام تاریخی حیثیت کا تھا۔ پاکستانی ریاستوں میں ان کی ریاست پہلی تھی جہاں کے فرمانروا نے ذمہ دارانہ نظام حکومت کے اجراء کا فیصلہ بڑی فراخدلی کے ساتھ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ امیال و عواطف اور سیاسی قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ نواب صاحب سمجھتے تھے کہ کوئی شخصی حکومت موجودہ تمدن اور ہیئت اجتماعیہ کی گوناگوں پیچیدگیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی اور آج کے اقتصادی و معاشرتی مسائل ایک صحیح جمہوریت کے ذریعہ ہی طے ہو سکتے ہیں۔ لہذا انہوں نے کمال دانائی اور تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے اختیارات حکمرانی عوام کو منتقل کرنے میں کوئی حیل و حجت نہیں کی۔

حکومت بہاولپور کا نیا آئین

۱۱ مارچ ۱۹۵۲ء کو ایک غیر معمولی گزٹ میں بہاولپور اسٹیٹ انٹرم ایکٹ آف ۱۹۵۲ء شائع کیا گیا۔ اس ایکٹ میں صوبائی دساتیر کے ان تمام خطوط کی پیروی کی گئی تھی جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں تیار کئے گئے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بہاولپور ایکٹ کی رو سے حکمران کی حیثیت گورنر جنرل کے اختیارات اعلیٰ کے ماتحت حسب سابق رہی۔ اس میں یہ گنجائش بھی رکھی گئی تھی کہ اگر حکمران کو یہ محسوس ہو کہ ریاست میں حکومت کا نظم و نسق نئے ایکٹ کے مطابق نہیں چل سکتا تو وہ حکومت کو برطرف کر دے یا اُسے بعض اختیارات کے استعمال سے روک دے لیکن ہائیکورٹ کو جو اختیارات دیئے جائیں گے۔ اُسے ریاست کے حکمران کو کسی صورت میں سلب کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

اس قانون میں ریاست کے حکمران کو خاص ذمہ داریاں بھی سونپی گئی تھیں جن میں ریاست کے امن کو درہم برہم ہونے سے محفوظ رکھنا۔ ریاست کی فلاح کے فرائض اور ریاست کا مالی استحکام شامل تھے۔

اس قانون کی رو سے وزراء کی کونسل کی تشکیل عمل آئی تھی جو اعلیحضرت کو ان کے فرائض کے سلسلے میں مشورہ دینے اور ان کی امداد کرنے کی ذمہ دار قرار دی گئی تھی۔ اعلیحضرت کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ وہ گورنر جنرل پاکستان کی منظوری سے اپنا ایک مشیر مقرر کریں جو انہیں ان کے اختیارات کے استعمال کے سلسلہ میں مشورے دے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل امور اس آئین میں شامل تھے۔

۱۔ ۴۹ ممبران پر مشتمل ایک مجلس قانون ساز ہوگی۔ ممبران کا انتخاب بالغ حق رائے دہی کے اصول پر ہوگا۔

۲۔ سال میں ایک بار مجلس کا اجلاس منعقد ہونا ضروری ہوگا۔

۳۔ اسمبلی اور وزراء کی کونسل اعلیحضرت کی وفاداری کا حلف اٹھائے گی۔

۴۔ یہ اسمبلی پانچ سال تک کے لئے ہوگی اور اس کے اراکین کو جن میں سے وزراء کی کونسل کا انتخاب بھی عمل میں لایا جائے گا۔ وہی سہولتیں اور اختیارات حاصل ہوں گے جو دوسرے صوبوں کی اسمبلیوں کے ارکان کو حاصل ہیں۔

۵۔ مجلس کے ممبروں کو الاؤنس اور سپیکر و ڈپٹی سپیکر کی تنخواہیں مقرر ہوں گی۔

۶۔ اعلیحضرت کے بارے میں اسمبلی کوئی قانون بنانے کی مجاز نہ ہوگی۔

۷۔ اعلیحضرت کو اسمبلی توڑنے اور گورنر جنرل کے مشورے سے کوئی آرڈیننس نافذ کرنے کا اختیار ہوگا۔

۸۔ اعلیحضرت اپنا ذاتی سٹاف رکھ سکیں گے۔ جن کے اخراجات ریاست کے خزانہ سے ادا کئے جائیں گے۔ موصوف کو اپنے ذاتی اخراجات کے لئے بھی کچھ روپیہ دیا جائے گا۔
۹۔ اعلیحضرت اور ولیعہد ریاست پر ریاست کی عدالتوں میں دیوانی یا فوجداری مقدمہ نہیں چلایا جا سکے گا۔

انتخابی قواعد وضوابط کا اعلان

عبوری آئین حکومت بہاولپور ۱۹۵۲ء کی دفعہ ۷، کے مطابق اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ریاست میں عام انتخابات کے سلسلہ میں جو بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر ہونے تھے مندرجہ ذیل قواعد وضوابط کا اعلان کیا۔

۱۔ قواعد کے تحت رائے دہندہ کی عمر کم از کم ۲۱ سال اور امیدوار برائے اسمبلی کی عمر کم از کم ۲۵ سال ہوگی۔ جو بمطابق ایکٹ ہذا ریاست کی حدود میں سکونت پذیر ہوگا۔
۲۔ اسمبلی میں انتخاب کے لئے امیدوار کا نام رائے دہندگان کی فہرست میں درج ہونا ضروری ہے۔
۳۔ کسی ایسے شخص کا نام فہرست انتخابات میں درج نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کو کسی مقامی حلقہ نیابت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔ جس کا دماغی توازن خراب ہو اور جس کی تصدیق عدالت با اختیار نے کی ہو یا وہ فی الحال حبس دوام کا سزا یافتہ یا تعزیری قید میں ہو۔
۴۔ سوائے خواتین رائے دہندگان کے جن کو نیابت خواتین میں اور دیگر مقامی حلقہ نیابت میں رائے دہندگی کا حق ہے کسی دوسرے شخص کو ایک حلقہ نیابت سے زیادہ حلقوں میں رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔
۵۔ اس شخص سے فہرست انتخابات میں نام درج کرانے یا کسی حلقہ نیابت میں رائے دینے کا حق چھین لیا جائے گا۔ اگر وہ ایسی فاسد اور غیر آئینی حرکات کا مرتکب ثابت ہو جن کی تشریح ایکٹ ہذا میں کر دی گئی ہے۔ یا وہ کسی انتخاب میں دوسرے جرائم کا مرتکب ہو۔
۶۔ رشوت دیکر کسی شخص کو اسمبلی کی امیدواری کے لئے آمادہ کرنا یا اسمبلی کے امیدوار بننے سے اُسے باز رکھنا یا رائے دہندگان کو کسی شخص کے حق میں رائے دہندگی سے باز رکھنا (رشوت کے ضمن میں نقدی دینے کے علاوہ تفریحی طور پر ہر قسم کی مہمان نوازی اور ہر قسم کے انعام کا لالچ دینا بھی آتا ہے) رائے دہندگی کے پورے حقوق ادا کرنے میں ناجائز اثر اور دباؤ ڈالنا۔ کسی پولنگ اسٹیشن سے پرچہ رائے دہندگی کو غائب کر دینا۔ اسمبلی کے لئے کسی امیدوار کے چال چلن کے متعلق غلط بیان دینا۔ فرضی پرچہ رائے دہندگی تیار کرنا یا حاصل کرنا یا اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا

یا اسمیں اعانت کرنا وغیرہ تو غدا کے مقاصد کے لئے فاسد اور غیر آئینی حرکات و مشاغل کی تشریح میں شامل ہیں۔

۷۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انتخابات آزادانہ طور پر نہیں ہوئے بلکہ رشوت یا ناجائز ایسے کثیر التعداد طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔ تو ایسے انتخابات بھی باطل اور کالعدم قرار دیئے جائینگے

بہاولپور مجلس توڑ دی گئی

ریاست میں عام انتخابات کے پیش نظر اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ایک فرمان کے ذریعہ بہاولپور مجلس کو توڑ دیا لیکن ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ موجودہ وزارت بدستور کام کرتی رہے گی۔ نیز مجلس کے صدر بھی نئی مجلس کے قیام تک اپنے عہدے پر متمکن رہیں گے۔

انتخابی سرگرمیاں

انتخابی قواعد کے اعلان کے ساتھ ہی بہاولپور میں انتخابی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا ان سرگرمیوں میں حصہ لینے والی جماعتوں میں بہاولپور مسلم لیگ کے علاوہ لیگی قیادت کے ان مخالفین کا گروہ خاص طور پر پیش پیش تھا۔ جس نے حزب اختلاف کے نام سے پچھلے دنوں ایک علیحدہ جماعت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ۱۹ مارچ کو جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی بہاولپور کا انتخابی دورہ کیا۔

جماعت اسلامی کا جلسہ

۱۹ مارچ کی ہی رات کو جماعت اسلامی نے عیدگاہ بہاولپور میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس میں مولانا مودودی نے تقریر کی۔ یہ تقریر لکھی ہوئی تھی (ان دنوں مولانا مودودی لکھکر تقریریں کیا کرتے تھے) ان کی تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ جماعت اسلامی کے سوا کوئی دوسری جماعت پاکستان میں اسلامی نظام حکومت نافذ نہیں کر سکتی۔ اس لئے ووٹ کی حقدار صرف جماعت اسلامی ہے۔

مولانا پہلی بار بہاولپور میں آئے تھے اور جماعت اسلامی نے کچھ عرصہ پہلے ہی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ

"جماعت کا مقصد اللہ کے دین کو قائم کرنا ہے ہم نے اس مقصد کی ترویج کیلئے پہلے پہل در پردہ کوششیں جاری رکھیں۔ لیکن ہمیں محسوس ہوا کہ دین کا قیام اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کو باقاعدہ منظم کیا گیا ابھی ہماری کوششیں جاری تھیں کہ "خدا کا معجزہ" پاکستان عالم وجود میں آیا تو مملکت پاکستان کے ارباب اقتدار نے اپنے دعادی کو پس پشت ڈال کر اسلام کے اصولوں کے خلاف چلنا شروع کر دیا یہ دیکھتے ہوئے ہم نے مطالبہ کیا کہ انگریز کا قانون بدلا جائے حکومت کا مقصد بدلا جائے اور حکومت کے تمام نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اسمبلی میں صالح

دیانتدار نمائندے موجود ہوں۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر ہم نے پنجاب اور سرحد کے انتخابات میں حصہ لیا اور بہاولپور میں بھی انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا ہے"۔

اس تقریر کے بعد مولانا سے سوالات کئے گئے۔ کسی نے سوال کیا کہ اگر مسلم لیگ کا کوئی امیدوار صالح ہو تو کیا اسے بھی ووٹ دینا جائز ہوگا۔ مولانا نے کہا چونکہ وہ بھی انتخابی غرض رکھتا ہے اس لئے اسے صالح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ "کیا آپ کا ہاتھ لیاقت علی خاں کے قتل میں تھا؟" مولانا نے فرمایا "آپ کو مجھ سے سوال کرنے کی بجائے سی۔ آئی۔ ڈی پولیس میں رپورٹ درج کرا دینی چاہیئے"۔

مسلم لیگ کا جلسہ

۲۰ مارچ کو مسلم لیگ کی طرف سے لائبریری گراؤنڈ میں جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا احمد سعید کاظمی کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جماعت اسلامی وہ اسلام پیش نہیں کرتی جو آج سے چودہ سو سال قبل وجود میں آیا تھا بلکہ یہ ایک نئے اسلام کی داغ بیل ڈال رہی ہے۔

مولانا احمد سعید کاظمی کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے تقریر کی۔ انہوں نے بہاولپور مسلم لیگ کے کارناموں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اگر لیگ دوبارہ برسراقتدار آگئی تو ترقی کے میدان میں تمام صوبے بہاولپور سے پیچھے رہ جائیں گے

صوفی عبدالحمید صاحب وزیر زراعت پنجاب بھی اس جلسہ میں موجود تھے انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ عوام کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔

حزب مخالف کا جلسہ

۲۲ مارچ کو حزب مخالف نے عیدگاہ میں جلسہ کیا جسمیں سردار محمود خاں، نظام الدین حیدر، مولوی فیض احمد سابق ڈپٹی کمشنر راؤ مہر وز اختر اور علامہ ارشد نے تقریریں کیں۔

سردار محمود خاں نے اپنی تقریر میں مسلم لیگی وزارت کے عیب گنوائے۔ مخدوم زادہ کو جمہوریت اور شرافت کشی کے خطابات سے نوازا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ برسراقتدار آئے تو ریاست میں زرعی اصلاحات اور اسلامی قوانین نافذ کریں گے

نظام الدین حیدر نے لیگی قیادت کو بددیانت قرار دیتے ہوئے اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔

مولوی فیض احمد صاحب نے کہا ہم کبوتر کی طرح اپنے آشیانے سے اڑے ہیں کہیں تو دانا پانی ملے گا راؤ مہر وز اختر صاحب نے مہاجرین کے حقوق پامال کرنے پر لیگی وزارت کی مخالفت کی۔ علامہ ارشد نے بہاولپور کی جمہوریت کو جبر و استبداد سے تشبیہ دی۔

ریاست بہاولپور کا نیا بجٹ

مارچ میں ریاست کا بجٹ پیش ہونا تھا۔ لیکن چونکہ مجلس ٹوٹ چکی تھی اس لئے ریاست کے وزیراعظم کرنل اے جے ڈرنگ نے ۲ر اپریل کو ریاستی وزراء اور افسرانِ اعلیٰ کی ایک کانفرنس میں ۵۳-۱۹۵۲ء کا بجٹ پیش کیا۔ یہ بجٹ فاضل آمدنی کا تھا جس میں ۳ کروڑ ۱۵ لاکھ ۸۳ ہزار ایک سو روپے آمدنی اور ۳ کروڑ ۴۸ لاکھ ۲۲ ہزار دو سو روپے خرچ دکھایا گیا تھا۔

دراصل یہ نگران گورنمنٹ کا بجٹ تھا۔ جسے منتخب ہونے والی اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کیا جارہا تھا اسے متوازن اور فاضل بنانے کیلئے ریاستی حکومت نے جو اقدامات کئے تھے انہیں دفاع کے بارگراں سے سبکدوشی سرفہرست تھی اس سے قبل ریاستی حکومت تقریباً ایک کروڑ روپے دفاعی اخراجات کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کو دینے کی پابند تھی۔

کرنل ڈرنگ کی سُبکدوشی

۵۳-۱۹۵۲ء کا بجٹ پیش کرنے کے بعد کرنل اے جے ڈرنگ وزیراعظم ریاست بہاولپور اپنے عہدے سے سبکدوش ہوگئے انہوں نے تقریباً ڈھائی سال ریاست کی خدمت کی۔ ان کی جگہ وزارت تعمیر وصحت حکومت پاکستان کے جائینٹ سیکرٹری مسٹر اے۔ آر خاں نے چارج لیا۔

پاکستان مسلم لیگ کونسل میں بہاولپور کی نمائندگی

پاکستان مسلم لیگ نے اپنے عاملہ کے اجلاس مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۵۳ء میں بہاولپور مسلم لیگ کو مرکزی لیگ کونسل میں ۱۵ نشستیں دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ بہاولپور لیگ کونسل نے مندرجہ ذیل ارکان کو اس غرض کے لئے منتخب کیا۔ (۱) مخدوم زادہ حسن محمود (۲) میاں فرید خاں لالیکا (۳) میاں فتح محمد لالیکا (۴) مخدوم شمس الدین گیلانی (۵) سید مسعود حسن شہاب (۶) راؤ حفیظ الرحمٰن (۷) شیخ عبدالحمید صحرائی (۸) مخدوم محمد بخش (۹) چوہدری بشیر احمد چیمہ (۱۰) چوہدری محمد اسحاق (۱۱) چوہدری فضل کریم (۱۲) چوہدری دانشمند (۱۳) سید احمد نواز شاہ گردیزی (۱۴) معین الدین شہزاد (۱۵) مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صدر بہاولپور مسلم لیگ

پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بھی بہاولپور مسلم لیگ کو نمائندگی دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صدر بہاولپور مسلم لیگ کو اس کا رکن بنالیا گیا تھا۔ بعد میں ایک اور نشست بہاولپور مسلم لیگ کو دی گئی، جس کے لئے مخدوم زادہ حسن محمود کا انتخاب ہوا۔

بہاولپور مسلم لیگ کا منشور

بہاولپور مجلس کے انتخابات کے لئے ۲۸ر اپریل مقرر کی گئی تھی اور پروگرام کے مطابق انتخابات ۲۸ر اپریل سے شروع ہو کر آٹھ روز تک جاری رہنے تھے اس عرصہ میں انتخابی سرگرمیوں نے کافی گہما گہمی پیدا کی۔ مسلم لیگ نے اپنا انتخابی منشور بھی شائع کیا۔ اس انتخابی

ریاستی وزیر اعظم رُخصت ہو رہے ہیں
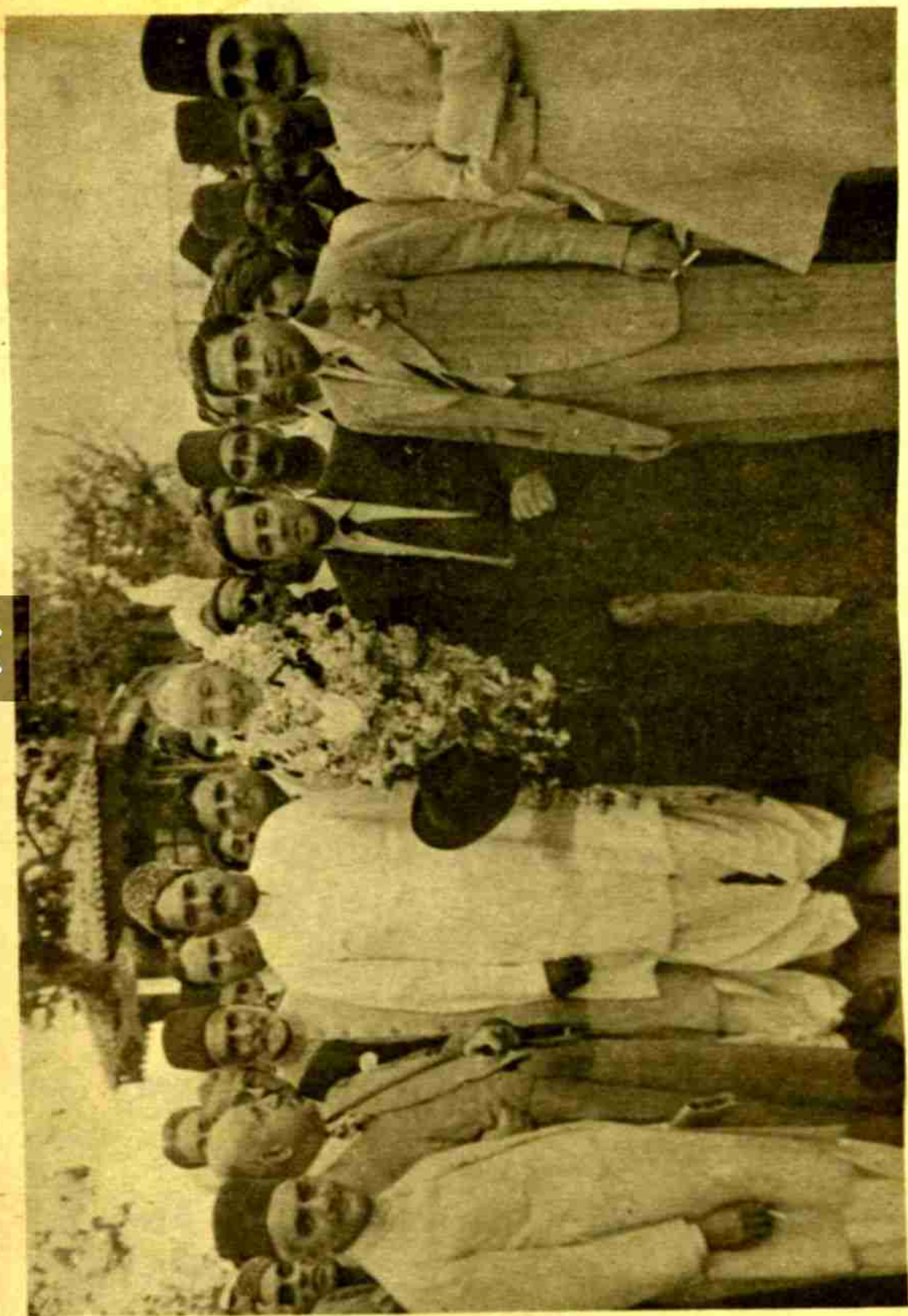
منشور کی منظوری باقاعدہ پاکستان مسلم لیگ سے حاصل کی گئی تھی اس میں دوسرے امور کے ساتھ یہ بھی کہا گیا تھا کہ ریاست میں میٹرک تک مفت تعلیم دی جائے گی۔ اور اسلامی بیت المال قائم کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں مہاجرین کی آبادکاری۔ اقلیتوں کا تحفظ اور آئمہ مساجد کی تنظیم کا کام انجام دیا جائیگا نیز حفظان صحت۔ آبپاشی میں توسیع۔ گھریلو صنعتوں کا فروغ۔ سڑکوں کی تعمیر۔ کارخانوں کی تنصیب اور ڈاک و تار کے دیہی انتظامات بھی مسلم لیگ کے منشور میں شامل تھے۔

مسلم لیگی زعما کی طرف سے بہاولپور مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کا اعلان

انتخابی منشور شائع کرنے کے ساتھ ہی بہاولپور مسلم لیگ نے پاکستان کے سربرآوردہ مسلم لیگی لیڈر زعما کے بیانات اپنی حمایت میں حاصل کر کے شائع کرائیے۔ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے لے کر صوبہ پنجاب و سرحد کے وزرا اعلیٰ تک نے بیانات جاری کئے تھے اس کے علاوہ انتخابی جلسوں میں بھی ان مسلم لیگی لیڈروں کو مدعو کیا گیا تھا۔

خواجہ ناظم الدین نے اپنے ایک پیغام میں کہا تھا کہ

"بہاولپوری عوام کی دیرینہ خواہشات پوری ہوئیں اور نئی اصلاحات کے تحت ان کو مکمل ذمہ دارانہ حکومت قائم کرنے کا جمہوری حق عطا کر دیا گیا ہے۔ ان اصلاحات نے نئی اور اہم ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ بہاولپور مسلم لیگ نے انتخابات کے لئے اپنے امیدوار نامزد کر دیئے ہیں اور مرکزی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے چند فیصلوں کے سوا باقی فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

" ریاست بہاولپور کے پچھلے تین برس کی حیرت انگیز ترقی موجودہ وزرا کی استعداد اور کوشش ہی کا نتیجہ ہے جو ہمیشہ مسلم لیگ کی ہدایت پر عمل پیرا رہے۔

" بہاولپور مسلم لیگ آج پھر عوام کے عملی تعاون اور حمایت کی متوقع ہے میری تمام تر ہمدردیاں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے وقف ہیں"۔

یہ پیغام مخدوم زادہ حسن محمود نے ایک جلسۂ عام میں پڑھ کر سنایا تھا۔ جو بہاولپور کے لائبریری گراؤنڈ میں ۱۳ اپریل کو منعقد ہوا تھا اس جلسہ سے پنجاب مسلم لیگ کے منظور حسین، ظہیر الاسلام اور مولانا بشیر احمد اختر نے بھی خطاب کیا تھا۔

ان زعما کے علاوہ سندھ کے پیر پگاڑو اور پیر بھرچونڈی شریف نے بھی لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے

عوام سے اپیلیں کی تھیں۔

۱۴ مسلم لیگی امیدواروں کی بلا مقابلہ کامیابی

بہاولپور مسلم لیگ کے جن امیدواروں نے اسمبلی کے انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے ان میں سے ۱۴ امیدوار بلامقابلہ کامیاب قرار پاگئے۔ کیونکہ ان کے مقابلے میں کسی اور نے اپنے کاغذات نامزدگی داخل نہیں کئے تھے ان میں مخدوم زادہ حسن محمود (جمال دین والی) سردار محمد افضل خاں لغاری (رحیم یار خاں) رئیس محمد غازی (بھونگ ابڑلر) غلام حیدر لغاری (صادق آباد) مخدوم شمس الدین (اوچ) سید غلام مرتضیٰ شاہ (اللہ آباد) مخدوم محمد محسن شاہ (ٹھل حمزہ) سلطان احمد شاہ (رکن پور) میاں فتح محمد لالیکا (ہارون آباد) سردار غلام حیدر وڈاہر (کوٹلہ موسیٰ خاں) محمد روشن (چولستان) ملک نبی بخش (جتی پور)

مخالف امیدواروں کے کاغذات مسترد

انتخابی قواعد کی رو سے کاغذات نامزدگی داخل کرنے میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں تھی تاہم ریٹرننگ افسران کی طرف سے ان پر کافی اعتراضات ہوئے اور ان اعتراضات کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ مخالفین لیگ کے کاغذات نامزدگی مسترد ہو گئے۔ جن مخالفین کے کاغذات مسترد کئے گئے تھے۔ ان میں بعض مشہور شخصیتیں بھی تھیں جیسے میرزاہد حسین جن کا بہاولپور میں مسلم لیگ کے قیام میں بہت بڑا حصہ تھا۔ اور جو اپنے خلوص شرافت اور حب الوطنی کی وجہ سے بڑی نیک شہرت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے کاغذات نامزدگی مسترد ہونے پر جو بیان اخبارات کو دیا تھا اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ نے اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لئے کیسے کیسے حربے استعمال کئے

میرزاہد حسین نے اپنے اخباری بیان میں کہا تھا۔

"مخدوم زادہ نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی موجودگی میں مجھ سے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لینے کو کہا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ کا ماضی کافی شاندار ہے اپنے مستقبل کو تاریک و تباہ نہ کیجئے۔ میں نے جواباً کہا کہ پاکستان کے حصول کے لئے اگر تپ دق کا شکار ہو سکتا ہوں تو اس کے استحکام کے لئے میں موت کو بھی خوش آمدید کہوں گا اگر آپ پولیس کی دھمکی دیتے ہیں یا وزارت کے بل بوتے پر میرا مستقبل تباہ کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں تو میں اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کروں گا۔ ——— یہ گفتگو ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ ٹھیک بارہ بجے دوپہر ریٹرننگ افسر (اسسٹنٹ کمشنر) کی عدالت کا وقت ختم ہوتا تھا۔ میں عدالت سے باہر آگیا۔ مخدوم زادہ وہیں تشریف فرما تھے۔ اگلے روز ریٹرننگ افسر نے کاغذات نامزدگی نکالے۔ اعتراضات کے لئے میز پر رکھے۔ میرے حریف کے کاغذات کے متعلق میرے وکیل نے بہت سے اعتراضات

کے اور رٹرننگ افسر سے انہیں قلمبند کرنے کے لئے کہا لیکن رٹرننگ افسر نے جواب دیا کہ وہ اعتراضات قلمبند کرنے کے پابند نہیں۔ اس سے قبل جونہی ہم دونوں کے کاغذات میز پر رکھے گئے میری نظر اپنے حریف کے ہاتھ میں ایک ایسے کاغذ پر پڑی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سے قبل میرے کاغذات نامزدگی دیکھ چکے ہیں۔ میں نے رٹرننگ افسر کی توجہ اس طرف مبذول کرائی لیکن انہوں نے سنی ان سنی ایک کر دی اور میرے احتجاج پر مسکرا دئے اور دو منٹ کے بعد مجھے اسقدر فرمایا کہ "نامنظور" یہ تھی داستان میرے کاغذات نامزدگی مسترد ہونے کی"

حزب اختلاف کی طرف سے انتخابات کا بائیکاٹ

یہ صورت حالات مخالف افراد کے لئے خاصی حوصلہ شکن تھی۔ چنانچہ اپوزیشن گروپ کے کنوینر میاں نظام الدین حیدر نے ۲۳ اپریل کو ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ

"عام انتخابات میں مخدوم پارٹی کی دھاندلیوں کے پیش نظر میں اپنے گروپ کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کرتا ہوں"

انہوں نے الزام عائد کیا کہ اپوزیشن پارٹی کے ایسے ارکان کی درخواستیں مسترد کی گئیں۔ جنکی کامیابی یقینی تھی اس کے برعکس مخدوم پارٹی کے امیدواروں کے ساتھ جانبدارانہ سلوک کیا گیا اور کثیر تعداد میں ذیلداروں کے کاغذات نامزدگی جو ملازمین سرکار ہیں منظور کر لئے گئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ

"ہمیں یقین ہے کہ جس طرح بلاوجہ درخواستیں مسترد کی گئی ہیں اسی طرح بیلٹ بکس بھی توڑے جائیں گے"

حزب اختلاف کے فیصلہ پر مخدوم زادہ کا بیان

حزب اختلاف کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کے فیصلے پر مخدوم زادہ حسن محمود نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

"میں اس اعلان پر متعجب نہیں ہوں۔ یہ میرے ان دوستوں کا متوقع اقدام تھا جنہیں حزب اختلاف کہنا غلط ہے انہوں نے قدم قدم پر اپنے رویے میں تبدیلی کی ہے۔ اور یہ پبلک حکام یا مسلم لیگ کے کسی ایسے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جس سے انہیں مفاد حاصل نہ ہو۔

"مجھے یقین ہے کہ نام نہاد حزب مخالف کے چند افراد کے مجموعے کے علاوہ کوئی فرد بھی ان کی تائید نہیں کرے گا"

مخدوم زادہ نے مسلم لیگی امیدواروں کی بلا مقابلہ کامیابی کے متعلق بتایا کہ

بہاولپور مسلم لیگ کی فتح حزب اختلاف کے کاغذات نامزدگی کے استرداد کا نتیجہ نہیں ہے۔ لیگ کے سات امیدواران حلقوں سے بلا مقابلہ کامیاب ہوئے ہیں جہاں کسی امیدوار نے بھی کاغذات نامزدگی داخل نہیں کئے تھے۔ چار مسلم لیگی امیدوار مقابل امیدواروں کے نام واپس لینے اور تین لیگی امیدوار مقابل امیدواروں کے کاغذات مسترد ہونے پر بلا مقابلہ کامیاب ہوئے ہیں"

بہاولپور مسلم لیگ کا ایک اور پبلک جلسہ

بہاولپور مسلم لیگ نے اپنے امیدواروں کی بلا مقابلہ کامیابی کے باوجود اپنی انتخابی مہم ترک نہیں کی تھی وہ برابر جلسے منعقد کر کے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی چنانچہ ۱۴ اپریل کو ایک اور جلسہ بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام عیدگاہ کے میدان میں ہوا جس میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے خطاب کیا۔

خان عبدالقیوم خان نے اپنے خطاب میں کہا

"مسلم لیگ ایک مضبوط جماعت ہے جس کی طاقت کا مقابلہ پاکستان کی کوئی دوسری جماعت نہیں کر سکتی"

انہوں نے بہاولپور مسلم لیگ کی حالیہ کامیابی پر اہالیان بہاولپور کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ

"بہاولپوری عوام نے مسلم لیگ کو کامیاب بنا کر اپنے سیاسی بلوغ کا ثبوت دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے خیالات بھی پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں جیسے ہیں"

انہوں نے مزید کہا کہ

"بہاولپور کے انتخابات کو کچھ لوگ غیر منصفانہ قرار دے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اخبارات میں طویل بیانوں کا سلسلہ جاری ہے آج سے کچھ ماہ قبل اسی طرح پنجاب اور سرحد کے الیکشن کو بھی بوگس کہا گیا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ چند افراد ہیں جن کا نظریہ ہمیشہ تخریبی نکتہ چینی رہا ہے"

میاں ممتاز دولتانہ نے اپنی تقریر میں کہا

بہاولپور کے لوگ اولوالعزم اور پاکستان کے جانباز محافظ ہیں اور ریاست بہاولپور پاکستان کی آہنی دیوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے

نمائندوں کے انتخاب میں صحیح النظری کا ثبوت دیا ہے اور مجھے مسرت ہے کہ آپ کو اپنی بہتری کا احساس ہے اور آپ کا سیاسی شعور نہایت بلند ہے۔

"جس مسلم لیگ نے آپ کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرایا، وہی مسلم لیگ آپس کے غداروں سے بھی نجات دلائے گی۔ مسلم لیگ کا یہی معجزہ نہیں کہ اس نے پاکستان قائم کر دیا بلکہ اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بے سروسامانی کے عالم میں پاکستان کی اقتصادی ساکھ کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ آج ایک دنیا اس کی معترف ہے۔

"ان حقائق کے پیش نظر" آپ مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیتے تو آپ کا یہ اقدام سیاسی پستی کا مظہر ہوتا۔

"میں بہانگ دہل یہ اعلان کرتا ہوں کہ بہاولپور میں غیر جانبدارانہ انتخابات عمل میں آئے ہیں اور اس کے متعلق مخالفین کا پروپیگنڈا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

" بہاولپور کی لیگی وزارت کی ترقی نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ جس دیانتداری اور نیک نیتی سے اس نے ترقی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔"

انہوں نے آخر میں بہاولپوری عوام سے اپیل کی کہ

" آپ بہاولپور کو مضبوط کر کے پاکستان کو مضبوط کریں اور پاکستان کو مضبوط کر کے دنیائے اسلام کو مستحکم کر دیں۔"

انتخابات کالعدم

ابھی انتخابات کی گہما گہمی جاری تھی کہ اعلیٰحضرت امیر بہاولپور نے ۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو عام انتخابات کی تمام کارروائی کو کالعدم قرار دینے کا فرمان جاری کر دیا۔ یہ اقدام کافی تعداد میں کاغذات نامزدگی مسترد ہونے کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اعلان میں کہا گیا تھا کہ

" اعلیٰحضرت نے ان حالات کا بغور مطالعہ کیا جو کافی وجوہات کی بناء پر کاغذات نامزدگی مسترد کر دینے سے رونما ہوئے ہیں۔ چونکہ نئے آئین کے تحت انتخابات ریاست میں پہلی دفعہ ہو رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیدواران اور ریٹرننگ افسران قانون انتخابات سے کماحقہ واقف نہیں تھے۔ یہ نئے کانسٹی ٹیوشن کے بنیادی مقاصد کے منافی ہوگا اگر عوام محض امیدواران یا ریٹرننگ افسران کی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے مساوی حقوق نیابت سے محروم کر دیئے جائیں۔

" اعلیٰحضرت کی ... خواہش رہے کہ بہاولپوری عوام صحیح معنی میں اپنے حقوق نیابت کا

پوری آزادی سے استعمال کریں۔ ریاست کی آئندہ سیاسی ترقی اسی میں ہے کہ شروع ہی سے اس کی بنیادیں درست طور پر قائم کی جائیں۔

"ان نقائص کی درستی کے لیے اعلیحضرت نے جملہ امور متعلقہ پر غور فرمانے کے بعد اور حکومت پاکستان کی منظوری سے فیصلہ فرمایا ہے کہ دفعہ ۹۲ بہاولپور گورنمنٹ انٹرم کانسٹی ٹیوشن ایکٹ ۱۹۵۲ء کے تحت اپنے اختیارات استعمال فرماتے ہوئے یہ اعلان جاری فرما دیں کہ عام انتخابات لیجسلیٹو اسمبلی کے سلسلہ میں جو اقدامات اب تک کئے جا چکے ہیں وہ کالعدم قرار دیئے جائیں اور نئے انتخابات جلد از جلد از سر نو قانون کے مطابق عمل میں لائے جائیں"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی اعلیحضرت امیر بہاولپور نے وزیر اعظم بہاولپور کو ہدایت دی تھی کہ وہ نئے کاغذات نامزدگی طلب کرنے اور انتخابات کی تکمیل کے لئے جلد تاریخیں مقرر کریں اور الیکشن پروگرام اس طور پر مرتب کریں کہ رمضان المبارک شروع ہونے سے بیشتر عام انتخابات مکمل ہو جائیں۔ مزید برآں وزیر اعظم بہاولپور کو ریٹرننگ افسروں کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا اختیار بھی دیا گیا تھا۔

عوامی ردعمل

اعلیحضرت امیر بہاولپور کے اس اعلان سے مخالفین لیگ کو خوب بغلیں بجانے کا موقع ملا۔ عام تاثر یہی تھا کہ مخالفین کے پروپیگنڈے سے مجبور ہو کر اعلیحضرت نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ کچھ لوگ اس اقدام کو اعلیحضرت کی مخالفین لیگ سے وابستگی کا نام دے رہے تھے۔ بعض قانون پسند لوگوں کی نظر میں اعلیحضرت کا یہ اقدام آئینی روایات کے خلاف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ انٹریم کانسٹی ٹیوشن ایکٹ کی دفعہ ۹۶ کی رو سے اعلیحضرت اس مقصد کے لئے الیکشن رولز میں ترمیم بعد از واقعہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اس پر بھی اعتراض تھا کہ از سر نو نامزدگیوں کے سلسلہ میں وزیر اعلیٰ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ استرداد کے خلاف اپیل سنیں اور اندریں باب ان کا فیصلہ ریٹرننگ افسر کا فیصلہ سمجھا جائے گا اور ناطق و قطعی ہو گا۔

اعلیحضرت کا وضاحتی بیان

انتخابی کارروائیوں کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے سے عوام میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کے ازالہ کے طور پر اعلیحضرت نے ۷ مئی ۱۹۵۲ء کو ایک بیان صادق گڑھ پیلس سے جاری کیا جس میں ہونے والے انتخابات سے اپنی کامل غیر جانبداری کا اعلان کر کے ریاست کی جملہ سیاسی پارٹیوں کو متنبہ کیا کہ وہ اعلیحضرت کے نام کو کسی طریقہ پر ریاست کی سرگرمیوں کے ساتھ شریک نہ کریں۔ بیان کا پورا متن درج ذیل ہے۔

"بہ مشورہ حکومت عالیہ پاکستان جو اعلان مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو کارروائی انتخابات ریاست ہذا کو دوبارہ عمل میں لانے کے لئے کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نئے طرز حکومت

ریاست میں رائے دہندگان اپنی ناواقفیت سے اپنے حقوق سے اس طرح محروم نہ ہوں کہ یہ انتخابات ہی کلیتہً صحیح رائے عامہ پر مبنی نہ ہوں۔ اس سے کسی بھی سیاسی جماعت کی پاسداری یا رعائت اور قطعاً کسی دوسری جماعت سے اختلاف ملاحظہ خاطر نہیں۔

"ہمیں یہ معلوم کر کے انتہائی ملال ہے کہ بعض افراد اپنا اقتدار سیاسی برتر کرنے اور رائے عامہ کو اپنی جانب کرنے کے لئے اپنی جماعت سیاسی کی حمائت کے لئے ہمارا نام اس طرح استعمال کر رہے ہیں گویا اس جانب کو ان کی جماعت سے زیادہ دلچسپی ہے۔

"اندریں بارہ ایک فرمان میں مطلع کر دیا گیا تھا۔ کہ اس جانب کو کسی بھی جماعت یا فرد سے جو سیاسی جدوجہد میں مصروف ہیں اور آنے والے انتخابات کے سلسلہ میں کوشاں ہیں ان میں سے نہ کسی سے خاص رعایت مقصود ہے اور نہ کسی سے کبیدگی۔ جن صاحب نے بھی ہمارا نام اپنی کامیابی کے لئے استعمال کیا غلط بیانی بلکہ دروغ گوئی پر مبنی ہے ہمیں اپنی عزیز رعایا کے ہر فرد سے اولاد کی طرح محبت اور شفقت ہے اور کسی بھی طرح کسی ایک جماعت کو دوسری جماعت پر ہماری نظر میں فوقیت حاصل نہیں"۔

از سر نو انتخابی مہم سے صوبائی لیگوں کی دلچسپی

ابتدائی انتخابی کارروائی کالعدم ہونے کے بعد بہاولپور مسلم لیگ نے دوبارہ اپنی انتخابی مہم شروع کی تو مرکزی اور صوبائی لیگوں نے حسب سابق اس میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے اس موقعہ پر ریاستی عوام کے نام مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

"بہاولپور کے جمہور پہلی مرتبہ ذمہ دار حکومت کے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں ہر بالغ کو اختیار ہے کہ وہ جسے اہل سمجھے اپنا نمائندہ منتخب کرے۔

"مسلم لیگ نے حصول پاکستان کے لئے اور اس کے بعد پاکستان کے استحکام و ترقی کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں ان سے ہر پاکستانی واقف ہے بلکہ بیرونی ممالک میں بھی حکومت پاکستان کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں۔

"خود بہاولپور میں مسلم لیگ کے منتخب ارکان حکومت کی مساعی کی تصویر اہل ریاست کے سامنے ہے۔ سڑکوں۔ شفاخانوں اور مدارس کی تعمیر۔ صنعتی ترقی اور نظم و نسق کی خوبیاں کا اہل ریاست کو علم ہے۔ اور یہ تو ابھی ابتدا ہے اگر پوری طرح خدمت کا موقع ملا تو انشاءاللہ ترقی کی رفتار اور تیز ہو جائے گی اور جمہور کی آسائش اور بہبود کا اس سے بہتر انتظام ہوگا۔

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ بہاولپور کی ریاست میں صرف ایک ہی مسلم لیگ ہے جس کا منشور جمہور کے پیش نظر ہے۔ کسی اور جماعت کو نہ مسلم لیگ سے الحاق حاصل ہے نہ وہ اپنے آپ کو مسلم لیگ کا جزو کہنے کا کوئی استحقاق رکھتی ہے۔

"مجھے امید ہے کہ بہاولپور کے جمہور مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدواروں کو رائے دیکر منتخب کریں گے اور اس طرح ریاست کی فلاح و بہبود اور پاکستان کے استحکام کے ضامن ہوں گے۔ مسلم لیگ اور پاکستان دونوں قائداعظم مرحوم کی امانت ہیں اور مجھے امید ہے کہ جمہور بہاولپور ان اصولوں کو مدنظر رکھیں گے جو قائداعظم مرحوم نے ہمیں سکھائے تھے اور جو پاکستان کی بنیاد ہیں اور مسلم لیگ ہی کے امیدواروں کو رائے دیں گے۔"

سردار عبدالرب نشتر کی تقریر

۱۴ مئی کو عیدگاہ بہاولپور میں مسلم لیگ کے زیراہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جسمیں دیگر مقررین کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر نے بھی خطاب کیا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"میری مدت سے خواہش تھی کہ میں یہاں آکر آپ سے مل سکوں اور میں ایسے موقع پر آپ کے ہاں آیا ہوں کہ آپ کے ہاں حق رائے دہی بالغاں کے اصول پر عام انتخابات ہو رہے ہیں۔ یہ قانون پہلی بار مسلم لیگی مرکزی حکومت کی طرف سے اور بہاولپور مسلم لیگ کی جدوجہد سے نافذ ہوا ہے کہ آپ کے نمائندے کسی بادشاہ (فرد واحد) یا حاکم کی طرف سے مقرر نہیں ہوں گے بلکہ آپکی حکومت آئندہ ان افراد کے ہاتھ میں ہوگی جنہیں آپ خود اپنی آزاد مرضی سے منتخب کریں گے۔ یہ حق آپ کو پہلی مرتبہ ملا ہے کہ شاہ و گدا امیر و غریب کی ایک حیثیت کر دی گئی ہے۔ ایک امیر کا ووٹ بھی ایک ہے اور سڑک کے کنارے بیٹھنے والے گداگر کا بھی ایک۔ یہ آپ کا پہلا تجربہ ہے اور میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ اس جمہوری حق کو صحیح اور ٹھیک طور سے استعمال کریں۔

"پاکستان کی سالمیت اور اس کا تحفظ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ قوم میں یکجہتی، ہم آہنگی اور ہم خیالی ہو۔ اغیار کثرت کے باوجود ہم پر اب تک اس لئے غالب نہیں آسکے کہ وہ ہمیں متفق سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو سرحد پر ابھی دشمن کی فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی ہیں۔ وہ منتظر ہیں کہ آپ آپس میں بٹ کر جونہی کمزور ہوں وہ آپ پر جھپٹ پڑیں۔

اس وقت مرکز اور تمام صوبجات میں مسلم لیگی حکومتیں ہیں۔ دشمن چاہتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ اور بہاولپور میں مسلم لیگ برسراقتدار نہ آتا دشمن کے دل میں ٹھنڈک ڈالے گا۔ اس لئے اپنا بھلا برا خود

سوچ لیں۔"

سردار عبدالرب نشتر نے ان قربانیوں کا ذکر کیا جن کے سبب پاکستان حاصل ہوا۔ انہوں نے ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کا بھی احساس دلایا جو بھارت میں مظلوم و مجبور پڑے ہیں اور ان کی سلامتی پاکستان کی مضبوطی پر منحصر ہے انہوں نے کہا کہ آنکھیں رکھنے کے باوجود ان حقائق کو نہ سمجھنے والے اندھوں سے بھی بدتر کہلائیں گے۔

اپوزیشن ــــ مسجد ضرار

سردار صاحب نے اپوزیشن کو مسجد ضرار سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک صحیح الخیال اور بہتر منشور اور بہتر اراکین والی اپوزیشن کا میں ہمیشہ خیر مقدم کروں گا لیکن جس حزب اختلاف کا سرمایہ محض چند نشستیں یا عہدے ہیں وہ ہرگز باعث رحمت نہیں ہو سکتی اور واحد قومی جماعت مسلم لیگ کے مقابلے میں ایسی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ضرار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے کہا

"میں مانتا ہوں کہ مسلم لیگ میں بعض نقائص اور کمزوریاں آگئی ہیں لیکن ضرورت ان کمزوریوں کو دور کرنے کی ہے نہ کہ قومی جماعت کو ختم کر دینے کی۔

"خدا کا شکر کرو کہ آج ڈیڑھ کروڑ کی ملت کے پاس سر چھپانے کے لئے مسلم لیگ کی عمارت موجود ہے۔ اس کی دیواروں میں بے شک دراڑیں آگئی ہیں۔ چھت ٹپکتی ہے مگر ضرورت اس کی مرمت کرنے کی ہے نہ کہ اسے مسمار کر کے میدان میں بے یار و مددگار پڑا رہنے کی کہ نہ دھوپ سے کوئی بچاؤ ہو نہ طوفان سے۔ پاکستان مسلم لیگ ہی نے حاصل کیا اور اس کے تحفظ۔ بقا اور ترقی کا بیڑا بھی مسلم لیگ نے اٹھایا۔ اور چار سال میں پاکستان کی ترقی سے ساری دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ اس قومی جماعت ہی کو اور زیادہ مضبوط بنا کر ہم اپنا مستقبل محفوظ کر سکتے ہیں۔

"مسلمانان بہاولپور اگر عام انتخابات کی پہلی آزمائش میں کامیاب ہو جائیں گے اور مضبوط مسلم لیگی حکومت قائم کریں گے تو وہ سارے پاکستان کے استحکام کا موجب ہوں گے۔"

مسٹر گورمانی کی تقریر

۱۵ مئی ۱۹۵۲ء کو بہاولپور میں ایک جلسہ عام سے مسٹر مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ پاکستان نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا

"ریاست میں جو لوگ مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کسی زمانہ میں ریاست کو ہندوستان میں شامل کرانا چاہتے تھے۔"

مسٹر گورمانی نے جماعت اسلامی کے رویہ پر بھی کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ

"یہ جماعت قیام پاکستان کی جدوجہد میں خاموش تماشائی بنی رہی اور اس نے جہاد کشمیر کے خلاف فتوے صادر کئے۔"

مسلم لیگ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"آج سارا عالم اسلام پاکستان کا ممنون ہے۔ لیبیا کی آزادی کا سہرا پاکستان کے سر ہے اور وہ تیونس کی آزادی کا بھی علمبردار ہے۔ مسلم لیگ حکومت نے گذشتہ چار سال میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ اس امر کی ضمانت ہیں کہ بہاولپور میں مسلم لیگ کی حکومت کا قیام ریاستی عوام کی ترقی اور فارغ البالی کا موجب ہوگا۔"

انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی

نئے پروگرام کے مطابق ۱۲ مئی کو بہاولپور اسمبلی کے انتخابات ہوئے ۴۹ انتخابی حلقوں میں انتخابات کے لئے چار دن مقرر تھے۔ مسلم لیگ نے ہر حلقہ کے لئے اپنا امیدوار نامزد کیا تھا۔ جبکہ حزب اختلاف کی طرف سے ۴۴ جماعت اسلامی کی طرف سے پانچ اور آزاد امیدوار کے طور پر چند افراد کھڑے ہوئے تھے۔ مسلم لیگی امیدواروں میں سے ۹ بلا مقابلہ اور ۲۶ مقابلہ کر کے کامیاب ہوئے جب کہ حزب اختلاف کے ۴۴ میں سے ۱۱ امیدوار اور جماعت اسلامی کے پانچ میں سے دو امیدوار کامیاب ہوئے۔ آزاد امیدواروں میں سے بیگم حقی کامیاب ہوئیں۔

مسلم لیگ کے کامیاب امیدواروں کے نام یہ تھے۔

۱۔ سردار عثمان خاں گدھوکا۔ حاصل ساڑھو (بلا مقابلہ) ۲۔ محمد یار چشتی مومن آباد (بلا مقابلہ) ۳۔ چوہدری عبدالغنی فورٹ عباس (بلا مقابلہ) ۴۔ سردار غلام حیدر ڈاہر کوٹلہ موسیٰ خاں (بلا مقابلہ) ۵۔ مخدوم حسن شاہ تحصیل حمزہ (بلا مقابلہ) ۶۔ قاضی اللہ ڈیوایا لیکا لاڑاں (بلا مقابلہ) ۷۔ سردار محمد فضل خاں لغاری رحیم آباد (بلا مقابلہ) ۸۔ سردار رئیس محمد غازی بھوتگ (بلا مقابلہ) ۹۔ ملک نبی بخش۔ جن پور (بلا مقابلہ) ۱۰۔ چوہدری عبدالحمید بگوال۔ منڈی صادق گنج۔ ۱۱۔ میاں فرید خاں لالیکا۔ بہادلگڑھ ۱۲۔ سید فتح محمد شاہ بہادنگر ۱۳۔ رسالدار عبدالعزیز۔ جہاروالی ۱۴۔ احمد یار ماکوکا۔ گلاب علی۔ ۱۵۔ راؤ حفیظ الرحمٰن۔ ہارون آباد۔ ۱۶۔ حاجی شیر محمد۔ فقیر والی۔ ۱۷۔ بشیر احمد حیمہ۔ کھچی والہ ۱۸۔ حافظ عبدالوحید۔ چشتیاں ۱۹۔ میاں محمد بخش مہاراں شریف ۲۰۔ میاں بہادر سلطان۔ قائم پور ۲۱۔ ملک برخوردار خیرپور ۲۲۔ میاں اللہ بخش مہتمم جھانگی والا ۲۳۔ چوہدری فرزند علی۔ زمان ۲۴۔ مخدوم شمس الدین گیلانی اوچ شریف ۲۵۔ سید غلام مرتضیٰ شاہ۔ اللہ آباد۔ ۲۶۔ عبدالغفور رحمانی۔ ججہ۔ ۲۷۔ سید عنایت حسین شاہ۔ خانپور۔ ۲۸۔ سلطان احمد شاہ۔ رکن پور ۲۹۔ میاں فتح محمد لالیکا۔ راجن پور۔ ۳۰۔ ملک محمد مسلم۔ تاج گڑھ ۳۱۔ سردار غلام حیدر لغاری۔ صادق آباد ۳۲۔ مخدوم زادہ حسن محمود۔ جمال دین والی۔ ۳۳۔ شیخ فضل الرحمٰن۔ بہاولپور شہر مشرقی۔ ۳۴۔ مخدوم زادہ حسن محمود بہاولپور شہر غربی۔ ۳۵۔ شیخ عبدالحق۔ احمد پور شرقیہ۔

حزب اختلاف کے کامیاب امیدوار یہ تھے۔

۱. چوہدری رحمت اللہ (گبھانی) ۲. محمد فضل باجوہ (ڈاہرانوالہ) ۳. معین الدین شہزاد (بہاولنگر شہر) ۴. سلطان احمد (حاصل پور) ۵. میاں سردار احمد اویسی (سمہ سٹہ) ۶. میاں محمد قاسم پیلی راجن ۷. خان محمد احمد پور شرقیہ ۸. اللہ بخش عباسی (جھوک) ۹. چوہدری عبدالسلام (کوٹ سمابہ) ۱۰. دوارکا داس (اقلیت) ۱۱. میرن۔ (چولستان)

جماعت اسلامی کے کامیاب امیدوار یہ تھے۔

۱. چوہدری برکت علی (رحیم یار خاں دیہی) ۲. سردار اجمل خاں لغاری۔ رحیم یار خاں (شہری)

ان انتخابی نتائج کے اعتبار سے مسلم لیگ کو بہاولپور اسمبلی میں اکثریت حاصل ہوگئی۔ اپوزیشن کے جو سرکردہ لیڈر ان انتخابات میں ہارے ان میں میاں نظام الدین حیدر۔ مولوی فیض احمد سابق ڈپٹی کمشنر اور سردار محمود خاں سابق جج ہائیکورٹ شامل تھے۔

رائے دہندگی میں عوام کی دلچسپی

ان انتخابات میں عوام نے کس حد تک دلچسپی لی اس کا اندازہ ان اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے جو سرکاری طور پر انتخابات کے بعد شائع کئے گئے تھے ان اعداد و شمار کے مطابق بہاولپور میں مردوں سے زیادہ عورتوں نے سیاسی بیداری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ بہاولپور اسمبلی میں عورتوں کے لئے جو صرف ایک سیٹ رکھی گئی تھی اس کے حلقۂ انتخاب میں ۹۶ فیصد سے زیادہ عورتوں نے اپنے ووٹ ڈالے۔ اس حلقہ خواتین کے ووٹوں کی تعداد چار ہزار نو سو تیس (۴۹۳۰) تھی جس میں سے چار ہزار سات سو اڑسٹھ (۴،۷۶۸) عورتوں نے ووٹ دیئے۔

سابق ریاست بہاولپور میں بالغ ووٹروں کی مجموعی تعداد (۸۶۳۲۷۱) تھی جس میں سے (۲۷۲۰۸۶) افراد نے ووٹ دیئے۔ اس طرح ووٹ کا حق استعمال کرنے والوں کا مجموعی تناسب تقریباً ½۳۱ فیصد رہا۔ عام حلقوں میں سب سے زیادہ ووٹنگ خیرپور ٹامیوالی میں ہوئی جہاں ۶۰ فیصد ووٹروں نے انتخاب میں حصہ لیا۔ اس کے برعکس کمپنی والی کے عوام سب سے پیچھے رہے۔ جہاں صرف ½۲ فیصد ووٹنگ ہوئی۔

انتخابات میں دھاندلی کی شکایات

اپوزیشن نے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کو دھاندلی کا نتیجہ قرار دیا ان کا الزام تھا کہ لیگی وزارت نے اپنے امیدواروں کی کامیابی اور مخالفین کی ناکامی کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو ممکن تھا۔ حلقوں کی تشکیل۔ پولنگ اسٹیشنوں کے تعین اور افسران رائے شماری کے تقرر سے لے کر جعلی ووٹروں کے بھگتان اور بیلٹ بکسوں میں ناجائز تصرف تک ہر وہ طریقہ اختیار کیا گیا جس سے مخالفین کو ناکام بنایا جاسکتا تھا۔ نیز نمبرداروں اور تحصیلداروں کے ذریعہ ووٹروں کو لیگی امیدواروں کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کیا گیا۔

انہیں دنوں اپوزیشن کے ترجمان ہفت روزہ کائنات نے بہاولپور کے انتخابات میں ہونے والی دھاندلیوں کو تشت از بام کرنے کے لئے دھاندلی نمبر شائع کیا تھا جس میں مختلف امیدواروں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات درج کئے گئے تھے یہاں ان میں سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

" میاں نظام الدین حیدر اپنی ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میرے حلقۂ انتخاب میں تین پولنگ اسٹیشن بمقام پوہ شاہ۔ چک عباس اور آدم والی واقع تھے۔ ۱۷ مئی کو انتخاب کے پہلے روز جب چک عباس پر پولنگ شروع ہوا تو مخدوم زادہ حسن محمود صاحب محکمہ نہر کے ایک بڑے افسر کی معیت میں تشریف لائے اور میرے ووٹروں اور ورکروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا۔ نیز انہوں نے پولس۔ پولنگ اسٹاف خصوصاً" پریذائیڈنگ افسر کو کچھ صیغۂ راز میں ہدایات دیں۔ اس پر مزید احسان یہ فرمایا کہ میرے دو ممتاز ورکروں مسٹر مظفر حسین اور مسٹر منور حسین شاہ کو زبردستی کار میں بٹھا کر بھگا لے گئے اور میرے پولنگ ایجنٹوں کو اسٹیشن چھوڑنے پر مجبور کیا اور پولنگ کے اس پہلے روز ہی میرا بیلٹ بکس بکس روم سے اٹھوا لیا گیا۔ تاکہ میرے ووٹر ووٹ نہ ڈال سکیں۔"

ووٹنگ کی دھاندلی کا ذکر کرتے ہوئے میاں نظام الدین حیدر مزید لکھتے ہیں۔

" پولنگ کے آخری روز مورخہ ۲۱ مئی کو پولنگ شروع ہونے سے میرے ایجنٹ پندرہ منٹ لیٹ پہنچے۔ پریذائیڈنگ افسر آدم والی ان کے پہنچنے سے پہلے بیلٹ بکسوں کو سربمہر کر چکے تھے اور پولنگ شروع تھا۔ اس روز پولنگ بیلٹ پیپر نمبر ۸۲۰۱ سے شروع ہوا لیکن میرے ایجنٹوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ۸۵۰۰ تک بیلٹ پیپر جاری کئے جا چکے تھے۔ یعنی پندرہ منٹ میں تین سو ووٹ ڈالے جا چکے تھے۔

" میرے ایجنٹوں نے کئی سو بوگس ووٹروں کو ضابطہ کے مطابق چیلنج کیا اور حسب قاعدہ ہر بوگس ووٹر پر مبلغ -/۲۰ روپے فیس بھی داخل کی مگر پریذائیڈنگ افسر نے کوئی ایکشن نہیں لیا اور بوگس ووٹ بھگتنے کا سلسلہ جاری رہا۔

" آخری روز جب ایک بجے دوپہر کو میرا پولنگ ایجنٹ بیلٹ بکس روم میں پریذائیڈنگ افسر کے ساتھ بکس کے ربر والے سوراخ کو سربمہر کرنے گیا تو انہوں نے دیکھا کہ میرے بکس کے تالے کی مہر ٹوٹی ہوئی ہے۔ مہر والا کپڑا زمین پر پڑا ہے۔ اور تالے کی چابیاں زمین پر پڑی ہیں۔"

اب سردار محمود خاں کی زبانی ان کے انتخاب میں دھاندلی کی کہانی سنئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں نے حلقہ ۴۴ء۔ ۴۵ (بہاولپور شہر اور احمد پور شرقیہ شہر) دو حلقوں سے اپنے کاغذات داخل کئے تھے حلقہ ۴۴ء میں میرا مقابلہ مخدوم زادہ سید حسن محمود صاحب سے تھا اور ۴۵ء میں شیخ عبدالحق صاحب امیدوار مسلم لیگ سے ان دونوں حلقوں میں ابتداً ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکوں۔ مثلاً یہ کہ فہرست رائے دہندگان کی تیاری کی وقت ان دونوں حلقوں میں ہزاروں لوگوں کے نام درج نہیں کئے گئے۔ خاص بہاولپور شہر میں دو وارڈوں میں ایک بھی عورت کا نام درج نہ کیا گیا۔ شہر کے جس جس وارڈ کے باشندوں کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں ان کی فہرستیں غیر مکمل طبع کی گئیں۔

"بہاولپور کے حلقہ میں انتخاب کے وقت میرے دس اور مخدوم زادہ صاحب کے تیس ووٹ بھگتائے جاتے تھے کیونکہ اس حلقہ میں مرکزی لیگ بہاولپور کے خزانچی بھی امیدوار تھے اور ایک دوسرے لیگی ورکر بھی امیدوار تھے ان دونوں حضرات نے اپنا اپنا وقت مخدوم زادہ صاحب کو بخش دیا۔ یہ طریقہ صرف اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ میرے زیادہ ووٹ نہ بھگت سکیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب مخدوم زادہ صاحب کو کم ووٹ ملنے لگے تو پریذائیڈنگ افسران نے میرے ووٹ بھگتنے میں وقت ضائع کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ بہاولپور شہر میں تین پولنگ اسٹیشن تھے۔ جس پولنگ سٹیشن پر میرے ووٹروں کا زور تھا وہاں ساڑھے نو گھنٹوں میں بمشکل تین ساڑھے تین سو ووٹ ڈالے جاتے تھے۔

"لاہور کے متعدد اخبارات میں یہ خبر آچکی تھی کہ بہاولپور مسلم لیگ نے لاہور اور ملتان سے بازاری پیشہ ور عورتوں کے ایک بڑے گروہ کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ عورتیں بھیس بدل بدل کر مختلف ناموں سے لیگی امیدواروں کے بکسوں میں ووٹ ڈالیں گی چنانچہ غلہ منڈی کے پولنگ اسٹیشن پر مخدوم زادہ صاحب نے یہ عورتیں بھگتائیں۔ ایک ایک عورت نے تین تین بار ووٹ ڈالے۔

"سمہ سٹہ۔ اوچ۔ اللہ آباد اور ڈیرہ نواب کے پولنگ سٹیشنوں پر پریذائیڈنگ افسروں نے دل کھول کر مخدوم زادہ صاحب کی حمایت کی۔ برملا ووٹروں سے سبز بکس (مخدوم زادہ کے بکس کا رنگ) میں ووٹ ڈالنے کو کہا۔ صندوق اپنے سامنے رکھے تاکہ ووٹروں پر اثر ڈالا جا سکے۔"

اب سردار محمود خاں صاحب کی زبانی حلقہ ۴۵ء کا ماجرا بھی سن لیجئے۔

"اس حلقہ میں کل پانچ پولنگ تھے۔ خاص احمد پور شرقیہ میں جس کی آبادی ۲۵ ہزار کے قریب ہے صرف ایک پولنگ سٹیشن تھا۔ ہم نے کوشش کر کے دو پولنگ سٹیشنوں کی منظوری حاصل کر لی لیکن دوسرا اسٹیشن آخر وقت نہ کھلا۔ پہلے دو روز لیگی امیدوار کو ایک سو سے بھی کم ووٹ ملے لیکن آخری دو

روز میں بوگس ووٹ بھگتانے پر زور دیا گیا یہاں تک کہ بیلٹ پیپر کی سالم کاپیاں بکس میں ڈال دی گئیں اور جاری شدہ بیلٹ پیپر سے زائد پرچیاں صندوقوں سے برآمد ہوئیں۔

"چنی گوٹھ میں آخری روز بجائے چھ بجے کے چار بجے پولنگ بند ہوگی۔ اور پریذائڈنگ افسر نے لکھ کر دے دیا کہ واقعی ووٹر موجود ہیں لیکن چونکہ بیلٹ پیپر کی کاپیاں ختم ہوگئی ہیں اس لئے پولنگ بند کیا گیا ہے۔

"خانپور میں دو پولنگ سٹیشن تھے۔ دونوں پر پہلے دو روز میرے حریف کو ایک ووٹ بھی نہیں ملا لیکن اگلے روز لیگی امیدوار کے ووٹ مجھ سے دوگنا اور آخری روز چوگنا برآمد ہوئے۔"

پہلی بار انتخابی کاروائی کے کالعدم ہونے کے بعد جب دوبارہ انتخابات کا پروگرام بنا تھا تو میر زاہد حسین کے والد گرامی میر عابد حسین صاحب مرحوم بھی حلقہ ۱۳۸ (صادق آباد) سے امیدوار تھے وہ بھی دھونس اور دھاندلی کے شکار ہوئے۔ ان کی روداد ملاحظہ ہو۔

"اس حلقہ میں تین پولنگ سٹیشن تھے۔ انتخاب چار روز تک ہوتا رہا۔ پہلے روز میں نے تینوں پولنگ سٹیشنوں پر مجموعی طور پر اپنے حریف سے ۳۶۵ ووٹ زیادہ حاصل کئے۔ دوسرے روز بھی مجھے اس سے بھی زیادہ ووٹ ملتے لیکن ۷/۸ مئی کی درمیانی شب کو لکھی موری کے پولنگ اسٹیشن پر جہاں میر اگڑھ تھا میرے حریف مسلم لیگی امیدوار نے جرائم پیشہ قوم شر سے حملہ کرا دیا تمام بیلٹ اٹھا کر لیجائے گئے۔ میرے درکردں کو نہر میں غوطے دیئے گئے کیمپ کے انچارج مولانا محمد علی ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان کے فرزند کو بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ میرے سٹیشن دیگین توڑ دیئے گئے۔ ڈرائیوروں کے منہ پر پیشاب تک کیا گیا۔

"۸ مئی کو مخدوم زادہ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ہمراہ اپنی کار میں صادق آباد پہنچے میں نے ان کو تمام حالات سنائے اس پر مخدوم زادہ نے سینکڑوں لوگوں کے سامنے فرمایا۔ میر صاحب شکر کیجئے ورنہ اور صوبوں کو دیکھئے وہاں کیا ہو رہا ہے۔

"میں نے پریذائیڈنگ افسر کو درخواست دی کہ پردہ دار عورتوں کے پولنگ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ پولنگ رکا ہوا ہے اس کا انتظام کیا جائے۔ بجائے اس کے کہ عورتوں کے لئے ووٹ ڈالنے کا کوئی وقت مقرر کر دیا جاتا یا زنانہ ووٹروں کو ووٹ ڈالنے کی خاص سہولتیں دی جاتیں پولیس کی نگرانی کر دی جاتی تاکہ غنڈے عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں۔ پریذائڈنگ افسر نے اسی درخواست پر یہ حکم لکھا کہ " یہ درخواست ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں پیش ہو۔"

ڈپٹی کمشنر صاحب نے بھی کچھ نہ کیا۔ بیچارے میر صاحب اِدھر سے اُدھر کبھی اس افسر کے پاس اور کبھی اس افسر کے پاس مارے مارے پھرتے رہے کہیں کوئی شنوائی نہ ہوئی آخر مسٹر لے آر خان وزیر اعظم بہاولپور سے ملے اور ان کی خدمت میں سارا ماجرا تحریری طور پر پیش کیا۔ لیکن وزیر اعظم صاحب نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ

"اب آپ کے سامنے صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے الیکشن پٹیشن اس کے علاوہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا"۔

یہ دھاندلیاں اس قدر کھلی اور الم نشرح تھیں کہ مسلم لیگ کے حامی اخبارات بھی ان پر پردہ نہ ڈال سکے۔ ہفت روزہ "مسلمان" نے تو ان دھاندلیوں کے خلاف ایک زبردست مقالہ افتتاحیہ لکھا۔ ہم ذیل میں اسی کے ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں:

"حلقوں کی تشکیل۔ پولنگ اسٹیشنوں کے تعین اور افسران رائے شماری کے تقرر میں جس دور اندیشی اور چابکدستی سے کام لیا گیا تھا۔ اس کے پیش نظر لیگی پہلوانوں کے مقابلہ کی جرأت کرنا ستاروں پر کمند ڈالنے کے مترادف تھا لیکن حالات کی اس حوصلہ فرسا ناسا عدت اور ماحول کی یاس انگیز مطابقت کے باوجود بیسیوں مردان خدا ارباب اقتدار کے لاڈلوں کے مدمقابل صف آرا ہو گئے۔ عوام کی مخالفت کو بے اثر اور ناکام بنانے کے لئے جو مکروہ چالیں چلی گئیں ان کی تفصیل ملک کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے مختصر یہ ہے کہ ہر پولنگ اسٹیشن پر سینکڑوں جعلی ووٹ بلا روک ٹوک ڈالے گئے۔ دوسروں کے نام پر ووٹ ڈالنے کے لئے کئی سپوتوں نے اپنے باپوں کے نام بدلے بعض خواتین نے بکمال عفت و عصمت محض اپنے پسندیدہ امیدوار کو تو انے کے لئے غیروں کو اپنا شوہر بتلا کر پرچیاں ڈالیں۔ شوہروں اور والدوں کے اس تغیر و تبدل کے باوجود کام بنتا نظر نہ آیا تو بعض مقامات پر دھاندلی اور مار پٹائی کا شریفانہ حربہ استعمال کیا گیا۔ بیلٹ بکسوں کو اور پرچے کر کے "جمہوریت پرور" مساعی کی گئیں۔ کئی جگہ ایسا بھی ہوا کہ یکمشت سو پچاس ووٹ بھرے بھرے بکسوں میں ڈلوا دیئے گئے۔ بعض پریذائیڈنگ افسران نے تو اس بے باکی سے لیگی امیدواروں کی امداد و اعانت کی کہ اگر خود وہ امیدوار ہی ان کی بجائے اس منصب پر فائز ہوتے تو شاید ہی مدد اس بے خوفی سے نہ کرتے۔

"غرض یہ کہ حزب اختلاف کے امیدواروں کو ناکامیاب بنانے کے لئے ہمارے ہاں وہ وہ ہتھکنڈے استعمال کئے گئے ہیں جو پنجاب اور سرحد میں بھی شاید نہ ہوئے ہوں گے"۔ (مسلمان بحوالہ ۲۷)

لے مشہور امریکی مصنف ولکوکس نے اپنی کتاب PAKISTAN CONSOLIDATION OF NATION میں لکھا ہے کہ میر صاحب کے حریف نواب غلام جیلانی نے بطور رشوت دس ہزار روپے خود ملک کو دیئے تھے تاکہ وہ انہیں مسلم لیگ کا ٹکٹ دلا دیں۔

وزارت کی تشکیل

اس چیخ پکار کا ارباب بست وکشاد پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انتخابات کے نتائج کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا اور چونکہ مسلم لیگی امیدواروں کو اسمبلی میں غالب اکثریت حاصل ہو گئی تھی اس لیے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر مخدوم زادہ سید حسن محمود کو اعلیحضرت امیر بہاولپور نے حکومت بنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ مخدوم زادہ کے ساتھ ان کے مزید دو رفقا سردار محمد افضل خاں لغاری اور راؤ حفیظ الرحمٰن نے وزارت کا حلف اٹھایا۔ اس طرح مخدوم زادہ وزیر اعلیٰ، سردار محمد افضل خاں لغاری وزیر مال اور راؤ حفیظ الرحمٰن وزیر تعلیم مقرر ہو گئے۔

حلف برداری کی تقریب صادق گڑھ پیلیس میں منعقد ہوئی تھی اس موقع پر امیر بہاولپور نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ

"اسمبلی کے ارکان اور اعلیٰ عہدیدار اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دیں گے اور نئی وزارت سے پورا تعاون کریں گے"۔

انہوں نے مزید کہا کہ

"میں جلد ہی عازم انگلستان ہو جاؤں گا لہٰذا میری عدم موجودگی میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیئے جو میرے لئے یا ریاست کے کسی اور ذمہ دار افسر کے لئے موجب ندامت ہو"۔

نئی وزارت کی تشکیل کے بعد سابق وزیر اعلیٰ مسٹر اے آر خاں کو ریاست کا مشیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ اور اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ایک فرمان کے ذریعہ اپنے تمام اختیارات ان کو سونپ دیئے تاکہ آپ کی عدم موجودگی میں وہ انہیں استعمال کریں۔

آئینی ارتقا

قطع نظر ان شکایات کے جو انتخابات کے سلسلہ میں غیر لیگی امیدواروں کو پیدا ہوئیں۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جدید اصلاحات کے نتیجے میں ریاستی عوام نے آئینی ارتقا کی طرف قدم بڑھایا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ باقاعدہ شکل میں حزب اختلاف معرض وجود میں آئی جس نے برسر اقتدار جماعت کا مقابلہ کیا۔ اور بیحد دھاندلیوں کے باوجود لیگی امیدواروں کے مقابلے میں ان کے متعدد امیدوار کامیاب ہوئے۔

اس سے پہلے ریاست میں ڈیارکی سسٹم (دوعملی طرز حکومت) نافذ تھا۔ مسلم لیگی وزارت نے تین سال اسی نظام حکومت میں گذارے تھے یہ سسٹم بہت کم کہیں کامیاب ہوا ہے لیکن ریاست میں سرکاری اور عوامی سطح پر اس سلسلہ میں جس ہم آہنگی اور یکجہتی کا مظاہرہ ہوا اس نے اسے یہاں ناکام نہ ہونے دیا اور مسلم لیگی وزارت نے خاصی دلجمعی اور سکون سے اپنے تین سال پورے کر لئے اس عرصہ میں اسے رفاہِ عامہ کے کاموں میں حصہ لینے کا موقع ملا تھا چنانچہ اس نے سڑکوں کی تعمیر، اسکولوں اور ہسپتالوں کے اجرا اور صنعت وحرفت کے فروغ میں بعض نتیجہ خیز اقدامات کئے۔

موجودہ اصلاحات سے بہاولپور کے آئینی ارتقا میں ایک سنہری باب کا اضافہ ہوا۔ ریاست بہاولپور کو صوبائی درجہ حاصل ہو گیا اور بڑی حد تک کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا عوامی مطالبہ پورا ہو گیا۔

بہاولپور اسمبلی کا پہلا اجلاس

بہاولپور اسمبلی کا پہلا اجلاس ۔ ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء کو ٹاؤن ہال[1] بہاولپور میں ہوا۔ سید غلام مرتضےٰ شاہ صاحب نے عارضی طور پر اجلاس کی صدارت کی تلاوت قرآن شریف کے بعد اراکین اسمبلی نے حلف اٹھایا۔ پھر چند قراردادیں منظور کی گئیں ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ریاست بہاولپور کو دو نشستیں دی جائیں ۔ دوسری قرارداد میں اعلیحضرت امیر بہاولپور پر کامل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ تیسری قرارداد میں بہاولپور اسمبلی کا دستور العمل مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کا مطالبہ کیا گیا چوتھی قرارداد میں ریاست میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام پر حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کیا گیا۔

بہاولپور اسمبلی کے نام اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ایک پیغام ارسال کیا تھا جسے ولیعہد برگیڈیئر محمد عباس عباسی نے جو بطور خاص اس غرض کے لئے آئے ہوئے تھے پڑھ کر سنایا۔ جسمیں انہوں نے عوام کے منتخب نمائندوں کو ان کی کامیابی پر مبارکباد دی تھی اور ان سے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ وہ تندہی، فرض شناسی اور دیانتداری سے اپنا کام انجام دیں گے ۔ انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے پیغام میں کہا گیا تھا کہ

"ریاست میں عام انتخابات نہایت ایمانداری اور خوش اسلوبی سے ہوئے ہیں اگر کسی کو کسی قسم کی شکایت ہے تو وہ کمیشن کے سامنے پیش کرے جو عنقریب بننے والا ہے۔

"انتخابات میں ایک کامیاب ہوتا ہے اور دوسرا ناکام اور یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ ناکام ہونے والا کامیاب پر زیادتیوں کا الزام عائد کرتا ہے ۔

"میں آپ کی رہنمائی کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور میری تمنا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر کے ریاست اور پاکستان کے لئے سچے خدمت گار ثابت ہوں۔"

سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب

اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے لئے شیخ عبدالحق اور چوہدری بشیر احمد چیمہ بالترتیب منتخب ہوئے لیکن سپیکر کے انتخاب کے وقت جناح عوامی مسلم لیگ کے رکن چوہدری رحمت اللہ نے یہ اعتراض کیا کہ از روئے قانون ممبران اسمبلی کو سپیکر کا انتخاب کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ دفعہ ۲۱ کانسٹی ٹیوشن ایکٹ کے تحت صرف اعلیحضرت ہی سپیکر کو نامزد کر سکتے ہیں۔ صدر نے کہا کہ اس ایکٹ میں ترمیم ہو چکی ہے اور اب ممبران ہی کو اسپیکر کے انتخاب کا اختیار ہے ۔ چوہدری رحمت اللہ نے کہا کہ یہ ترمیم ڈپٹی سپیکر کے طریق انتخاب کے لئے کی گئی ہے سپیکر کے لئے کوئی ترمیم نہیں کی گئی۔ چوہدری فرزند علی (مسلم لیگ)

---

[1] موجودہ سنٹرل لائبریری کا ہال پہلے بطور ٹاؤن ہال استعمال ہوتا تھا۔ اسی عمارت میں بلدیہ بہاولپور کے دفاتر تھے مسلم لیگ کا دفتر بھی یہیں تھا۔ لائبریری عمارت کے لائی حصہ میں تھی۔

نے اس عذر کو معقول قرار دینے کے باوجود رائے دی کہ سپیکر کا انتخاب بھی ڈپٹی سپیکر کے انتخاب کی طرح ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ پر خاصی بحث ہوئی بالآخر صدر اجلاس سید غلام مرتضےٰ شاہ نے حزب اختلاف کا اعتراض رد کر دیا جس پر تھوڑی دیر کے لئے اراکین حزب اختلاف واک آؤٹ کر گئے۔

مخدوم زادہ کی تقریر

سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے انتخاب کے بعد مخدوم زادہ سید حسن محمود نے تقریر کی جس میں مسلم لیگی وزارت کی کارگذاری کو مجملاً بیان کیا اور وہ لائحہ عمل پیش کیا جس پر نئی حکومت آئندہ عمل پیرا ہوگی۔ مخدوم زادہ نے یہ تقریر اس قرارداد پر پیش کی تھی جس میں اعلیحضرت کے پیغام کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور یقین دلایا گیا تھا کہ ممبران اسمبلی اعلیحضرت کی نیک توقعات کو پورا کریں گے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہیں گے غریبوں کا معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں بجا لائیں گے۔

انہوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ

"آب رسانی کا انتظام زیر غور ہے دریائے ستلج سے پانی نکالنے کی سکیم ہمارے سامنے ہے، ۴ لاکھ من گندم جمع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کی رقم بھی محکمہ فوڈ کو دیدی گئی ہے۔ ریزرو سٹاک کے لئے جدید گودام تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

ریاست میں اس وقت ۴ لاکھ مہاجرین آباد ہو چکے ہیں کچھ لوگ باقی ہیں جنہیں بہت جلد آباد کر دیا جائے گا۔ ریاست کے مختلف شہروں میں مہاجر کالونیاں تعمیر ہو چکی ہیں اور مزید بستیاں اہم مقامات پر بنائی جائیں گی۔

"سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا ہے اب ہم چاہتے ہیں کہ ریاستی ملازمین کی تنخواہیں صوبائی سطح پر لائی جائیں پے کمیشن کی رپورٹ پیش ہو چکی ہے گنجائش کے مطابق تنخواہوں میں ایزادی کردی جائے گی۔"

"بیرونی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مراعات اور کالج کے طلباء کے لئے سہولتیں مہیا کی جا رہی ہیں۔ اسٹیشنوں اور اہم شہروں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے سڑکوں کا جال بچھایا جائے گا۔ اور مزید ہسپتالوں کے قیام کا منصوبہ زیر غور ہے۔ بیروزگاری کے مسئلہ پر بھی ہماری نظر ہے اور ہم کوشش کریں گے کہ ان منصوبوں کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنایا جائے۔"

چوہدری عبدالسلام کا اعتراض

چوہدری عبدالسلام صاحب نے جن کا تعلق جناح عوامی مسلم لیگ سے مخدوم زادہ کی تقریر پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ "مجھے قرارداد کے نفس مضمون سے کوئی اختلاف نہیں لیکن "جو یہ سرمایہ" کارگذاری پیش کی گئی ہے اس سے سخت اختلاف ہے۔"

چوہدری عبدالسلام صاحب اور سردار اجمل خاں لغاری نے اس قرارداد کو پیش کرنے پر بھی قانونی اعتراض کیا جو پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ریاست کے دو نمائندے شامل کرنے کے سلسلہ میں پیش کی گئی تھی ان کا اعتراض یہ تھا کہ اسمبلی کا ایجنڈا اجلاس سے صرف چار روز پہلے دیا گیا ہے حالانکہ از روئے قانون سات روز پہلے ملنا چاہیئے تھا اس لئے اجلاس کی یہ تمام کاروائی بالکل غلط ہے۔

اس اعتراض پر بعض دوسرے ممبران نے بھی بحث میں حصہ لیا تاہم سپیکر نے قرارداد پیش کرنے کی اجازت دے دی عبدالسلام صاحب نے قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"دستور ساز اسمبلی میں نمائندگی کوئی اعزاز نہیں ہے بلکہ اہم ذمہ داری ہے اس سے قبل جو نمائندہ موجود ہے اس نے دو سال میں ریاست کے لئے کیا کیا۔؟ مجھے قرارداد سے اختلاف نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہمارے پہلے نمائندے نے جو کچھ کیا ہے اس کی تفصیل پیش کی جائے"

چوہدری عبدالسلام صاحب کی تائید میں سردار اجمل خاں لغاری اور چوہدری رحمت اللہ نے بھی تقریریں کیں لیکن اجلاس نے بالآخر قرارداد کثرت رائے سے منظور کر لی۔

دوسرے دن کے اجلاس میں اسمبلی کا دستور العمل بنانے کی تجویز پیش کی گئی لیکن اپوزیشن کے اس اعتراض پر کہ جب تک اسمبلی کا دستور العمل مرتب نہ ہو اس وقت تک ہر اجلاس غیر آئینی ہوگا۔ سپیکر نے اسے غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا۔

عوامی نمائندگان کا معیار

اسمبلی کے پہلے اجلاس کی روداد کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ بہاولپور کے عوامی نمائندگان کا معیار خاصا بلند تھا۔ بالخصوص جن ارکان کا اپوزیشن گروپ سے تعلق تھا وہ اسمبلی کی کاروائی میں پوری طرح دلچسپی بھی لیتے تھے اور برسر اقتدار پارٹی پر دزندار تنقید سے بھی نہیں چوکتے تھے حالانکہ یہ ان کی پارلیمانی زندگی کی ابتداء تھی لیکن ابتدا میں ہی انہوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ پارلیمانی ذمہ داریوں کو بہ احسن الوجوہ انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ایک مزید وزیر کا تقرر

اب تک تین وزیروں کا تقرر ہوا تھا جنہیں مخدوم زادہ سید حسن محمود کے علاوہ سردار محمد افضل خاں لغاری اور راؤ حفیظ الرحمٰن شامل تھے۔ اگست ۱۹۵۲ء کے اواخر میں سردار محمد ایوب خاں کو بھی وزارت میں شامل کر لیا گیا یہ بہاولپور ہائیکورٹ کے رجسٹرار تھے مخدوم زادہ حسن محمود سے ذاتی دوستی تھی انہوں نے حلقہ جمال دین والی سے اپنی جیتی ہوئی نشست خالی کر کے اس سے سردار صاحب کو کامیاب کرایا اور انہیں آبادکاری، خوراک، مہاجرین اور پبلسٹی کے محکمے سپرد کئے۔

بہاولپور مسلم لیگ کی علیحدہ حیثیت

پاکستان مسلم لیگ نے اپنے دستور میں ایک ترمیم کے ذریعہ کراچی اور ریاست بہاولپور کی مسلم لیگوں کی علیحدہ علیحدہ حیثیت تسلیم کر لی تھی اور مرکزی پارلیمانی

بورڈیں کراچی اور ریاست بہاولپور کی مسلم لیگوں میں سے ایک ایک کونسلر لیا تھا۔ یہ ترمیم پاکستان مسلم لیگ نے اپنے اجلاس ڈھاکہ میں منظور کی تھی جو خواجہ ناظم الدین کی صدارت میں ۱۱، اکتوبر ۱۹۵۲ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس ترمیم کے نتیجے میں جہاں بہاولپور مسلم لیگ کی حیثیت میں اضافہ ہوا وہاں بہاولپور کو صوبائی درجہ بھی حاصل ہو گیا۔ واضح ہو کہ اس ترمیم کا اطلاق ریاست بہاولپور کے علاوہ پاکستان کی دوسری ریاستوں پر نہیں کیا گیا تھا۔ مثلاً ریاست خیرپور بدستور صوبہ سندھ مسلم لیگ کے ساتھ شامل تھی

مہاجرین کا مسئلہ

بہاولپور اسمبلی کے انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے تھے وہ مہاجرین کے نقطہ نظر سے خاصے مایوس کن تھے ریاست میں ان کی آبادی سرکاری اعداد و شمار کے اعتبار سے ۴ لاکھ تھی جو کل آبادی کے تقریباً ایک چوتھائی حصہ پر مشتمل تھی لیکن انتخابات میں مسلم لیگ کے ذریعہ سے کامیاب ہونے والے مہاجرین کی تعداد ۴ تھی جب کہ ایک صاحب بطور آزاد امیدوار کامیاب ہوئے تھے یعنی ۴۹ کے ہاؤس میں صرف ۵ ممبر مہاجر تھے راقم الحروف نے اسی صورت حالات کے پیش نظر کافی عرصہ قبل مہاجرین کے لئے نشستیں مخصوص کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ جو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میں مہاجر ممبران کی طرف سے مجھے تائید حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا تھا۔ اگر اس وقت مہاجر ممبران میری قرارداد کی حمایت کرتے تو مسلم لیگ کو مہاجرین کے لئے نشستیں مخصوص کرنی پڑتیں اور اس کے نتیجے میں اپنی تناسب آبادی کے لحاظ سے مہاجرین کو نشستیں ملتیں اور اسمبلی میں مہاجرین کی آواز بھی مؤثر ہوتی۔ بہرحال اب جب کہ انتخابات کے نتائج سامنے آئے اور اسمبلی میں مہاجرین نے اپنی حیثیت کا اندازہ لگایا تو انہیں اپنے حقوق کے اتلاف کا احساس ہوا اور انہوں نے از سر نو مہاجرین کو انجمن مہاجرین کے نام پر متحد و منظم کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں معین الدین شہزاد خاص طور پر بہت سرگرم عمل تھے انہوں نے مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری شیخ عبدالرحمٰن کو شکست دی تھی اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن آزاد امیدوار کے طور پر کامیاب ہونے کے باوجود وہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے تاہم جو توقعات انہوں نے لیگ میں اپنی شمولیت کے بعد لیگ اسمبلی پارٹی سے باندھی تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھیں لہٰذا انہوں نے بعض مہاجر لیڈروں کو اپنے ساتھ ملا کر بہاولپور میں ایک مہاجر کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا جس میں مقامی مہاجر کارکنوں کے علاوہ پاکستان کے چند مقتدر مہاجر لیڈرز کو بھی مدعو کیا گیا۔ یہ کانفرنس عیدگاہ بہاولپور کے میدان میں ۱۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو منعقد ہوئی۔ شہید ملت خان لیاقت علی خاں کے فرزند ارجمند نواب زادہ ولایت علی خاں کے علاوہ سید حسین امام اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس میں شرکت کی۔

اس کانفرنس میں جو تقریریں ہوئیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ مہاجرین کی آبادکاری و خوشحالی کے لئے اب تک جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔ مقررین نے یہ بھی کہا کہ پاکستان کے تمام مسائل جن میں مہاجرین کا مسئلہ بھی شامل ہے جبھی طے ہو سکتے ہیں کہ مسلم لیگ کو غلط کار اور خود غرض لوگوں سے پاک کر دیا جائے۔ کانفرنس میں بعض قراردادیں بھی منظور کی گئیں جن میں مہاجرین کی مستقل آبادی وغیرہ کے مسائل شامل تھے۔

گورنر جنرل کی بہاولپور میں آمد اور مخدوم زادہ کا سپاسنامہ

۲۷ نومبر ۱۹۵۲ء کو گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد بہاولپور کے سرکاری دورے پر آئے۔ اسٹیڈیم میں ان کے اعزاز میں ایک گارڈن پارٹی دی گئی۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ بہاولپور مخدوم زادہ سید حسن محمود نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا اور ریاست بہاولپور کی چار سالہ کارگذاری کا جائزہ لیتے ہوئے مہاجرین کی آبادکاری کے کام کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ

"جہاں تک ریاست میں مہاجرین کی آبادکاری اور بحالی کے مسئلہ کا تعلق ہے ان تین لاکھ ہزار مظلوم و بیکس مسلمان بھائیوں میں سے جو بھارت سے جانیں بچا کر اور راہ فرار اختیار کر کے ریاست بہاولپور میں آ گئے تھے۔ پانچ ہزار کی قلیل تعداد کے علاوہ باقی سب کو زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں بحال کیا جا چکا ہے۔"

سپاسنامہ کا ردعمل

مخدوم زادہ نے اپنے سپاسنامہ میں مہاجرین کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا اس کا مہاجرین میں شدید ردعمل ظاہر ہوا۔ معین الدین احمد شہزاد (ایم۔پی۔اے) صدر انجمن مہاجرین نے مخدوم زادہ کے پیش کردہ اعداد و شمار کو چیلنج کیا اور کہا کہ ریاست میں آباد نصف کے قریب مہاجرین اب تک ایسے ہیں جن کی آبادکاری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور وہ سخت پریشان و حراساں ہیں۔ راقم الحروف نے اخبار الہام میں اس سپاسنامہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"مخدوم زادہ صاحب کے خطبہ استقبالیہ کے اس حصہ کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں دلی دکھ ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے "غریب مہاجرین" کا ذکر کیا ہے ہم چاہتے تھے کہ اس حصہ کو نظر انداز کر دیں اور ہجرت کی دوسری کارفرمائیوں کی طرح اسے بھی اپنا بے بسی کے سینے میں چھپا لیں لیکن ایک تو صحافتی ذمہ داریوں کا احساس دوسرے اپنے ان مہاجر بھائیوں کی دل آزاری و دل شکنی کا تصور جو روزانہ احتجاجی طور پر ہماری توجہ اس دردناک واقعہ کی طرف مبذول کرا رہے ہیں کہ ہٹاؤ مہاجرو! اپنے آپ کو مہاجر نہ کہو تم مفرور ہو۔ تم محض اپنی جانیں بچا کر یہاں آئے ہو۔" ہمیں لب کشائی پر مجبور کر رہا ہے۔ کیا مہاجرین کے زخموں پر نمک پاشی کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ بھارت کے یہ مظلوم مسلمان جنہیں آج بھگوڑہ کہا جا رہا ہے وہ محض جانیں بچا کر یہاں نہیں آئے بلکہ اپنا ایمان بھی ساتھ لائے ہیں۔ اگر جان کی حفاظت ان بدبختوں کے پیش نظر ہوتی تو کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ہمارے لاکھوں مسلمان بھائی جو بھارت میں تہہ تیغ ہوئے اپنے ایمان و مذہب کے بدلے میں اپنی جانوں کو بچا لیتے اور آج عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ کاش کوئی اس کی قدر و منزلت پہچان سکتا۔

"یہ ایک من گھڑت یا کوئی مفروضہ کہانی نہیں جس کی طرف ہم سطور بالا میں اشارہ کر آئے ہیں بلکہ یہ اس خطبۂ استقبالیہ کے رنگین و دلکش الفاظ ہیں جنہیں مخدوم زادہ صاحب نے کئی سو معزز سامعین کے سامنے گورنر جنرل پاکستان کو مخاطب کر کے اپنی مطبوعہ کاپی میں سے پڑھ کر سنایا۔

"ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ مخدوم زادہ نے مہاجرین کی بحالی و آبادکاری کے سلسلہ میں جو اعداد و شمار پیش کئے ہیں وہ کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں اس وقت تو سوال ہماری "حیثیت عرفی" کا ہے مخدوم زادہ نے ہمیں پہلی مرتبہ اس سلسلہ میں دعوت فکر دی ہے ان کا ارشاد ہے کہ "مہاجرین (جو غلطی سے خود کو مہاجر کہتے ہیں) بھارت سے جانیں بچا کر اور راہ فرار اختیار کر کے ریاست بہاولپور میں آئے ہیں" اگر یہ بات کوئی عام آدمی کہتا تو ہم اسے بازار کی گالی سمجھ کر ہنس کر ٹال دیتے لیکن یہ الفاظ ریاست کی سب سے بڑی ذمہ دار اور مقتدر شخصیت کی زبان سے نکلے ہیں اس لئے قابل اعتنا نہیں اور ہم اسے کسی معمولی فرد گذاشت یا کسی ماتحت افسر کی بے اعتدالی پر محمول کرنے کے لئے تیار نہیں"

"ہم نہیں سمجھتے کہ مخدوم زادہ کے یہ الفاظ ان کے حقیقی جذبات کے آئینہ دار ہیں یا وہ "ہجرت" اور "راہ فرار" بکلہ امتیاز قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ بہر حال کچھ بھی ہو انہوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر مہاجرین کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ان کی ہتک کی ہے جو قابل تاسف ہے مخدوم زادہ کو سچے دل سے اس کی تلافی کرنی چاہیئے"

اس سلسلے میں بے شمار مہاجرین نے خطوط اور مراسلات کے ذریعہ بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا لیکن مخدوم زادہ نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔

جناح عوامی لیگ کی دو روزہ کانفرنس

بہاولپور میں انتخابات کے دوران جو حزب اختلاف معرض وجود میں آئی تھی اس نے سید حسین شہید سہروردی کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے جناح عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور اس کے بعد جناح عوامی لیگ کی ایک باقاعدہ شاخ بھی بہاولپور میں قائم ہو گئی تھی چنانچہ اسی شاخ کے تحت ۸ اور ۹ دسمبر ۱۹۵۲ء کو بہاولپور میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خود مسٹر سہروردی صاحب کے علاوہ صوبہ سرحد کے مسٹر غلام محمد لوند خور نے بھی شرکت کی۔

سہروردی صاحب نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"حکومت بہاولپور نے مسلم لیگی زمینداروں کو تاوان کے حق سے زیادہ گندم تقاوی پر دیا ہے لیکن جو زمیندار مسلم لیگ پارٹی کے ہمنوا نہیں تھے انہیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے یا مقابلتہً

ان کا درجہ صفر کے برابر ہے۔

• ضلع رحیم یار خاں کے چار بڑے زمینداروں میں سے کسی نے آج تک گندم کا ایک دانہ بھی حکومت کے حوالے نہیں کیا حالانکہ ان کی ضروریات سے کہیں زیادہ گندم ان کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔"

سہروردی صاحب نے ان الزامات کی تحقیقات کے لئے ایک ٹریبونل قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

مسٹر غلام محمد لونڈ خور نے اپنی تقریر میں خان عبدالقیوم خاں کی پرائیویٹ زندگی کو ہدف تنقید بنایا۔ کانفرنس سے علامہ ارشد نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں سورہ یوسف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر مستعفی ہو جائے۔

علامہ ارشد کا مسلم لیگ سے اخراج

علامہ ارشد بہاولپور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ لیکن انہوں نے مسلم لیگی قیادت سے اختلاف کے بعد جناح عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ اس بنا پر آل بہاولپور مسلم لیگ نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے انہیں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی سے خارج کر کے ان کی جگہ سردار محمد ایوب خاں کو ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا۔

بہاولپور اسمبلی کا سرمائی اجلاس

۵ ہر جنوری ۱۹۵۲ء کو بہاولپور اسمبلی کا سرمائی اجلاس شروع ہوا اس اجلاس میں وزراء کی تنخواہیں مقرر کرنے کے لئے ایک بل پیش ہوا تو اس پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی اپوزیشن کے سردار محمد ... خاں لغاری۔ چوہدری رحمت اللہ اور چوہدری عبدالسلام نے بحث میں بھرپور حصہ لیا اور اس بات پر زور دیا کہ وزراء اور وزیر اعلیٰ کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے بل میں وزیر اعلیٰ کے لئے دو ہزار روپے اور دوسرے وزراء کے لئے ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار کی تجویز کی گئی تھی۔ رائے شماری میں یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ اسمبلی نے ممبران اسمبلی کا الاؤنس بھی دو سو روپے سے بڑھا کر ۳ سو روپے منظور کیا۔

اس کے بعد ترمیم بل نقائص اہلیت ممبران اسمبلی پیش ہوا۔ جس میں ذیلداروں۔ نمبرداروں۔ انعام داروں اور سفید پوش لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس بل کی بھی اپوزیشن کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی لیکن اسمبلی نے کثرت رائے سے اسے منظور کر لیا۔

اسمبلی کا آخری اجلاس قراردادوں پر بحث کے لئے مقرر تھا۔ ایجنڈے پر ۵۶ قراردادیں تھیں۔ پہلی قرارداد نماز کو لازمی قرار دینے کے سلسلہ میں اللہ بخش عباسی صاحب (آزاد رکن) نے پیش کی تھی۔ مخدوم زادہ نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ قرارداد میں نماز کو لازمی قرار دینے کے لئے کہا گیا ہے۔ حالانکہ قرارداد میں صرف حکومت سے سفارش کی جاتی ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ اس اعتراض کی وجہ سے قرارداد مسترد کی جائے لہذا جناب صدر مجھے اس بارہ میں اپنا نظریہ پیش کرنے کی اجازت دیں۔ سپیکر نے اس قانونی نکتہ پر قرارداد مسترد کر دی اس کے باوجود ممبران اس پر بحث کرتے رہے

اور سپیکر کو مجبور کرتے رہے کہ وہ اپنے رولنگ پر نظر ثانی کریں۔ لیکن سپیکر نے اپنا فیصلہ قائم رکھا اس کے بعد کئی اور قرارداد دل کا بھی جو بیت المال کے متعلق بھی تھی یہی حشر ہوا۔ آخری قرارداد چوہدری کوثر علی (جماعت اسلامی) کی طرف سے مہاجر کی مستقل آبادکاری کے متعلق تھی۔ جس پر بحث میں مخالف ممبران نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ معین الدین احمد شہزاد نے کہا کہ بہاولپور میں بھی مرکز کا یہ قانون نافذ ہے کہ متروکہ املاک میں مہاجرین کا ۹۰ فیصدی حق ہے لیکن یہاں اس آرڈیننس کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ حال ہی میں ہماری "نون" وزارت نے جو متروکہ فیکٹریاں تقسیم کی ہیں انہیں مہاجرین ۴۰ فیصد ہیں اور انھیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ ایک طرح کی سیاسی رشوت ہے۔

چوہدری رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ میرا ایمان ہے کہ تمام متروکہ جائیداد مہاجروں کے لئے وقف ہونی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس صادق آباد کی دھنیت رائے کی فیکٹری سے حسن محمود صاحب فائدہ اٹھا رہے ہیں اور زمینداروں اور بڑے بڑے جاگیرداروں نے ہندوؤں کی بہت سی املاک اپنے قبضہ میں کر لیں۔

چوہدری فرزند علی صاحب نے کہا کہ اگر مقامی اصحاب اور برسر اقتدار پارٹی کے احباب ناجائز الاٹمنٹوں سے دستبردار ہو جائیں تو آبادکاری کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

چوہدری عبدالسلام صاحب نے کہا کہ حکومت کی موجودہ مشینری نااہل ہے۔ جب تک اسے نہ بدلا جائے اس وقت تک بحالیات کا کام صحیح طور پر انجام پذیر نہیں ہوگا انہوں نے مزید کہا کہ جہاں تک میرا خیال ہے حکومت مستقل آبادکاری کا ارادہ نہیں رکھتی کیونکہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کے بعد یہ لوگ بے نیاز ہو جائیں گے اور حکومت کے قبضہ میں نہیں رہیں گے۔

ان تقاریر کا جواب دیتے ہوئے مخدوم زادہ سید حسن محمود نے کہا کہ "مجھے اپوزیشن کے خیالات سے دکھ ہوا ہے۔ ہم اپنی آنکھیں اور سر مہاجرین کے قدموں پر رکھنے کے لئے تیار ہیں اور اس وقت تک بے چین رہیں گے جب تک یہ سب آباد نہ ہو جائیں۔" پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ریاست میں لوگوں کے پاس دس فیصدی متروکہ جائیداد ہے اگر اس سے زائد ہو تو میں ان سے واپس لے کر دے دوں گا۔

متروکہ فیکٹریوں کے بارہ میں انہوں نے کہا کہ فیکٹری بغیر سرمایہ اور تجربہ کے نہیں چلتی۔ یہ ان لوگوں کو دی گئی ہیں جو انہیں چلا سکتے ہیں اگر ہماری کوئی بددیانتی ثابت کر دے تو ہم اپنی تمام جائیداد اسے بخش دیں گے۔

مخدوم زادہ کی تقریر کے بعد قرارداد پر رائے شماری ہوئی اور کثرت رائے سے مسترد کر دی گئی۔

طلب و عطا میں فرق

مخدوم زادہ حسن محمود نے لائل پور میں پنجاب مسلم لیگ کانفرنس کے موقع پر ایک بڑی معرکتہ الآرا تقریر کی تھی جس میں کہا تھا کہ

"موجودہ زمانہ کو حق طلبی کے زمانہ کے نام سے موسوم کرنا چاہیے آج ہر شخص اپنا حق

طلب کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بیٹا باپ سے حق طلب کر رہا ہے مزارع زمیندار سے اور عوام حکومت سے اپنا حق مانگ رہے ہیں"

مخدوم زادہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حق طلبی زمانہ کے مقتضیات کے خلاف ہے اور حق طلب کرنے والے ان کی نظر میں مجرم ہیں بلکہ ان کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ یہ آزادی کا زمانہ ہے اور ایک آزاد ملک کے آزاد باشندوں کو اپنے حق کے لئے آواز اٹھانے میں کسی قسم کا خوف یا خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت کے اس بلند بانگ دعوے کو نظر انداز کر کے انہوں نے حق طلب کرنے والوں کو مورد عتاب و گردن زدنی تصور کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جن مہاجر ممبران لیگ نے مہاجرین کے حقوق کے لئے آواز اٹھائی تھی انہیں منتقمانہ کاروائی کا نشانہ بنایا گیا۔ اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں یہ تجویز رکھی گئی کہ انجمن مہاجرین کو سیاسی جماعت قرار دیا جائے تاکہ اس کا کوئی رکن مسلم لیگ کا رکن نہ رہ سکے۔ گویا جب تک ریاست میں جمہوریت کا نفاذ نہیں ہوا تھا طلب حق ان کے لئے بھی جائز تھا اور دوسروں کے لئے بھی۔ لیکن جب جمہوریت نے انہیں اقتدار کی کرسی پر بٹھایا تو ان کی نظر میں طلب و عطا کے پیمانے بدل گئے۔ انہوں نے یکقلم ان تمام وعدوں کو بھی فراموش کر دیا۔ جو انہوں نے انتخابات کے وقت مہاجرین سے کئے تھے۔ انہوں نے اس وقت انجمن مہاجرین سے یہ تحریری معاہدہ کیا تھا کہ ـــــ انجمن مہاجرین کے مشورے سے ایک کرفوجی کونسل قائم کی جائے گی۔ اس کے مشورے سے اسمبلی کے انتخابات کے لئے مہاجرین کو مسلم لیگ کے ٹکٹ دیئے جائیں گے بلا تخصیص استحقاق ہر مہاجر خاندان کو مستقل آباد کاری کے وقت نصف مربع اراضی تقسیم کی جائے گی۔ متروکہ جائیداد کی تقسیم ان کے مشورے سے کی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ"

بریں تصور یہی تھا کہ انہوں نے متذکرہ معاہدہ مخدوم زادہ صاحب کو یاد دلایا اور ان سے اس پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے انجمن مہاجرین کی رکنیت کو مسلم لیگ کی رکنیت کے نااہل قرار دینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے خلاف بطور احتجاج چوہدری فرزند علی نور معین الدین شہزادہ نے لیگ اسمبلی پارٹی سے استعفٰے دے دیئے۔ شہزادہ صاحب نے اپنے استعفٰے کی وجوہات یہ بیان کی تھیں" بہاولپور مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ۲۵ رجنوری کے اس فیصلے کے بعد کہ انجمن مہاجرین ایک سیاسی جماعت ہے اور انجمن ہذا کا رکن مسلم لیگ کا رکن نہیں بن سکتا میں نے آج مسلم لیگ پارٹی سے استعفٰے دے دیا ہے" انہوں نے اسی بیان میں مہاجرین سے یہ اپیل کی تھی کہ "میں اپیل کرتا ہوں کہ ریاست کے تمام مہاجرین مسلم لیگ کے اس مہاجر کش فیصلہ کے پیش نظر اپنے مطالبات اور حقوق کے لئے متحد ہو جائیں۔

بہاولپور میں مختلف جماعتوں کا مشترکہ جلسہ

۱۳ر فروری ۱۹۵۳ء کو عیدگاہ بہاولپور کے میدان میں جناح عوامی مسلم لیگ، جماعت اسلامی، آزاد پاکستان پارٹی اور انجمن مہاجرین کے ایک مشترکہ اجلاس میں مقررین نے حکومتی پالیسیوں پر کڑی تنقید کی۔

آزاد پاکستان پارٹی کے ایم۔ایل۔اے چوہدری کار حمت اللہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ "حکومت کی بے تدبیری کے باعث ریاست میں قحط پڑا ہوا ہے جو حکومت عوام کے لئے تعلیم۔ خوراک اور کپڑا مہیا نہ کر سکے اسے برسر اقتدار رہنے کا کوئی حق نہیں"

جناح عوامی مسلم لیگ کے چوہدری عبد السلام نے کہا "امسال کا قحط خدا کا نہیں بلکہ اس وزارت کا پیدا کردہ ہے ذخیرہ کرتے وقت غریبوں سے غلہ لیا گیا لیکن ایک وزیر کے گھر میں اس وقت دس ہزار من گندم پڑی تھی جس پر قبضہ کرنے کی پولیس کو جرأت بھی نہ ہو سکی۔"

جماعت اسلامی کے ایم۔ایل۔اے سردار اجمل خاں لغاری نے کہا کہ "ہم اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں اپنی قلت کے باعث قوم کی نمائندگی کا پورا حق ادا نہیں کر سکے۔ ہم نے دل کی کوشش کی کہ آبدیدہ مہاجرین کے آنسوؤں کو وزارت اپنے دامن سے پونچھ لے۔ ہم نے چاہا کہ خوراک کا کوئی صحیح حل سوچا جائے۔ ہم نے نماز اور دستور اسلامی کے متعلق قرار دادیں پیش کیں لیکن یہ اسلئے مسترد ہو گئیں کہ ہم نے پیش کی تھیں۔"

ممبر ادیب احمد شہزاد (ایم۔ایل۔اے) نے کہا کہ "وہ قوم قصوروار ہے جو غم اٹھاتی ہے اور حساس نہیں۔ بھوکی مرتی ہے اور بغاوت نہیں کرتی۔" انہوں نے کہا کہ متروکہ املاک کی جائز تقسیم کا مطالبہ کرنا کونسا بڑا گناہ ہے۔ حکومت ہمارے مطالبات پورے کر دے ہم جر کہلانا چھوڑ دیں گے۔"

جناح عوامی مسلم لیگ کے رکن علامہ ارشد نے کہا کہ "قوم وزرا کو پھانسی پر لٹکانا چاہتی ہے مگر وہ ہزاروں روپے ماہوار لے کر بھی بس نہیں کرتے۔" انہوں نے برسر اقتدار طبقہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم نے قوم کو جلا وطن کیا۔ اسے بھوکا مارا۔ اسے مجبور کیا کہ وہ پتے کھائے اپنی بیٹیاں ساٹھ ساٹھ روپے میں بیچ دیں۔ تم سے نہ مہاجر خوش ہیں نہ آبادکار اور نہ انصار۔ آخر تم کس کے قائد ہو؟"

بہاولپور میں مرزائیت کے خلاف مظاہرے

فتنہ مرزائیت کے خلاف پاکستان گیر مظاہرے ہو رہے تھے اس سلسلے میں آل مسلم پارٹیز کنونشن نے "راست اقدام" کا فیصلہ کیا تھا جس کے بعد مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے تحریک ختم نبوت کے کارکنوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا بہاولپور میں بھی اس کے اثرات پہنچے۔ ۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو ریاست کے ہر بڑے شہر میں احتجاجاً مکمل ہڑتال کی گئی۔ اور ہر جگہ جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ تحریک ختم نبوت کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عہد کیا گیا لوگوں میں بے پناہ جوش پایا جاتا تھا۔ ریاست کے ہر حصہ سے لوگ جتھوں کی شکل میں ڈائریکٹ ایکشن میں حصہ لینے کے لئے کراچی روانہ ہو رہے تھے۔ حکومت بہاولپور نے ان جتھوں کو باہر جانے سے روک دیا۔ اور جتھوں میں جانے والوں کو گرفتار کر لیا۔ چند دنوں میں سینکڑوں رضا کار گرفتار ہو گئے۔

اصل میں تحریک ختم نبوت پنجاب سے شروع ہوئی تھی۔ اس وقت میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ پنجاب کے وزیراعلیٰ

تھے۔ انہوں نے کمال دانائی سے تحریک کا رخ پنجاب سے ہٹا کر مرکز کی طرف کر دیا۔ انہوں نے تحریک کے قائدین کو یقین دلایا تھا کہ وہ اس تحریک کے حامی ہیں اور حکومت پاکستان پر زور دے رہے ہیں کہ وہ مجلس ختم نبوت کے مطالبات تسلیم کرلے اس لیے اب معاملات ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ مرکز کے ہاتھ میں ہے ان کی اس یقین دہانی کے بعد تحریک کا سارا زور مرکز کی طرف ہو گیا اور تحریک کے کارکنوں نے جتھوں کی شکل میں کراچی کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ مرکزی حکومت نے اس سیاسی داؤ کا جواب یہ دیا کہ پنجاب میں فوراً مارشل لگا کر صوبہ کا نظم و نسق فوج کے سپرد کر دیا اس کے بعد دولتانہ صاحب مستعفی ہو گئے اور ملک فیروز خاں نون پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ بہر حال چونکہ یہ تحریک ملک گیر نوعیت کی تھی اور بہاولپور کے عوام مذہبی جذبات رکھنے کی وجہ سے اس تحریک کے زبردست حامی تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اس تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خود کو گرفتاریوں کے لیے پیش کیا۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ پنجاب کی دولتانہ وزارت کے خاتمہ کے بعد مرکزی حکومت بھی زیادہ دن قائم نہ رہ سکی اور گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے چند دن بعد ہی حساب بیباق کرتے ہوئے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کو برخاست کر کے ان کی جگہ مسٹر محمد علی بوگرہ کو پاکستان کا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

اس تبدیلی کے ساتھ ہی آل مسلم پارٹیز کونشن نے جو تحریک شروع کی تھی وہ واپس لے لی اور کونشن کے ناظم اعلیٰ مولانا داؤد غزنوی نے یہ اعلان کیا کہ مرکز اور صوبہ کی تبدیلی کے بعد ہمیں ہر قسم کی سول نافرمانی ختم کر دینی چاہیئے اور صوبہ میں امن وامان قائم کرنے کے لیے حکومت کو اپنا تعاون پیش کرنا چاہئے۔

ہونے کو تو یہ تحریک ختم ہو گئی بہاولپور میں بھی تحریک کے حامی اس اعلان کے بعد خاموش ہو گئے لیکن تحریک کے دوران بہاولپور کی حکومت نے اس سلسلہ میں جو بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی تھیں اس سے حکومت کے خلاف عوام میں ایک خاص فضا پیدا ہوئی جس کا مخالف عنصر کو بڑا فائدہ پہنچا یعنی اب تک حکومت کے خلاف بہاولپور کا ایک مخصوص سیاسی گروپ تھا اور اب اسے اپنی مخالفت میں عوام کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔

جناح عوامی مسلم لیگ کا جلسہ

چنانچہ اس سیاسی فضا سے فائدہ اٹھانے کے لئے ۲۰ رجولائی ۱۹۵۳ء کو جناح عوامی مسلم لیگ نے عیدگاہ گراؤنڈ بہاولپور میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا جس میں مقامی مقررین کے علاوہ سید حسین شہید سہروردی اور آغا شورش کاشمیری نے بھی تقریریں کیں اور گورنر جنرل پاکستان سے مطالبہ کیا کہ بہاولپور کے وزیر اعلیٰ مخدوم زادہ سید حسن محمود کی وزارت کو برخاست کر دیا جائے۔

آغاز تقریر میں سہروردی صاحب نے تحریک ختم نبوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ پاکستان گیر تحریک گو کچھ دنوں کے لئے دب گئی ہے لیکن انشاء اللہ یہ مقدس تحریک بالآخر کامیاب ہو کر رہے گی۔ مسلمانوں نے غیر متوقع طور پر بہت بہادری سے اس تحریک کے نام پر جانیں دی ہیں جو ہرگز رائیگاں نہیں جا سکتیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تمام

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات از سرِ نو عمل میں لائے جائیں۔ اور مرکزی دستور ساز اسمبلی کو ختم کر دیا جائے اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ اگر گورنر جنرل ناظم الدین کی طرح حسن محمود کو برطرف کرنے کے مطالبے کو تسلیم کر لیں تو حسن محمود کے حق میں ایک بھی احتجاجی آواز بلند نہیں ہوگی بہاولپور کی صورت حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ یہاں جو بدعنوانیاں ہو رہی ہیں انہیں اب نظر انداز نہیں کیا جا سکتا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں ان کی تشہیر کروں انہوں نے عوام سے کہا کہ اگر آپ میں ایمان جرأت اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی قوت پیدا ہوگئی تو اپوزیشن کے قیام کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ دستور ساز اسمبلی جلد ہی ختم ہو جائیگی اور عام انتخابات ہوں گے۔

سہروردی صاحب کے بعد علامہ ارشد نے مختصر الفاظ میں بہاولپور کی کابینہ کی برطرفی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اب صورت حالات کی نزاکت کے پیش نظر ہم یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ریاست میں آئین کو معطل کر دیا جائے۔ اور دفعہ ۹۲ نافذ کرنے کے بعد ایک ایسی غیر جانبدار عارضی حکومت قائم کی جائے جس کے تحت دوبارہ اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوں ورنہ بہاولپور کے حالات کبھی درست نہیں ہو سکتے۔

علامہ ارشد کے بعد آغا شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان نے ایک طویل تقریر کی اور کہا کہ حسن محمود صاحب کی وزارت کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور اگر آج نہیں تو کل ضرور چھلک جائے گا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے آر خاں صاحب کیا کر رہے ہیں اور وہ بہاولپور کی بدعنوانیوں کو کب تک دیکھتے رہیں گے۔ آخر میں انہوں نے مخدوم زادہ کی برطرفی اور خان عبدالغفار خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا اور حکومت بہاولپور کو توجہ دلائی کہ وہ گندم کے نرخ پر نظر ثانی کر کے زیادہ سے زیادہ تیرہ روپے من کے حساب سے عوام کو مہیا کرے۔

مخدوم زادہ کی وزارت پر نااہلی اور بددیانتی کا الزام

مخدوم زادہ سید حسن محمود نے جب سے ریاست کے وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا تھا اس وقت سے ان کی مخالفت کا آغاز ہو گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس مخالفت میں اضافہ ہوتا گیا۔ شروع شروع میں تو یہ مخالفت انتخابی دھاندلیوں کے سلسلہ میں تھی۔ بعد میں ان کی حکومت کی پالیسی اور ان کی بعض انتظامی بدعنوانیاں بھی مخالفت کا سبب بن گئیں اس سلسلہ میں وہ تمام عناصر جو انتخابی معرکے میں ان کے حریف تھے حزب مخالف کے روپ میں سامنے آ گئے تھے۔ دراصل بہاولپور میں جناح عوامی لیگ کا قیام بھی اس مخالفت میں زور اور اثر پیدا کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ ادھر سہروردی صاحب کو بھی جنہوں نے پاکستان میں پہلی مرتبہ حزب اختلاف قائم کرنے کا جرأتمندانہ قدم اٹھایا تھا۔ ایک ایسی جگہ اور ایسے لوگوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی جو حزب اختلاف کے کام کو آگے بڑھانے میں کافی مفید ثابت ہو سکتے تھے چنانچہ بہاولپور میں جناح عوامی لیگ کے کنوینر میاں نظام الدین حیدر تھے جو جماعتی پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لئے زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کرنے کی استطاعت بھی رکھتے تھے اور

ریاست میں اپنے خاندانی اثرات کو بھی بروئے کار لا سکتے تھے۔ ان کے علاوہ ان کے دست راست میر زاہد حسین تھے جن کا اپنے اخلاص۔ محنت اور صحیح سیاسی فکر کے اعتبار سے ریاست میں جواب نہیں تھا۔ وہ اپنی صلاحیت کا مظاہرہ بہاولپور میں مسلم لیگ کے قیام کے وقت کر چکے تھے اب جب کہ اُن کی اپنی ہی قائم کردہ مسلم لیگ بے راہروی کا شکار ہوئی اور ریاست کی سیاسی زندگی میں بدعنوانیاں اور دھاندلیاں راہ پانے لگیں تو انہوں نے اس کے خلاف جہاد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ سہروردی صاحب بھی ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انہیں جناح عوامی لیگ کی مرکزی ایڈہاک کمیٹی کا رکن بھی نامزد کر دیا تھا۔ میاں نظام الدین حیدر اور ان کے دوسرے ساتھی جہاں جلسوں اور تقریروں کے ذریعہ مسلم لیگی وزارت کا محاسبہ کرتے تھے وہاں میر زاہد حسین نے تحریری محاذ سنبھالا ہوا تھا۔

میر زاہد حسین کا تحریری محاذ بڑا موثر ثابت ہوا۔ مخدوم زادہ سید حسن محمود سب سے زیادہ اسی محاذ سے پریشان تھے چنانچہ انہوں نے جوابی طور پر میر صاحب کے خلاف انتقامی کاروائیاں کیں انہیں اور ان کے والد میر عابد حسین مرحوم کو طرح طرح سے تنگ کیا اس صورت حالات کے خلاف میاں نظام الدین حیدر کنوینر جناح عوامی لیگ نے ۲ جون ۱۹۵۳ء کو ایک اخباری بیان دیا جس میں مخدوم زادہ وزارت کی نااہلی۔ بدعنوانی اور سیاسی کارکنوں کے ساتھ زیادتیوں کی شکایت کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا۔

"ریاست میں بلا تاخیر و توقف آئین معطل کر کے برسر اقتدار گروہ کی بدعنوانیوں اور بے راہرولیوں کی تحقیقات کی جائے اور ریاست میں دفعہ ۹۲ الف نافذ کر دی جائے"

انہوں نے الزام عائد کیا کہ

"حزب اختلاف کے سرگرم کارکنوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا جا رہا ہے اور جو با ایمان سیاسی کارکن تحریص و تخویف کا شکار نہیں ہوئے ان کے خلاف غنڈہ ایکٹ کے تحت تعزیری کاروائی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

جناح عوامی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن سید عابد حسین اور ان کے بیٹے میر زاہد حسین (صادق آباد) کو مقامی غنڈوں سے تنگ کرایا جا رہا ہے انہوں نے کئی بار پولیس کو اطلاع دی مگر تا حال شنوائی نہیں ہوئی

میاں نظام الدین حیدر نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی کہا تھا۔ کہ

"مخدوم زادہ کی وزارت کا تازہ ترین کارنامہ یہ ہے کہ ریاست بہاولپور کے کاشتکاروں سے دس من فی ایکڑ کے حساب سے گندم جبراً حاصل کی جا رہی ہے حالانکہ ایک ایکڑ کی کل پیداوار دس من نہیں ہے فراہمی گندم کی اس پالیسی کی بنا پر دیہاتی عوام بہت پریشان ہیں بالخصوص حزب اختلاف سے ہمدردی رکھنے والے لوگ تعزیری کاروائی کے خوف سے بلیک مارکیٹ سے گندم

خرید کر حکومت کا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ":

میاں نظام الدین حیدر کے اس بیان پر پاکستان ٹائمز نے ۷ رجون ۱۹۵۳ء کے شمارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

" ریاست بہاولپور میں حسن محمود منسٹری ریاست کے انتظامی اور سیاسی معاملات کو جس طرح سرانجام دے رہی ہے اس کے خلاف کنوینر جناح عوامی لیگ بہاولپور نے شدید قسم کے الزامات عائد کئے ہیں موصوف کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اصلاحات کے بعد جب سے بہاولپور مسلم لیگ کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا ہے اس وقت سے لیکر اب تک باشندگان ریاست کے سروں پر مایوسی اور جور و استبداد کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ جناح عوامی لیگ کے کنوینر نے جو الزامات عائد کئے ہیں اگر وہ ثابت ہو جائیں تو یہ کسی بھی جمہوری ملک میں وزارت کے خاتمہ کے لئے کافی ہیں۔ ان الزامات میں شہری آزادی کو ختم کرنے۔ سرکاری مشینری کو سیاسی مخالفوں کو کچلنے کے لئے استعمال کرنے۔ نظم و نسق کو تباہ کرنے اور وزارت کی نااہلی کے الزامات درج ہیں۔

" ریاست کے ارباب اقتدار یا تو اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی صفائی پیش کریں یا انہیں اقتدار کی گدیوں سے دستبردار ہو جانا چاہیئے ":

اس موضوع پر نوائے وقت نے اداریہ لکھا۔

" ریاست بہاولپور میں ایک اعلیٰ سی۔ ایس۔ پی افسر حکومت پاکستان کے نمائندے اور غالباً نواب صاحب بہاولپور کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے مامور ہیں۔ ان کا منصب غالباً یہ ہے کہ مرکزی حکومت اور فرمانروائے ریاست کے درمیان رابطہ کا کام کریں۔ مرکزی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ریاست کے حالات پر نظر رکھیں اور مرکزی حکومت کو ریاست کے سلسلے میں مناسب مشورے دیں۔ ریذیڈنٹ کہنا تو غلط ہوگا۔ مگر یہ کہنا شائد کچھ زیادہ غلط نہ ہو کہ ان کے فرائض و مناصب انگریزی عہد کے مذکورہ بالا عہدیدار سے کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ بہاولپور میں مرکزی حکومت کے یہ نمائندہ افسر آجکل کہاں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور وہ چپ چاپ تماشہ دیکھ رہے ہیں یا وہ محض بے بس ہیں؟ اگر وہ بے بس ہیں تو ہم مرکزی حکومت سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تین چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ پانے والے ایک سینئر افسر کو بہاولپور میں بٹھائے رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔

" ہم مرکزی حکومت بالخصوص نئے وزیراعظم سے مستدعی ہیں کہ وہ مخدوم الملک اور ان کے فرزند ارجمند مخدوم زادہ حسن محمود کی نمائشی ٹیپ ٹاپ اور چکا چوند سے مرعوب نہوں۔ پاکستان

کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے ریاست کے حالات کا جائزہ لیں اور ان مظلوم عوام کی فریاد سنیں جن کا عام تاثر یہ ہے کہ نواب کی حکومت غیر جمہوری اور غیر نمائندہ تھی مگر بہرحال غیر جانبدار تھی۔ اور نوابی حکومت کی لازمی کمزوری کے سوا عام رعایا پر مہربان تھی۔ موجودہ دور جمہوریت کے پردے میں جاگیردارانہ آمریت کا دور ہے۔ جانب داری۔ کنبہ پروری۔ ذاتی انتقام اور استبداد زوروں پر ہے۔

"مرکزی حکومت سارے ملک میں بہتر نظم و نسق اور ملک سے باہر پورے ملک کی نیک نامی کے لئے ذمہ دار ہے جہاں کہیں خرابی نظر آئے اسے بروقت مداخلت کرکے اصلاح احوال کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

اس کے بعد نوائے وقت نے گندی سیاست" کے عنوان سے ایک اور اداریہ ۶/۵۲ کے پرچے میں لکھا۔

"پروڈا کے ذریعہ حکومت نے اس امر کو خلاف قانون قرار دیا ہے کہ کوئی وزیر اپنے سرکاری اثر و رسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی یا اپنے عزیزوں کی معاشی حالت بہتر بنائے۔ خدا جانے مروجہ قانون کی نظر میں یہ امر کیوں جرم نہیں کہ کوئی وزیر اپنے سرکاری اثر و رسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور اپنے سیاسی مخالفین کو معاشرتی و معاشی طور پر تباہ کرنے کی کوشش کرے جمہوری سیاست کا ایک ابتدائی اصول رواداری ہے یعنی خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو۔ مگر بعض صوبائی وزراء کرام کے طریقے اس سے مختلف ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے سیاسی مخالفین کو تباہ کردو۔ پنجاب میں میاں ممتاز دولتانہ کی سیاست کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔ صوبہ سرحد میں قیوم صاحب اسی روش پر کاربند تھے اور بہاولپور میں ان دونوں کے شاگرد رشید حسن محمود صاحب کی سیاست یہی گندی سیاست ہے۔ دولتانہ صاحب مکافات عمل کا مزا چکھ رہے ہیں۔ قیوم صاحب کراچی چلے گئے اب انہیں خدمت کا ایک وسیع میدان ملا ہے۔ خدا کرے اس تبدیلی سے وسعت قلب اور وسعت نظر پیدا ہو۔ مگر بہاولپوری عوام کی شامت اعمال سے حسن محمود صاحب ابھی تک ان پر مسلط ہیں اور اپنے سیاسی مخالفین کو ہدف انتقام بنا رہے ہیں۔

"حسن محمود صاحب کی گندی سیاست کی جو داستانیں ہم نے ثقہ لوگوں سے سنی ہیں۔ انہیں سن کر بطور ایک پاکستانی کے ہمارا سر شرم کے مارے جھک جاتا ہے کہ یہ قصے ۱۹۵۲ء میں آزاد ملک پاکستان کے ایک حصہ کے ہیں یا آج سے چالیس برس قبل ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء کے پٹیالہ کے؟ ہم خوف طوالت سے زیادہ مثالیں نہیں دیں گے۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کریں گے — صادق آباد میں اپوزیشن کے ایک رکن دو برس سے مخدوم زادہ صاحب کا ہدف انتقام ہیں۔ مخدوم زادہ صاحب

انہیں اپنے دام تحریص میں گرفتار نہ کر سکے نہ ڈرا دھمکا سکے تو اب وہ اپنے اس مخالف کی معاشی و معاشرتی حیثیت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی زمینوں کو جو نہری پانی دیا جاتا ہے اسے کم کر کے زرخیز زمین کو ریگستان میں تبدیل کرنے کی سعی کی جا رہی ہے ان کا ایک تجارتی بھٹہ تھا اب وہ کسی دوسرے کے نام الاٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے سرمایہ سے ایک کارخانہ لگانا چاہتے تھے اس کے لئے مشینری درآمد کی جا چکی تھی۔ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں اور اس مشینری کو چال بازی کے ذریعہ قریب قریب ناکارہ کر دیا گیا ہے۔ یہ معاشی حیثیت پر حملے ہیں۔ دوسری طرف یہ ہو رہا ہے کہ کرایہ کے غنڈے دن دہاڑے ان کو ان کے اہل خانہ کو ان کے بیوی بچوں کو بازاری گالیاں دیتے ہیں۔ قانون کے محافظ تماشا دیکھتے ہیں غروب آفتاب کے بعد ان کا گھر سے نکلنا ممکن نہیں کیونکہ زندگی خطرہ میں ہے۔ یہ ذاتی گندی سیاست کی ایک مثال ہے۔ ریاست کی حزب اختلاف نے ریاست میں ۹۲ الف کے نفاذ کا مطالبہ کیا ہے۔ ہم اس کی پرزور تائید کرتے ہیں۔"

جناح عوامی لیگ کے وفد کی وزیر اعظم اور وزیر داخلہ پاکستان سے ملاقات

مخالف عناصر کے خلاف مخدوم زادہ وزارت میں جو زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ اس کا تذکرہ صرف اخباروں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس ظلم و زیادتی کی فریاد مرکزی حکومت تک بھی پہنچائی جا رہی تھی چنانچہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں ایک وفد کراچی روانہ ہوا جس نے وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی بوگرہ اور وزیر داخلہ مسٹر مشتاق احمد گورمانی سے ملاقات کی اور ان کے سامنے بہاولپور کے سیاسی اور انتظامی حالات کی تفصیل بیان کی۔ اس وفد میں جناح عوامی لیگ کے میاں نظام الدین حیدر۔ میر زاہد حسین۔ چوہدری عبدالسلام۔ سردار محمود خاں۔ علامہ ارشد اور صاحبزادہ سردار احمد اویسی کے علاوہ اسمبلی کے آزاد ارکان چوہدری فرزند علی۔ معین الدین شہزاد اور آزاد پاکستان پارٹی کے رکن چوہدری رحمت اللہ بھی شامل تھے۔

چچا بھتیجے کی لڑائی

اب تک مخدوم زادہ وزارت کی مخالفت مسلم لیگ کی مخالف جماعتیں کر رہی تھیں۔ لیکن اب یہ مخالفت خود مسلم لیگ کی صفوں میں در آئی اور مخدوم زادہ کے اپنے ساتھیوں نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم شخصیت سردار محمد افضل لغاری وزیر مال کی تھی جو اساتین مسلم لیگ کی میں شمار ہوتے تھے۔ مخدوم زادہ اپنے قدیم خاندانی روابط کی بنا پر انہیں چچا کہتے تھے مسلم لیگ کی تنظیم سے لے کر مسلم لیگ کی حکومت کے قیام تک ان کی بڑی ٹھوس خدمات تھیں انہیں وجوہات کی بنا پر انہیں مخدوم زادہ نے اپنی کابینہ میں شامل کیا تھا۔ اور وزارت مال کا اہم قلمدان ان کے سپرد کیا تھا لیکن بعد میں کچھ تو حسن محمود صاحب

کی طبعی انانیت اور کچھ لغاری صاحب کے احساس برتری نے ایسی صورت اختیار کی کہ چچا بھتیجے کے رشتہ کو نظر انداز کر کے چچا بھتیجے کے خلاف اور بھتیجا چچا کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔ مخدوم زادہ کو شکایت تھی کہ لغاری صاحب پارٹی لیڈر کو خاطر میں نہیں لاتے اور من مانی کرتے ہیں۔ لغاری صاحب کہتے تھے کہ پارٹی لیڈران سے ناجائز کام کرانا چاہتے ہیں۔ جو وہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ شروع شروع میں یہ چپقلش درون پردہ تھی لیکن آخر اس نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس کا چرچا گلی گلی ہونے لگا۔ بقول مخدوم زادہ لغاری صاحب نے کھلے عام حکومت کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور مخدوم زادہ کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی جماعت کے ارکان کی ہی نہیں مخالف جماعتوں کی حمایت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس صورت حالات نے خاصا محاذ آرائی کا رنگ اختیار کر لیا۔ چنانچہ ۶ ؍ اگست ۱۹۵۳ء کو مخدوم زادہ نے لغاری صاحب کو ایک نیم سرکاری قسم کا خط لکھا جس میں انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ وزارت سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیں کیونکہ موجودہ ناخوشگوار حالات میں ان کا کابینہ میں شامل رہنا مناسب نہیں۔ انہوں نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو عزت و احترام بطور ایک بزرگ کے وہ ان کا کرتے رہے ہیں اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا لیکن چونکہ سیاسی اور سرکاری معاملات ذاتی تعلقات سے بالا ہوتے ہیں اس لئے مجبوراً انہیں یہ مشورہ دینا پڑا ہے انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ اپنی خرابی صحت کی بنیاد پر مستعفی ہو جائیں تو یہ جہاں ان کے لئے باوقار ہو گا۔ وہاں پارٹی کے اتحاد اور استحکام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مخدوم زادہ نے اس خط کا جواب شام تک طلب کیا تھا۔ لیکن جب ۷ ؍ اگست یعنی اگلے دن بھی لغاری صاحب کا جواب نہ آیا تو مخدوم زادہ نے انہیں ایک اور خط لکھا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آج صبح دس بجے تک ان کے خط کا جواب بھیجیں۔ اس یاد دہانی پر لغاری صاحب[1] نے مخدوم زادہ کو جواب دیا کہ

> ”بحیثیت پارٹی لیڈر آپ نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں مستعفی ہو جاؤں۔ لیکن مجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ مشورہ کن متعین وجوہ کی بنا پر دیا گیا ہے۔ اگر میری ان بداعتدالیوں کی نشاندہی فرما دی جائے جن کا مجھ سے ارتکاب ہوا اور جن کی بنا پر آپ مجھے مستعفی ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں تو استعفے کے مسئلہ پر غور کرنے میں مجھے سہولت ہو گی۔ جس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں گا۔“

اس خط کے جواب میں ۷ ؍ اگست کو ہی مخدوم زادہ نے ایک طویل خط لغاری صاحب کے پاس بھیجا جس میں لکھا کہ

> ”آپ ان حالات سے واقف ہیں جن کی وجہ سے میں آپ کو مستعفی ہونے کا مشورہ دینے پر مجبور ہوا۔ حزب اختلاف اور آپ کے بھائی[2] جو جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی پوزیشن سے جو

---

[1] مخدوم زادہ کے خطوط انگریزی میں تھے جب کہ لغاری صاحب نے ان کا جواب اردو میں دیا۔

[2] سردار محمد اجمل خان لغاری جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے تھے

آپ کو وزیر مال کی حیثیت سے حاصل ہے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں مسلم لیگ پارٹی کے ممبران میں ان سرگرمیوں کی وجہ سے جو جماعت اسلامی کی طرف سے آپ کے اشتراک عمل سے ظاہر ہو رہا ہیں بڑی بے چینی پائی جاتی ہے اس کے علاوہ آپ کے عدم تعاون۔ مخالفانہ طرز عمل اور حکومت کے خلاف علی الاعلان آپ کی تنقید نے مجھے آپ سے مستعفی ہونے کی درخواست کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اس روایت کا احترام کرنے کے بجائے کہ جب پارٹی لیڈر یا وزیر اعلیٰ اپنے کسی وزیر سے استعفیٰ طلب کرے تو اسے بغیر حیل وحجت کے مستعفی ہو جانا چاہیئے آپ استعفیٰ نہیں دے رہے اور اس کے ساتھ ہی نہ صرف مسلم لیگی ایم۔ایل۔اے بلکہ حزب اختلاف کے ممبران کی حمایت میرے خلاف حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو جماعتی نظم وضبط کے خلاف ہے۔ مجھ سے بعض مسلم لیگی ایم۔ایل۔اے نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ کچھ پولیس افسروں کو لے کر ان کے پاس گئے اور ان پر میرے خلاف اپنی مہم میں حصہ لینے کے لئے دباؤ ڈالا غرض ایسی کافی وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں نے آپ سے استعفیٰ طلب کیا ہے۔ چونکہ اب آپ کا میرے ساتھ کابینہ میں مل کر کام کرنا ممکن نہیں رہا اس لئے مجھے امید ہے کہ یہ خط ملتے ہی آپ اپنا استعفیٰ مجھے بھیجدیں گے۔"

۹ اگست تک اس خط کا جواب نہ آیا تو مخدوم زادہ نے پھر لغاری صاحب کو یاد دہانی کرائی اور انہیں کہا کہ وہ آخری بار یہ تحریر کر رہے ہیں کہ وہ آج صبح ۹ بجے تک اپنا جواب بھیجدیں۔ بصورت دیگر وہ یہ سمجھیں گے کہ وہ مستعفی ہونے کے لئے تیار نہیں۔

اس خط کے جواب میں لغاری صاحب نے ۹ اگست کو ہی لکھا۔

"کل صبح جو ایم۔ایل۔اے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہی پچھلے پہر میرے پاس بھی آئے تھے اور میں ان حضرات سے کافی رات گئے تک فارغ نہ ہو سکا۔ اور محض اس وجہ سے میں آپ کی چھٹی کا جواب نہ دے سکا۔ جواب میں تاخیر کے لئے میں معذرت خواہ ہوں آپ کی چٹھی کا جواب آج ہی کسی وقت آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔"

اس کے بعد لغاری صاحب نے مخدوم زادہ کو لکھا۔

"قبل اس کے کہ میں آپ کے گرامی نامہ کا جواب عرض کروں یہ دریافت کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ کیا آپ میری تجویز سے اتفاق کریں گے کہ آپ مسلم لیگ لیجسلیٹو اسمبلی پارٹی کی میٹنگ اولین فرصت میں بلا لیں اور میں اپنے معروضات اس میٹنگ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں تاکہ آپ ان معروضات

پر پارٹی سے مشاورت کی روشنی میں غور کر سکیں۔ دراصل مجھے خود پارٹی کے وقار اور نظم و ضبط کا احترام ہے نیز میرے معروضات کا تعلق پارٹی کے کچھ ارکان سے بھی ہے جن کا حوالہ آپ نے اپنے گرامی نامہ میں بھی دیا ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ آپ اس تجویز سے اتفاق فرمائیں گے اور اگر آپ اسمبلی پارٹی سے بے نیاز ہو کر میرے معروضات پر غور کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکے ہوں تو مجھے معروضات آپ کی خدمت میں بھیجنے میں کوئی تامل نہیں۔ جواب آنے پر ارسال خدمت کر دوں گا۔"

۹ اگست کو ہی اس کا جواب مخدوم زادہ نے یہ دیا۔

"آپ کے استعفے کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسے اس اسٹیج پر پارٹی میٹنگ میں رکھنے کی ضرورت نہیں آپ کی وضاحت کچھ بھی ہو اس سے یہ روایت متاثر نہیں ہوتی کہ وزیر اعلیٰ کی درخواست پر ایک وزیر کو استعفیٰ دے دینا چاہیئے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ آپ دو معاملوں کو غلط ملط کر رہے ہیں بحیثیت دوست میں نے یہ رائے دی تھی کہ آپ استعفیٰ دے دیں جس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ آئندہ پارٹی میٹنگ میں اپنا کیس پیش کرنے سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس موقع پر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جس طرح چیف منسٹر کو اپنا وزیر مقرر کرنے کا ذاتی اختیار ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں اسے پارٹی کا اعتماد حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ کسی وزیر سے استعفیٰ طلب کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ میں اپنے اس اقدام کے لئے پارٹی کے سامنے جوابدہ ہوں اور فی الحال مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو میرے کام میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں۔

"اس وقت اصل مسئلہ یہ ہے کہ آیا آپ میری درخواست پر استعفیٰ دیتے ہیں یا پارٹی نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس سے انکار کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اپنی شکایات سے مجھے مطلع کریں۔ میں نے بطور ساتھی کے ہمیشہ آپ کی مدد کی ہے اور کسی قسم کی آپ کے کام میں مداخلت نہیں کی لیکن آپ کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے اور آپ میری پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہیں آپ بدمزگی پیدا کر رہے ہیں۔ اور ان جماعتوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں جن کا مسلم لیگ سے براہ راست مقابلہ ہے اور ایسی طاقت جمع کر رہے ہیں جو مسلم لیگی حکومت کو ختم کر سکے کسی پارٹی ممبر کے خلاف اس سے زیادہ الزام اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر آپ استعفیٰ دینے کے بعد مجھ سے پارٹی میٹنگ طلب کرنے کے لئے کہتے تو مجھے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ میں جمہوریت پر اعتقاد رکھتا ہوں لیکن ایسی جمہوریت جو نظم و ضبط کے تابع ہو۔ لیکن چونکہ آپ نے پارٹی نظم کا خیال نہیں رکھا اس لئے اب پارٹی میٹنگ بلانا ضروری نہیں رہا ہے۔ مسلم لیگ پارٹی کو مجھ پر جو اعتماد اور بھروسہ ہے اس نے مجھے ہمیشہ ریاستی عوام، مسلم لیگ اور

پاکستان کی خدمت خدا برادرگن کے ساتھ کرنے کا حوصلہ دیا ہے"

اس آخری خط کے بعد مخدوم زادہ نے مشیر اعلیٰ مسٹر اے۔ آر۔خاں کے توسط سے اعلیحضرت امیر بہاولپور کو سردار محمد افضل خاں لغاری کو برخواست کرنے کی تحریک کی۔ لیکن ساتھ ہی لغاری صاحب نے بھی کیبل گرام کے ذریعہ اعلیحضرت کو جو اس وقت لندن کے سوائے ہوٹل میں مقیم تھے صورت حالات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ استدعا کی کہ وہ مخدوم زادہ کی تحریک پر کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ان کی درخواست پر جو وہ علیحدہ بھیج رہے ہیں غور فرمالیں۔ اس درخواست میں لغاری صاحب نے مخدوم زادہ کے موقف کے خلاف قانونی نکتے پیش کئے تھے اور کہا تھا کہ قانونی طور پر چیف منسٹر کے کہنے پر کسی ایک وزیر کو ہٹانے کے بجائے وزراء کی پوری کونسل کو برخواست ہونا چاہیئے۔ مخدوم زادہ اختیارات کی ہوس میں آمرانہ طور پر کونسل آف منسٹرز پر اپنا اثر جمانا چاہتے ہیں جو ناقابل برداشت اور ذمہ دارانہ نظام حکومت کے جمہوری اصول کے خلاف ہے۔

اس درخواست کا اعلیحضرت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بڑے قانون اور ضابطہ کے انسان تھے۔ انہوں نے مرکزی حکومت کے مشورے سے اپنا مشیر مسٹر اے۔ آر خاں کو مقرر کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ کوئی قدم ان کے مشورے کے بغیر نہیں اٹھاتے تھے اس معاملہ میں بھی چونکہ مسٹر اے آر خاں کی رائے لغاری صاحب کے موقف کے حق میں نہیں تھی اس لئے اعلیحضرت نے لغاری صاحب کی درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور غالباً انہوں نے مسٹر اے آر خاں کو ہدایت کردی کہ وہ اس معاملہ میں جو قانونی راستہ ہو ان کی جانب سے خود اختیار کریں۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے بھی لغاری صاحب کو ایک مکتوب کے ذریعہ یہ ہدایت کی کہ وہ مستعفی ہو جائیں لیکن انہوں نے جواباً لکھ دیا کہ

"میں نے حسن محمود کے خلاف ۶۵ الزامات[1] عائد کئے ہیں۔ جن میں کچھ کا ثبوت دستاویزی طور سے پیش کر چکا ہوں اور آپ حسن محمود کی بجائے مجھ سے استعفیٰ طلب کرتے ہیں میں مستعفی ہونے سے انکار کرتا ہوں آپ بصد شوق مجھے برخاست کر دیں"

مسٹر اے آر خاں کی جانب سے یہ گویا اتمام حجت کے طور پر مطالبہ کیا گیا تھا لیکن جب لغاری صاحب ان کی بات بھی نہ مانے تو ۲۸ ستمبر ۱۹۵۳ء کو اعلیحضرت امیر بہاولپور کی طرف سے لغاری صاحب کی کونسل آف منسٹرز سے علیحدگی کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اور اس طرح بھتیجا چچا کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد مخدوم زادہ سید حسن محمود نے ایک پریس کانفرنس میں لغاری صاحب کی برطرفی کے محرکات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ

---

[1] اعلیحضرت سے رجوع کرنے کے علاوہ لغاری صاحب نے وزیراعظم پاکستان سے کراچی میں بھی ملاقات کی تھی اور مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست بھی انہیں پیش کی تھی۔

"جمہوری ممالک میں وزیر اعلیٰ کو ہی وزارت بنانے اور اپنے ساتھی وزراء کو نامزد کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس وقت مناسب خیال کرے کسی کا وزیر سے استعفیٰ طلب کرے اگر کسی وزیر کا وزیر اعلیٰ سے اختلاف ہو جائے تو اصولاً اس وزیر کو استعفیٰ دے دینا چاہیے۔ وزیر اعلیٰ کے مطالبہ پر آئین کے مطابق ایسا وزیر استعفیٰ دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو وزیر اعلیٰ گورنر یا ولی یا گورنر جنرل کو مشورہ دے سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے وزیر کو اس کے عہدے سے علیحدہ کر دیں — چنانچہ میری سفارش پر اعلیحضرت امیر بہاولپور نے اپنے اختیارات زیر دفعہ ۱۲ شق اول بہاولپور گورنمنٹ عبوری دستور ایکٹ ۱۹۵۲ء کو استعمال کرتے ہوئے سردار محمد افضل خاں لغاری کو عہدۂ وزارت سے علیحدہ فرما دیا ہے۔"

لغاری صاحب کے رویہ کے خلاف لیگ اسمبلی پارٹی کے اجلاس میں غور

وزارت سے برطرفی کے بعد لغاری صاحب کے خلاف مسلم لیگ اسمبلی پارٹی اور مجلس عاملہ مسلم لیگ میں بھی مسئلہ پیش ہوا اس غرض کے لئے ۵ ستمبر ۱۹۵۲ء کو لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس دار السلام بہاولپور میں (جہاں مخدوم زادہ کی رہائش تھی) طلب کیا گیا۔ لغاری صاحب کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی تاکہ وہ اپنے خلاف عائد شدہ الزامات کے سلسلہ میں جوابدہی کریں۔ لغاری صاحب نے اس اجلاس میں شرکت کے بجائے ایک مطبوعہ خط لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر مخدوم زادہ حسن محمود اور دوسرے اراکان کے نام بھیجا اس خط میں لکھا تھا۔

"بہاولپور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے مجھے یہ نوٹس موصول ہوا شکریہ اسی وقت مخدوم زادہ حسن محمود صاحب کے خلاف رشوت ستانی۔ بے اعتدالی۔ بدعنوانی۔ بدانتظامی اور اقربا پروری اور نظم و نسق کی تباہی کے سنگین الزامات مرکزی حکومت کے زیر تحقیق ہیں مخدوم زادہ کے خلاف یہ الزامات میری جانب سے عائد کئے گئے ہیں۔ اور تحقیقات کے اس مرحلہ پر میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ میں الزامات کو صیغۂ راز میں رکھوں۔"

"اپنی مدافعت کے لئے مخدوم زادہ صاحب نے یہی بہتر خیال کیا کہ وہ مجھ پر مسلم لیگ کے خلاف سازش کا جوابی الزام عائد کر کے میری سیاسی زندگی کو مجروح کریں لیکن اگر میں اپنی پوزیشن کی وضاحت میں کچھ تفصیلات پیش کر دوں تو قدرتی طور پر وہ الزامات زیر بحث آجاتے ہیں جن کے متعلق مخدوم زادہ صاحب جوابدہی کے پابند ہیں۔"

"میں مخدوم زادہ صاحب کی قیادت سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان کے اور میرے

درمیان اختلاف و کشیدگی اور مابہ النزاع مسائل پر غور کرنے کے لئے وہ وقت زیادہ مناسب نہ تھا جب میں نے خود تحریری طور پر اسی قسم کے اجلاس منعقد کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور لیگ اسمبلی پارٹی کے متعدد ارکان نے بھی مخدوم زادہ صاحب سے استدعا کی تھی کہ وہ اپنی روش سے باز آ کر جماعتی اور جمہوری انداز میں ان مسائل کا فیصلہ کریں۔ اس وقت اجلاس منعقد کرنے سے گریز اور اب شدت سے اصرار کیا اس حقیقت کا غماز نہیں کہ مخدوم زادہ صاحب تحفظ اقتدار کے لئے مسلم لیگ کی سیاسی رسوائی پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔؟

"جو اصحاب مسلم لیگ کے دامن فکر و عمل سے وابستہ ہیں میں انہیں پوری ذمہ داری سے یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ سے میری وفاداری بے حد مستحکم اور غیر متزلزل ہے اور مخدوم زادہ صاحب نے میرے خلاف الزام تراشی کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی حیثیت ایک طبعزاد افسانہ سے زیادہ نہیں اس لئے ان حالات میں میری مخلصانہ استدعا ہے کہ جب تک میں مخدوم زادہ صاحب کے خلاف عائد کردہ الزامات کے ثبوت کی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہو لوں اور جب تک تحقیقات کوئی قطعی صورت اختیار نہ کر لے اس وقت تک مجھ سے متعلق کسی مسئلہ پر بحث نہ کی جائے میں یہی استدعا اس سے پیشتر مرکزی مسلم لیگ کے ارباب بست و کشاد اور بہاولپور مسلم لیگ کے ذمہ دار اصحاب کی خدمت میں بھی پیش کر چکا ہوں۔

محمد افضل خاں لغاری۔ رکن بہاولپور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی
رکن پارلیمنٹری بورڈ۔ رکن مجلس عاملہ و رکن مسلم لیگ کونسل
بہاولپور"

بایں ہمہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس تاریخ و وقت مقررہ پر منعقد ہوا اور سب سے پہلے لغاری صاحب کے اپنے عم زاد سردار غلام حیدر لغاری ہی نے مخدوم زادہ سید حسن محمود کے حق میں ایک قرارداد اعتماد پیش کی جسے متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

اسی اجلاس میں ایک اور قرارداد منظور کی گئی جس میں اعلیحضرت امیر بہاولپور کا شکریہ ادا کیا گیا اور سردار محمد افضل خاں لغاری کی برطرفی کے اقدام کو مستحسن اور آئینی قرار دیا گیا۔ گویا لغاری صاحب نے لیگ اسمبلی پارٹی کے متعلق اپنی حمایت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ باطل ثابت ہوا۔

لغاری صاحب کا مسلم لیگ سے اخراج

مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے اجلاس کے اگلے دن یعنی ۱۶ دسمبر کو بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد

ہوا۔ اس میں بھی مخدوم زادہ پر اعتماد کا اظہار کیا گیا اور لغاری صاحب کی برطرفی کو جائز قرار دیا گیا۔ مزید براں یہ تحریک کی گئی کہ لغاری صاحب کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے کیونکہ انہوں نے جماعتی اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے مخالف جماعتوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اس غرض کے لئے مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس سے کہا گیا کہ وہ ان الزامات کی تحقیقات کر کے اپنی سفارشات آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔

۱۔ میاں فرید خاں لالیکا سینئر وائس پریذیڈنٹ بہاولپور مسلم ۲۔ شیخ عبدالرحمٰن جنرل سیکرٹری بہاولپور مسلم لیگ ۳۔ چوہدری بشیر احمد چیمہ ڈپٹی سپیکر بہاولپور اسمبلی ۴۔ حافظ احمد یار ممبر ورکنگ کمیٹی بہاولپور مسلم لیگ ۵۔ مسعود حسن شہاب ممبر ورکنگ کمیٹی بہاولپور مسلم لیگ۔

چنانچہ ۲۳ اکتوبر کو بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس دوبارہ منعقد ہوا جس میں متذکرہ بالا کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات پر غور کرنے کے بعد لغاری صاحب کو تین سال کے لئے مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا۔

مخدوم زادہ پر بد دیانتی کے الزامات اور انکی تحقیقات

مخدوم زادہ سید حسن محمود اور سردار محمد فضل خاں لغاری کے خلاف جب چپقلش کا آغاز ہوا تھا تو لغاری صاحب نے مخدوم زادہ کے خلاف بددیانتی۔ بدعنوانی اور نااہلی کے الزامات کی ایک طویل فہرست حکومت پاکستان کو فراہم کی تھی۔ انہیں سے بعض اہم الزامات یہ تھے۔

۱۔ مسٹر حسن محمود کراچی میں محمود اینڈ کمپنی اور ویسٹرن انجینئرز لمیٹڈ کے نام سے کاروبار کرتے ہیں۔ انہیں ویسٹرن انجینئرز لمیٹڈ کے لئے دفتر اور شوروم کی ضرورت تھی اس غرض کے لئے انہوں نے کراچی کے ایک تاجر سردار کریم حیات خاں سے صدر کراچی میں اگست ۱۹۵۲ء میں ایک شاندار بلڈنگ حاصل کی اور اس کے بدلے میں انہوں نے دھنپت مل کاٹن جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری صادق آباد میں سردار کریم حیات خاں کو ۱/۴ کا حصہ الاٹ کیا۔ اس کے بعد مذکورہ بلڈنگ پر پورا قبضہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے فیکٹری مذا میں ۱/۶ کی بجائے ۱/۲ حصہ سردار کریم حیات خاں کو دے دیا۔

۲۔ مسٹر محمود بحیثیت چیف منسٹر بنک آف بہاولپور کے چیئرمین ہیں اور بہاولپور کے مفادات کے نگران ہیں لیکن انہوں نے اپنے اس عہدے سے فائدہ اٹھا کر گرانقدر رقوم اپنی پرائیویٹ فرم کے لئے بنک سے حاصل کیں۔

۳۔ مسٹر محمود متروکہ کارخانوں کی الاٹمنٹ کرنے کے مجاز نہیں تھے لیکن انہوں نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے اگست ۱۹۵۲ء میں اپنے عزیزوں دوستوں اور شراکت داروں کو یہ کارخانے تقسیم کئے اور کراچی میں اپنے کاروبار کو فروغ دیا۔

۴۔ اپنے حالیہ دورۂ لندن کے موقع پر مسٹر محمود نے ۶۰۰۰ پونڈ کا فارن ایکسچینج بلیک مارکٹ سے غیر قانونی طور پر حاصل کیا اور پاکستان سے باہر لے جا کر اپنی ذات پر خرچ کیا۔

۵۔ مسٹر محمود نے مختلف افراد کو اپنے حکم سے بے شمار زمین آباد کاری کی شرائط پر تقسیم کیں جب کہ اس کا اختیار صرف کلکٹر کو تھا۔ اسی طرح سرکاری اراضی نیلام عام میں فروخت کرنے کے بجائے انتہائی سستے داموں فروخت کردی گئی۔

۶۔ مسٹر محمود کے والد دس مربع اراضی کے مالک ہیں جن پر مالیہ لگتا ہے لیکن یہ اراضی اس قابل ہیں کہ ان پر ایگریکلچرل انکم ٹیکس عائد کیا جائے۔ چیکنگ اسٹاف نے ایک مرتبہ اسکی نشاندہی بھی کی لیکن اسے دبا دیا گیا۔

۷۔ مسٹر محمود کے والد کے ذمہ ۱۲۸۰۰۰ روپے اور بیگم محمود کے ذمہ ۸۵۰۰/- روپے ایگریکلچرل انکم ٹیکس کے قابل وصول ہیں لیکن ریونیو افسران سے وصولی کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

۸۔ ایک شخص ہربنس سنگھ کی ۵۰ مربع اراضی جو متروکہ تھی مسٹر محمود کے والد نے اپنے ملازمین کے نام تقسیم کردی لیکن ان کا اس کی کاشت یا آمدنی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مسٹر محمود کے والد کے مختار اسکا انتظام کرتے ہیں۔

۹۔ کرنل وحید الدین جو اب کراچی میں رہائش رکھتے ہیں اور مسٹر محمود کے گہرے دوست ہیں انہیں ریاست میں غلہ کے کاروبار کی اجارہ داری حاصل ہے اور مسٹر محمود انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے حکومت کے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ (اس سلسلہ میں انہوں نے کئی مثالیں بھی پیش کی تھیں۔)

۱۰۔ مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ ریاست بہاولپور کے وزیر مہاجرین بنے تو انہوں نے سردار ہرنام سنگھ نامی متروکہ فیکٹری کا ۳/۱۶ حصہ اپنے بیٹے سید حسن محمود کو دے دیا اور جب سید حسن محمود اقتدار میں آئے تو انہوں نے ۳/۱۶ کا یہ حصہ اپنے والد کے نام تقسیم کردیا۔

ان الزامات کی تحقیقات حکومت پاکستان نے مسٹر اے آر خاں مشیر اعلیٰ امیر بہاولپور کے سپرد کی تھی لیکن مدت تک ان تحقیقات کا کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔ اپوزیشن کی طرف سے برابر یہ مطالبہ ہوتا رہا کہ مخدوم زادہ کو برطرف کرکے ان کیخلاف تحقیقات کی جائیں۔ چنانچہ جناح عوامی لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن میر زاہد حسین نے اکتوبر ۱۹۵۳ء میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ بھی یہ مطالبہ کیا کہ

"مخدوم زادہ حسن محمود کو ابتدائی تحقیقات سے قبل برطرف کیا جائے کیونکہ اس کے بغیر انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے"۔

اس سلسلہ میں کئی پبلک جلسے بھی منعقد ہوئے جنمیں اپوزیشن نے مخدوم زادہ کی معطلی کا مطالبہ کیا۔ ایک جلسہ میں جو جناح عوامی مسلم لیگ کے زیر اہتمام بہاولپور میں ہوا اور جس میں سید حسین شہید سہروردی نے بھی شرکت کی ایک قرارداد کے ذریعہ ریاست میں پروڈا کے نفاذ کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ سہروردی صاحب نے اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا

پاکستان میں دو قانون رائج ہیں ایک غریبوں کے لئے دوسرا امیروں کے لئے۔ مخدوم زادہ صاحب چاہیں تو بیک جنبش قلم ۲۱ افسروں کو بغیر ثبوت کے رشوت ستانی کا الزام دے کر

نکال دیں لیکن جب ان کا اپنا دور آیا اور ان پر ۹۲ الزامات لگائے تو تطہیر و طہارت کا یہ علمبردار بدستور اپنی مسند سے چمٹا رہا اور کوئی نہیں جو اسے معطل بھی کرے گورنر جنرل کو چاہیئے کہ وہ یہاں بھی دوسرے صوبوں کی طرح پیرو ڈا نافذ کریں۔"

ان تمام مطالبات کے باوجود مخدوم زادہ کے خلاف تحقیقات کی کوئی رپورٹ نومبر ۱۹۵۴ء تک منظر عام پر نہیں آئی اور نہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی کارروائی کا پتہ چلا غالباً اس کی وجہ یہ بھی کہ خواجہ ناظم الدین کی برطرفی اور مسٹر محمد علی بوگرہ کے وزیر اعظم مقرر ہونے کے بعد سے پاکستان میں سیاسی نوعیت کی غیر معمولی سرگرمیاں جاری تھیں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی جسے ایک نیا آئینی فارمولا مجلس دستور ساز میں پیش کرنے کے لئے مرتب کیا تھا اس پر اسے پاکستان کے تمام انتظامی یونٹوں کے سربراہوں کی حمایت درکار تھی۔ اور حکومت ایسے وقت میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ جس کی وجہ سے کسی ایک یونٹ کی ہمدردیوں سے محروم ہونے کا امکان ہو چنانچہ ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مخدوم زادہ کے خلاف تحقیقاتی کارروائی بھی سرد خانہ میں پڑی رہی۔ نہ انہیں معطل کیا گیا اور نہ تحقیقات کو آگے بڑھانے کی ضرورت سمجھی۔

باب یازدہم

پاکستان کا آئینی فارمولا اور بہاولپور

مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے جو آئینی فارمولا مجلس دستور ساز میں پیش کیا تھا اس کی رو سے پاکستان دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور آبادی کے مطابق اس کے پانچ یونٹ تجویز کئے گئے تھے پہلا یونٹ مشرقی بنگال۔ دوسرا پنجاب۔ تیسرا شمال مغربی سرحدی صوبہ سرحدی ریاستیں اور قبائلی علاقہ۔ چوتھا یونٹ سندھ اور خیرپور اور پانچواں یونٹ بلوچستان۔ بلوچستانی ریاستیں۔ بہاولپور اور کراچی۔ نیز یہ تجویز کیا گیا تھا کہ وفاقی مجلس آئین ساز دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی۔ ایوان بالا میں موجودہ یونٹوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی اور ایوان زیریں میں آبادی کے لحاظ سے ہر یونٹ اپنے نمائندے بھیجے گا۔ دونوں ایوانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اعتماد اور عدم اعتماد کی قرار دادیں دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں پیش کی جائیں گی لیکن اس میں ہر حصہ کے ۳۰ فیصدی اراکین کا شامل ہونا ضروری ہے۔

یہ سفارشات مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے تمام ممبران نے جن میں مشرقی بنگال۔ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بہاولپور کے وزرائے اعلیٰ بھی شریک تھے متفقہ طور پر منظور کرلی تھیں۔ لیکن جونہی یہ سفارشات منظر عام پر آئیں تو ان پر مختلف یونٹوں کی جانب سے خاصی لے دے ہوئی۔ خاص طور پر وہ چھوٹے یونٹ جنہیں بڑے یونٹوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا ان

---

[1] مخدوم زادہ سید حسن محمود نے انہیں دنوں سرکاری ملازمین میں تطہیر کی مہم شروع کی تھی اور ایسے ۲۱ افسروں کو جن کی بددیانتی اور نااہلی کی شہرت تھی ملازمتوں سے جبری فارغ کر دیا تھا۔

کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں بھی اس پر شدید ردعمل کا اظہار ہوا۔ اہل بہاولپور کا موقف یہ تھا کہ بہاولپور پاکستان کا ایک جداگانہ یونٹ ہے اسے بلوچستان اور کراچی کے ساتھ شامل کرنا قطعی غیر قدرتی اور ناواجب ہے۔ بہرحال متذکرہ آئینی فارمولے کے مطابق پانچویں یونٹ کی ہیئت ترکیبی سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ مستقبل قریب میں ریاست بہاولپور کی انفرادیت کو ختم کر دیا جائے گا۔

بہاولپور کی حیثیت کا تعین

مجلس دستور ساز میں ابھی اس آئینی فارمولے پر بحث جاری تھی کہ اس پر مجلس دستور ساز سے باہر سیاسی حلقوں کی طرف سے تنقید کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ چنانچہ بہاولپور میں سب سے پہلے سٹی مسلم لیگ نے اس کا نوٹس لیا اور ۷ نومبر ۱۹۵۳ء کو ایک اجلاس منعقد کرکے اسمیں اس آئینی فورمولا کو مسترد کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ ریاست بہاولپور کو اس کے آئینی و دستوری حقائق کے مطابق بحیثیت ایک پورے یونٹ کے نمائندگی دی جائے۔

بعض حلقے بہاولپور کو پنجاب سے اور بعض صوبے سندھ سے ملانے کا مطالبہ بھی کر رہے تھے چنانچہ سندھ کے جی۔ ایم۔ سید نے ایک قرارداد کے ذریعہ پاک پارلیمنٹ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ بہاولپور کے کچھ علاقوں کو جو زیادہ تر تحصیل رحیم یار خاں پر مشتمل تھے سندھ میں شامل کیا جائے اسی طرح آزاد پاکستان پارٹی کی طرف سے کراچی کو صوبائی درجہ دینے اور بہاولپور کو پنجاب میں مدغم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ بہاولپور کے بعض مایوس ذہن بھی ریاست کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے حق میں نہ تھے اور چاہتے تھے کہ اسے کسی ملحقہ صوبہ کا حصہ بنا دیا جائے۔ لیکن عموماً سیاسی جماعتیں خواہ وہ حزب اقتدار سے تعلق رکھتی تھیں یا حزب اختلاف سے بہاولپور کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھیں۔ اور ان کی جانب سے مسلسل مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی کے مجوزہ آئینی فارمولے کی مخالفت ہو رہی تھی بہاولپور جناح عوامی لیگ کی مجلس عاملہ نے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ

> "عوام کی رائے معلوم کئے بغیر ریاست بہاولپور کو پاکستان کے کسی صوبہ میں مدغم کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے"

قرارداد میں مزید کہا گیا تھا کہ

> "چونکہ مخدوم زادہ حسن محمود کو لیجسلیٹو اسمبلی بہاولپور نے پاکستان کی مجلس دستور ساز میں اپنا نمائندہ منتخب کرکے نہیں بھیجا اس لئے انہیں مجلس مذکور میں ریاست کے عوام کی طرف سے رائے دینے کا حق نہیں پہنچتا نیز ریاست اعلیحضرت امیر بہاولپور کی ذاتی جائیداد نہیں ہے کہ وہ اسے مسلم لیگ کو تحفہ کے طور پر پیش کر دیں"

بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں عام تاثر یہ تھا کہ بہاولپور کی حیثیت کو برقرار رکھوانے میں مخدوم زادہ موثر کردار

ادا نہیں کر رہے بلکہ وہ ان عناصر کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں جو اس کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اپوزیشن کے بقول ایک مرتبہ مخدوم زادہ کے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ نے کہا کہ "بہاولپور جناح عوامی لیگ[1] اور سابق وزیر مال سردار محمد فضل خاں لغاری کی جانب سے عائد کردہ الزامات کی تلوار حسن محمود کی گردن پر لٹک رہی ہے اور وہ مجبور ہے کہ مرکز کے اشاروں پر رقص کرے۔"

اس کے باوجود بہاولپور کے سیاسی حلقوں کی جانب سے ایسی ہر تجویز کی شدید مخالفت ہو رہی تھی جس کے نتیجے میں بہاولپور کی موجودہ حیثیت ختم ہو کر یہ کسی ملحقہ صوبہ کا تتمہ بن جائے۔ اسی سلسلہ میں بہاولپور کے تمام اخبارات نے ایک مشترکہ اداریہ بھی شائع کیا تھا۔

مشترکہ اداریہ

مشترکہ اداریہ میں لکھا گیا تھا۔

"یہ درست ہے کہ ریاست بہاولپور اپنی آبادی۔ رقبہ اور آمدنی کے اعتبار سے پنجاب یا مشرقی بنگال جیسی وسیع و عریض نہیں لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا کے نقشے پر آج بھی ایسی متعدد خود مختار سلطنتیں موجود ہیں جو بہاولپور سے ہر حالت میں کم تر ہیں اور ان کی ہمسایہ سلطنتیں انہیں اپنے میں ضم کرنے کی بجائے ان کی خوشحالی و ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔"

"قوموں اور یونٹوں کی برادری میں سب چھوٹی بڑی قومیں اور یونٹ مساویانہ حیثیت رکھتے ہیں اور بین الاقوامی قانون کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی سالمیت کا تحفظ کریں۔ پاکستان کی طرح امریکہ آسٹریلیا اور سوئٹزرلینڈ میں وفاقی نظام حکومت ہے اور وہاں ایسے یونٹ بھی ہیں جن کی آبادی کا اور رقبہ ریاست بہاولپور سے بدرجہا کم ہے مگر وہاں یہ کبھی نہیں ہوا کہ ان چھوٹے یونٹوں کو بڑے یونٹوں میں مدغم کر دیا گیا ہو۔

"ہم حیران ہیں کہ پاکستان اپنے بنیادی نظریات سے اور ان تصورات سے روگردانی کرنے پر کیوں مجبور ہوتا جا رہا ہے جن کی اساس پر اس نوزائیدہ مملکت کی تعمیر عمل میں آئی تھی۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے اعلیٰحضرت امیر بہاولپور کے ساتھ جو معاہدۂ الحاق کیا تھا۔ اس میں انہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے اہل ریاست کو اس بات کی ضمانت دی تھی کہ ریاست بہاولپور پاکستان کے وفاقیہ میں ایک علیحدہ یونٹ کی حیثیت سے قائم رہے گی۔ علاوہ ازیں شہید ملت

---

[1] "ریاست کا ادغام" مطبوعہ نوائے وقت مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۵۴ء۔

خان لیاقت علی خاں مرحوم کی تحریک پر جو قرارداد مقاصد مجلس دستور ساز پاکستان نے منظور کی تھی اس میں بھی بنیادی طور پر یہ اصول تسلیم کیا گیا تھا کہ پاکستان کے موجودہ صوبوں اور ریاستی یونٹوں کو برقرار رکھا جائے گا۔"

"ریاست بہاولپور کے انضمام سے یہاں کے ۳۰ لاکھ باشندوں پر جو تباہی آئے گی اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ وزارتی سکرٹریٹ۔ صدر دفاتر اور متعدد چھوٹے بڑے محکمے ختم کر دیئے جائیں گے کم و بیش چالیس ہزار ملازمین بے روزگار ہو کر رہ جائیں گے۔ گذشتہ تین چار سال میں ریاست نے ترقی کی طرف جو قدم اٹھایا ہے اور تجارت، زراعت، صنعت و حرفت کے شعبہ جات میں جو مقام حاصل کیا ہے اور آئندہ اس رفتار کو دیکھتے ہوئے ترقی کے جو روشن امکانات نظر آتے ہیں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

"اعلیحضرت امیر بہاولپور ہوں یا مخدوم زادہ سید حسن محمود دونوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اہل بہاولپور اپنی ریاست کی سالمیت اور انفرادیت کو اتنا ہی عزیز رکھتے ہیں جتنی کہ انہیں پاکستان کے استحکام و استقلال سے محبت ہے اس لئے ہمیں یقین ہے کہ یہ اصحاب ریاست کے انضمام و ادغام کے خلاف نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیں گے۔ اور اگر یہ مسئلہ ناگزیر صورت اختیار کرتا نظر آئے تو ان کا فرض ہے کہ وہ استصواب رائے عامہ کے مسلمہ اصول کے پیش نظر ریاست کے عوام کی خواہش معلوم کریں جہاں تک بہاولپور اسمبلی کے ممبران کا تعلق ہے ہمیں معلوم ہے کہ وہ بھی ریاست کے انضمام کے سختی سے مخالف ہیں تاہم اگر اس مسئلہ کو جمہوری طریقے کے مطابق طے کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ عام ریفرنڈم کے اصول کو اپنایا جائے اور کوئی فیصلہ عوام کی مرضی کے بغیر ان کے سروں پر نہ تھوپا جائے۔"

اس موقع پر راقم الحروف نے بھی "بہاولپور کی سالمیت" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں مسئلہ کے قانونی آئینی اور سیاسی پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہاں اس کے بعض اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

"حال ہی میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ ۱۹۴۷ء میں ترمیم کرنے کے لیے مسٹر اے کے بروہی وزیر قانون نے پاکستان دستور ساز اسمبلی میں جو بل پیش کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل امور مستنبط کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ مجلس دستور ساز کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ الحاق کرنے والی ریاستوں کے بارے میں جو قانون چاہے منظور کرے اور آئین کی جملہ دفعات کا ان پر اطلاق کرے خواہ ان دفعات کا تعلق ایسے

امور سے ہو جو صوبے اور مرکز کے درمیان مشترک ہیں یا ایسے امور سے جو خالصتاً صوبائی ہوں۔

۲۔ مجلس دستور ساز کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ الحاق کرنے والی ریاستوں کے وجود کو ہی ختم کر دے اور ان کو کسی صوبے میں مدغم و ضم کر دے۔

اس موقف کا بطلان بہت صاف اور واضح ہے معاہدۂ الحاق جس کی رو سے امیر بہاولپور نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا اسمیں یہ صاف طور پر سراست موجود تھی کہ ریاست کی داخلی سلطانی اور سالمیت میں کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔ اور مرکزی حکومت کو محض دفاع، کرنسی، امور خارجہ اور انکے متعلق امور کے بارے میں اختیار حاصل ہوگا۔

"اس میں شک نہیں کہ اس معاہدے کے بعد امیر بہاولپور نے دو اور جزوی معاہدوں پر طوعاً و کرہاً دستخط ثبت کئے ہیں جن کی رو سے مجلس دستور ساز کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان امور کے بارے میں بھی قانون بنائے جو خالص صوبائی فہرست سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مرکز اور صوبجات کے مابین اختیارات کی تقسیم یا فہرست اختیارات میں مجلس آئین ساز جو رد و بدل جملہ فیڈریشن بہ الفاظ دیگر عام ملک کے لئے کرے گی ان کا اطلاق ریاست بہاولپور پر بھی اسی طرح ہوگا جسطرح دیگر صوبجات پر اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے کہ مجلس آئین ساز کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ریاست بہاولپور کے جداگانہ وجود کو ختم کر دے اور اس کو پاکستان کے وفاق کا ایک مستقل اور ممیز جزو (UNIT) بنانے کے بجائے کسی دیگر صوبے میں جذب کر دے۔

"یہ نقطہ نظر جہاں آئینی اعتبار سے غلط ہے وہاں بہاولپور کے سیاسی ارتقا اور عوام بہاولپور کے حق خود ارادیت کے بھی سراسر منافی ہے۔ بہاولپور کے عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امیر بہاولپور کی امارت کے عملی اختتام کے بعد پورے صوبائی درجے کے حصول کا مطالبہ کریں اور کوئی سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی دلیل ایسی نہیں ہے جو بہاولپوری عوام کی اس خواہش کو ٹھکرا سکے ریاست بہاولپور کو نئے آئین کے نفاذ کے بعد پاکستان کی صوبائی وحدت کا اعتبار حاصل ہونا چاہیئے۔

"جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ امیر بہاولپور نے مجلس دستور ساز کو بہاولپور کے متعلق ہر قسم کے سیاہ و سپید کے اختیارات تفویض کر دیے ہیں اس میں ایک شدید قسم کا نظری مغالطہ ہے۔ امیر بہاولپور نے جو معاہدے بطور تتمہ کے حکومت پاکستان کے ساتھ کئے ہیں ان کی روح اور عند یہ ہرگز یہ نہیں کہ سرے سے بہاولپور کا وجود ہی ختم ہو جائے اور وہ پاکستان کے کسی صوبے کے اضلاع کی حیثیت اختیار کر لے اس قسم کے معانی کو اس معاہدے کی تعبیر میں داخل کرنا ایک قسم کی ستم ظریفی ہے۔

ان اضافات مابعد کا منشا محض یہ ہے کہ مجلس دستور ساز اگر ضرورت سمجھے تو اختیارات کی فہرست میں ردوبدل اور کمی بیشی کر سکے اور اس ردوبدل یا کمی بیشی کا اطلاق ریاست بہاولپور پر بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ دوسرے صوبوں پر۔ لیکن اس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ ریاست بہاولپور کا وجود ہی ختم کر دیا جائے

"بالفرض امیر بہاولپور نے کسی وقتی مصلحت یا مجبوری حالات سے متاثر ہو کر اس قسم کا معاہدہ کر بھی لیا تو اس کا اطلاق بہاولپور کے عوام کی استصواب رائے کے بغیر کیسے جائز اور نافذ العمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۵۲ء کے عبوری دستور کی رو سے امیر بہاولپور نے عوامی حکومت کو اکثر اختیارات سلطانی بالفعل اور مابقا بالقوت تفویض فرما دیئے ہیں اندریں صورت ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بہاولپور اسمبلی کی رائے اور مرضی کے بغیر اس قسم کا کوئی فیصلہ یکطرفہ طور پر کر سکیں جس سے بہاولپور کے عوامی حقوق سلب ہوتے ہوں۔ اگر حکومت پاکستان یہ چاہتی ہے کہ وہ ریاست بہاولپور کو صوبائی درجہ دینے کے بجائے کسی صوبہ میں مدغم کر ڈالے تو اس کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ بہاولپور اسمبلی کی ۳/۴ یا کم از کم نمایاں اکثریت کے ساتھ اس کے حق میں قرارداد منظور کرائے ورنہ یکطرفہ کاروائی یک گونہ تعدی شمار ہوگی۔ بہاولپور کے عوام سیاسی و اخلاقی اعتبار سے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو دوسرے صوبجات کے عوام۔ لہذا ان کی بنیادی حیثیت کو بغیر ان کی مرضی کے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔"

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے ریاست میں ہمارے ذہن کا ایک ایسا مختصر گروہ بھی موجود تھا جو ریاست کے وجود کو پاکستان کے جسم پر ناسور سے تعبیر کرتا تھا اور وہ ریاست کو کسی دوسرے صوبہ میں مدغم کرنے کی خبروں پر بغلیں بجا رہا تھا۔ اس عنصر کی طرف سے ایک پمفلٹ بھی شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا "مغربی پاکستان کو ایک یونٹ بنایا جائے"۔ "ریاستوں کا وجود پاکستان کے جسم پر ناسور" راقم الحروف نے اس پمفلٹ کے جواب میں ایک اور پمفلٹ شائع کیا جس میں مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر مبینہ اعتراضات کی روشنی میں بحث کی۔ اس پمفلٹ کے چند اقتباسات بھی جو ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں خالی از دلچسپی نہ ہوں گے۔

"حقیقت میں اس پمفلٹ کا مقصد ریاست بہاولپور کی سالمیت پر ضرب لگانا اور حکومت پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ جہاں تک تمام مغربی پاکستان کو ایک یونٹ بنانے کا تعلق ہے یہ مسئلہ ہمہ گیر اور عمومی حیثیت رکھتا ہے اور اصولاً اس کے موافق و مخالف دلائل پر بحث کی جا سکتی ہے مگر اس کو اس طرح سمیٹنا کہ ریاست بہاولپور تک محدود ہو کر رہ جائے سیاسی منطق کی ایک انوکھی شکل ہے۔

جہاں تک ریاستی عوام کا تعلق ہے یہ وثوق سے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خواہ ان کا دامن مسلم لیگ سے وابستہ ہو اور خواہ وہ حزب مخالف سے راہ و رسم رکھتے ہوں اس مسئلہ پر

سب کا اتفاق ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں ریاست بہاولپور کی منفرد حیثیت یا سالمیت برقرار رہنی چاہیئے

"عام اس سے کہ بہاولپور کے مخصوص حالات آئینی اعتبارات عوام کے جذبات اور مرکز کے ساتھ معاہدات کیا ہیں یہ امر مسلّمہ ہے کہ ریاست بہاولپور کو اپنی مخصوص نوعیت اور جغرافیائی حیثیت کے لحاظ سے صوبائی درجہ حاصل ہے اور بہاولپور کے ادغام کے مسئلہ کو اس زاویہ نظر سے دیکھنا چاہیئے جس سے پنجاب۔ سرحد اور سندھ کے ادغام کو دیکھا جا رہا ہے بالفاظ دیگر بہاولپور کے مدغم کر دینے کا سوال اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ تمام مغربی پاکستان کو ایک یونٹ میں تبدیل کیا جا رہا ہو۔ مغربی پاکستان کے صوبوں کو ایک یونٹ بنانے کے سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ اجمالاً حسب ذیل ہیں:"

۱۔ اقتصادی طور پر صوبوں کا تعدد مضر ہے اور بدحالی کا موجب ہے۔

۲۔ ایک یونٹ بن جانے کی صورت میں خرچ کم ہو جائے گا اور آمدنی بڑھ جائے گی۔

۳۔ صوبجات کے برقرار رہنے میں صوبائی عصبیتوں اور تنگ نظریوں کے ابھرنے کے زیادہ امکانات و محرکات ہیں۔

۴۔ پاکستان کی سالمیت اور دفاع کے نقطہ نظر سے جس یکرنگی یکجہتی اور انتظامی ہم آہنگی کی ضرورت ہے وہ صوبجات کے قائم رہنے کی صورت میں ممکن نہیں۔

ان دلائل پر یکے بعد دیگرے نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ انمیں کہاں تک وزن ہے۔

۱۔ یہاں ایک نظری مغالطہ ہو رہا ہے۔ اقتصادی خوشحالی و بدحالی کا تعلق ملک کی عام اقتصادی حالت اور قدرتی وسائل کے مناسب و منظم انتظام سے ہے گویا یہ مسئلہ سیاسی تقسیم عمل کا نہیں بلکہ اقتصادی تقسیم کار اور ضبط و نظم سے تعلق رکھتا ہے محض ملکی انتظام کے دائروں کو کم و بیش یا بڑا چھوٹا کر دینے سے کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ جہاں اختیارات و انتظامات کے حلقوں کی توسیع سے روزمرہ کا نظم و نسق چلانے میں بعض آسانیاں پیدا ہوتی ہیں وہاں وسیع و عریض فاصلوں اور عملداریوں کے مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے انتظامی بندشوں میں ڈھیل اور نظم و نسق میں اختلال بھی واقع ہوتا ہے اس لئے دیکھنا یہ چاہیئے کہ ہمارے ملک کے مخصوص تمدنی۔ معاشرتی۔ سیاسی اور روایتی حالات کا کیا تقاضا ہے۔

۲۔ بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دلیل بڑی محکم ہے لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا تو حقیقت حال یہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر تمام صوبوں کو ایک یونٹ میں مدغم کر دیا جائے تو چند

اونچے درجے کے عہدوں کی بچت ہو جاتی ہے سماجی زندگی کے ہر شعبہ میں تقسیم کار کی صورت میں خرچ کا کچھ اضافہ ہو جایا کرتا ہے لیکن آمدنی بھی اسی تناسب بلکہ اس تناسب سے زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے اگر صوبائی حکومتوں کو ضم کر دیا گیا تو ترقی کے جو صوبائی محرکات ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گے اور صوبائی حالات کی واقفیت اور تجربہ نے جو مفاد پہنچ رہا ہے اس میں بھی کمی واقع ہو جائے گی۔

۳۔ صوبائی عصبیتوں کا مسئلہ زیادہ تر اقتصادی رقابتوں کا مسئلہ ہے صوبائی وحدتوں کے مرکزی وحدت میں گم ہو جانے سے اس مسئلہ کا حل نہیں ہو سکتا کیونکہ زبان۔ ثقافت اور صوبائی اقتصادی مفاد کے زیادہ تقابل اور باہم دگر دست و گریباں ہونے کا امکان زیادہ ہو جائے گا اور ان عصبیتوں سے جو خرابی صرف مرکز میں صوبجات کے باہمی اختلاف سے پیدا ہوا کرتی تھی وہ اب ملکی انتظام کے ہر شعبہ اور ہر دائرہ میں پیدا ہو جائے گی اور ہر جگہ تصادم و اختلاف زیادہ رونما ہوگا۔ اس وقت صوبجات کا تنازعہ آپس میں محض مرکزی حکومت کے دائرے میں حصہ رسدی پر ہوتا ہے پھر صوبائی امور کے دائرے میں بھی باہمی اختلاف و انتشار کی صورت پیدا ہوتی رہے گی۔ صوبائی عصبیت کی بیماری کا واحد علاج لسانی و ثقافتی یک رنگی و یک جہتی ہے۔ انہیں حالات کے پیش نظر مسلمانوں کا باخبر و باہوش طبقہ اردو زبان کو واحد قومی و سرکاری زبان بنانے پر مُصر ہے۔

۴۔ جہاں تک تنوع کا تعلق ہے یہ سماجی زندگی کے استحکام کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ہم آہنگی و یکجہتی صوبوں کے ختم کر دینے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ثقافت و تمدن کی یکسانیت اور زبان کے مشترک ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔

"ریاست کے نظم و نسق کی مزعومہ خامیوں کو بھی ادغام کے حق میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے لیکن اس سے قطع نظر کہ خامیاں کوتاہیاں اور فروگذاشتیں ہیں یا نہیں۔ ادغام کے مالہ و ماعلیہ کو ایک علیحدہ منطقی سطح پر جانچنا اور پرکھنا چاہیئے۔ اگر اندرونی انتظامات میں کچھ خامیاں ہیں تو ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے لہذا ذاتیات سے سروکار رکھنا یا محض جزئیات و حالات کی بنا پر ادغام کے حق میں یا اسکے خلاف رائے قائم کرنا غلط ہے دیکھنا یہ چاہیئے کہ عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی معیار زندگی کو اونچا کرنے کے لئے اور ان کی راحت و آسودگی کے نقطۂ نظر سے بہاولپور کا بحیثیت ایک یونٹ کے برقرار رکھنا مفید ہے یا بہاولپور کو کسی دوسرے صوبے میں مدغم کر کے اس کے وجود کو ختم کر دینا سودمند اس ضمن میں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ طرز تمدن و معاشرت اور سماجی زندگی کے روائتی طریقوں کا کسی جغرافیائی وحدت کی اقتصادی حالت سے گہرا تعلق ہوتا ہے معاشرہ کے سیاسی نظم و نسق کو یک گردش

قلم بدل ڈالنا بسا اوقات اقتصادی بحران ۔ بد نظمی و بے ربطی کا باعث بن جایا کرتا ہے کون نہیں جانتا کہ ہندوستان میں کانگریس ہمیشہ سے رئیسوں اور ریاستوں کی دشمن رہی ہے لیکن وہاں بھی متذکرہ حقائق کے پیش نظر ریاستوں کا وجود ختم کر کے انہیں کسی صوبہ میں مدغم نہیں کیا بلکہ یا تو ان کی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے انتظام عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے جیسا کہ حیدر آباد ۔ میسور اور ٹراونکور میں یا چند ریاستوں کو ملا کر ان کی علیحدہ یونین بنا کر اسے ایک یونٹ یعنی ایک صوبہ کا درجہ دیدیا گیا ہے ۔ جیسا کہ پٹیالہ اور پنجاب کی ریاستیں یا بیکانیر اور راجپوتانہ کی ریاستیں یا گوالیار اور وسط ہند کی ریاستیں وغیرہ ۔ کانگریس کی حکومت کو یہ احساس تھا کہ ریاستوں کو صوبوں میں جذب کرنے کی صورت میں وہاں کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ہزاروں ملازمین برطرف و بے روزگار ہو جائیں گے اور تجارت و شہری کاروبار پر بھی ناملائم اثر پڑے گا۔

"ہمیں امید ہے کہ ہماری مرکزی حکومت بھی مسلمانوں کے حکمران طبقہ کی روایتی دور اندیشی اور حزم و تدبر سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ پر غائر نظر ڈالے گی اور کسی وقتی مگر کوتاہ بیں مصلحت کے تابع کوئی عاجلانہ قدم نہیں اٹھائے گی کم از کم بہاولپور اسمبلی میں عوامی نمائندوں بلکہ عوام سے اس باب میں استصواب رائے ضروری ہے۔"

"آئینی مصالح کو اگر مسئلہ کشمیر کے مطمح نظر سے دیکھا جائے تو ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بہاولپوری عوام کی رضامندی کے بغیر بہاولپور کو کسی صوبہ میں مدغم نہ کیا جائے البتہ اگر تمام مغربی پاکستان کے صوبوں کو مدغم کر کے ایک سالم یونٹ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے تو مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے اور بہاولپور کے عوام کو یہ شکایت نہیں ہو سکتی کہ ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے یا ان کی حیثیت کو گھٹا کر کسی صوبے سے کم کر دیا گیا ہے۔"

بہاولپور کی کابینہ میں ایک اور وزیر کا اضافہ

مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور ریاستوں کے ادغام کا مسئلہ ہنوز طے نہیں ہوا تھا۔ ریاست بہاولپور کے طول و عرض میں اس سلسلہ میں خاصی تشویش اور پریشانی پائی جاتی تھی۔ مخدوم زادہ وزارت بھی اس معاملہ میں جہاں خود پیش آمدہ واقعات سے مطمئن نہیں تھی وہاں وہ عوام کے طعن و تشنیع کا بھی ہدف تھی۔ عام خیال یہ تھا کہ مخدوم زادہ سید حسن محمود اپنی بعض کمزوریوں کی وجہ سے مرکز کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس مخالف فضا کے باوجود مخدوم زادہ کی دلچسپیاں ریاست بہاولپور کے انتظامی امور سے کم نہ ہوئیں اور انہوں نے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ سید غلام مرتضیٰ شاہ کی اسمبلی کی رکنیت سے

مستعفی ہونے کی وجہ سے نشست خالی ہوئی تو اس نشست کو پر کرنے کیلئے سید احمد نواز شاہ گردیزی کو ٹکٹ دے کر کامیاب کرایا اور ان کی کامیابی کے بعد انہیں اپنی کابینہ میں شامل کر کے وزیروں کی تعداد بڑھا دی۔ سید احمد نواز شاہ کی کابینہ میں شمولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جب سے سردار محمد افضل خاں لغاری نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا انہیں کابینہ میں اپنی پوزیشن کو مزید مضبوط کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی ایک مرحلہ پر سردار محمد ایوب خاں نے بھی مخدوم زادہ کو آنکھیں دکھائی تھیں اور وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے بعد میں اپنا استعفیٰ واپس لے لیا اور باہمی شکر رنجی دور ہو گئی تاہم مخدوم زادہ کابینہ میں خود کو تنہا محسوس کرتے رہے اسی خلا کو پر کرنے کے لئے انہوں نے سید احمد نواز شاہ کا انتخاب کیا تھا۔ جن سے ان کے دوستانہ تعلقات کے علاوہ قرابت داری بھی تھی۔

نہری پانی کا مسئلہ

انہیں دنوں جب کہ بہاولپور کا مستقبل بطور علیحدہ ایک یونٹ کے غیر یقینی معلوم ہو رہا تھا اور اس سلسلے میں یہاں کے عوامی حلقوں میں ایک اضطراب اور پریشانی کی کیفیت نظر آتی تھی اہل بہاولپور ایک نئی افتاد سے دوچار ہوئے۔ بھارت نے دریائے ستلج کا رخ موڑ کر بہاولپور کو پانی سے محروم کر دیا تھا ستلج میں فیروزپور ہیڈ ورکس سے نیچے پانی کی سطح ایک دم گر گئی تھی اور ستلج ویلی کی نہروں میں جو بہاولپور اور بہاولنگر کے اضلاع کو سیراب کرتی تھیں پانی کی مقدار ایک دم نصف سے بھی کم ہو گئی تھی بھارت کے اس ہولناک اقدام سے ساری ریاست میں خصوصاً ضلع بہاولپور اور بہاولنگر میں جن پر پانی کی کمی کا زبردست اثر پڑا تھا بڑی تشویش پائی جاتی تھی اس صورت حالات کے خلاف ریاست کے طول و عرض میں زبردست احتجاج کیا گیا جگہ جگہ پبلک جلسے منعقد کر کے اپنی قرار دادیں منظور کی گئیں مخدوم زادہ سید حسن محمود نے بحیثیت وزیر اعلیٰ بہاولپور پاکستان کے وزیر اعظم کو ان حالات سے ایک برقیہ کے ذریعہ مطلع کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ سلامتی کونسل اور عالمی بنک اس سلسلے میں فوری مداخلت کرے۔

حقیقت میں بھارت کا یہ اقدام ایک جارحانہ کارروائی کے مترادف تھا۔ ابھی اس جھگڑے کو نمٹانے کے لئے عالمی بنک سے مذاکرات جاری تھے کہ بھارت نے بھاکڑہ ننگل کی نہر کھول کر پاکستان کے لئے بالعموم اور بہاولپور کے لئے بالخصوص سخت تشویشناک حالات پیدا کر دیئے تھے۔ بعض ممبران اسمبلی نے جن میں چوہدری فرزند علی، چوہدری عبدالسلام، چوہدری رحمت اللہ اور معین الدین شہزاد شامل تھے۔ اس صورت حالات پر غور کرنے کے لئے اسمبلی کا اجلاس بلانے کا بھی مطالبہ کیا لیکن چونکہ مخدوم زادہ بہاولپور کے سیاسی مستقبل کے سلسلے میں زیادہ پریشان تھے اس لئے انہوں نے اس موقع پر اسمبلی کا اجلاس نہ بلایا

بہاولپور کے مستقبل کے سلسلے میں تمام سیاسی پارٹیوں کا مشترکہ اجلاس

ریاست بہاولپور کے مستقبل کا مسئلہ روز بروز سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اور اب بہاولپور کی سیاسی جماعتیں اپنے اختلافات کو نظر انداز کر کے اس سلسلہ میں متفقہ اور متحدہ طور پر قدم اٹھانے کے حق میں تھیں چنانچہ مخدوم زادہ نے سب سے پہلے حزب اختلاف کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے

میاں نظام الدین حیدر کو تبادلۂ خیالات کی دعوت دی۔ نظام الدین حیدر، چوہدری عبدالسلام، سردار محمود خاں اور چوہدری فرزند علی کو ساتھ لے کر دارالسلام پہنچے دو گھنٹے تک بند کمرے میں ان پانچ بڑوں کے مذاکرات ہوئے۔ اسی شام رحمانی ہوٹل بہاولپور میں بہاولپور کے معتقد شہریوں کا اجلاس ہوا جسمیں "ادغام" کے مضمرات پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ پھر ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کو جشن استقلال کے سلسلہ میں ایک جلسہ کالج ہال میں منعقد ہوا جس میں مخدوم زادہ سید حسن محمود اور نظام الدین حیدر کے علاوہ دوسرے کئی لیڈروں نے بھی شرکت کی "ادغام کی تجویز کے خلاف اظہار خیال کیا۔ ۱۵ اگست کو بہاولپور کی جامع مسجد میں مسلم لیگ، جناح عوامی لیگ اور دوسری جماعتوں کی طرف سے ایک جلسۂ عام زیر صدارت شیخ بشیر احمد منعقد ہوا جس میں میاں نظام الدین حیدر، شیخ عبدالحمید صحرائی، مستری عبدالرحمٰن اور شہاب دہلوی نے تقریریں کیں۔ میاں نظام الدین حیدر نے اپنی تقریر میں مخدوم زادہ پر بھی تنقید کی اور کہا کہ وہ ریاستی عوام کی نمائندگی کے دعویدار ہونے کے باوجود آج تک خاموش رہے اور انہوں نے ادغام کے خلاف آواز بلند نہیں کی اور نہ اس اہم مسئلہ پر بہاولپور اسمبلی کی رائے لی۔

صحرائی صاحب نے کہا کہ اگر مخدوم زادہ صاحب عوام کی خواہشات کے مطابق مرکز سے ریاست کی سالمیت برقرار نہ رکھوا سکیں تو انہیں دستوریہ کی رکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہیئے اور عوام کے دوش بدوش جدوجہد کرنی چاہیئے۔

مستری عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ جو لوگ پانی کے متبادل نظام کے پیش نظر ادغام کے حق میں ہیں وہ غلطی پر ہیں آبپاشی کے متبادل انتظام میں ہم اپنے حصہ کی رقم دیں گے اور پانی حاصل کریں گے۔

شہاب دہلوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ والئی ریاست نے معاہدہ الحاق میں مرکزی قیادت یا مجلس دستور ساز کو ریاست کے ادغام کا قطعاً اختیار نہیں دیا تھا۔ اور معاہدہ کی جس شق کا حوالہ دے کر آج ریاست کے ادغام کی راہ ہموار کی جا رہی ہے اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ صوبوں اور مرکز کے درمیان تقسیم اختیارات کے متعلق امیر بہاولپور کو دستوریہ کا فیصلہ تسلیم ہوگا"۔

ادغام کے خلاف عوامی تاثرات

ریاست بہاولپور کو کسی ملحقہ صوبہ میں مدغم کرنے کی تجویز کے خلاف چند سیاسی لیڈر ہی متحرک نہیں تھے بلکہ عوام میں بھی اس معاملہ میں بڑی بے چینی اور اضطراب پایا جاتا تھا۔ ٹیلی گراموں، محضر ناموں اور عرضداشتوں کی صورت میں برابر عوامی حلقوں کی طرف سے حکومت پاکستان کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا جا رہا تھا اس مسئلے نے کافی حد تک سیاسی اختلافات کو بھی ختم کر دیا تھا حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے علاوہ تمام سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں بھی اس معاملہ میں وحدت فکر و عمل اور کامل نظریاتی اتحاد کا ثبوت دے رہی تھیں ان سب کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ ریاست کی شاندار ترقی اور عوام کے سنہری مستقبل کے پیش نظر پنجاب یا کسی دوسرے صوبے میں اسکا ادغام ہرگز انصاف پر مبنی نہیں ہو سکتا لہذا جب تک مغربی پاکستان کے دوسرے یونٹ باقی ہیں بہاولپور کو بھی ایک یونٹ کی حیثیت سے باقی رہنا چاہیئے۔

تمام وزراء کا کراچی میں اجتماع

دراصل جب سے مشرقی بنگال کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست ہوئی تھی مرکزی قیادت مشرقی اور مغربی پاکستان میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لئے مختلف تجاویز پر مسلسل غور کر رہی تھی مغربی پاکستان کے چھوٹے یونٹوں کو بڑے صوبوں میں مدغم کرنے کی تجویز بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی لیکن وہ اس سلسلے میں کوئی آخری قدم اٹھانے سے پہلے یہ ضروری خیال کرتی تھی کہ چھوٹے بڑے تمام یونٹوں کی اسے حمایت حاصل ہو۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۵۴ء کے اوائل میں تمام وزرائے اعلیٰ کو کراچی میں طلب کیا گیا۔ اس مرحلہ پر مخدوم زادہ نے کراچی پہنچنے کے بعد اپنے ساتھی وزراء کو بھی کراچی طلب کر لیا تاکہ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور ریاست کے مستقبل کے متعلق ان سے مشورہ کرنے کے بعد وہ کوئی واضح موقف اختیار کر سکیں۔ ادھر مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے اجلاس کراچی میں ہو رہے تھے جن میں پاکستان کے آئینی امور پر غور ہو رہا تھا۔ لیگ پارلیمانی پارٹی نے "محمد علی فارمولا" کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو سب کمیٹی مقرر کی تھی اس میں دوسرے وزرائے اعلیٰ اور اراکین لیگ کے علاوہ مخدوم زادہ بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی سے کہا گیا تھا کہ وہ ۱۴ ستمبر تک اپنی رپورٹ پیش کر دے چنانچہ ۱۴ ستمبر کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا ایک اجلاس وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی کی صدارت میں ہوا جس میں متذکرہ کمیٹی کی سفارشات پر غور کیا گیا۔

ریاستیں بدستور قائم رہیں گی

کمیٹی نے بلوچستان اور پاکستانی ریاستوں کے متعلق جو سفارشات کی تھیں ان میں کہا گیا تھا کہ بلوچستان کو گورنری صوبہ بنا دیا جائے اور اسے پاکستان کے دوسرے صوبوں کا سا درجہ دیا جائے۔ بہاولپور، خیرپور اور سرحدی ریاستوں کو برقرار رکھا جائے البتہ اگر ریاستوں کی مجالس قانون ساز فیصلہ کریں تو ان ریاستوں کے ادغام کی اجازت دے دی جائے گی بعد میں پاکستان دستور ساز اسمبلی نے بھی ان سفارشات پر غور کیا اور ان کی روشنی میں یہ طے پایا گیا کہ ملک کے نئے آئین میں بہاولپور کو صوبہ کے برابر درجہ حاصل ہو گا۔ البتہ اس کے گورنر اعلیحضرت امیر بہاولپور رہوں گے۔

جونہی یہ خبر بہاولپور پہنچی یہاں اس پر غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا گیا حکومت بہاولپور نے اس خوشی میں ۲۲ ستمبر کو یوم تشکر منانے کا فیصلہ کیا اور تمام دفاتر میں عام تعطیل کر دی گئی۔ ریاست کے دارالحکومت بہاولپور میں سرکاری عمارتوں اور مکانوں پر بہاولپور اور پاکستان کے جھنڈے لہرائے گئے سڑکوں اور بازاروں کو رنگین جھنڈیوں سے سجایا گیا صبح ساڑھے سات بجے پولیس کے دستوں نے مارچ پاسٹ کیا راؤ حفیظ الرحمٰن وزیر تعلیم وصحت نے سلامی لی۔ سکولوں اور کالجوں کے طلباء نے جلوس نکالا اور پاکستان زندہ باد اور صوبہ بہاولپور زندہ باد کے نعرے لگائے۔

سیاسی بحران۔ اسمبلی برخاست۔ کابینہ میں تبدیلی

پاکستان کے نئے آئین میں جو تجاویز منظور کی گئی تھیں وہ بعض مقتدر شخصیتوں کو پسند نہ تھیں خاص طور پر ریاستوں کو صوبائی درجہ دینے کے متعلق ان کا نقطہ نظر اس کے بالکل برعکس تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ چھوٹے

یونٹ قائم رہیں اور بڑے صوبوں خاص طور پر پنجاب کی بالادستی میں فرق آئے چنانچہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو سارے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اسمبلی توڑ دی مسٹر محمد علی بوگرہ کو نئی کابینہ تشکیل دینے کی دعوت دی اس سلسلہ میں جو سرکاری اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں کہا گیا تھا کہ "مجلس دستور ساز کو اپنی موجودہ تشکیل میں جمہور کا اعتماد حاصل نہیں رہا ہے اور اب وہ کام نہیں کر سکتی۔ آخری اقتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو تمام مسائل کے بارے میں جن میں آئینی مسائل بھی شامل ہیں اپنے نمائندوں کے ذریعہ جو از سر نو منتخب کئے جائیں گے فیصلے کریں گے اس لئے انتخابات جلد سے جلد کرائے جائیں گے۔

بہاولپور کی اسمبلی اور وزارت بھی ختم

گورنر جنرل پاکستان کے مذکورہ بالا اقدام کے بعد ریاست بہاولپور کا مستقبل مخدوش ہو گیا تھا اہل الرائے محسوس کر رہے تھے کہ پاکستان میں ہنگامی حالات کا اعلان صرف مرکز میں رد و بدل کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ صوبوں اور مرکز میں تقسیم اختیارات کے مسئلہ نے یہ صورت اختیار کی ہے اور آئندہ ہو سکتا ہے کہ صوبوں کی موجودہ ہیئت بھی برقرار نہ رہے چنانچہ ابھی ہنگامی حالت کے اعلان کو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ گذرا تھا کہ اعلیحضرت امیر بہاولپور نے بہاولپور کی مجلس قانون ساز کو توڑنے اور بہاولپور کی وزارت کو برطرف کرنے کا اعلان کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ اعلیحضرت نے از خود نہیں کیا تھا بلکہ اس میں مرکز کے مشورے اور ہدایت کو دخل تھا اعلیحضرت کی طرف سے اس سلسلہ میں جو اعلان ۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو کیا گیا تھا اس میں کہا گیا تھا۔

> "اعلیحضرت امیر بہاولپور کو ایسی صورت حالات رونما ہو جانے کا یقین ہو گیا جس میں حکومت بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ ۱۹۵۲ء کی دفعات کے تحت ریاست کی حکومت نہیں چلائی جا سکتی۔ لہٰذا اعلیحضرت نے باستعمال اختیارات زیر دفعہ ۴۷، حکومت بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ ۱۹۵۲ء وہ تمام اختیارات خود سنبھال لیے ہیں اور ایکٹ کی دفعہ ۱۳ اسب سیکشن ۲ کے تحت اپنے اختیارات اپنے مشیر اعلیٰ جناب عبدالرشید خاں کو تفویض کر دیے ہیں۔"

ریاست بہاولپور کی مجلس قانون ساز کو توڑنے اور کابینہ کو برطرف کرنے کے متعلق پاکستان کے داخلی امور اور ریاستی کے وزیر میجر جنرل اسکندر مرزا سے جب سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ "امیر بہاولپور نے اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کیا تھا اور ہم اس سے متفق ہو گئے ہیں" انہوں نے مزید بتایا کہ امیر کی رائے میں بدانتظامی کی وجہ سے کابینہ کی برطرفی ضروری تھی"

سکندر مرزا کا یہ جواب تسلی بخش نہ تھا ریاستی عوام میں اس اقدام کو سراہا گیا کیونکہ اگر بد نیتی کی وجہ سے کوئی قدم اٹھایا جاتا تو وہ اب سے بہت قبل اٹھایا جا سکتا تھا لغاری صاحب نے مخدوم زادہ کے خلاف الزامات کی فہرست ۱۹۵۳ء کے وسط میں پیش کی تھی اور ان کی وزارت کی برطرفی ۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو عمل میں آئی یعنی تقریباً ڈیڑھ سال بعد۔ پھر اگر وزارت بد نیتی کے الزام میں برخاست کی گئی تھی تو اس کے ساتھ اسمبلی کو توڑنے کا کوئی جواز نہ تھا دراصل یہ پیش خیمہ تھا ریاست بہاولپور کو بہ حیثیت

ایک علیحدہ یونٹ کے ختم کرنے کا۔ حکومت پاکستان کے عمائدین مغربی پاکستان کی ہیئت ترکیبی کو تبدیل کرنے کا جو نقشہ ذہن میں رکھتے تھے اس کے متعلق انہیں یہ یقین تھا کہ بہاولپور کی اسمبلی اس کی تائید نہیں کرے گی اسی شبہ کی وجہ سے مخدوم زادہ کی وزارت کے ساتھ ہی ریاستی اسمبلی توڑ دی گئی اور اس طرح ہونے والے آئندہ اقدامات کے لئے راستہ صاف کر لیا گیا۔

جمہوریت کا خاتمہ

وزیر امور داخلہ و ریاستہائے پاکستان مسٹر سکندر مرزا نے ریاستی وزارت اور اسمبلی کی برخاستگی کے سلسلہ میں جو بیان دیا تھا اس میں یہ بھی کہا تھا کہ "امیر بہاولپور ریاست میں نئے انتخابات کرانے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں رکھتے"۔ اس بیان نے بہاولپور کے جمہوریت پسند حلقوں کو بڑا مایوس کیا۔ ریاستی عوام نے سالہا سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد جو ذمہ دار عوامی حکومت حاصل کی تھی اسے مرکزی حکومت کی مصلحتوں کی وجہ سے بیک جنبش قلم ختم کر دیا گیا۔ حالانکہ خود مرکزی حکومت نے ریاستی عوام کے حقوق کو جائز سمجھتے ہوئے امیر بہاولپور کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ریاست میں جمہوری نظام حکومت قائم کریں اور امیر بہاولپور نے عوامی نمائندوں کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ تمام اختیارات حکمرانی عوام کے سپرد کر دیئے تھے پھر امیر بہاولپور عوامی حکومت کے کاموں سے مطمئن تھے اور وقتاً فوقتاً ریاست کی ترقیات کو سراہتے رہے تھے۔ یک بیک حالات کا بدل جانا نہ صرف حیرت و استعجاب کا موجب تھا بلکہ ریاستی عوام یہ شبہات کرنے میں حق بجانب تھے کہ حکومت پاکستان ریاست کی جداگانہ سیاسی حیثیت کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

ایک یونٹ کی تجویز

مرکزی حکومت میں رد و بدل اور ہنگامی حالات کے نفاذ کے باوجود جب مغربی پاکستان کے چھوٹے یونٹوں کو بڑے صوبوں میں مدغم کرنے کی تجویز پروان نہ چڑھ سکی تو تمام چھوٹے بڑے یونٹوں کو ختم کر کے ایک یونٹ کی تشکیل کا پروگرام بنایا گیا اس سلسلہ میں یہ کہا گیا تھا کہ مرکزی حکومت مغربی پاکستان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ایک یونٹ بنانے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتی ہے۔

یہ تجویز بھی سوائے پنجاب کے کسی صوبہ کے لئے قابل قبول نہ تھی اور ہر طرف سے اس کی مخالفت میں آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ سندھ میں میر غلام علی تالپور۔ پیرزادہ عبدالستار۔ آغا غلام نبی پٹھان اور جی ایم سید اس کے خلاف سرگرم عمل تھے اور انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات اسی سوال پر لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

سرحد میں پیر مانکی شریف اور عوامی لیگ کے دوسرے کارکن بھی اس تجویز کے مخالف تھے۔ خان عبدالغفار نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر لوگوں کے مشورے کے بغیر اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے۔"

ان حالات کی وجہ سے مرکزی حکومت مذبذب تھی کہ ایک یونٹ کی تشکیل کے مسئلہ پر صوبائی اسمبلیوں کی رائے حاصل کرے یا نہیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر صوبائی اسمبلیوں نے اس تجویز کی مخالفت کی تو اسے عملی جامہ پہنانا مشکل ہو جائے گا۔ تاہم مختلف صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور دوسرے سرکردہ لیڈروں سے اس نے مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھا اور انہیں ایک یونٹ کی افادیت کا قائل کرتی رہی۔ بالآخر یہ کوشش بار آور ہوئی اور رفتہ رفتہ اس کی مخالفت میں کمی آنا شروع ہو گئی۔ کچھ دن بعد سرحد اسمبلی نے

اس کو تائید کی توسندھ اسمبلی کی طرف سے بھی اس کی حمایت کا اعلان کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ خیرپور کی اسمبلی نے بھی اس کے حق میں قرارداد منظور کرلی نیز خان قلات اور جام صاحب لسبیلہ نے بھی اس تجویز پر عملدرآمد کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ بہاولپور کا معاملہ پہلے ہی صاف ہوچکا تھا۔ اب صرف امیر بہاولپور کی منظوری حاصل کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ انھوں نے بھی اس میں کسی قسم کی حیل وحجت نہ کی اور فوراً ہی اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ دراصل تمام مغربی پاکستان کو ایک یونٹ بنانے کے یہاں کے عوام بھی مخالف نہ تھے۔ اگر یہاں کی اسمبلی سے بھی اس سلسلہ میں استصواب کیا جاتا تو وہ بھی اس کی ہرگز مخالفت نہ کرتی یہاں مخالفت تو اس تجویز کی کی گئی تھی جس کے مطابق بہاولپور کو کسی ملحقہ صوبے میں مدغم کرنا مطلوب تھا۔ بہرحال اس مفروضہ پر کہ بہاولپور کی اسمبلی ایک یونٹ کی بھی تائید نہیں کرے گی اسے توڑ دیا گیا اور عوامی نمائندوں کے بجائے امیر بہاولپور کی رضامندی سے بہاولپور کو ایک یونٹ میں ضم کرنا طے ہوگیا۔

بہاولپور میں ایک یونٹ کا خیر مقدم

مختلف صوبوں کی حمایت حاصل ہونے کے بعد وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد علی نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو ختم کر کے ایک یونٹ بنانے کا اعلان کیا تو بہاولپور میں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام طور پر یہاں لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ایک یونٹ پاکستان کی موجودہ مشکلات و مصائب کا حل ہے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے بعد صوبائی عصبیتیں دم توڑ دیں گی اور مختلف علاقوں کے عوام ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے اور اس سے کروڑوں روپے کی وہ رقم بھی بچ جائے گی جو یونٹوں کی وزارتوں پر خرچ کی جارہی تھی۔ یہاں اس یقین دہانی پر بھی بڑے اطمینان کا اظہار کیا جارہا تھا۔ جو وزیراعظم پاکستان نے چھوٹے یونٹوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں کرائی تھی۔ تاہم سیاسی حلقے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ایک یونٹ کے انتظامی ڈھانچہ کی تشکیل وغیرہ کے مراحل طے کرتے وقت بہاولپور کے عوامی نمائندوں کو شریک مشورہ کیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ مغربی پاکستان کے باقی تمام یونٹوں میں تو عوام کی نمائندہ اور ذمہ دار حکومتیں موجود ہیں جو اپنے علاقوں کے مفادات کی حفاظت کیلئے مناسب اقدامات کر رہی ہے لیکن بہاولپور میں عوامی نمائندوں کی بجائے ایک سرکاری افسر تعینات ہے جو عوام کے سامنے جوابدہ نہیں۔

یہاں عوامی حلقوں کی طرف سے اس موقع پر یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ بہاولپور کو اس کی نمایاں حیثیت کی بنا پر ایک کمشنری بنا کر یونٹ کا صدر مقام بنایا جائے نیز بہاولپور ہائیکورٹ کو برقرار رکھا جائے تاکہ مقامی باشندوں کو انصاف طلبی کے لئے دور دراز مقامات پر نہ جانا پڑے۔

بہاولپور کے عوامی حلقے یہ مطالبہ بھی کر رہے تھے کہ مغربی پاکستان کے لئے جو عبوری حکومت تشکیل پائے اسمیں بہاولپور کو خاطر خواہ نمائندگی دی جائے۔

انتظامی کونسل کا قیام

گورنر جنرل پاکستان نے ۷ اردسمبر ۱۹۵۴ء کو مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کیلئے انتظامی کونسل کی تشکیل کا فرمان جاری کیا اس کونسل میں صوبہ سندھ اور پنجاب کے گورنروں۔ وزرائے اعلیٰ اور ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان شامل تھے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان۔ وزیر اعلیٰ خیرپور اور مشیر اعلیٰ بہاولپور کو کونسل کی صرف اس کارروائی میں شرکت کا حق دیا گیا تھا جس میں ان کے علاقوں سے متعلق امور پیش ہوں۔ اس کونسل نے اپنی پہلی میٹنگ کے بعد یہ اعلان جاری کیا۔

"ہم نے مغربی پاکستان کو سیاسی اور انتظامی وحدت میں مدغم کرنے کے متفقہ اور قطعی فیصلے کے بعد وحدانی حکومت کے انتظامی ڈھانچہ پر غور وخوض کیا اور اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کے ایک صوبہ کا انتظامی ڈھانچہ عام صوبائی نظم ونسق کے نمونہ پر ہوگا۔ یعنی مغربی پاکستان کے وحدانی حکومت کے لئے ایک گورنر۔ ایک کابینہ۔ ایک سیکرٹریٹ ہوگا۔ اور مختلف محکموں کے سربراہ ضرورت کے مطابق اہم مقامات پر متمکن ہوں گے۔

"موجودہ صوبائی نظام کے نمونے پر مغربی پاکستان کو ۵۰ ضلعوں اور ایجنسیوں میں تقسیم کرکے ان اضلاع کو دس کمشنریوں کے تحت دیدیا جائے گا۔

"نئے انتظامات کے تحت قبائلی علاقوں سمیت وہ تمام علاقے بھی براہ راست مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کے ماتحت ہوں گے جن پر اس وقت مرکزی حکومت کا کنٹرول ہے۔

ریاست بہاولپور کو کمشنری بنانے کا فیصلہ

مغربی پاکستان کی انتظامی کونسل نے بعد میں جہاں کراچی کو ایک علیحدہ کمشنری بنانے کی تجویز منظور کی وہاں ریاست بہاولپور کو بھی پنجاب کے کچھ اضلاع اسمیں شامل کرکے ایک علیحدہ کمشنری بنانے کی تجویز منظور کی بہاولپور کمشنری میں سابق ریاست بہاولپور کے تینوں اضلاع رحیم یار خان بہاولپور اور بہاولنگر کے علاوہ مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازیخان کے اضلاع بھی شامل کئے گئے تھے

صوبائی لیگوں کی مجالس عاملہ کا مشترکہ اجلاس

مغربی پاکستان کو ایک انتظامی یونٹ میں تبدیل کرنیکے پروگرام کے ساتھ ہی تمام صوبائی لیگوں کو بھی ملاکر ایک یونٹ کی مسلم لیگ تشکیل کرنے کی تجویز زیر غور تھی اس سلسلہ میں سات صوبوں کی مسلم لیگوں کی مجالس عاملہ کا مشترکہ اجلاس ملک فیروز خان نون وزیر اعلیٰ پنجاب کی زیر صدارت پشاور میں منعقد ہوا اس کے انتظامات سرحد مسلم لیگ کی جانب سے کئے گئے تھے اور اسی نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے تھے۔ بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ارکان نے بھی اس میں شرکت کی تھی اس اجلاس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اکثر اراکین نے لیگ کے ساتھ ارباب اقتدار کے رویہ کی مذمت کی تھی اور یہ طے کیا تھا کہ آئندہ مسلم لیگ کا صدر وزیر یا سرکاری ملازم نہ ہو۔

صوبائی لیگوں کی مجالس عاملہ کے مشترکہ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ بہاولپور اسمبلی کو فوری طور پر بحال کیا جائے کیونکہ بغیر کسی معقول وجہ کے اسے برطرف کیا گیا ہے جو جمہوریت کے قطعی منافی ہے۔

گورنر جنرل کے فیصلے کیخلاف سندھ چیف کورٹ میں مقدمہ

گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا تھا اس کے خلاف مولوی تمیز الدین صدر دستور ساز اسمبلی نے سندھ چیف کورٹ میں مقدمہ دائر کیا تھا جس کی سماعت سندھ چیف کورٹ کے فل بنچ نے کی اور ۹ فروری ۱۹۵۵ء کو یہ فیصلہ صادر کیا کہ دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کی کاروائی خلاف قانون تھی لہٰذا مولوی تمیز الدین کو صدر دستوریہ کی حیثیت سے بحال کیا جائے اور مدعا علیہم کو صدر دستوریہ کے فرائض منصبی میں مداخلت سے روک دیا جائے۔ عدالت نے ایڈوکیٹ جنرل کی درخواست پر حکمناموں کے اجرا کو دو ہفتوں کے لئے ملتوی کر دیا تھا تاکہ مدعا علیہم فیڈرل کورٹ میں سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر سکیں چنانچہ ۲۷ فروری کو فیڈرل کورٹ میں سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی گئی جس کا فیصلہ ۱۰ مئی ۱۹۵۵ء کو کیا گیا۔ اس فیصلے کے مطابق گورنر جنرل کے اقدام کو جائز قرار دیا گیا البتہ یہ بھی واضح کیا گیا کہ گورنر جنرل کو اسمبلی کے ارکان کی نامزدگی کے اختیارات حاصل نہیں۔ قبائلی اور ریاستی علاقوں کے ارکان کی نامزدگی کے اختیارات صرف دستور ساز اسمبلی کو حاصل ہیں۔

آئینی کنونشن کی تجویز

فیڈرل کورٹ کے فیصلے سے جو آئینی پیچیدگی ہو گئی تھی، سے دور کرنے کے لئے گورنر جنرل پاکستان نے یہ طے کیا تھا کہ آئینی کنونشن منعقد کر کے اسمیں ملک کے آئین کی منظوری حاصل کی جائے اس سلسلے میں مسٹر حسین شہید سہروردی جنہیں مسٹر محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں وزارت قانون کا قلمدان سپرد ہو چکا تھا خاصے پیش پیش تھے انہوں نے اس موقع پر آئینی کنونشن طلب کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مرحوم دستور ساز اسمبلی نے بہت سے ایسے قوانین منظور کئے تھے جنہیں ناجائز قرار دے دیا گیا تھا۔ اس لئے ملک کو بحران سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ ان قوانین کو جائز قرار دیا جائے اس وجہ سے دستوری کنونشن طلب کیا گیا ہے۔" انہوں نے مزید بتایا تھا کہ دستوری کنونشن کا دوسرا کام یہ ہو گا کہ یہ ملک کے آئین کی منظوری دے گی جو چھ ماہ کے اندر اندر تیار ہو جائے گا۔ نیز چونکہ گورنر جنرل کو سابق دستوریہ کے بنائے ہوئے قوانین منظور کرنے کا اختیار نہیں اور چونکہ یہ دستوریہ خود بھی نمائندہ نہیں رہی تھی اس لئے فیڈرل کورٹ نے تجویز کیا تھا کہ ان کی منظوری نمائندہ دستور ساز اسمبلی دیدے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے دستوری کنونشن طلب کیا جا رہا ہے۔"

اس تجویز کے مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے یہ اعلان کیا کہ دستوری کنونشن ملک میں قانون ساز ادارے کی حیثیت سے بھی کام کرے گا۔ اور اسے وہ اختیارات حاصل ہوں گے جو دستور ساز اسمبلی

کو حاصل تھے اس اعلان میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دستوری کنونشن کے ممبروں کی تعداد ۸۰ ہو گی جن میں سے ۴۰ ممبر مشرقی پاکستان کے ہوں گے اس سلسلے میں مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں کے لئے ممبران کی جو تعداد مقرر کی گئی تھی اس کے مطابق بہاولپور سے دو نمائندے لینے طے ہوئے تھے۔

دستوری کنونشن کیلئے بہاولپور کے نمائندوں کا انتخاب

فیڈرل کورٹ کے فیصلے کے بعد اب یہ گنجائش تو رہی نہیں تھی کہ بہاولپور کے لئے دستوری کنونشن میں نمائندوں کا انتخاب گورنر جنرل خود کرتے۔ البتہ چونکہ از روئے قانون دستور یہ کو ریاستی نمائندوں کے انتخاب کا حق تھا اس لئے خیال یہ کیا جاتا تھا کہ دستوری کنونشن میں جو نمائندے پاکستان کے دوسرے حصوں سے منتخب ہو کر جائیں گے وہی بہاولپور کے نمائندوں کو چنیں گے بہاولپور کے سیاسی حلقے اس صورت حالات سے مطمئن نہ تھے۔ ان کی پہلی خواہش تو یہ تھی کہ بہاولپور اسمبلی کو بحال کر کے اسے یہ اختیار دیا جائے کہ وہ خود اپنے نمائندے منتخب کر کے دستوری کنونشن میں بھیجے اس موضوع پر متعدد بہاولپور کے سیاسی لیڈروں کی طرف سے بیانات بھی شائع ہوئے لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا آخر بہاولپور کے اخبارات نے ایک مشترکہ اداریہ شائع کیا۔ جس میں اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں بہاولپور کو آئینی کنونشن میں نمائندگی سے محروم نہ کر دیا جائے یہ مطالبہ کیا گیا کہ

> "اگر بد قسمتی سے ارکان دستور یہ کے انتخاب کے معاملہ میں باشندگان بہاولپور اپنے حق رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے ہیں تو اب یہ ستم بالائے ستم نہیں ہونا چاہیئے کہ یہاں کے عوام کو مکمل اس حق سے بھی محروم کر دیا جائے۔ کہ ان کی نمائندگی کا حق ایسے لوگوں کو سونپ دیا جائے جو اس علاقے سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ بالفاظ دیگر مجلس دستور ساز (آئینی کنونشن) کو چاہیئے کہ وہ بہاولپور کے رہنے والوں میں سے ہی ان کے دو نمائندوں کا انتخاب کرے۔

اس مطالبہ کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی تھی کہ ان دنوں بعض ایسے لوگوں کے نام دستوری کنونشن کے لئے لئے جا رہے تھے جن کا بہاولپور سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مثلاً ایک نام شیخ دین محمد کا بھی لیا جا رہا تھا جو کسی زمانہ میں ریاست کے چیف جسٹس رہ چکے تھے۔

نامزدگی کا اختیار امیر بہاولپور کو مل گیا

جون کے اواخر تک دستور ساز اسمبلی کی ۸۰ میں سے ۷۲ نشستوں کا انتخاب مکمل ہو چکا تھا اور اس کا پہلا اجلاس بھی مری میں منعقد ہو چکا تھا۔ ۸ نشستیں جن کا انتخاب ابھی باقی تھا وہ ریاستوں اور قبائلی علاقوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہاولپور کی دو نشستیں بھی ان ہی میں شامل تھیں چنانچہ دستور یہ نے ان کے طریق انتخاب کی مختلف تجاویز پر غور کرنے کے بعد یہ بل منظور کیا کہ ریاستوں کے نمائندوں کی نامزدگی وہاں کے حکمران کریں گے۔ جبکہ صوبہ سرحد کے مشاورتی قبائلی کونسل کے ارکان قبائلی علاقوں کے لئے تین نمائندوں کا

انتخاب کریں گے اس طرح بہاولپور کے دو نمائندوں کی نامزدگی کا اختیار اعلیحضرت امیر بہاولپور کو حاصل ہو گیا۔

اہل بہاولپور کے لئے یہ بل خاصا مایوس کن تھا ان کی رائے میں پاکستان کے سب سے بڑے جمہوری ادارے نے جسے جمہوریت کے تحفظ کا سب سے زیادہ علمبردار ہو جانا چاہیئے تھا اہل بہاولپور کو جمہوری مراعات سے محروم کر کے نہ صرف حق و انصاف کا خون کیا تھا بلکہ جمہوریت کے نام پر [illegible] دامیال دعواطف کے پروان چڑھانے کا پورا سامان کر دیا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ آمریت کے شکنجے سے وہ ابھی تک نہیں نکلے۔ ان کے لئے یہ امر بھی بہت سوہان روح تھا کہ ریاست بہاولپور جس نے بڑی جدوجہد کے بعد جمہوری حقوق حاصل کئے تھے اور ترقی کی طرف گامزن تھی اسے سرحد کی ان ریاستوں کے زمرے میں شامل کر دیا گیا جو کسی لحاظ سے بہاولپور کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

بہرکیف امیر بہاولپور نے اپنے اختیارات خصوصی سے جو انہیں دستور ریسنے دیئے تھے دستور ریکے لئے بہاولپور سے سید احمد نواز شاہ اور چوہدری عبدالسلام کو نامزد کر دیا۔ متذکرہ بالا جذبات و احساسات کے باوجود یہ نامزدگی اہل بہاولپور کے لئے اس وجہ سے قابل قبول تھی کہ ان دونوں حضرات کا تعلق ریاست بہاولپور سے تھا۔

مرکز میں رد و بدل

پاکستان کی مرکزی حکومت جہاں نئی دستور ریکی تشکیل اور مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بنانے کے سلسلہ میں صد درجہ جوڑ توڑ میں مصروف تھی وہاں مشرقی پاکستان کے حالات بھی پوری طرح اسکے قابو میں نہیں آتے تھے حالانکہ محمد علی بوگرہ کا بطور وزیر اعظم اور مسٹر حسین شہید سہروردی کا بطور وزیر قانون اسی امید پر تقرر کیا گیا تھا کہ وہ وہاں کے حالات کو رو براہ لانے میں کامیاب ثابت ہوں گے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان جہاں غیر معمولی حالات کی وجہ سے گورنری راج قائم تھا اسے ختم کرنے کے لئے بھی وزیر اعظم محمد علی نے جرأت سے کام لیا اور مسٹر فضل الحق کے ایماء سے مسٹر ابو حسین سرکار کو نئی وزارت بنانے کی دعوت بھی دی۔ لیکن حالات میں پھر بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان تفوق و برتری کی جو رسہ کشی جاری تھی وہ ختم نہ ہوئی۔ ادھر مسٹر محمد علی بوگرہ جو زیادہ ہی آزاد خیال قسم کے انسان تھے اس کشمکش میں مشرقی پاکستان سے خود کو سرخرو نہ کر سکے تو وہ پاکستان کی وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ چوہدری محمد علی نے لی۔ لیکن اسی تبدیلی کے ساتھ ہی مسٹر غلام محمد کو بھی گورنر جنرلی سے استعفیٰ دینا پڑا۔ وہ ویسے بھی کافی عرصہ سے مفلوج تھے اور گورنر جنرلی کی ذمہ داریوں کا بوجھ خود نہیں اٹھا سکتے تھے اسی لئے ان کی جگہ پاکستان کے وزیر داخلہ میجر جنرل سکندر مرزا کو پاکستان کا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ ان کی اس تقرری میں سب سے بڑی مصلحت یہ سامنے رکھی گئی تھی کہ ان کا اگر قریبی نہیں تو بعید ہی بنگال سے رشتہ تھا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ متذکرہ بالا رد و بدل میں مسٹر سہروردی مرکزی کابینہ کے رکن نہیں رہے تھے اور اس دفعہ کابینہ میں ان کی عدم شرکت کی وجہ یہ تھی کہ انہیں بعض قانونی امور میں مغربی پاکستان کے بعض لیڈروں سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے خاص طور پر مشرقی پاکستان کے سلسلے میں مرکزی حکومت جس پالیسی پر گامزن تھی اس سے انہیں اتفاق نہیں تھا۔ دوسری ایک اہم تبدیلی جو مرکزی کابینہ میں ہوئی تھی وہ صوبہ سرحد کے ڈاکٹر خان کی اس میں شمولیت تھی انہیں

مواصلات، سرحدی و ریاستی امور کا محکمہ سپرد کیا گیا تھا۔

ایک یونٹ کا قیام

مغربی پاکستان کو ایک انتظامی وحدت میں مربوط و متشکل کرنے کا جو بل مجلس دستور ساز میں پیش کیا گیا تھا وہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل پاکستان مسٹر اسکندر مرزا کی توثیق کے بعد نافذ العمل ہو گیا تھا۔ اور اس طرح مغربی پاکستان کی صدیوں پرانی مگر غیر قدرتی حدود ختم کر کے اور تمام اکائیوں کو باہم ملا کر ایک عظیم وحدت کی بنیاد ڈال دی گئی تھی۔ جو مساوی طور پر سب کی فلاح و بہبود کی ضامن اور سب کی قوت و توانائی کی ذمہ دار قرار دی گئی تھی۔ اس منصوبے کا سب سے روشن اور دلکش پہلو یہ تھا کہ اس کے بروئے کار آنے سے رنگ و نسل کے امتیازات اور علاقائی تعصبات کی فولادی دیواریں منہدم ہو جائیں۔ نہ کسی کو اپنی فرد تنی اور کم مائیگی کا گلہ ہو اور نہ کوئی احساس برتری میں مبتلا ہو کر دوسروں کی راہ میں رکاوٹ ڈال سکے۔ نیز جو لوگ ترفع و خوشحالی کے جویا ہیں وہ اپنے محدود دائروں سے نکل کر مغربی پاکستان کے پورے وسیع و عریض خطے میں اپنی قسمت آزمائی کر سکیں۔ اور کوئی ان سے نہ کہہ سکے کہ چونکہ وہ سرحدی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہیں سندھ کی سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں مزید براں پاکستان کے استحکام و بقا میں جہاں پہلے جداگانہ اور انفرادی کوششیں بروئے کار آتی تھیں وہاں اب یکجہتی اور اجتماعی قوت صرف ہو۔

ان خوش آئند توقعات کے پیش نظر کون محب وطن پاکستانی ایسا ہو گا جو اس منصوبے کا خیر مقدم نہ کرتا۔ چنانچہ اہل بہاولپور بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور انہوں نے اس کو پروان چڑھانے میں بے پناہ ایثار و خلوص کا ثبوت دیا لیکن جہاں تک ایک یونٹ کے نظام اور اس کے انتظامی ڈھانچہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں اہل بہاولپور کو بہت سی شکایات تھیں۔ اب ان کے سامنے جو مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا وہ یہاں کے ملازمین کی کھپت کا تھا۔ یہ صورت حالات ان کے لئے سخت مایوس کن تھی کہ مغربی پاکستان کے سیکرٹریٹ میں بہاولپور سے صرف ایک شخص[1] کو بطور انڈر سکرٹری لیا گیا تھا اور کسی کو اس قابل نہیں سمجھا گیا تھا کہ اسے سکرٹریٹ کے اعلیٰ منصب پر متمکن کیا جاتا۔ اس سلسلے میں بہاولپور کی طرف سے کافی احتجاجی آوازیں بلند ہوئیں لیکن ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا یہی وجہ تھی کہ جب ایک یونٹ کے قیام کے سلسلہ میں انتظامی کونسل تشکیل دی گئی تھی تو اہل بہاولپور نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس میں بہاولپور کی معقول نمائندگی کا اہتمام کیا جائے۔ مسٹر اے۔ آر خان مشیر اعلیٰ اس کونسل کے رکن تھے جو حقیقتاً مرکز کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے اہل بہاولپور کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتے تھے بہاولپور کے برعکس دوسرے صوبوں میں چونکہ عوامی حکومتیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں اس لئے وہاں اس نوعیت کی شکایات پیدا نہیں ہوئیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے ملازمین کو آئندہ ملازمتوں کا تحفظ دینے کے لئے ایک یونٹ کے قیام سے پہلے پہلے بہت سے لوگوں کو ترقیاں دے دیں اور بہت سے عارضی ملازموں کو مستقل کر

---

[1] یہ صاحب احسان الحق صاحب حقی تھے جو ریاست بہاولپور میں چیف سکرٹری کے عہدے پر مامور رہے تھے۔

کردیا تاکہ ایک یونٹ کے نظام میں انہیں صحیح مقام مل سکے۔ بہرحال بہاولپور کے سکرٹریٹ کے ملازمین کا ایک قافلہ جنہیں ایک یونٹ کے انتظام کے تحت مختلف محکموں میں کھپایا گیا تھا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ریلوے کی ایک سپیشل بوگی کے ذریعہ لاہور روانہ ہوگیا۔ اسٹیشن پران کے عزیز و اقارب اور احباب کی بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے انہیں بادیدۂ نم الوداع کیا۔

ریاست کی انفرادیت کا خاتمہ

اس اعلان کے ساتھ ہی جو مغربی پاکستان کے تمام حصوں، ریاستوں اور قبائلی علاقوں کو ایک وحدت میں مدغم کرنے کے لئے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل پاکستان کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ ریاست کی منفرد حیثیت بھی ختم ہوگئی اور عباسیوں کی تین سو سالہ حکمرانی کا دور بھی ختم ہوگیا۔ نواب سر صادق محمد خاں خامس ریاست کے آخری فرمانروا تھے اور ان کی حکمرانی کا عرصہ تقریباً ۵۰ سال پر محیط تھا۔ ریاست کے مغربی پاکستان میں انضمام کے بعد ان کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی رہ گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے انہیں ۳۲ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ دینا منظور کیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ مراعات اور ذاتی املاک پران کے تصرف کا حق تسلیم کیا تھا۔

ریاست بہاولپور اب مغربی پاکستان کے ایک ڈویژن کی حیثیت سے تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہوگئی تھی اور اس کی تاریخی، تمدنی اور تہذیبی روایات کا مخصوص قالب تبدیل ہوگیا تھا۔

امیر بہاولپور کا آخری پیغام

جس وقت وحدت مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا اعلیحضرت امیر بہاولپور لندن میں مقیم تھے۔ انہوں نے وہیں سے اس موقع پر باشندگان بہاولپور کے نام ایک پیغام ارسال کیا جس کا متن درج ذیل ہے۔

"میرے خاندان اور آپ کے مابین جو تعلقات پچھلے چند سو سال سے آرہے تھے ان کے ختم ہونے کا وقت آگیا ہے۔ میں اس موقع پر محبت اور استحسان کے پرخلوص جذبات کے ساتھ آپ کی محبت، تعظیم، وفاداری اور تعاون کا جو آپ کم و بیش پچاس سال تک میرے ساتھ روا رکھتے رہے ہیں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ اپنے محبوب وطن پاکستان کیساتھ اپنی دوستی اور وفاداری میں آپ کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

"مجھے آپ کی ترقی اور خوشحالی سے انشاء اللہ تادم زیست اک گونہ دلچسپی رہے گی میری دعا ہے کہ رحمٰن ورحیم آپ پر ہمیشہ اپنا فضل و کرم فرمائے آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو ہمیشہ سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔"

باب دوازدہم

نئے دور کا آغاز

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ایک یونٹ کے قیام کے بعد بہاولپور اب مغربی پاکستان کا ایک ڈویژن بن گیا تھا اور اسے اب ریاستی سیاست سے باہر نکل کر پورے مغربی پاکستان کی سیاست میں حصہ لینا تھا۔ چنانچہ اس کا آغاز ایک یونٹ کی اسمبلی کے انتخابات سے ہوا۔

ایک یونٹ کی اسمبلی کے لئے بہاولپور کے نمائندوں کے انتخاب کا مسئلہ

یہ تو طے پا چکا تھا کہ ایک یونٹ کی اسمبلی میں بہاولپور کے نمائندوں کی تعداد ۲۳ ہوگی لیکن ان کے طریقِ انتخاب کا مسئلہ ہنوز لاینحل تھا۔ پہلے یہ طے کیا گیا تھا کہ ریاست کے ڈسٹرکٹ بورڈ بہاولپور کے نمائندوں کا انتخاب کریں گے لیکن جب یہ قانونی نکتہ سامنے آیا کہ ان کی معیاد ختم ہو چکی ہے اور اب ان کی جانب سے کی جانے والی کسی کارروائی کا قانونی جواز مشکل ہے تو اس مطالبہ نے پھر زور پکڑ لیا کہ بہاولپور کی اسمبلی کو بحال کیا جائے اور اسی کو انتخابی ادارہ تسلیم کیا جائے۔ پنجاب کی اسمبلی بھی جو کچھ عرصہ قبل معطل کر دی گئی تھی اس مقصد کے لئے بحال کر دی گئی تھی۔ اس لئے توقع یہی تھا کہ ایک یونٹ کی اسمبلی میں بہاولپور کے نمائندوں کے انتخاب کے لئے بہاولپور کی اسمبلی کو ہی بحال کرنا پڑے گا۔ چنانچہ عین انتخابات کے وقت محض انتخابی ادارہ کے طور پر استعمال کرنے کے لئے بہاولپور کی اسمبلی بحال کی گئی جو انتخابی کارروائی کے بعد فوراً ہی ختم ہو گئی۔

انتخابی مہم

جب یہ طے پا گیا کہ بہاولپور اسمبلی سے ہی انتخابی ادارہ کا کام لیا جائے گا۔ تو بہاولپور میں انتخابی سرگرمیاں خاصی شد و مد سے شروع ہو گئیں۔ مسلم لیگ کے علاوہ جناح عوامی لیگ آزاد پاکستان پارٹی، جماعت اسلامی اور بعض آزاد امیدوار اس مہم کو سر کرنے کیلئے سرگرم عمل تھے ایک مرحلہ پر مسلم لیگ اور جناح عوامی لیگ کے مصالحت کی بھی شکل پیدا ہوئی اور مخدوم زادہ حسن محمود اور میاں نظام الدین حیدر نے مل کر موزوں امیدواروں کو کامیاب کرانے کا عہد کیا لیکن آگے چل کر یہ مصالحت قائم نہ رہ سکی اور ہر ایک اپنے طور پر انتخاب جیتنے کی کوشش کرنے لگا۔ تمام سیاسی پارٹیوں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی پوزیشن زیادہ مضبوط تھی۔ لیکن مسلم لیگ کے لیڈر مخدوم زادہ کو لغاری گروپ کی

میاں نظام الدّین حیدر

مخدوم زادہ حسن محمود

مخدوم حمیدالدّین حاکم

احمد نواز شاہ گردیزی

مخدوم نورُ محمد

سردار محمد ایوبؔ خان

کی مخالفت کا سامنا تھا۔ سردار محمد افضل خاں لغاری کا اپنی وزارت سے برطرفی کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا۔ بہرحال ۱۲ / ۱۱ جنوری ۱۹۵۶ء کو ۲۳ نشستوں کے لئے ۴۷ امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے جن میں سے ۴۶ ریاستی اسمبلی کے ارکان تھے۔ یعنی صرف ۲ ارکان ایسے تھے جنہوں نے ان انتخابات سے خود کو الگ رکھا تھا۔ ایک تو رحیم یار خاں کے جماعت اسلامی کے رکن چوہدری برکت علی تھے اور دوسرے اقلیتی فرقہ کے نمائندہ دوار کا داس تھے ایک یونٹ اسمبلی میں بہاولپور کے لئے ایک زنانہ نشست بھی رکھی گئی تھی جس کے لئے بیگم احسان الحق حقی۔[1] بیگم سید احمد[2] اور بیگم ڈاکٹر محمد دین[3] نے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔

انتخابات اور اس کے نتائج

۹ / ۱۰ جنوری ۱۹۵۶ء کو مغربی پاکستان کی پہلی عبوری اسمبلی کے انتخابات عمل میں آئے۔ نتائج کے اعتبار سے سابق ریاست بہاولپور کے تینوں اضلاع رحیم یار خاں۔ بہاولنگر اور بہاولپور میں مسلم لیگی امیدواروں کی اکثریت کامیاب ہوئی۔ ۲۳ میں سے ۱۸ نشستیں مسلم لیگی ممبران نے حاصل کرلیں باقی پانچ نشستوں میں سے تین نشستیں عوامی لیگ کے امیدواروں کو اور دو نشستیں آزاد امیدواروں کو ملیں۔

ویسے مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو تینوں اضلاع میں تین مختلف گروپ کامیاب ہوئے تھے۔ ضلع رحیم یار خاں میں مخدوم زادہ گروپ۔ بہاولنگر میں مخدوم زادہ کے ساتھ دولتانہ گروپ بھی کامیاب ہوا اور بہاولپور میں علامہ ارشد گروپ کو واضح اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی تھی دراصل ضلع بہاولپور میں ۱۶ ممبران اسمبلی تھے جنہیں ۹ ممبران کو چننا تھا۔ یہاں بھی مخدوم زادہ کی پوزیشن خاصی مضبوط تھی لیکن عین وقت پر ایک لیگی ممبر شیخ فضل الرحمٰن نے مخدوم زادہ سے بغاوت کرکے علامہ ارشد اور ان کے ساتھیوں کو کامیاب کرا دیا۔

تینوں اضلاع سے کامیاب ہونے والے ارکان اسمبلی کے نام یہ تھے۔

ضلع رحیم یار خاں ——— مخدوم زادہ سید حسن محمود۔ مخدوم محسن شاہ۔ نبی بخش ناریجہ۔ حاجی اللہ ڈوایا۔
مخدوم حمید الدین حاکم۔ اللہ بخش عباسی اور سردار محمد ایوب خاں۔

ضلع بہاولنگر ——— بشیر احمد چیمہ۔ چوہدری عبد الغنی۔ محمد افضل باجوہ۔ فتح محمد لالیکا۔ محمد بخش لکھویرا

---

[1] احسان الحق حقی چیف سکریٹری ریاست بہاولپور کی اہلیہ یہ بہاولپور اسمبلی کی بھی رکن منتخب ہوئی تھیں۔

[2] خاں بہادر سید احمد فنانشل کمشنر ریاست بہاولپور کی اہلیہ چونکہ مخدوم زادہ نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد خاں بہادر صاحب کی ایک صاحبزادی سے نکاح کر لیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ مخدوم زادہ کی ساس بھی تھیں۔

[3] ڈاکٹر محمد دین ریاست بہاولپور کے ہیلتھ آفیسر اور بی۔ وی ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ بھی رہے تھے۔ یہ ان کی اہلیہ تھیں۔

محمد یار چشتی۔ حاجی شیر محمد۔

ضلع بہاولپور ——— علامہ ارشد۔ سردار محمود خاں۔ میاں محمد قاسم اویسی۔ چوہدری فرزند علی۔ بیگم زبیدہ احسان الحق حقی۔ شیخ فضل الرحمٰن۔ بہادر سلطان۔ ملک برخوردار اور سلطان حبٹ۔

انتخابی عذرداری

ضلع بہاولپور کے انتخابی نتائج کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے اپنے مخالف افراد کے خلاف یہ الزام لگایا تھا کہ انہوں نے بہاولپور اسمبلی میں اقلیتوں کے نمائندہ مسٹر دوار کا درس کو اغوا کر کے اسے ووٹ کے حق سے محروم کر دیا۔ وہ ان کا پکا ووٹ تھا اگر اسے ووٹ دینے کا موقع ملتا تو ان کے مخالف کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی پس منظر میں مسٹر دوار کا درس نے بہاولپور کے تمام کامیاب ارکان کے خلاف فروری کے اواخر میں ایک انتخابی عذرداری دائر کی جس میں کامیاب ارکان پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے انتخاب کے دوران انہیں حبس بے جا میں رکھا اور دھمکیوں سے مرعوب کر کے ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیا۔ لالہ دوار کا درس نے اخبارات کے ذریعہ اپنے اغوا کی داستان بھی بیان کی تھی جس کا لب لباب یہ تھا کہ

"سردار محمد افضل خاں لغاری ضلع بہاولپور میں اپنی پارٹی کو ووٹ دینے کے لئے مجھے مجبور کرتے رہے اور طرح طرح کی دھمکیاں بھی دیتے رہے لیکن میں نے صاف صاف جواب دیدیا۔ انہوں نے میرے ایک دوست سے سازش کر کے ۲۳ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو مجھے میری بستی ڈیرہ شمس سے اپنی حراست میں لے لیا اور مجھے بہاولپور لے آئے یہاں مجھے مختلف مقامات پر اپنے پاس حراست میں رکھا گیا مجھ پر کڑی نگرانی کی گئی۔ اور دھمکیوں سے مرعوب کیا جاتا رہا۔

" ۱۹ر جنوری ۱۹۵۶ء کو بھی انتخاب کے دن مجھے کڑی نگرانی میں محبوس رکھا گیا اور مجھے حق رائے دہندگی سے محروم کر دیا گیا۔ آخر کار ۲۸ر جنوری کو میرے لواحقین نے مجھے لغاری گروپ کے پنجے سے نجات دلائی۔"

بعد میں مسٹر دوار کا داس نے اپنی عذرداری کی پیروی نہیں کی اور جو انتخابی نتائج برآمد ہو چکے تھے ان کو سب نے ہی تسلیم کر لیا۔

بہاولپور کے پہلے کمشنر

ایک یونٹ میں شامل ہونے کے بعد ریاست بہاولپور کی حیثیت مغربی پاکستان کے ایک ڈویژن کی ہوئی تو اس ڈویژن کا پہلا کمشنر سید ہاشم رضا صاحب کو مقرر کیا گیا ان کی اس تقرری کا فیصلہ تو شروع اپریل ۱۹۵۵ء میں ہی ہو گیا تھا۔ لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر دسمبر ۱۹۵۵ء تک مسٹر اے آر خاں ہی بطور قائم مقام کمشنر کام کرتے رہے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں سید ہاشم رضا صاحب نے بہاولپور ڈویژن کے کمشنر کی حیثیت سے چارج لیا اگرچہ سید صاحب ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء تک صرف ایک سال بہاولپور میں رہے لیکن اس مختصر

عرصہ میں انہوں نے اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں۔ بہترین اخلاقی اقدار اور علم نوازی و ادب پروری کے جو نقوش یہاں چھوڑے وہ آج ۱۴ سال گذرنے کے بعد بھی روز اول کی طرح درخشندہ ہیں اور اہل بہاولپور جب بھی ان کا ذکر کرتے ہیں تو عقیدت و احترام اور یگانگت و محبت کے جذبات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ انہوں نے بہاولپور کا چارج لینے کے بعد اخبار نویسوں سے پہلی ملاقات میں یہ کہا تھا کہ

"جن اخبارات نے اپنے مضامین میں میرا خیر مقدم کیا ہے میں ان کی قدر کرتا ہوں لیکن حقیقتاً مجھے اُن تعریفی مضامین سے خوشی ہوگی جو میرے سبکدوش ہونے کے بعد لکھے جائیں گے"

اور یہ واقعہ یہ ہے کہ سید صاحب بہاولپور کے پہلے اور آخری کمشنر تھے جن سے اہل بہاولپور کا تعلق بدستور قائم ہے۔ نہ سید صاحب نے انہیں بھلایا ہے اور نہ اہل بہاولپور نے انہیں فراموش کیا ہے۔ بہاولپور کی سابقہ انتظامی خوبیوں کا ذکر ہو۔ یا سرکاری سطح پر ادبی و علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کی بات سید ہاشم رضا کا نام لئے بغیر گفتگو آگے نہیں چلتی۔

ایک یونٹ کے گورنر اور وزیر اعلیٰ

ایک یونٹ کے قیام سے پہلے ہی ایک یونٹ کے گورنر کے لئے نواب مشتاق احمد گورمانی اور وزارت اعلیٰ کے لئے ڈاکٹر خان صاحب کا انتخاب ہو چکا تھا اور انہوں نے کام بھی شروع کر دیا تھا۔ گورمانی صاحب تو اس سے پہلے بھی پنجاب کے گورنر تھے۔ البتہ ڈاکٹر خان صاحب جنہیں کچھ عرصہ پہلے مرکزی کابینہ کا رکن بنایا گیا تھا ایک یونٹ کے وزیر اعلیٰ نامزد ہوئے تو سیاسی حلقوں میں اسکے متعلق خاصی چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر خان صاحب تقسیم ملک سے پہلے کٹر کانگرسی تھے۔ انہوں نے تحریک پاکستان کی بھی مخالفت کی تھی۔ تقریباً آٹھ سال تک گوشۂ تنہائی میں وقت گذارنے کے بعد انہوں نے سیاست میں قدم رکھا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ سکندر مرزا نے اپنی دوستی کی بنا پر انہیں پاکستان کی سیاست میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا مرکزی کابینہ میں بھی ان کی شمولیت کا سبب یہی تھا اور اب مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ بنایا جانا بھی اسی دوستی کا مرہون منت تھا دیسے بعض لوگ انہیں ایک غیر جانبدار اور آزاد خیال سیاستداں سمجھتے ہوئے یہ رائے رکھتے تھے کہ ایک یونٹ کے وزیر اعلیٰ کے لئے ان کا انتخاب نہایت موزوں ہے اور وہ واحد شخص ہیں جو علاقائی اور صوبائی تعصبات سے بالاتر ہو کر تمام مغربی پاکستان کے لئے خلوص و دیانت کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک یونٹ کے قیام کی وجہ سے افغانستان میں اس کا جو رد عمل ظاہر ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر خان کے تقرر سے اس کے اثرات بھی زائل ہو سکیں گے اور وہ یہ دیکھ کر کہ ایک پٹھان بھائی کو تمام مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا ہے۔ وہ پٹھانوں کے علیحدہ صوبہ کا مطالبہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود ایک طبقہ ملک میں ایسا موجود تھا جو ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کی وزارت اعلیٰ کا منصب سونپنے سے خوش نہ تھا وہ اسے مسلم لیگ کے مستقبل کے لئے خطرہ کی ایک گھنٹی سمجھتا تھا۔

مسلم لیگ کا زوال

مسلم لیگ کے زوال کا آغاز تو مشرقی پاکستان کے انتخابات کے وقت ہی ہو گیا تھا۔ وہاں تمام مخالف پارٹیوں نے ایک متحدہ محاذ بنا کر مسلم لیگ کا مقابلہ کیا تھا اور اسے شکست دیدی تھی مغربی پاکستان کے حالات اگرچہ ابھی ایسے خراب نہیں ہوئے تھے۔ یہاں ابھی تک تمام صوبوں میں مسلم لیگی حکومتیں قائم تھیں مرکز میں بھی مسلم لیگ کا ہی اقتدار تھا لیکن جب سے دستور ساز اسمبلی توڑی گئی تھی اور تمام صوبوں کو ملا کر ایک یونٹ بنانے کے لئے مختلف صوبوں میں جوڑ توڑ شروع ہوا تھا اس وقت سے اس حصہ ملک میں بھی مسلم لیگ کا مستقبل خاصا مخدوش ہو گیا تھا۔ خاص طور پر مرکز میں خواجہ ناظم الدین کی وزارت کی برطرفی سے جماعتی تنظیم و نسق کو بڑا دھچکا لگا تھا۔ اس کے بعد پے در پے کئی وزارتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں کبھی محمد علی بوگرہ وزیر اعظم بنے اور کبھی چوہدری محمد علی کو وزارت عظمیٰ کے سنگھاسن پر بٹھا دیا گیا۔ اس تمام اکھیڑ پچھاڑ میں مسلم لیگ بے بس رہی۔ جماعتی سطح پر اس سے مشورہ کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ چاہیئے یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے بعد اسے زیادہ موثر انداز میں منظم کرنے کی کوشش کی جاتی اور جو خرابیاں اس میں راہ پا گئی تھیں انہیں دور کیا جاتا۔ لیکن اس کی فرصت ہی کسے تھی۔ علاوہ ازیں جن مقتدر حضرات نے مشرقی اور مغربی پاکستان پر مسلط ہو کر انداز میں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مرکز میں ایسے عناصر کو شامل کر لیا تھا جنہیں نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ اسے پھلتا پھولتا دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ سید حسین شہید سہروردی نے سب سے زیادہ مسلم لیگ کی جڑیں کھوکھلی کی تھیں انہیں محض مشرقی پاکستان کو قابو میں رکھنے کے خیال سے مرکزی وزارت میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر خانصاحب کی مسلم لیگ دشمنی اظہر من الشمس تھی۔ قیام پاکستان سے پہلے صوبہ سرحد میں ان کی حکومت تھی جو کانگریس کی حمایت سے قائم تھی۔ انہوں نے پاکستان کے مسئلہ پر استصواب رائے عامہ کے وقت بھی مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی تھی۔ اس کے باوجود انہیں مرکز میں شامل کر لیا گیا۔

ری پبلکن پارٹی کا قیام

مرکز کی یہ گنگا جمنی حکومت ہی مسلم لیگ کا وقار ختم کرنے کے لئے کم نہ تھی کہ نئے آئین کے تحت سکندر مرزا جب جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے تو گورنر جنرل صاحب کے مشورے سے ایک نئی ملک گیر سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس کا نام ری پبلکن پارٹی رکھا گیا۔ خیال یہ تھا کہ مسلم لیگ کے تابعدار قسم کے ارکان تو اس میں شریک ہو ہی جائیں گے ساتھ ہی ایسے لوگوں کو بھی جنہیں مسلم لیگ کے نام سے چڑ ہے اس میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔ ڈاکٹر خان صاحب کا نام ایسے لوگوں میں سر فہرست تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ادھر ڈاکٹر خان صاحب کے توسط سے جنہیں پورے مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ بنایا جا چکا ہے۔ ری پبلکن پارٹی مغربی پاکستان میں مسلم لیگ کی جگہ لے گی۔ ادھر مشرقی پاکستان کی بہت سی پارٹیوں کے ارکان بھی اس میں شامل ہو جائیں گے اور اس طرح یہ پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن کر سکندر مرزا صاحب کے اقتدار کو دوام بخش سکے گی اسی منصوبے کے تحت مسلم لیگ کی صدارت جو اب تک وزارت عظمیٰ کا لازمی جزو سمجھی جایا کرتی تھی پہلی مرتبہ وزارت عظمیٰ سے علیحدہ کی گئی اور سردار عبدالرب نشتر اس کے صدر منتخب ہوئے

سیاسی بحران

سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے پرانے مسلم لیگی اس سازش سے بے خبر نہ تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ ساری کاروائی مسلم لیگ کو ختم کرنے کے لئے کی جا رہی ہے چنانچہ سردار عبدالرب نشتر نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے یہ ہدایت جاری کی کہ مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے منتخب شدہ لیگی ارکان کا فوراً اجلاس بلایا جائے اور لیگ پارلیمانی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا جائے۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے دو سو سے زائد ارکان نے مسلم لیگ کے عہدنامے پر دستخط کر دیئے تھے۔ ایک فارم ڈاکٹر خان صاحب کو بھی بھیجا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے نہ دستخط کئے اور نہ فارم واپس بھجوایا۔ آخر اپریل ۱۹۵۶ء کے پہلے ہفتے میں مغربی پاکستان اسمبلی کے مسلم لیگی ارکان نے لیگ پارلیمانی پارٹی بنا کر سردار بہادر خاں کو اپنا لیڈر منتخب کر لیا اور ساتھ ہی یہ قرارداد بھی منظور کر لی۔ کہ مغربی پاکستان میں کوئی وزیر یا وزیر اعلیٰ غیر لیگی نہیں بن سکتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد گورنر مغربی پاکستان اکثریت کے لیڈر ہونے کی حیثیت سے سردار بہادر خاں کو وزارت بنانے کی دعوت دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس کے برعکس ڈاکٹر خاں صاحب نے اپنی کابینہ میں توسیع کا اعلان کر دیا۔ جو نئے وزیر کابینہ میں لئے گئے تھے۔ وہ سب مسلم لیگی تھے۔ مخدوم زادہ سید حسن محمود کا نام بھی ان میں شامل تھا

(واضح ہو کہ اس سے پہلے جماالیو سے چوہدری عبدالسلام میر ترابہ حسین اور نظام الدین حیدر نے کراچی میں جب ڈاکٹر خان صاحب سے ملکر مخدوم زادہ کے کارنامے بیان کئے تھے تو انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایسے شخص کو اپنی کابینہ میں ہرگز شامل نہیں کرینگے اب ایکطرف لیگ پارٹی ڈاکٹر خان کے اس اقدام کو غیر آئینی قرار دے رہی تھی اور یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ سردار بہادر کو وزارت کی دعوت دیجائے اور دوسری طرف ڈاکٹر خان صاحب یہ گیدڑ بھبکی دے رہے تھے کہ اگر مفاد پرست طبقہ نے انکی راہ میں روڑے اٹکائے تو وہ صوبائی اسمبلی کو توڑنے کا مشورہ دینگے

اس کشمکش نے ایک سیاسی بحران کی صورت اختیار کر لی۔ چوہدری محمد علی وزیر اعظم پاکستان اگرچہ مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو چکے تھے لیکن ری پبلکن پارٹی میں شمولیت پر وہ بھی ابھی آمادہ نہیں ہوئے تھے البتہ فیروز خاں نون اس سلسلے میں بڑی سنجیدگی سے کوشش کر رہے تھے وہ خود بھی ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو چکے تھے اور دوسروں کو بھی اس میں شمولیت کے لئے ترغیب دے رہے تھے لیکن میاں ممتاز دولتانہ ان کی راہ میں حائل تھے پنجاب کے ممبروں کی اکثریت ان کے ساتھ تھی۔ سردار بہادر خاں کو بھی انہوں نے ہی آگے کیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مغربی پاکستان کی کوئی حکومت ان کی تائید و حمایت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی ڈاکٹر خاں نے ان کے توڑ کے لئے نواب ممدوٹ کو اپنی کابینہ میں شامل کیا تھا یہ دولتانہ کے پرانے حریف تھے لیکن ابھی تک ری پبلکن پارٹی کی پوزیشن مضبوط نہ ہو سکی تھی بلکہ سیاسی بحران برابر بڑھ رہا تھا۔ ایک دفعہ تو مرکزی حکومت اس صورت حالات سے مجبور ہو کر صوبائی اسمبلی کو توڑنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ لیکن پھر جب قومی اسمبلی میں ری پبلکن پارٹی کی تعداد بڑھتی دیکھی تو یہ توقع پیدا ہوئی کہ عنقریب صوبائی اسمبلی میں بھی ری پبلکن پارٹی ایک موثر حیثیت حاصل کرے گی مئی ۱۹۵۶ء کے آغاز تک قومی اسمبلی کے ۸۰ ممبروں میں سے ۲۰ ممبر ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو چکے تھے اور مزید ممبروں کے اس میں شامل ہونے کی امید تھی۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ مغربی پاکستان اسمبلی کے مسلم لیگی ارکان کو ری پبلکن پارٹی میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ری پبلکن پارٹی کے لئے حسن محمود کی خدمات

اس خدمت پر جن لوگوں کو مامور کیا گیا تھا ان میں مخدوم زادہ حسن محمود کا نام سرفہرست تھا۔ یہ ابھی چند دن پہلے ڈاکٹر خان کی کابینہ میں بھی شامل کئے گئے تھے جس کے بعد ان پر ڈاکٹر خان اور ری پبلکن پارٹی کی خدمت کا فرض ویسے ہی عائد ہو گیا تھا۔ اس لئے مسلم لیگیوں کو شدھی کرنے کے محاذ پر انہوں نے زبردست سرگرمیوں کو مظاہرہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے بہاولپور کا رخ کیا یہاں ۲۳ میں سے ۱۸ ممبر مسلم لیگی تھے۔ سردار عبدالرب نشتر کے صدر بننے کے بعد چوہدری فرزند علی اور بیگم احسان الحق حقی نے بھی مسلم لیگ میں شمولیت کر لی تھی اور بہاولپور کے مسلم لیگی ممبران اسمبلی کی تعداد ۲۰ ہو گئی تھی لیکن مخدوم زادہ نے ایسا چکر چلایا کہ دو تین ممبروں کو چھوڑ کر باقی سب مسلم لیگی ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو گئے مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ری پبلکن کو ایسی ہی کامیابیاں حاصل ہوئیں اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے مغربی پاکستان کی اسمبلی میں مسلم لیگ کے مقابلے میں ری پبلکن پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گئی اور سردار بہادر خاں اپنے چند مسلم لیگی ساتھیوں کے ساتھ قائد حزب اختلاف بن گئے۔ گویا وہ مسلم لیگ جس نے حصول پاکستان کے بعد آٹھ سال تک پورے پاکستان میں انا ولا غیری اور کوس لمن الملک کا نعرہ لگایا تھا وہ اب اقتدار سے محروم ہو کر حزب اختلاف یعنی اقلیتی جماعت میں تبدیل ہو گئی تھی

مرکزی قیادت میں تبدیلی

مرکز میں جو مخلوط وزارت مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ کی شرکت سے قائم تھی۔ اس کی ہئیت بھی اب تبدیل ہو چکی تھی۔ مغربی پاکستان کی طرف سے جو ممبران مرکزی اسمبلی میں موجود تھے ان میں سے بیشتر ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو چکے تھے اور مشرقی پاکستان کے ممبران کی اکثریت عوامی لیگ کی تھی گویا یہ مخلوط وزارت عملی طور پر ری پبلکن پارٹی اور عوامی لیگ پر مشتمل تھی کیونکہ ۸۰ کے ہاؤس میں ۱۲ ممبر متحدہ محاذ کے، ۲۱ ممبر ری پبلکن پارٹی کے اور ۱۱ ممبر مسلم لیگ کے تھے۔

اس صورت حالات کے پیش نظر مرکزی قیادت میں تبدیلی ناگزیر تھی چوہدری محمد علی وزیراعظم پاکستان کے لئے ایک ہی راستہ تھا کہ یا تو وہ ری پبلکن پارٹی میں شمولیت اختیار کر لیں یا وزارت سے مستعفی ہو جائیں اگرچہ وہ مسلم لیگ کی صدارت سے پہلے ہی مستعفی ہو چکے تھے لیکن مسلم لیگ کی رکنیت انہوں نے ختم نہیں کی تھی بہر حال مسلم لیگ کے ممبر رہتے ہوئے اب ان کا وزارت عظمٰی کے عہدے پر متمکن رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ری پبلکن پارٹی میں شمولیت کو پسند نہ کیا اور وزارت عظمٰی سے ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء کو استعفٰی دے دیا اس کے کچھ دن بعد مسٹر حسین شہید سہروردی جو اب تک قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کرتے رہے تھے قائد حزب اقتدار اور وزیراعظم پاکستان بن گئے۔

اس انقلاب کی ذمہ داری کن لوگوں پر عائد ہوتی ہے اور مسلم لیگ کی غیر مقبولیت کا کیا پس منظر ہے؟ اگر اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو صفحات کے صفحات سیاہ ہو جائیں یہاں مختصراً صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ کی جو سیاسی قوت قیام پاکستان سے پہلے تھی وہ قیام پاکستان کے بعد باقی نہ رہی ان لوگوں کو اس کے ذریعہ

اقتدار میسر آیا تھا انہوں نے اپنے اقتدار کے استحکام کی تو فکر کی لیکن اس جماعت کے اعتبار ووقار میں اضافے کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ اس کی ہردلعزیزی اور مقبولیت کو اپنے جاہ و منصب کی بھینٹ چڑھا دیا۔

جمہوریت سے آمریت کی طرف

چوہدری محمد علی کا عہد وزارت اگرچہ بہت مختصر تھا لیکن اس عرصہ میں جو کارنامہ ان کے ہاتھوں سرانجام پایا وہ پاکستان کے دستور کی تدوین کا تھا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو اس کا نفاذ بھی عمل میں آگیا تھا۔ ضرورت تھی کہ اس کے تحت ملک میں عام انتخابات کا فوری طور پر اہتمام کیا جاتا تاکہ عوام کو اپنی پسند اور مرضی کی حکومت قائم کرنے کا موقع ملتا آئین کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا۔ نو سال سے یہ ملک بغیر قومی آئین کے چل رہا تھا اب توقع پیدا ہوئی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی یقین افروز قدم اٹھایا جائے گا لیکن پورا ایک سال آئین پر عملدرآمد کے بجائے اقتدار کی کشمکش میں گذر گیا اور چوہدری محمد علی حالات سے مجبور ہو کر مستعفی ہو گئے ان کی جگہ سید حسین شہید سہروردی نے لے لی تھی۔ وہ جب تک برسر اقتدار نہیں آئے تھے ملک میں نوکر شاہی کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ان سے توقع تھی کہ وہ جمہوریت کے قیام کے سلسلہ میں کسی مصلحت کو درخور اعتنا نہیں سمجھیں گے۔ اور جیسا کہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا تھا۔ کہ مارچ ۱۹۵۸ء تک ہر حالت میں انتخابات کرائے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے ضروری اقدامات کریں گے۔ لیکن ان توقعات کی جو کرن نمودار ہوئی تھی وہ پھر سازشوں کی دھند لاہٹوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ اکیا ایک وحدتِ مغربی پاکستان کے خلاف مخالفتوں کا طوفان امڈ آیا نیشنل عوامی پارٹی تو شروع سے ہی اس تصور کی مخالف تھی۔ مسلم لیگ نے بھی اپنی شکست خوردگی کی جھونپ مٹانے کے لئے ایک یونٹ کی مخالفت شروع کر دی اور اس سلسلے میں نیشنل عوامی پارٹی کی حلیف بن گئی۔ ڈاکٹر خان صاحب اگرچہ صوبائی اسمبلی میں اب اکثریتی پارٹی کے لیڈر بن چکے تھے۔ لیکن انہیں مسلسل مسلم لیگی ارکان کی مخالفت کا سامنا تھا۔ ایک بار تو مسٹر جی۔ الانا نے ان کے خلاف اسمبلی میں قرارداد عدم اعتماد تک پیش کر دی تھی ان کا موقف یہ تھا کہ ڈاکٹر خان نے صوبائی اسمبلی میں جداگانہ انتخابات کے حق میں قرارداد منظور ہونے کے باوجود قومی اسمبلی میں مخلوط انتخابات کے حق میں رائے دے کر ایوان کی توہین کی ہے یہ قرارداد اگرچہ منظور نہ ہو سکی لیکن رفتہ رفتہ صوبائی اسمبلی میں ایسی فضا قائم ہو گئی کہ جو لوگ کچھ عرصہ پہلے مسلم لیگ کو چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شامل ہوئے تھے دوبارہ مسلم لیگ کی طرف لوٹنے لگے اس قلابازی میں اگرچہ حب جاہ و منصب کی کارفرمائی زیادہ تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک یونٹ کا نظم و نسق صحیح نہج پر استوار کیا گیا تھا۔ اس سے بھی کوئی چھوٹا صوبہ مطمئن نہ تھا۔ اہل بہاولپور کو بھی یہ شکایت تھی کہ ایک یونٹ کی انتظامیہ میں انہیں نہ معقول نمائندگی دی گئی ہے اور نہ ان کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک یونٹ کے قیام سے پہلے جو ترقیاتی منصوبے زیر عمل تھے وہ بھی رک گئے اور عوام کی بہبود کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس سلسلے میں اصلاح احوال کی کوشش کی جاتی یا اگر ڈاکٹر خان اکثریت کی حمایت سے محروم ہو گئے تھے تو انہیں فارغ کر کے دوسری اکثریتی پارٹی کے لیڈر کو وزارت بنانے کی دعوت دی جاتی

لیکن صدر جمہوریہ نے یہ جمہوری قدم اٹھانے کے بجائے مغربی پاکستان اسمبلی کو ہی معطل کر دیا اور تمام اختیارات حکومت نے خود سنبھال لئے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ سب کچھ سہروردی صاحب جیسے جمہوریت پسند وزیراعظم کے ہوتے ہوئے ہوا اور وہ ٹکٹکی دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق کچھ نہ کر سکے۔

مغربی پاکستان کی وزارت اور اسمبلی کو توڑنے کا قدم مارچ ۱۹۵۷ء میں اٹھایا گیا تھا۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ صوبہ میں ایسے غیر معمولی حالات پیدا ہو گئے تھے کہ قانون کے مطابق حکومت چلانا ممکن نہیں تھا۔" یہ غیر معمولی حالات کیا تھے حکمنامے میں تو اس کی کوئی وضاحت نہ تھی لیکن یہ ظاہر تھا کہ جس اکثریت کے بل پر ڈاکٹر خان کی وزارت قائم تھی وہ انہیں حاصل نہیں رہی تھی اور اب مرکزی حکومت کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں صوبائی اسمبلی کے ارکان کی بغاوت کے اثرات مرکز تک نہ پہنچ جائیں چنانچہ اس خطرہ کو ٹالنے کے لئے مرکزی اور صوبائی سطح پر جوڑ توڑ شروع ہوا اس کے نتیجے میں چار ماہ بعد یعنی ۱۶ جولائی کو صوبائی اسمبلی بحال کر دی گئی اور صوبہ سرحد کے سردار عبدالرشید کو وزیراعلیٰ بنا دیا گیا۔ مخدوم زادہ سید حسن محمود ان کی کابینہ میں بھی بدستور شامل تھے۔

سردار عبدالرشید سے توقع تھی کہ وہ ایک یونٹ کے خلاف اٹھنے والے طوفان کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن بہت جلد وہ خود اسی ریلے میں بہہ گئے۔ اور نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ مل کر ایک یونٹ کو توڑنے کی تحریک میں سرگرمی دکھانے لگے۔ چنانچہ ۷ ستمبر ۱۹۵۷ء کو انہوں نے اسمبلی میں اس مضمون کی قرارداد بھی منظور کرالی کہ ون یونٹ کو توڑ کر پنجاب سندھ، سرحد اور بلوچستان کے صوبوں کو بحال کیا جائے اور بہاولپور اور خیرپور کو بالترتیب پنجاب اور سندھ کے ساتھ ملا دیا جائے۔ ری پبلکن پارٹی نے نواب مشتاق احمد گورمانی کی علیحدگی کا بھی مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق وہ ون یونٹ توڑنے کے منصوبے کی راہ میں حائل تھے لہذا مغربی پاکستان کی گورنری سے وہ مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ مسٹر اختر حسین گورنر بنا دیئے گئے۔

ان دنوں دو مسئلے سیاسی گہما گہمی کا موجب تھے۔ ایک مسئلہ ون یونٹ کو توڑنے کا دوسرا مسئلہ طریق انتخاب کا مسلم لیگ کے علاوہ باقی اکثر جماعتیں مخلوط طریق انتخاب اور ون یونٹ توڑنے کے حق میں تھیں۔ ری پبلکن پارٹی اگرچہ صوبائی اسمبلی میں جداگانہ طریق انتخاب کی حمایت میں قرارداد منظور کر چکی تھی لیکن قومی اسمبلی میں ری پبلکن پارٹی کے بعض ارکان جن کے سرخیل ڈاکٹر خان تھے مخلوط طریق انتخاب کے حامی تھے سہروردی صاحب بحیثیت وزیراعظم عجب گو مگو میں تھے۔ ذاتی طور پر نہ وہ ون یونٹ کے حامی تھے اور نہ جداگانہ طریق انتخاب کے۔ لیکن اب مسلم لیگی ممبران کی سرگرمیوں سے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ وہ پاکستان کے وزیراعظم رہتے ہوئے ان نظریات کی تائید نہیں کر سکتے تھے لہذا ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو وہ بھی مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ مسلم لیگ کے محمد اسماعیل چندریگر پاکستان کے وزیراعظم بن گئے۔ انہوں نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالنے کے بعد یہ اعلان کیا تھا کہ

"ون یونٹ کا استحکام اور جداگانہ طریق انتخاب کا نفاذ مسلم لیگ کی نئی پالیسی کے دو جلی عنوان ہیں" لیکن ابھی دو ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ انہیں بھی وزارت عظمیٰ سے دستبردار ہونا پڑا۔ کیونکہ جداگانہ طریق انتخاب کے موقف سے ری پبلکن پارٹی منحرف ہو گئی تھی اور اب مسلم لیگ کے لئے اپنے منشور کے مطابق کام کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وزارت عظمیٰ کا قرعہ فال مسٹر فیروز خان نون کے نام نکلا اور انہوں نے ری پبلکن پارٹی۔ عوامی لیگ۔ نیشنل عوامی پارٹی کانگریس اور شیڈول کاسٹ کی حمایت سے اپنی کابینہ تشکیل دی۔

مخدوم زادہ کا رول

اگرچہ ون یونٹ اور طریق انتخاب پر صوبائی اور مرکزی حکومت کے درمیان اب بھی خاصا اختلاف تھا اور سردار عبدالرشید بار ہا یہ کہہ چکے تھے کہ وہ صوبائی اسمبلی کی قرار دادوں کو عملی جامہ پہنانے کے پابند ہیں لیکن اس موقع پر مخدوم زادہ سید حسن محمود مرکز کے صحیح نمائندے کا کردار ادا کر رہے تھے وہ صوبائی وزیر بلدیات و اطلاعات کی حیثیت سے بہاولپور کا بار بار دورہ کرتے اور ہر دورے میں مرکزی حکومت کے نظریات کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے تھے انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ

"ری پبلکن پارٹی کی ٹکٹ فائنڈنگ کمیٹی کو مشرقی پاکستان کے جمہور کی رائے نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ مخلوط طریق انتخاب کی حمایت کرے۔ دوسرا کوئی بھی طریق انتخاب ملک کی سالمیت کے لئے ضرر رساں ثابت ہوگا۔ مرکزی وزارت کو مشرقی اور مغربی پاکستان کی پسندیدہ جماعتوں کی حمایت حاصل ہے اور اسمبلی نے بڑی اکثریت سے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔"

چونکہ سردار عبدالرشید مرکزی حکومت کی توقعات پر پورے نہیں اترے تھے۔ اس لئے کچھ عرصہ بعد ان کی وزارت بھی عنقریب ہو گئی۔ اور نواب مظفر علی قزلباش جو فیروز خان نون کے علاوہ اسکندر مرزا کے بھی معتمد تھے مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ بنا دیئے گئے۔

سیاسی عدم استحکام

جب سے مغربی پاکستان کا ایک یونٹ معرض وجود میں آیا تھا یہ تیسرے وزیر اعلیٰ تھے حقیقتاً پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ کوئی سیاسی انقلاب یا وزارتی بحران غیر متوقع نہیں رہا تھا۔ آئے دن کی سیاسی قلابازیوں اور جماعتی سازشوں نے پورے ملک کی سیاست کو ایک بھونڈا سیاسی مذاق بنا دیا تھا اسمبلیاں تھیٹر ہال اور وزارتیں کٹھ پتلیوں کا تماشہ بن کر رہ گئی تھیں۔

مشرقی پاکستان کی حالت مغربی پاکستان سے بھی زیادہ ابتر تھی وہاں وزارتی رد و بدل اور گورنروں کی برطرفی و تقرری کے ناٹک اس تیزی سے رچائے جا رہے تھے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دو مرتبہ وزارتیں بدلیں اور دو مرتبہ وزیر تبدیل ہوئے پہلے وزیر اعلیٰ نے مالی بل پر حزب اختلاف سے شکست کھائی اور گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ صوبائی اسمبلی

کا اجلاس ملتوی کر دیں گورنر نے یہ مشورہ قبول کرنے کے بجائے وزیر اعلیٰ سے استعفیٰ طلب کیا تو انہوں نے نہ صرف استعفیٰ دینے سے انکار کیا بلکہ مرکز سے سفارش کی کہ گورنر کو برطرف کر دیا جائے۔ گورنر نے اپنی برطرفی سے پہلے وزیر اعلیٰ کو برطرف کر دیا اور حزب اختلاف کے لیڈر کو وزارت سازی کی دعوت دے دی ادھر نئی وزارت نے حلف اٹھایا اور ادھر مرکز نے گورنر کی برطرفی کے احکام صادر کر دیئے نئے گورنر نے حلف اٹھایا اور اس وزارت کو برطرف کر دیا جس نے کچھ عرصہ پہلے حلف اٹھایا تھا اور سابقہ وزارت کو بحال کر دیا۔ اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو اراکین کی اکثریت نے جس نے چند دن پہلے مالی بل پر عوامی لیگ کی وزارت کو اخلاقی شکست دی تھی اس کے حق میں اعتماد کا اظہار کر دیا۔

یہ صورت حالات پاکستان کے سیاسی مستقبل کے لئے زیادہ خوش آئند نہ تھی۔ سنجیدہ سیاسی حلقے اس پر بڑی تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔ اور اسے کسی بڑے سماجی انتشار کا پیش خیمہ قرار دے رہے تھے تاہم ابھی یہ امید بالکل منقطع نہیں ہوئی تھی کہ مستقبل قریب میں ہونے والے عام انتخابات کے بعد ان تمام خرابیوں کی اصلاح ہو جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض سیاسی جماعتوں نے اس اکھیڑ پچھاڑ کی سیاست سے الگ ہو کر اپنی انتخابی مہم کا آغاز کر دیا تھا مسلم لیگ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ سرگرم عمل تھی اقتدار سے محرومی کا جو گہرا زخم اسنے کھایا تھا اسکے اندمال کی اسکے نزدیک [illegible]

بہاولپور سے انتخابی مہم کا آغاز

مرکزی حکومت کے بار بار اعلان کے بعد کہ ۱۹۵۸ء کے اختتام سے پہلے عام انتخابات ہر حال میں منعقد ہوں گے مسلم لیگ نے پبلک جلسوں کا پروگرام بنایا اور اس کا آغاز بہاولپور سے کیا۔ راجہ غضنفر علی۔ خان عبد القیوم خان اور سردار بہادر خان اس سلسلہ میں کافی سرگرم تھے انہوں نے مئی کے وسط میں خانپور لیاقت پور اور رحیم یار خان میں کئی جلسے کئے بہاولپور کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے راجہ غضنفر علی نے کہا کہ

"پاکستان پر ایک نئی شکل میں یونینسٹ حکومت مسلط ہو گئی ہے۔ مسٹر سہروردی اور فیروز خاں نون نے ملک کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ مسلم لیگ اصلاح احوال کے لئے میدان میں آئی ہے اور ہم نے بہاولپور سے اپنی انتخابی مہم کا آغاز کیا ہے اگر مسلم لیگ کامیاب ہو گئی تو اس کا سہرا بہاولپور کے عوام کے سر ہو گا۔"

اس جلسہ سے مسٹر جی۔ الانہ ایم۔ ایل۔ اے اور مسٹر فضل الرحمٰن سابق وزیر تجارت نے بھی خطاب کیا تھا۔

مسلم لیگ کے علاوہ عوامی لیگ بھی انتخابی مہم میں پیش پیش تھی سہروردی صاحب وزارت سے مستعفی ہونے کے بعد اب اسی محاذ پر کام کر رہے تھے انہوں نے بہاولپور کے بھی کئی بار دورے کئے لیکن یہاں ان کی جماعت داخلی انتشار کا شکار ہو چکی تھی جس کے اسباب میں جداگانہ انتخاب پر [illegible] قومی زبان اردو اور جماعت سے مسلم اور جناح کے الفاظ کے اخراج کے مسائل شامل تھے اور اسی بنا پر میاں نظام الدین حیدر چوہدری عبد السلام ایڈیٹر حمید منشی علی احمد وزیر زاہد حسین احتجاجاً مستعفی ہو گئے تھے بعد میں عمر ارشد اور انکے دوسرے ساتھی بھی عوامی لیگ سے الگ ہو گئے تھے ان کی جگہ مخدوم

زادہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سردار محمود خاں نے مصالحتی گفت و تنقید کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ انہیں وجوہات کی بنا پر سہروردی صاحب نے ان سے جواب طلبی بھی کی تھی۔ علاوہ ازیں ون یونٹ کو توڑ کر بہاولپور کو پنجاب میں شامل کرنے کی تجاویز کے بعد بہاولپور میں مختلف سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ بنایا تھا جس میں ان حضرات نے بھی شمولیت کر لی تھی سہروردی صاحب کے نزدیک ان لوگوں کا یہ فعل بھی قابل اعتراض تھا۔ بہرحال سہروردی صاحب نے بعد میں یہ غلط فہمیاں اور اختلافات دور کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ادھر مسلم لیگ نے کافی جدوجہد کے بعد بہاولپور میں جو سیاسی حیثیت حاصل کی تھی اسے خاصا دھچکا لگا۔ دراصل سہروردی صاحب کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت مغربی پاکستان کے اس حصہ پر توجہ دیتے۔ مشرقی پاکستان کے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زیادہ وقت وہاں گذاریں۔ مرکزی کابینہ نے وہاں کے سیاسی بحران پر غور و خوض کرنے کے بعد گورنری راج قائم کرنے کی سفارش کی تھی۔ وہاں اسمبلی میں خون ریز فساد ہو چکا تھا۔ اور ڈپٹی سپیکر قتل کئے جا چکے تھے۔ کرشک سرامک پارٹی اور مسلم لیگ میں سیاسی سمجھوتہ کا امکان تھا جس کے بعد مرکزی حکومت میں عوامی لیگ کی شمولیت ختم ہو سکتی تھی۔

ان وجوہات کی بنا پر سہروردی صاحب بہاولپور کی عوامی لیگ کے انتشار کو ختم کرنے کے لئے مطلوبہ وقت نہ نکال سکے اور یہاں عوامی لیگ خود کو انتخابات کے لئے صحیح طور پر منظم نہ کر سکی۔

دراصل یہ وقت وہ تھا جب ملکی سیاست علاقائی دوائر میں پھنس کر رہ گئی تھی اور کوئی مقامی لیڈر اپنے مخصوص احوال سے نکل کر قومی سطح پر اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں بھی جو بات سب سے زیادہ توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی وہ بہاولپور کے مستقبل اور اس میں ان شخصیتوں کی اپنی ذات کے نفع و نقصان کا مسئلہ تھا۔

مارشل لا کا نفاذ

شاید یہی وہ حالات تھے جنہوں نے صدر پاکستان جنرل اسکندر مرزا کے لئے ملک میں مارشل لا کے نفاذ کا جواز فراہم کر دیا اور اسی کی آڑ میں انہوں نے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پورے ملک میں مارشل لا کے نفاذ۔ صوبائی اور مرکزی حکومتوں اور اسمبلیوں کی برخاستگی، آئین کی منسوخی اور تمام جماعتوں کو خلاف قانون قرار دینے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اس انقلابی اقدام کے بعد جو پہلی تقریر ریڈیو پاکستان سے نشر کی تھی اس کا پورا متن یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

"میں گذشتہ دو سال سے حصول اقتدار کے لئے بے رحمانہ کوششوں۔ بدعنوانیوں۔ سادہ دیانتدار محب الوطن اور محنت کش عوام کی شرمناک لوٹ کھسوٹ۔ شائستگی کے فقدان اور اسلامی مقاصد کے لئے اسلام کے نام کے استعمال کو گہری تشویش کی نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ بلا شبہ اس میں

مستثنیات بھی ہیں لیکن چونکہ یہ اقلیت میں ہیں۔ اس لئے ملکی حالات پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے۔ ان شرمناک اور کمینہ سرگرمیوں نے ملک میں ایک ذلیل قسم کی آمریت پیدا کر دی ہے طالع آزما اور خود غرض عناصر عوام کی قیمت پر اپنی بدترین قسم کی حرکات سے روز بروز امیر سے امیر ترین بنتے چلے جا رہے ہیں۔

"میری مسلسل کوششوں کے باوجود غذائی بحران پر قابو پانے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں فالتو غلہ ہونا چاہیئے خوراک زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی ہے۔ ملک میں زراعت اور اراضی کا مسئلہ سیاست کی لونڈی بن چکی ہے اور ہمارے موجودہ حکومت کے سسٹم میں کوئی بھی سیاسی جماعت خوراک کی پیداوار بڑھانے کے لئے کسی مثبت اقدام کی قائل نہیں۔ مشرقی پاکستان میں خوراک۔ ادویہ اور دوسری ضروریات زندگی کی منظم سمگلنگ جاری ہے اور اس طرح جو اشیاء کی کمی واقع ہوئی ہے اس سے عوام کو ان اشیاء کی گراں قیمتیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں ہمارا کمایا ہوا بیشتر زرمبادلہ خوراک کی درآمد پر صرف ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حکومت اندرون ملک میں ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی۔

"ہمارے بعض سیاستدان کچھ عرصہ سے فوجی انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور ان میں کچھ طالع آزماؤں نے اس وقت بیرونی ممالک میں جا کر رابطہ پیدا کرنا مناسب سمجھا ہے جو غداری سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"حال ہی میں مشرقی پاکستان میں جو شرمناک واقعات ظہور پذیر ہوئے اس کا علم سب کو ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ متحدہ بنگال میں اس قسم کے واقعات عام ہوا کرتے تھے
میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس قسم کے واقعات ہوتے تھے یا نہیں ہوتے تھے لیکن یہ کوئی مہذب طریق کار نہیں ہے۔ آپ سپیکر کو ہٹ کر ڈپٹی سپیکر کو جان سے مار کر اور اپنے قومی پرچم کی تذلیل کر کے اپنے ملک کے وقار میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

"سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اس حد تک گر گئی ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ اس وقت ملک میں افراتفری اور انتشار کی جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے ہم مضبوط حکومت قائم کر سکیں گے جو موجودہ پیچیدہ اور لاینحل مسائل کو حل کر سکے گی۔ ظاہر ہے کہ نظم و نسق کو چلانے کے لئے آسمان سے آدمی نہیں آئیں گے۔ وہی لوگ جو پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لے آئے ہیں اپنی مقصد براری کے لئے انتخابات کو استعمال کریں گے۔ یہ لوگ پہلے سے کہیں زیادہ انتقامی جذبے کے ساتھ آئیں گے

کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ انتخابات زیادہ تر ذاتی ۔ علاقائی اور طبقاتی بنیادوں پر لڑے جائیں گے جب یہ لوگ منتخب ہو کر آئیں گے تو وہی طریقے استعمال کریں گے ۔ جن سے اس ملک میں جمہوریت ایک المناک ڈھونگ بن کر رہ گئی ہے اور ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک تشکک اور مایوسی کا شکار ہے مجھے یقین ہے کہ نظم و نسق کی مشینری خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے ہر لحظہ بدلتی ہوئی وفاداریوں اور حصول اقتدار کی ختم نہ ہونے والی شرمناک کوششوں کی وجہ سے یہ انتخابات ہماری مشکلات کو حل نہ کر سکیں گے بلکہ اس کے برعکس ان انتخابات سے زیادہ مایوسی اور بددلی پیدا ہو گی جو بالآخر فی الحقیقت ایک خونی انقلاب پر منتج ہو گی ۔ حال ہی میں کراچی کارپوریشن کے انتخابات ہوئے تھے جن میں صرف ۹۴ فیصد ووٹروں نے ووٹ ڈالے ان میں سے پچاس فیصد ووٹ بوگس تھے ۔

" ہم پرائیویٹ رضا کار تنظیمیں قائم رکھنے اور ون یونٹ توڑنے کے لئے سول نافرمانی کی دھمکیاں سن رہے ہیں یہ تخریبی رجحانات اور طالع آزماؤں کی حب الوطنی اور اس کی انتہا کی طرف نشاندہی کرتی ہیں ۔ جن تک یہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جا سکتے ہیں ۔ ہماری خارجہ پالیسی پر غیر دانشمندانہ تنقید یں حب الوطنی کے جذبہ کے تحت نہیں بلکہ خود غرضانہ نقطۂ نظر سے کی جا رہی ہیں اور بسا اوقات وہی لوگ جو تنقید کرتے ہیں خود اس کے ذمہ دار ہیں ۔ ہم تمام قوتوں سے دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں لیکن سیاسی طالع آزما ہمارے اور روس متحدہ عرب جمہوریہ اور عوامی چین کے درمیان غلط فہمیاں اور کشیدگیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور بھارت کے خلاف جنگ کا نعرہ لگاتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ محاذ کے قریب تک نہ پھٹکیں گے ۔ دنیا کے کسی ملک میں سیاسی جماعتیں خارجہ پالیسی کی ایسی مٹی پلید نہیں کرتیں جیسا کہ پاکستان میں کی جا رہی ہے ۔ اس انتشار کو ختم کرنے کے لئے میں واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم ایسی خارجہ پالیسی اختیار کریں گے جو ہمارے مفادات اور جغرافیائی تقاضوں کے مطابق ہو ۔ اور ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کریں گے جو پاکستان کی سالمیت کے لئے اور ایک امن پسند قوم کی حیثیت سے مصیبت زدہ دنیا کو جنگ کے خطرہ سے بچانے کے لئے ہم نے قبول کر رکھی ہیں

" گذشتہ تین سال سے آئین کو جمہوریت کے مطابق چلانے کی سرتوڑ کوشش کرتا رہا ہوں ۔ میں نے اس کوشش میں کئی مخلوط حکومتیں بنائیں لیکن ان لوگوں نے میری ان کوششوں کو محلاتی سازش قرار دیا اور اب تو ہر نیک و بد کے لئے صدر کو مورد الزام ٹھہرانا ایک فیشن بن گیا ہے کسی ستم ظریف نے کہا تھا ۔ اگر بارش زیادہ برستی ہے تو یہ صدر کا قصور ہے اگر معاملہ صرف میری ذات کا ہوتا تو میں ان احمقانہ

باتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتا لیکن ان غداروں کا مقصد حکومت اور صدر پر تنقید کے ذریعہ پاکستان کے وقار کو تباہ کرنا ہے اور بہت حد تک یہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اگر انہیں کھل کھیلنے کی اجازت دی گئی تو پھر یہ اپنے مقصد میں مکمل طور پر بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عوام موجودہ طرز حکومت سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کی مایوسی جائز ہے کیونکہ انہوں نے جن لیڈروں پر اعتماد کیا تھا وہ اس پر پورے نہیں اترے۔

"آئین جو ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو بڑے طمطراق سے وجود میں آیا تھا ناقابل عمل ہے یہ تباہ کن سودے بازیوں کا مجموعہ ہے اگر اس کی تباہ کاریوں کو دور نہ کیا گیا تو پاکستان تباہ ہو جائے گا۔ اسکے ازالے کیلئے سب سے پہلے ایک پرامن انقلاب کے ذریعہ ملکی حالات کو اعتدال پر لانا ضروری ہے اس کے بعد میرا ارادہ ہے کہ کچھ محب وطن افراد کو جمع کیا جائے تاکہ وہ سیاسی حالات اور مسائل کا جائزہ لے کر مسلم عوام کی خواہشات کے مطابق ایک قابل دستور مرتب کریں جب یہ تیار ہو جائے گا۔ تو مناسب وقت پر رائے شماری کے لئے عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

" کہا جاتا ہے کہ آئین ایک مقدس چیز ہے لیکن آئین بلکہ ہر چیز سے زیادہ مقدس خود وطن اور عوام کی خوشحالی ہے۔ صدر ریاست کی حیثیت سے خدا اور عوام کے سامنے میری کا سب سے بڑی ذمہ داری ملک کی سالمیت ہے اور اسے ان سیاسی طالع آزماؤں اور غداروں کی چیرہ دستیوں سے خطرہ لاحق ہو گیا جن کی خود غرضی۔ ہوس اقتدار اور وطن دشمنی کو موجودہ نظام کے تحت قائم شدہ حکومت کے ذریعہ قابو میں نہیں لایا جا سکتا اور میں ملک کو تباہ کرنے والی ان سرگرمیوں کو زیادہ عرصہ تک ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے بھی نہیں دیکھ سکتا گہرے غور و فکر کے بعد میں اس افسوسناک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میں پاکستان کو کلی تباہی سے بچانے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھاؤں تو اپنے فرض سے کوتاہی کا مرتکب ہوں گا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ

(ا) ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کر دیا جائے۔

(ب) مرکزی اور صوبائی حکومتیں فی الفور برطرف کر دی جائیں۔

(ج) قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی جائیں۔

(د) تمام سیاسی جماعتیں ختم کر دی جائیں۔

(ل) جب تک متبادل انتظامات ہوں پاکستان میں مارشل لاء نافذ رہے گا۔

(س) میں جنرل محمد ایوب خاں کمانڈر انچیف پاکستان آرمی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کرتا ہوں اور

پاکستان کی تمام مسلح افواج کو ان کی کمانڈ میں دیتا ہوں۔

"پاکستان کی شاندار مسلح افواج سے جن کے ساتھ قیام پاکستان کے بعد سے قریب رہنے کا موقع ملا ہے مجھے یہ کہنا ہے کہ ان کی حب الوطنی اور وفاداری کی تعریفیں ہوتی رہی ہیں اب میں ان پر ایک اہم بوجھ ڈال رہا ہوں مجھے پورے طور پر اس کا احساس ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اب آزاد دنیا میں ایک آزاد قوم کی حیثیت سے پاکستان کے مستقبل کا انحصار مسلح افواج پر ہی ہے۔ اپنا کام کسی خوف و خطر کے بغیر کیجئے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔

"آخر میں پاکستان کے عوام سے مجھے ایک بھائی اور ہم وطن ساتھی کی حیثیت سے کچھ کہنا ہے موجودہ اقدام انتہائی گہرے افسوس کے ساتھ کیا گیا ہے مجھے ملک اور عوام کے مفادات کی خاطر یہ سب کچھ کرنا پڑا ہے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ خوش اور آزاد رہیں گے۔ سیاسی طالع آزما سمگلر اور بلیک مارکٹ کرنے والے خوش نہیں ہوں گے۔ ان کی سرگرمیوں کو سختی سے روک دیا جائے گا اور جہاں تک غداروں کا تعلق ہے ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اگر وہ بھاگ سکتے ہیں تو ملک سے بھاگ جائیں۔"

حسن محمود اور مارشل لاء

جس دن ملک میں مارشل لاء لگا ہے اس دن مخدوم زادہ حسن محمود بحیثیت وزیر بلدیات و اطلاعات مغربی پاکستان بہاولنگر کے دورے پر تھے۔ جبکہ افسران ضلع کے ساتھ انہوں نے بڑی ٹھاٹ دار میٹنگ کی تھی۔ رات کے وقت سر فیروز خان نون وزیر اعظم پاکستان سے کراچی میں ٹیلیفون پر صلاح مشورے ہوتے رہے تھے۔ اگلے روز ہارون آباد وغیرہ جانے کا پروگرام تھا۔ رات کو کافی دیر تک شہزادہ میاں سابق ممبر بہاولپور اسمبلی اور دوسرے دوستوں کے ساتھ برج کھیلنے کے بعد سوئے تھے۔ اور ابھی سو رہے تھے کہ ایک پولیس افسر نے راقم الحروف کو علی الصباح یہ آ کر خبر دی کہ ملک میں مارشل لاء لگ چکا ہے راقم الحروف ان دنوں بطور افسر اطلاعات مخدوم زادہ کے ساتھ دورہ کر رہا تھا۔ اور بہاولنگر کے کنال ریسٹ ہاؤس میں ہی جہاں مخدوم زادہ کا قیام تھا، ٹھہرا ہوا تھا پولیس افسر جو سابق ریاست بہاولپور کی سروس کے تھے۔ ازراہ ہمدردی یہ چاہتے تھے کہ مخدوم زادہ صاحب کو مارشل لاء کی خبر فوراً پہنچا دی جائے یہ کام وہ خود کرنا چاہتے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ ابھی مخدوم زادہ صاحب محو خواب استراحت ہیں مجھ سے کہا کہ میں انہیں کسی طرح اطلاع کر دوں چنانچہ خلاف معمول میں نے ان کے کمرے میں جا کر انہیں اٹھایا اور یہ خبر سنائی۔ وہ خبر سن کر ہکا بکا رہ گئے پہلے تو یقین نہیں آتا تھا کہتے تھے کہ رات ہی تو ان کی سر فیروز خاں نون سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ان کو ضرور سن گن ہوتی اور وہ کم از کم اشارہ کنایہ میں ضرور انہیں مطلع کر دیتے کچھ دیر بعد اور لوگ بھی آ گئے۔ اور انہوں نے بھی خبر کی صداقت کا یقین دلایا تو انہیں یقین آیا۔ لیکن پھر بھی بار بار یہی کہتے تھے کہ "سکندر مرزا آئین کو کیسے منسوخ کر سکتے ہیں"۔ دیکھتے ہی دیکھتے ریسٹ ہاؤس میں پولیس گارڈ

کی جگہ آرمی گارڈ متعین ہوگئی۔ محمود اقبال ڈپٹی کمشنر بہاولپور بڑی سراسیمگی کے عالم میں اپنی جیپ پر مخدوم زادہ سے ملنے آئے تھے لیکن ابھی بمشکل علیک سلیک ہی ہوئی تھی کہ فوجی گاڑی میں ایک کیپٹن صاحب آئے اور ڈپٹی کمشنر صاحب کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر ساتھ لے گئے غالباً ضلع کے انتظامات کے سلسلہ میں ضلعی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے فوری میٹنگ طلب کی تھی۔ تھوڑی دیر میں ریسٹ ہاؤس بھی خالی ہوگیا۔ جو دو ایک صاحب مخدوم زادہ سے ملنے آئے تھے وہ بھی چلے گئے اب سوائے مخدوم زادہ ان کے پرائیویٹ سکرٹری اور راقم الحروف کے کوئی نہیں رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے بہاولپور چلیں گے یا لاہور جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بہاولپور ہوتا ہوا لاہور جاؤں گا۔ تم میرے ساتھ ہی بہاولپور تک چلو بہاولنگر سے بہاولپور تک کا راستہ مخدوم زادہ صاحب نے انتہائی سکوت وجمود کے عالم میں طے کیا میں نے ایک مرتبہ اس سکوت کو توڑنے کے لئے جب یہ پوچھا کہ "مارشل لاء کب تک جاری رہے گا"۔ تو انہوں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا کہ "اب یہ آسانی سے ختم نہیں ہوگا"۔ بہر کیف راستہ ختم ہوا۔ میں بہاولپور اتر گیا۔ اور مخدوم زادہ صاحب لاہور روانہ ہوگئے۔

اسکندر مرزا بھی گئے

"چاہ کندہ را چاہ درپیش" کی مثل صدر اسکندر مرزا پر صادق آئی انہوں نے جو کنواں دوسروں کو ڈبونے کے لئے کھودا تھا اس میں وہ خود گر گئے ابھی صرف تین ہفتے گذرے تھے کہ جنرل ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو ہٹا کر صدر اور وزیر اعظم کے تمام اختیارات خود سنبھال لئے گویا ملک کو بددیانت سیاستدانوں سے پاک کرنے کے لئے تین ہفتے قبل جو انقلاب لایا گیا تھا اس کی تکمیل اب ہوئی تھی۔ ویسے میجر جنرل اسکندر مرزا نے اس سلسلے میں جو اعلان کیا تھا۔ اس میں یہ کہا تھا کہ

"دوہرے اقتدار سے اس عظیم کام میں رکاوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے جو ہنگامی نوعیت کا ہے کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوگیا ہے کہ میں اور جنرل ایوب خاں ہم آہنگی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ یہ تاثر نہایت مضرت رساں ہے اس لئے میں نے دستکش ہونے کا فیصلہ کیا ہے"۔

لیکن یہ بات رسمی اور دکھاوے کی تھی۔ قاعدہ ہے کہ ایک ڈکٹیٹر دوسرے ڈکٹیٹر کو برداشت نہیں کرسکتا بالکل اسطرح جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اگر جنرل ایوب یہ قدم نہ اٹھاتے تو اسکندر مرزا کے ہاتھوں ان کا یہی حشر ہوتا چونکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کے بعد پاکستان کی تمام افواج ان کی کمان میں آچکی تھیں اس لئے انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر فوراً یہ قدم اٹھالیا اور پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب تک سکندر مرزا ملک سے باہر نہیں بھیج دیئے گئے جنرل ایوب خاں چین سے نہ بیٹھے وہ اسکندر مرزا کا پاکستان میں رہنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ بہرحال اس اقدام نے جنرل ایوب خاں کے متعلق اس خوش فہمی کو دور کر دیا کہ ملک کے اقتدار پر ان کا تسلط عارضی ہے انہوں نے اسکندر مرزا کو سبکدوش کرنے کے بعد اپنی نشری تقریر میں کہا کہ

"ہمارا منتہائے مقصود جمہوریت کی بحالی ہے۔ تاہم یہ جمہوریت اس قسم کی ہوگی جسے عوام

سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ وقت آنے پر عوام کی آزادانہ رائے معلوم کی جائے گی لیکن یہ وقت کب آئے گا۔ اس کا انحصار وقت پر ہے دریں اثناء ہمیں موجودہ تمام خرابیوں کو دور کرنا اور ملک کو متوازن بنیاد پر لانا ہے پاکستان کو سابق برائیوں میں مبتلا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ مارشل لاء ضرورت سے ایک منٹ زیادہ نافذ نہیں رہے گا۔ لیکن مقصد کی تکمیل سے ایک منٹ قبل اٹھایا بھی نہیں جائے گا۔"

عوام میں مارشل لاء کا خیر مقدم

جن حالات میں مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا۔ اس پر کسی کو اچنبھا نہ تھا ملک کی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی اقدار کی جس بری طرح مٹی پلید ہو رہی تھی اور عوامیت کے پردے میں عوام فریبی اور جمہوریت کے نام پر آمریت کے استحکام کے لئے جو کھیل کھیلا جا رہا تھا اس کا تقاضا تھا کہ ایسی ہی کوئی انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے ہر طبقۂ خیال نے اس کا خیر مقدم کیا اور جنرل ایوب کو قوم کا نجات دہندہ سمجھا۔ دوسرے خطوں کے رہنے والوں کی طرح اہل بہاولپور بھی خوش تھے انہوں نے اس بات پر بھی اطمینان کا سانس لیا تھا کہ مفاد پرست اور خود غرض سیاستدانوں نے ان کے حقوق سلب کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔ اور بہاولپور ان کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔ جنرل ایوب خاں نے ملک کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد معاشرتی خرابیوں اور انتظامی بے اعتدالیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ بعض فوری ایسے اقدامات بھی کئے تھے جو ملک کے معاشی عدم استحکام کو ختم کرنے میں ممد و معاون ہو سکتے تھے۔ مثلاً زرعی اصلاحات کا نفاذ جس کی رو سے نہری زمینوں کی صورت میں ملکیت کی حد پانچ سو ایکڑ اور بارانی زمین کے لئے ملکیت کی حد ایک ہزار ایکڑ مقرر کی گئی تھی اور یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ فاضل زمین کاشتکاروں میں تقسیم کر دی جائے گی جو پچیس سال میں قسط وار اس کی قیمت ادا کریں گے ظاہر ہے یہ اقدام کاشتکار طبقہ کے لئے بڑا امید افزا تھا۔ اور وہ خوش تھا کہ اسے بھی زمین میں مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح مہاجرین کی آبادکاری اور مستقل الاٹمنٹ کے سلسلے میں بعض موثر اقدامات کئے گئے تھے۔ جس سے مہاجرین نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ رشوت سمگلنگ چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے خلاف مہموں نے بھی عوام میں ایک اچھا تاثر پیدا کیا تھا۔ اب اگر کوئی بات وجہ تشویش باقی تھی تو صرف یہ کہ ملک میں جمہوریت کب بحال ہو گی۔ اگرچہ جنرل ایوب نے اس سلسلے میں بھی اپنے عزائم کا اظہار کر دیا تھا۔ لیکن جمہوریت پسند حلقے ابھی اس معاملے میں مناسب اقدامات کے منتظر تھے۔

نیا پروڈا

پاکستان میں سب سے پہلے ۱۹۴۹ء میں "پروڈا" جاری کیا گیا تھا جس کا مقصد قومی زندگی میں پیدا ہونے والی بدعنوانیوں کو ختم کرنا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں اسے سیاسی دباؤ کی وجہ سے ختم کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاستدانوں میں بے راہ روی پھر جڑ پکڑ گئی اور ملک کا نظام درہم برہم ہونے لگا۔ جنرل ایوب نے اس قانون کے دوبارہ اجرا کی ضرورت محسوس کی اور ۱۹۵۹ء میں اسے زیادہ موثر اور وسیع کر کے پھر جاری کر دیا۔ نئے پروڈا کے تحت یہ ضروری قرار

دیا گیا تھا کہ جو لوگ اپنے عہدوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور قومی دولت اپنے اور اپنے احباب پر صرف کرتے رہے ہیں انکا محاسبہ کیا جائے اس کا اطلاق تمام سیاستدانوں پر اس وقت سے ہوا تھا جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ حکومت نے اس غرض سے ٹریبونل بھی مقرر کئے تھے۔ جنہیں بدعنوان سیاستدانوں کے خلاف تحقیقات کرنے اور انہیں سزا دینے کا اختیار دیا گیا تھا لیکن ساتھ ہی سیاستدانوں کو حق دیا گیا تھا کہ اگر وہ آئندہ سیاسی سرگرمیوں سے ہمیشہ کے لئے لاتعلق ہو جائیں تو ان کے خلاف عدالتی کارروائی بند کردی جائے گی۔ اکثر سیاستدانوں نے عدالتی جوابدہی کے بجائے اسی رعایت سے فائدہ اٹھانے میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔ بہاولپور سے مخدوم زادہ سید حسن محمود وہ شخص تھے جو احتساب کی زد پر تھے لیکن انہوں نے بھی دوسرے سیاستدانوں کی طرح سیاست سے ریٹائر ہونے کو ترجیح دی۔

آئین کی تیاری اور جمہوری سفر کا آغاز

ملک کو بعینہ خرابیوں سے پاک کرنے اور سیاستدانوں کا مکمل قلع قمع کرنے میں جنرل ایوب کو تقریباً ایک سال کا عرصہ لگا۔ اس میں شک نہیں اس عرصہ میں حیرت انگیز نتائج سامنے آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بحیرہ عرب نے سمگلروں کے چھپائے ہوئے منوں سونے کے ذخائر اگل دیئے۔ کروڑوں روپے کا ناجائز مال نفع اندوز تاجروں نے خود بخود حکومت کے حوالے کر دیا۔ مصنوعی قحط ختم ہوگیا اشیائے صرف کی قیمتیں معمول پر آگئیں اور سرکاری دفتروں کی کارکردگی بہتر ہوگئی۔ لیکن ابھی ملک کے لئے نئے آئین کی تیاری اور جمہوریت کے قیام کا مسئلہ باقی تھا۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے جہاں ایک آئینی کمیشن مقرر کیا گیا وہاں جمہوریت کو نچلی سطح سے استوار کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ بنیادی جمہوریتوں کا قانون اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ جس کے تحت یہ قرار دیا گیا تھا کہ ہر آٹھ سو افراد پر ایک نمائندہ منتخب ہوگا جس سے شہروں میں یونین کمیٹیاں اور دیہاتوں میں یونین کونسلیں تشکیل پائیں گی اور ان یونینوں کے ذریعہ تحصیل کونسلیں۔ میونسپل کمیٹیاں۔ ضلع کونسلیں۔ ڈویژنل اور صوبائی مشاورتی کونسلیں قائم ہوں گی۔

پاکستان کے آئین کے سلسلے میں صدر ایوب خان نے اپنے پہلے دورہ بہاولپور کے موقع پر جو انہوں نے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۹ء کو کیا تھا یہ کہا تھا کہ ملک کا آئندہ آئین اسلامی اصولوں کا مظہر ہوگا۔ آئینی کمیشن میں پاکستانی ماہرین قانون اور اسلامیات کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔

صوبائی نظم ونسق کی اصلاح

حکومت نے صوبائی نظم ونسق کو زیادہ موثر بنانے اور موجودہ یونٹوں کو عوام کی ضروریات کے مطابق استوار کرنے کا بھی فیصلہ کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں گورنر مغربی پاکستان کی سرکردگی میں ایک کمیشن بھی مقرر کیا تھا جس نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے ایک سوالنامہ جاری کیا تھا۔ اس سوالنامے کے جواب میں بعض حلقوں کی طرف سے مغربی پاکستان کو پانچ کمشنریوں میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی اور یہ سفارش کی گئی تھی کہ بہاولپور ڈویژن کو ملتان اور حیدرآباد کی چیف کمشنریوں میں مدغم کردیا جائے۔

اہل بہاولپور کا اضطراب

یہ تجویز اہل بہاولپور کے لئے خاص اضطراب کا موجب تھی اور اسے وہ بہاولپور کیلئے سخت مضرت رساں قرار دے رہے تھے۔ بہاولپور کے اخبارات نے اس کے خلاف بڑی موثر آواز اٹھائی اخبار رہبر نے اپنے ۲۹ جون ۱۹۵۹ء کے شمارے میں لکھا کہ

"یہاں کی تجارت اور معیشت پر جس چیز نے تھوڑا بہت خوشگوار اثر ڈالا ہے وہ بہاولپور کی مرکزی حیثیت تھی جو پہلے ریاست کے دارالحکومت کی وجہ سے حاصل تھی اور بعد میں ڈویژن کے ہیڈکوارٹرز کی بدولت موجود رہی لیکن اگر اس حیثیت کو بھی کسی بڑی حیثیت میں مدغم کردیا جائے تو تصور نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں روزگار، صنعت اور اقتصادیات کی ترقی کے کون سے ذرائع باقی رہ جائیں گے

اخبار "تاجر دوست" نے یکم جولائی ۱۹۵۹ء کے شمارے میں لکھا۔

"عوام کے ذہن میں ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں بہاولپور ڈویژن کو دو حصوں میں تقسیم یا مدغم نہ کردیا جائے اگر ایسا ہوا تو بہاولپور کے عوام نت نئی مشکلات میں مبتلا ہو کر رہ جائیں گے۔

بہاولپور کے عوام یہ نہیں کہتے کہ پاکستان کو انتظامی اعتبار سے زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جائے بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ بہاولپور کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے اسے چیف کمشنری قرار دیا جائے۔

اخبار العزیز نے ۲ جولائی ۱۹۵۹ء کے شمارے میں لکھا۔

"آج پھر بہاولپور ڈویژن کی وحدت خطرے میں ہے اگر اس قسم کا کوئی فیصلہ کیا گیا تو انتظامی مشکلات اور بہاولپور کی پسماندگی میں اضافہ ہونے کے علاوہ یہاں کی تہذیب دم توڑ دے گی اور عوام اقتصادی اعتبار سے تباہ ہو جائیں گے۔"

اخبار کائنات نے ۴ جولائی ۱۹۵۹ء کے شمارے میں لکھا

"قطع نظر اس کے کہ اس تجویز کے پاس ہونے کے بعد بہاولپور کی رہی سہی پوزیشن بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ تجویز بجائے خود ضرر رساں ہے۔ نظم و نسق میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد انقلابی تبدیلیاں کرنا کوئی دانشمندانہ بات نہیں ہے۔

"ہماری دیانتدارانہ رائے ہے کہ پانچ کمشنریوں کا منصوبہ بڑی افراتفری کا باعث بن جائے گا۔ جہاں تک بہاولپور کا تعلق ہے مجوزہ سکیم میں اس کے وجود کو ختم کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ یونٹ کے قیام کے وقت چھوٹے علاقوں کے باشندوں کی تالیف قلوب کے لئے جو کچھ کہا گیا تھا اس کی آبرو باقی رکھنی چاہیئے نئی حد بندی میں اگر بہاولپور کو صدر مقام کی حیثیت حاصل نہیں رہتی تو یہ اس اقتصادی بربادی کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگی۔"

اس بروقت احتجاج کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبائی نظم و نسق کی اصلاح کے کمیشن نے بہاولپور ڈویژن کی موجودہ حیثیت کو تبدیل کرنے کی سفارش نہ کی اور یہ ڈویژن مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان سمیت سابق ریاست بہاولپور کے تین اضلاع پر مشتمل رہا۔

بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات

بنیادی جمہوریتوں کے قانون کے مطابق تمام پاکستان میں جنوری ۱۹۶۰ء کے اوائل میں بنیادی جمہوری اداروں (جن میں یونین کونسلیں اور یونین کمیٹیاں شامل تھیں) کے انتخابات عمل میں آئے۔ ملک میں تقریباً دو سال بعد سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ سرگرمیاں بڑی محدود تھیں تاہم لوگوں نے اس میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا بہاولپور ڈویژن میں بھی ان انتخابات نے بڑی گہما گہمی پیدا کی۔ جو سیاستدان مارشل لاء کے بعد سے منتظر زیر پر تھے اب بڑے سرگرم نظر آتے تھے بعض لوگوں نے خود پس پردہ رہ کر اپنے بعض کارندوں کو آگے کیا تھا۔ اس لئے ان انتخابات میں پہلی مرتبہ نچلے طبقہ کے لوگ زیادہ تعداد میں کامیاب ہوئے۔ بہاولپور میں بھی متوسط طبقہ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ضلع بہاولپور کی دیہی اور شہری حلقوں کی کل نشستیں ۶۶۲ تھیں جن میں سے ۲۷۶ نشستوں پر امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے۔ اور ۹۸ نشستوں پر مقابلہ ہوا۔ انتخابی فہرستوں کے مطابق ضلع بھر میں رائے دہندگان کی کل تعداد ۱۹۵۷۷۰ تھی جن میں ۱۵۵ ۵۲۴ مرد اور ۴۰۷۴۴ ۱۲ عورتیں تھیں۔ ان میں سے ۵۷۲۴۴ مردوں اور ۳۶ ۷ ۳ عورتوں نے ووٹ ڈالے۔ ان انتخابی اعداد و شمار سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بہاولپور کی جمہوریت سے عوام کو کس درجہ دلچسپی تھی۔ نیز یہ کہ اس معاملے میں عورتیں بھی مردوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھیں۔

صدر ایوب پر اعتماد کا ووٹ

بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات کے بعد الیکشن کمیشن نے یہ اعلان کیا کہ بنیادی جمہوریتوں کے تمام منتخب ممبروں سے یہ رائے معلوم کی جائے گی کہ آیا انہیں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں پر اعتماد ہے اس غرض کے لئے ۱۴ فروری ۱۹۶۰ء مقرر کی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں الیکشن کمیشن نے تمام ملک میں ضروری انتظامات کئے۔ پاکستان کی بنیادی جمہوریتوں کے منتخب نمائندوں کی تعداد ۸۰ ہزار تھی چنانچہ مقررہ تاریخ پر جب ان نمائندوں سے صدر ایوب کے متعلق رائے معلوم کی گئی۔ تو ۸۰ ہزار میں سے ۷۵۲۸۳ ووٹ ان کے حق میں پڑے اور اس طرح بالواسطہ طور پر ملک نے صدر ایوب پر اپنے اعتماد کا اظہار کر دیا۔

ڈویژنل کونسلوں کا قیام

بنیادی جمہوریتوں کے قانون کے مطابق ہر ضلع میں ایک ضلعی کونسل اور ہر ڈویژن میں ایک ڈویژنل کونسل قائم کی گئی تھی۔ ان کونسلوں کے ممبروں کے انتخاب کا اختیار صوبائی حکومت کو تھا۔ چنانچہ حکومت مغربی پاکستان نے ۳۰ مئی ۱۹۶۰ء کو ۴۵ ممبروں پر مشتمل بہاولپور ڈویژنل کونسل کا اعلان کیا۔ جن میں سے ۲۲ ممبران مختلف محکموں کے ڈویژنل ہیڈ تھے اور ۲۳ ممبران عوام کے نمائندوں میں سے لئے گئے تھے۔ حسب کر ڈویژنل کمشنر کو کونسل کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ بہاولپور ڈویژنل کونسل کے غیر سرکاری ممبران یہ تھے۔

(۱) مخدوم شمس الدین گیلانی۔ اوچ شریف (۲) سید مسعود حسن شہاب۔ بہاولپور (۳) نبی احمد۔ حاصل پور (۴) میجر عنایت اللہ قریشی۔ چشتیاں (۵) ملک محمد قاسم ایڈوکیٹ۔ بہاولنگر (۶) غلام احمد خاں پتافی (۷) ملک عبدالکریم (۸) محمد صادق شاہ۔ راجن پور (۹) سردار ذوالفقار علی خاں (۱۰) رئیس شبیر احمد۔ (۱۱) ماسٹر عزیز الدین (۱۲) سردار غلام حیدر خاں لغاری (۱۳) خان انور سکندر خاں پرنسپل صادق پبلک اسکول۔ (۱۴) بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ (۱۵) بیگم فیروز محمود خاں (۱۶) مس بشریٰ رشید (۱۷) راجہ زربخت خاں (۱۸) سردار کریم داد خاں لیہ۔ (۱۹) ملک امام بخش (۲۰) سردار منظور احمد خاں قیصرانی (۲۱) اعزاز غضنفر اللہ خاں (۲۲) سردار بلخ شیر مزاری ڈیرہ غازی خاں (۲۳) اقبال حسین شاہ۔ رحیم یار خاں۔

ڈویژنل کونسلوں کے بعد ڈسٹرکٹ کونسلیں معرض وجود میں آئیں۔ ہر ضلع کا ڈپٹی کمشنر اس کا صدر تھا۔ صوبائی مشاورتی کونسل میں جس کے صدر گورنر مغربی پاکستان تھے بہاولپور ڈویژن سے سردار محمد خاں لغاری اور سید عنایت حسین شاہ کو نامزد کیا گیا تھا۔

بلدیات کے انتخابات

بنیادی جمہوریتوں کے قانون کے مطابق بلدیات کے انتخابات کی یہ صورت رکھی گئی تھی کہ شہری یونین کمیٹیوں کے چیئرمین بہ اعتبار عہدہ ان کے رکن بنائے گئے تھے۔ باقی ارکان سرکاری تھے جنہیں حکومت نامزد کرتی تھی۔ بلدیات کے چیئرمین بھی سرکاری ملازموں میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔ البتہ وائس چیئرمین کا عہدہ عوامی نمائندگان کے لئے رکھا گیا تھا جس کا انتخاب سرکاری وغیر سرکاری ممبران مل کر کرتے تھے۔

تمام بلدیات میں بلدیہ بہاولپور کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ پہلے ریاست کے دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اور بعد میں ڈویژن کے ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے نسبتاً یہاں سیاسی سرگرمیاں بھی دوسرے علاقوں کے مقابلے میں ہمیشہ تیز رہی ہیں چنانچہ بلدیہ بہاولپور کے وائس چیئرمین کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو سیاسی حلقے سرگرم عمل ہو گئے۔ سابق ریاست بہاولپور کے وزیر مال سردار محمد ایوب خاں اس عہدے کے امیدوار تھے ان کے مخالفوں کی طرف سے خاصی محاذ آرائی ہوئی لیکن چونکہ ان کے مقابلے میں کوئی موزوں امیدوار نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے سردار صاحب یہ انتخاب جیت گئے ان کے مدمقابل سید طفیل محمد شاہ تھے جو صرف چار ووٹ حاصل کر سکے۔

بلدیہ بہاولپور کے انتخابات پہلی بار ۱۹۴۹ء میں ہوئے تھے اور پیرزادہ سلیم اسلم اور شہاب دہلوی اس کے صدر اور نائب صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں اس کی میعاد ختم ہوئی اور اس کے پہلے ایڈمنسٹریٹر خان بہادر مظفر علی خاں مقرر ہوئے۔ ایڈمنسٹریٹروں کی تقرری کا سلسلہ ۱۹۶۰ء تک جاری رہا۔ جون ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریتوں کے قانون کے تحت وائس چیئرمینوں کے انتخاب عمل میں آیا اور ایڈمنسٹریٹر چیئرمین بنا دیئے گئے۔

ان تمام جمہوری اداروں نے جولائی ۱۹۶۰ء کے پہلے ہفتے میں کام شروع کر دیا تھا۔ ڈویژنل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسل کے پہلے ہی اجلاسوں میں غیر سرکاری ممبران نے مختلف موضوعات پر تقریریں کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ ان کی نامزدگی یونہی نہیں ہوئی بلکہ انہیں اس ڈویژن کے مسائل کا علم بھی ہے اور انہیں حل کرنے کی تڑپ بھی ان کے دلوں میں ہے خاص طور پر ڈسٹرکٹ کونسل کے اجلاس میں سردار محمد ایوب خاں کی تقریر بڑی زوردار تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بہاولپور کی ہمہ جہتی ترقی پر زور دیا۔ ذرائع نقل و حمل کی دشواریوں کا ذکر کیا۔ سڑکوں کی ناگفتہ بہ حالت کی طرف کونسل کی توجہ دلائی اور ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت پاکستان سے نیک توقعات کا اظہار کرتے ہوئے یہ اپیل کی کہ وہ ملک میں جمہوری اقدار کو جلد از جلد بحال کرے۔

بہاولپور ڈویژن کی نئی تشکیل

صوبائی نظم و نسق کمیشن کی رپورٹ پر صدارتی کابینہ نے وسط جولائی میں ضلع ڈیرہ غازی خاں اور مظفر گڑھ کو ملتان ڈویژن میں شامل کرنے اور بہاولپور ڈویژن کو سابق ریاست بہاولپور کے تین اضلاع پر مشتمل رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے بعد اہل بہاولپور کے دل سے وہ تمام خدشات دور ہو گئے جو سابق ریاست بہاولپور کو مختلف علاقوں میں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں پائے جاتے تھے ڈویژن کی نئی تشکیل کے بعد ڈویژنل کونسل کے ان ممبروں کی جگہ جو ڈیرہ غازی خاں اور مظفر گڑھ سے تعلق رکھتے تھے چند نئے ممبر بہاولپور سے لئے گئے یہ ممبر ڈاکٹر بشیر چوہدری (رحیم یار خاں) مسٹر نبی احمد چک ۶۵ ب سردار محمد ایوب خاں (بہاولپور) مرزا ثناء اللہ بیگ (بہاولنگر) لال محمد (فورٹ عباس) رانا محمد خاں (چشتیاں) ملک خدا بخش (خانپور) ڈاکٹر طسیف رازی (لیاقت پور) تھے اسی طرح صوبائی مشاورتی کمیٹی میں سردار محمد خاں لغاری کی جگہ جن کا تعلق ڈیرہ غازیخاں سے تھا ملک محمد قاسم کو نامزد کیا گیا۔

صدارتی نظام حکومت کی حمایت

پاکستان کے نئے آئین کی تشکیل کے سلسلہ میں سیاسی حلقے اس سوال پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے کہ آیا ہمارے ملک کے لئے پارلیمانی نظام مفید ہوگا۔ یا صدارتی طرز کا نظام حکومت۔ جیسا کہ امریکہ وغیرہ میں ہے۔ تو صدر ایوب صدارتی نظام کے حق میں تھے لیکن پھر بھی وہ چاہتے تھے کہ اس سلسلہ میں عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ چونکہ عام حلقوں کو یہ تاثر مل چکا تھا۔ کہ صدر ایوب پارلیمانی نظام کے حق میں نہیں ہیں اس لئے ان کی طرف سے بھی چند مستثنیات کو چھوڑ کر صدارتی نظام کے حق میں سفارش کی گئی اور یہ کہا گیا کہ صدر اور پارلیمنٹ کے انتخاب کے لئے بنیادی جمہوریتوں کو حلقہ نیابت بنایا جائے۔

نہری پانی کا معاہدہ

نہری پانی کا مسئلہ پاکستان اور بھارت کے درمیان گذشتہ بارہ سال سے متنازعہ فیہ چلا آرہا تھا۔ اور اس عرصہ میں طویل گفت و شنید کے بعد بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ صدر ایوب نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اس تنازعہ کو حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۶۰ء میں

صدر ایوب اور بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے دستخطوں سے ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے پاکستان نے یہ ذمہ داری قبول کر لی کہ وہ دس سال کے اندر اپنی تمام ضروریات صرف تین دریاؤں (چناب، جہلم اور سندھ) کے پانی سے پوری کرنے کا بندوبست کرے گا۔ ستلج بیاس اور راوی کا جو پانی اب تک پاکستان کو ملتا رہا ہے وہ آئندہ سال بہ سال کم ہونا شروع ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ دس سال بعد ان تین دریاؤں کے پانی میں پاکستان کا حصہ بالکل ختم ہو جائے گا پاکستان کے اپنے اس حق سے دستبردار ہونے کی صورت میں بھارت نے پاکستان کو تراسی کروڑ روپے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور یہ طے پایا تھا کہ چونکہ یہ رقم پاکستان کے نقصان کی تلافی کے لئے غیر مکتفی ہے اس لئے دوست ملک اور عالمی بنک اس کی مزید مدد کریں گے۔

اس معاہدے کی زد بہاولپور پر بطور خاص پڑتی تھی۔ دریائے ستلج بہاولپور کے نہری نظام میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا جس کے پانی کے بند ہونے کے بعد اس کی زرعی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھارت نے بھاکڑہ ڈیم کا منصوبہ بنایا تھا۔ تو بہاولپور کے عوامی حلقوں نے اس پر شدید احتجاج کیا تھا۔ لیکن اس موقع پر مارشل لا کے خوف نے کسی کو اس مسئلہ پر آواز اٹھانے کی جرأت نہیں دلائی۔ بلکہ اس کے برعکس "سب کچھ ٹھیک ہے" کے روایتی انداز میں اس معاہدے کو خوب خوب سراہا گیا اور بنیادی جمہوری اداروں نے قراردادوں کے ذریعہ اس معاہدے پر صدر ایوب کو مبارک باد پیش کی۔ حالانکہ اس معاہدے کے فوری بعد بہاولپور ڈویژن کی زرعی پیداوار کے جو اعداد و شمار سامنے آتے تھے ان کے مطابق نہری پانی کی کمی کی وجہ سے بہاولپور بہاولنگر اور رحیم یار خاں کے اضلاع میں کئی لاکھ ایکڑ رقبہ سیرابی سے محروم ہو گیا۔

بہاولپور کی نمائندگی کمشنر کے ذمہ

مارشل لا کے بعد ملک کا نظم و نسق جس انداز میں چل رہا تھا اس میں اول تو جمہوریت بالکل ہی ختم کر دی گئی تھی۔ پھر جب بنیادی جمہوریتوں کا قانون نافذ ہوا تو ایک پابند قسم کی جمہوریت سے عوام متعارف ہوئے۔ اس پابند جمہوریت میں عوام سے زیادہ سرکاری ملازم با اختیار تھے۔ علاوہ ازیں ڈسٹرکٹ کونسلوں اور ڈویژنل کونسلوں کے چیئرمین ڈپٹی کمشنر اور کمشنر تھے اس لئے انہیں عوام کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل ہو گیا تھا۔ وہی حکومت میں عوام کی نمائندگی کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے پہلے گورنر ملک امیر محمد خاں آف کالا باغ بہاولپور کے دورے پر آئے تو انہوں نے عوام کے مسائل پر عوام سے براہ راست گفتگو کرنے کے بجائے انہی سرکاری نمائندگان عوام سے تبادلۂ خیالات کیا۔ حالانکہ ڈویژنل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے عوامی ارکان اس موقع پر گورنر مغربی پاکستان کو بہاولپور کے مسائل سے آگاہ کرنے کی بڑی تمنا رکھتے تھے انہوں نے اس سلسلے میں مسائل کی فہرست بھی تیار کی تھی جس میں بہاولپور کی معیشتی و اقتصادی پسماندگی کی طرف خاص توجہ دلائی گئی تھی۔ لیکن لاٹ صاحب نے ان کی سننے کے بجائے ڈویژنل کمشنر شہزادہ عالمگیر کو شرف باریابی عطا کیا اور

ان سے بہاولپور کے مسائل دریافت کئے اور آخر میں انہیں یہ سرٹیفکیٹ بھی دیا کہ

"شہزادہ عالمگیر کمشنر بہاولپور ڈویژن نے بہاولپور کی اتنی مؤثر نمائندگی کی ہے کہ حکومت مغربی پاکستان بہاولپور کی تقریباً تمام ترقیاتی اسکیموں کے لئے مطلوبہ مالی امداد دینے کے لئے آمادہ ہو گئی ہے۔"

اس اعلان کے باوجود مغربی پاکستان کے بجٹ میں بہاولپور کے لئے جو رقم مختص کی گئی تھی۔ وہ یہاں کی ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے غیر مکتفی تھی اور عوامی حلقے اسے اپنے ساتھ ایک زیادتی تصور کرتے تھے۔ اس سلسلے میں عوامی سطح پر تو آواز اٹھانے کی کوئی صورت موجود نہ تھی۔ البتہ مقامی اخبارات کی طرف سے اس موضوع پر دبے دبے لفظوں میں اظہار خیال ہوتا رہتا تھا۔

سیاسی سرگرمیوں سے ثقافتی سرگرمیوں کی طرف

مارشل لا کی وجہ سے ملک میں جو سیاسی گھٹن پیدا ہو گئی تھی۔ اسے لوگوں نے ثقافتی سرگرمیوں میں تحلیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ حکومت بھی یہی چاہتی تھی کہ عوام سیاسیات سے بیگانہ رہیں اور اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ایسی دلچسپیوں میں صرف کریں۔ چنانچہ بہاولپور میں بھی لوگوں نے یہی راہ اختیار کی۔ یہ ۱۹۶۱ء کے وسط کی بات ہے۔ اس وقت بہاولپور کے کمشنر مسٹر منظور الٰہی اور ڈپٹی کمشنر مسٹر مختار مسعود تھے۔ دونوں صاحبان نہایت نفیس الطبع۔ شریف النفس اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے نظم و نسق کی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ دونوں کو علم و ادب سے بھی بڑا شغف تھا مسٹر منظور الٰہی بہت اچھا افسانہ لکھتے تھے۔ اور ادبی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ مسٹر مختار مسعود تحریر اور تقریر دونوں کے مرد میدان تھے۔ مضمون لکھتے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے اور تقریر کرنے پر آتے تو مجمع کو مبہوت کر کے رکھ دیتے۔ انہیں بہاولپور کی فضا کا سکوت و جمود ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے کچھ اپنی ذاتی دلچسپی کی خاطر اور کچھ بہاولپور میں حرکت و حرارت پیدا کرنے کے لئے یہاں ایک آرٹ کونسل کی بنیاد ڈالی اور اس کے زیر اہتمام یکے بعد دیگرے کئی ثقافتی پروگرام جس میں ڈالی۔ خصوصی ادبی نشستیں اور سٹیج ڈرامہ وغیرہ شامل تھے کر ڈالے۔

مسٹر مختار مسعود کو خدا نے ذوقِ لطیف کے ساتھ ساتھ ایک زرخیز و شاداب دماغ بھی عطا کیا تھا طبیعت بھی جدت پسند واقع ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہ کیا ہو۔ چنانچہ اسی تنوع پسندی نے ان کے ہاتھوں بہاولپور میں خطاطی کی ایک نمائش اور کل پاکستان مقابلہ کا اہتمام کرا دیا پاکستان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی ثقافتی تقریب تھی۔ پاکستان بھر سے خطاطی کے بہترین نمونے حاصل کر کے نمائش میں رکھے گئے تھے۔ خطاطی کے مقابلے میں بھی پاکستان کے درجنوں خطاط حضرات نے حصہ لیا تھا۔ راقم الحروف کو اس

نمائش اور مقابلہ کا معتمد عمومی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ نمائش کے آخری دن گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خاں کو مدعو کیا گیا تھا جنہوں نے مقابلہ میں کامیاب ہونے والے خطاط حضرات کو اپنے ہاتھ سے انعامات تقسیم کئے تھے۔

بہر حال ان ثقافتی سرگرمیوں سے کافی حد تک بہاولپور کی سیاسی گھٹن کا ازالہ ہوا اور زندگی میں جمود و سکوت کا جو عالم پیدا ہو گیا تھا۔ وہ رونق اور چہل پہل میں تبدیل ہو گیا۔

سیرت کانفرنس کا انعقاد

ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ہی بہاولپور کی زندگی کے دوسرے گوشوں میں بھی حرکت شروع ہوئی۔ نومبر ۱۹۶۱ء کے اواخر میں چند نوجوانوں کی تحریک پر جن میں مسٹر علی کاظم ایڈیٹر پیش پیش تھے بہاولپور میں ایک سہ روزہ سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالستار نیازی، علامہ احمد سعید کاظمی، مولانا شمس الحق افغانی۔ مولانا کوثر نیازی۔ علامہ علاؤالدین صدیقی۔ قاضی احسان شجاع آبادی۔ نعیم صدیقی اور مولانا ماہر القادری نے شرکت کی۔

یہ کانفرنس اگرچہ خالص مذہبی نوعیت کی تھی لیکن اس سے ان ذہنوں کو خاصی تسکین ہوئی جو سیاسی سرگرمیوں کے ماند پڑ جانے کی وجہ سے کافی دن سے بہت بد مزہ تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالستار نیازی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ ایک ایسا تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے جو یہ جائزہ لے کہ یہاں عیسائیوں نے کتنے سادہ لوح مسلمانوں کو لالچ و ترغیب کے دام میں پھنسا کر عیسائی بنایا ہے (واضح ہو کہ ان دنوں بہاولپور میں عیسائیوں نے ایک گرجا گھر کی بنیاد رکھی تھی اور لیاقت پور میں آبادکاری کے لئے کافی رقبہ بھی الاٹ کرایا تھا جس کی وجہ سے یہاں کے مذہبی حلقوں میں ایک ہیجان پایا جاتا تھا۔ کچھ لوگوں نے عیسائیت کے توڑ کے لئے ایک اسلامی مشن بھی قائم کیا تھا اور گرجا گھر کے بالمقابل ایک عالیشان مسجد اور ایک دارالتصنیف کی بنیاد بھی رکھی تھی۔ یہ منصوبے ابھی تک اپنے تکمیلی مراحل میں ہیں۔ جب کہ گرجا گھر کی عظیم الشان عمارت بھی تعمیر ہو چکی ہے اور اس کے تحت مشن اسکول بھی بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔)

دوسرے مقررین کی تقریروں میں بھی سیاسی افکار کی جھلک نمایاں تھی اگرچہ موضوع سب کا سیرت طیبہ ہی تھا۔

سرکاری اور عوامی نمائندوں میں کشمکش

اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ بنیادی جمہوری اداروں میں جو عوامی نمائندے تھے انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہونا شروع ہوا اور وہ کسی قدر کھل کر اظہار رائے کرنے لگے۔ عوامی نمائندگان کی یہ تبدیلی سرکاری افسروں کو پسند نہ تھی اور وہ اکثر ان کی تجاویز یا اختلافات کو خاطر میں نہ لاتے تھے ڈویژنل کونسل میں خاص طور پر افسر عوامی نمائندوں کی تنقید پر جب ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ کئی بار تو یہ بد مزگی یہاں تک بڑھی کہ ممبران کو سرکاری افسروں کے رویہ کے خلاف واک آؤٹ کرنا پڑا عموماً ڈویژنل

کمشنر جو ڈویژنل کونسل کے چیئرمین تھے۔ اپنے عہدہ کے رعب و دبدبہ سے کام لے کر ممبروں کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیتے تھے ایک دو بار یہ نوبت بھی آئی کہ جب غیر سرکاری ممبران نے کمشنر کے رعب کی پروا نہ کی تو انہوں نے اس ممبر کو اجلاس سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔

بہرصورت یہ آثار اس اعتبار سے غیر صحتمند نہ تھے کہ عوامی نمائندوں کا رخ جمہوریت کی طرف ہو چلا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ اگر انہیں کسی ادارے کا رکن بنایا گیا ہے تو وہ اس میں کوئی عوامی کردار بھی ادا کر سکیں۔

بہاولپور کے ساتھ ناانصافیوں کا شکوہ

دراصل بہاولپور میں یہ تاثر عام تھا۔ کہ ون یونٹ میں شامل ہونے کے بعد سے بہاولپور کی ترقی رک گئی ہے جو عوامی نمائندے ڈویژنل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں میں پہنچ گئے تھے وہ ان عوامی احساسات کو حکومت تک پہنچانا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لئے وہ اظہار جذبات کا کوئی نہ کوئی موقع نکال لیتے تھے۔ اور یہی بات سرکاری افسروں بالخصوص کمشنر اور ڈپٹی کمشنروں کو پسند نہ تھی۔ لہٰذا ان کی طرف سے یہ کوشش کی جاتی تھی کہ اجلاس کا ایجنڈا خواہ کتنا ہی طویل ہو اسے جلد سے جلد نمٹا دیا جائے۔ آخر ۸ر دسمبر ۱۹۶۱ء کے ڈویژنل کونسل کے ایک اجلاس میں ممبران کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ یہ بھی فی الواقعہ ڈویژنل کمشنر مسٹر منظور الٰہی کی ذاتی شرافت نفس کا باعث تھا کہ انہوں نے اس اجلاس میں عوامی نمائندوں کی جانب سے پیش ہونے والی قراردادوں پر بحث کے لئے علیحدہ ایک دن مقرر کر دیا تھا چنانچہ عوامی نمائندوں نے اپنی پیش کردہ مختلف قراردادوں پر بڑی گرما گرم تقریریں کیں۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری نے ایک قرارداد میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ ڈویژنل کونسل کی کاروائی اردو میں ہوا کرے ایک اور قرار کے ذریعہ یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ریڈ کراس سوسائیٹی کا نام ہلال احمر سوسائیٹی اور سینٹ جون ایمبولینس کا نام ابن سینا گشتی دستے رکھا جائے۔

اسی اجلاس میں ماسٹر عزیز الدین نے ایک قرارداد میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اور دیگر اعلیٰ سرکاری افسران۔ اجلاس منعقد کر کے عام لوگوں کی شکایات اور تکالیف معلوم کیا کریں۔

سب سے آخری جس بات نے خاصا ہنگامہ برپا کیا وہ حکومت کی طرف سے بہاولپور کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا گلہ تھا۔ ممبران نے اپنی تقریروں میں کہا تھا کہ وحدت مغربی پاکستان سے قبل بہاولپور کی ترقی کے لئے جتنا روپیہ صرف کیا جاتا تھا اتنا روپیہ اب صرف نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اس علاقے سے مالیہ اور دوسرے ٹیکسوں کی صورت میں جتنا روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ اس کی مناسبت سے یہاں کے ترقیاتی کاموں کے لئے روپیہ مختص ہونا چاہیے سرکاری افسران اس نقطۂ نظر کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تاہم ڈویژنل کونسل نے ممبران کو یقین دلایا کہ انکے جذبات سے حکومت کو آگاہ کر دیا جائے گا۔

اصل میں جوں جوں نئے آئین کے نفاذ کا وقت قریب آ رہا تھا اور ممبران کو یہ پتہ چلا تھا کہ آئندہ انتخابات میں

بنیادی جمہوریتوں کے ارکان پر مشتمل حلقہ ہائے نیابت بنیں گے۔ انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو چلا تھا۔ سرکاری ملازمین بھی دیکھ رہے تھے کہ نظم و نسق پر اس وقت ان کا جو تسلط ہے وہ آگے چل کر باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا انہوں نے بھی ایک حد تک اپنے رویہ میں تبدیلی ضروری سمجھی تھی ایک موقع پر ڈویژنل کمشنر مسٹر منظور الٰہی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ

"بنیادی جمہوریتوں کے ارکان صبر و تحمل سے کام لیں۔ سرکاری افسران کا اقتدار چند روزہ ہے۔ اس کے بعد وہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔"

نئے آئین کا نفاذ

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو صدر ایوب نے ملک میں نئے آئین کا نفاذ کر دیا جو صدارتی طرز حکومت کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا اس کے مطابق مرکز میں ایک قومی پارلیمنٹ اور مشرقی و مغربی پاکستان میں ایک ایک صوبائی اسمبلی قائم ہونی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ ان تینوں اسمبلیوں کو بنیادی جمہوریتوں کے اسی ہزار ارکان منتخب کریں گے۔ یعنی دونوں صوبوں کے چالیس چالیس ہزار ارکان قومی پارلیمنٹ میں پچھتر پچھتر اور صوبائی اسمبلیوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو نمائندے بھیجیں گے۔ تمام اسمبلیوں کی میعاد پانچ پانچ سال مقرر کی گئی تھی۔ البتہ پہلی قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں نیز صدر ایوب کی میعاد عہدہ صرف تین سال رکھی گئی تھی۔

نئے آئین کے بعض اہم پہلو یہ تھے۔

(۱) قومی پارلیمنٹ میں دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہو گی۔

(۲) اسمبلیاں اسلام کے منافی کوئی قانون منظور کرنے کی مجاز نہیں ہوں گی۔

(۳) صدر کو پارلیمنٹ کے ارکان کی تین چوتھائی اکثریت سے الگ کیا جا سکے گا۔ لیکن اگر صدر کے خلاف قرارداد علیحدگی کو مطلوبہ تائید حاصل نہ ہو سکے تو قرارداد پیش کرنے والے پارلیمنٹ کی رکنیت سے محروم ہو جائیں گے۔

(۴) مرکزی وزراء پارلیمنٹ کے بجائے صدر کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

(۵) جمہوریہ پاکستان کے تمام انتظامی اختیارات صدر کو حاصل ہوں گے۔

(۶) پاکستان کی قومی زبانیں اردو اور بنگالی ہوں گی۔

(۷) نئے انتخابات جماعتی بنیادوں کے بجائے محض شخصی بنیاد پر لڑے جائیں گے۔

(۸) سیاسی جماعتوں کے قیام کی اجازت پارلیمنٹ دے گی۔

بہاولپور کی نمائندگی

نئے آئین کے تحت قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے مختلف علاقوں کی نشستوں کا جو تعین کیا گیا تھا اس کے مطابق بہاولپور ڈویژن سے قومی اسمبلی کے چار اور صوبائی اسمبلی کے بارہ ارکان منتخب ہونے تھے۔ اور ان کے لئے یہ حلقے تجویز کئے گئے تھے۔

قومی اسمبلی :-

حلقہ نمبر ۱ ——— تحصیل بہاولپور۔ تحصیل احمدپور۔ تحصیل لیاقت پور

حلقہ نمبر ۲ ——— تحصیل صادق آباد۔ تحصیل رحیم یار خاں۔ تحصیل خانپور

حلقہ نمبر ۳ ——— تحصیل منچن آباد۔ تحصیل چشتیاں۔ تحصیل بہاولپور

حلقہ نمبر ۴ ——— تحصیل بہاولنگر۔ تحصیل منچن آباد۔ تحصیل چشتیاں۔

صوبائی اسمبلی :-

حلقہ نمبر ۱۔ شہر بہاولپور۔ یونین کونسل ماڑی شیخ سنجرہ۔ یونین کونسل راماں۔ خانقاہ شریف۔ قادر بخش چینی شیخ شجرہ۔ عباس نگر۔ چک نمبر ۴۔ چک نمبر ۱۲ بی۔ سی اور چولستان

حلقہ نمبر ۲ ——— تحصیل بہاولپور کی یونین کونسل چک نمبر ۱۰۳ ڈی۔ این۔ بی چک نمبر ۴۶ ڈی۔ این۔ بی۔ چک نمبر ۷ اڈی۔ این۔ بی۔ غنی گوٹھ۔ محراب والا۔ نورپور۔ بستی ڈاتہ خان۔ ہکڑہ۔ نہر والی۔ چک نمبر ۱۱ ڈی۔ این۔ بی۔ یزمان۔ چک نمبر ۴۱ ڈی۔ این۔ بی۔ تحصیل احمدپور شرقیہ کی کونسل بہاولپور گھلواں۔ بیلی راجن۔ مڈ بیروالہ۔ بستی عزت۔ جانووالہ۔ ہیتجی۔ مبارک پور۔

حلقہ نمبر ۳ ——— حلقہ نمبر ۲ کی یونین کونسلوں کو چھوڑ کردہ تمام یونین کونسلیں جو تحصیل احمدپور شرقیہ میں ہیں

حلقہ نمبر ۴ ——— تحصیل حاصل پور کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۵ ——— تحصیل بہاولنگر کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۶ ——— تحصیل فورٹ عباس کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۷ ——— تحصیل چشتیاں کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۸ ——— تحصیل منچن آباد کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۹ ——— تحصیل رحیم یار خاں کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۱۰ ——— تحصیل صادق آباد کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۱۱ ——— تحصیل لیاقت پور کی تمام یونین کونسلیں

حلقہ نمبر ۱۲ ——— تحصیل خانپور کی تمام یونین کونسلیں

قومی وصوبائی اسمبلیوں میں مختلف علاقوں کی نمائندگی کی جو شرح مقرر کی گئی تھی۔ اس کی رو سے سابق پنجاب اور ریاست بہاولپور کو دس سال تک چالیس فیصدی نمائندگی دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ جب کہ باقی علاقوں کے ساٹھ فیصدی نمائندگی کی شرح کا تعین کیا گیا تھا۔

نمائندگی کی یہ شرح اہل بہاولپور کے لئے قابل اطمینان نہ تھی۔ انہیں شکایت تھی کہ بہاولپور کو ترقی یافتہ علاقہ تصور کرتے ہوئے اسے پنجاب جیسے ترقی یافتہ صوبہ کے برابر سمجھ لیا گیا حالانکہ ون یونٹ کے قیام کے وقت پنجاب نے رضا کارانہ طور پر دوسرے یونٹوں کے مقابلہ میں کم نمائندگی قبول کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور بہاولپور ان یونٹوں میں شامل تھا۔ جنہیں پنجاب کے مقابلہ میں نمائندگی زیادہ ملی تھی۔

اسی طرح قومی اسمبلی کے لئے بہاولپور ڈویژن کی مقررہ نشستوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اس میں ضلع بہاولپور کو بہاولنگر اور رحیم یار خاں کے اضلاع کے ساتھ منسلک کر کے ضلع بہاولپور کا حق سلب کر لیا گیا تھا۔ اس تقسیم سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں اس نشست سے بھی دوسرے اضلاع کا کوئی نمائندہ منتخب نہ ہو جائے۔ اور ضلع بہاولپور نمائندگی سے بالکل ہی محروم ہو جائے۔ چنانچہ ان دونوں نکتوں پر بہاولپور کی طرف سے کافی آوازیں اٹھیں۔ لیکن جو فیصلہ ہو چکا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

انتخابی سرگرمیاں

نئے اعلان کے نفاذ اور نیابتی حلقوں کی تشکیل کے ساتھ ہی بہاولپور میں انتخابی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا تھا اور مختلف امیدواروں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی صوبائی اسمبلی میں ضلع بہاولپور کے حلقہ نمبر ۸ کے لئے خاصی کھینچا تانی تھی۔ اس حلقے سے سردار ایوب خاں کے علاوہ سیٹھ عبید الرحمٰن، مہتمم اللہ بخش اور سردار محمد اسلم خاں جلوانہ بھی امیدوار تھے۔ ضلع بہاولپور کے دوسرے حلقوں میں بھی ایک سے زیادہ امیدواروں کے درمیان مقابلہ متوقع تھا علامہ ارشد۔ سردار محمود خاں۔ چوہدری مختار اور چوہدری رحمت اللہ بھی میدان میں تھے۔

اسی طرح ضلع بہاولنگر میں صوبائی اسمبلی کے لئے دو درجن سے زیادہ امیدواروں کا نام لیا جا رہا تھا۔ جن میں محمد اقبال عبدالعزیز غزنوی۔ میاں نذر محمد۔ میاں سرفراز لالیکا۔ راؤ مراتب علی۔ شیخ عزیز الرحمٰن۔ مولوی شاہ محمد۔ چوہدری کرم الٰہی اور چوہدری جمال الدین بہت بہت زیادہ سرگرم عمل تھے۔ سابق ڈپٹی کمشنر بہاولپور مولوی اختر علی بھی بہاولنگر سے قومی اسمبلی کے امیدوار تھے۔

ضلع بہاولنگر میں قومی اسمبلی کے لئے سابق وزیر زراعت ریاست بہاولپور میاں فتح محمد لالیکا۔ نواب زادہ معین الدین شہزاد۔ ملک محمد قاسم اور چوہدری محمد خاں نے دورے کرنے شروع کر دئے تھے۔

ضلع رحیم یار خاں میں مخدوم الملک اور لغاری صاحبان کے گروپ میدان میں تھے۔ اور ان میں خاصی کشمکش تھی۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری اور مخدوم حمید الدین کو آخر الذکر گروپ کی حمایت حاصل تھی۔ مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ خود بھی امیدوار تھے۔ علاوہ ازیں رئیس شبیر احمد مخدوم الملک گروپ کی حمایت سے لغاری گروپ کے امیدوار صالح محمد شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔

بہر حال کاغذات نامزدگی داخل کرنے کا وقت آیا تو قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر ۱۶۲ (ضلع بہاولپور اور ضلع بہاولنگر کی

مشترکہ نشست) کے لئے چوہدری فرزند علی۔ مولوی اختر علی۔ چوہدری حبیب اللہ۔ حاجی شیر محمد اور چوہدری جمال دین نے کاغذات داخل کئے جب کہ حلقہ نمبر ۱۶۳ بہاول نگر کے لئے ملک محمد قاسم۔ میاں فتح محمد لالیکا۔ نواب زادہ معین الدین شہزاد اور سید امیر الدین شاہ نے کاغذات نامزدگی داخل کئے اسی طرح حلقہ نمبر ۱۶۴ ضلع رحیم یار خاں کی نشست کے لئے سردار محمد اجمل خاں لغاری۔ سردار محمد امین خاں لغاری۔ مخدوم حمید الدین۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری اور قاری محمد انور صمدانی نے کاغذات داخل کئے قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر ۱۶۱ (بہاولپور اور رحیم یار خاں کی مشترکہ نشست) کے لئے صرف ولیعہد بریگیڈیئر محمد عباس عباسی نے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے چونکہ ان کے مقابلے میں کوئی دوسرا امیدوار نہ تھا اس لئے وہ بلامقابلہ قومی اسمبلی ممبر منتخب ہو گئے۔

صوبائی اسمبلی کی بارہ نشستوں کے لئے بہاولپور ڈویژن کے ۱۵۹ امیدوار میدان میں آگئے۔ فورٹ عباس کی ایک نشست کے لئے ۱۲ امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔ بہاولپور حلقہ نمبر ۱۰۸ سے کاغذات نامزدگی داخل کرنے والوں میں سردار محمد ایوب خاں۔ سیٹھ عبید الرحمٰن اور راجہ مختار علی کے علاوہ مشہور عالم دین اور جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ مولانا محمد صادق بھی شامل تھے۔

حکومت نے امیدواروں کو انتخابی جلسے کرنے کی بھی اجازت دی تھی چنانچہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے امیدواروں نے اپنے رائے دہندگان سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے خیالات و عزائم سے آگاہ کیا اسلام کی سربلندی استحکام پاکستان قومی تعمیر اور علاقائی ترقی کے لئے تقریباً ہر امیدوار نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

انتخابی نتائج

پاکستان کی پہلی قومی اسمبلی کے انتخابات ۲۸ اپریل ۱۹۶۲ء کو مکمل ہو گئے تھے۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے ۶۳۵ پولنگ اسٹیشنوں پر تقریباً ۸۰ ہزار اراکین بنیادی جمہوریت نے ووٹ دئے۔ بہاولپور ڈویژن میں رائے دہندگی کا اوسط ۹۵ فیصدی رہی۔ اور انتخابی نتائج کے مطابق مخدوم حمید الدین۔ مولوی اختر علی اور ملک محمد قاسم کامیاب ہوئے۔ ولیعہد بریگیڈیئر محمد عباس عباسی پہلے ہی بلامقابلہ کامیاب ہو گئے تھے۔

صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب ہونے والے صاحبان یہ تھے۔

(۱) علامہ ارشد (ضلع بہاولپور) (۲) سردار محمد ایوب (ضلع بہاولپور) (۳) مخدوم شمس الدین گیلانی (ضلع بہاولپور) (۴) سید احمد نواز شاہ گردیزی (ضلع بہاولپور) (۵) محمد اکبر کانجو (ضلع رحیم یار خاں) (۶) رئیس بشیر احمد (ضلع رحیم یار خاں) (۷) جمال محمد کوریجہ (ضلع رحیم یار خاں) (۸) عبدالحق جامی (ضلع رحیم یار خاں) (۹) محمد زمان چشتی (ضلع بہاولنگر) (۱۰) محمد علی (ضلع بہاولنگر) (۱۱) راجہ غلام نبی مہاروی (ضلع بہاولنگر) (۱۲) محمد اقبال (ضلع بہاولنگر)

ناکام ہونے والی مشہور شخصیتوں میں مولانا محمد صادق مولوی محمد عمران امیر جماعت اسلامی اور سابق اکاؤنٹنٹ جنرل سردار محمد اسلم جلانہ شامل تھے اول الذکر دونوں صاحبان کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں تھیں۔

یوں تو یہ انتخابات آزادانہ فضا میں ہوئے تھے۔ اور حکومت کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی تھی لیکن ذات برادری۔ تحریص و ترغیب اور ذاتی اثر و رسوخ کو پھر بھی ان میں دخل رہا۔

صوبائی اسمبلی میں بہاولپور کی محرومیوں کے خلاف پہلی آواز

صوبائی اسمبلی کی تشکیل کے بعد جب اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں سردار محمد ایوب خاں نے پہلی مرتبہ بہاولپور کی محرومیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

"بہاولپور ون یونٹ کا سب سے زیادہ نظرانداز کیا ہوا علاقہ ہے۔ اس وقت اس اسمبلی میں بہاولپور کے بارہ نمائندے ہیں اور اس مسئلہ پر سب متفق ہیں کہ سابق ریاست نے ایک یونٹ میں شرکت کے لئے متفقہ طور پر رائے دی تھی۔ مگر آج اسی علاقے کے ساتھ غیر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

"ایک یونٹ سے پہلے بہاولپور کا بجٹ ۷ کروڑ روپے سے زیادہ تھا جس میں سے ۲½ کروڑ روپیہ ریاست کے ترقیاتی کاموں پر صرف ہوتا تھا۔ لیکن ایک یونٹ کے بعد بہاولپور کا ترقیاتی بجٹ آدھے سے بھی کم رہ گیا ہے۔ ایک یونٹ سے پہلے جو منصوبے شروع کئے گئے تھے انہیں نامکمل چھوڑ دیا گیا۔"

سیاسی جماعتوں کی بحالی

جولائی ۱۹۶۲ء کے وسط میں قومی اسمبلی نے سیاسی جماعتوں کی بحالی کا قانون منظور کیا تھا جس کی صدر نے توثیق کردی تھی اس کے بعد وہ تمام سیاسی جماعتیں جن پر اکتوبر ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے تحت پابندی عائد کردی گئی تھی بحال ہو گئی تھیں البتہ ان سیاستدانوں پر سیاست میں حصہ لینے پر بدستور پابندی عائد تھی جو ایبڈو سے متاثر ہوئے تھے چنانچہ پورے ۴۴ ماہ کے تعطل کے بعد مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے اپنی اپنی جماعتوں کے اجلاس منعقد کرنے کی تیاریاں شروع کیں ان جماعتوں میں مسلم لیگ اور جماعت اسلامی سب سے زیادہ پیش پیش تھیں۔ بہاولپور میں بھی ان دونوں جماعتوں کے ارکان خاصے سرگرم عمل تھے ساڑھے تین سال بعد مارشل لا کی گھٹن ختم ہوئی تھی۔ چنانچہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی ملتان سے بہاولپور پہنچے تو یہاں کی پژمردہ سیاسی فضا پر بہار آ گئی۔ انہوں نے آتے ہی پہلے جماعت اسلامی کے دفتر میں ارکین اور متفقین سے گفتگو کی پھر ضلع کچہری کے بار روم میں بار ایسوسی ایشن کے ارکان سے خطاب کیا۔ ۹ بجے رات کو عیدگاہ بہاولپور میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں مولانا نے جمہوریت اور عائلی قوانین کے موضوع پر تقریر کی۔ مولانا مودودی کا یہ دورہ دو روزہ تھا۔ اس میں انہوں نے بعض مخصوص اجتماعات میں بھی شرکت کی اور اخبار نویسوں سے بھی ملاقات کی۔ ان کی تمام گفتگو اور تقریروں کا خلاصہ یہ تھا کہ

(۱) ملک میں کامل جمہوریت کی بحالی ایک اہم اور متفقہ ضرورت ہے۔

(۲) پاکستان میں خلوص دل سے نہ کبھی جمہوریت کو آزمایا گیا ہے نہ اسلامی نظام حکومت کو بلکہ اسلام اور جمہوریت کا نام لے کر قوم کو ان دونوں راستوں سے دور ہٹایا گیا ہے۔

(۳) اعلیٰ سرکاری افسروں کی مداخلت بے جا اس ملک کی سیاست کے لیے ہمیشہ ایک بڑی مصیبت بنی رہی ہے افسروں کو سیاست میں حصہ لینا ہی ہے تو ملازمتوں سے استعفیٰ دے کر سیاسی زندگی میں قدم رکھنا چاہیئے۔

(۴) اخبارات۔ ریڈیو اور دوسرے ذرائع نشر و اشاعت سے مبالغہ آرائی۔ جانبداری۔ خوشامد اور رنگ آمیزی کو ختم کر کے ان ذرائع کو عوام تک صحیح رائے اور خیالات پہنچانے کے لئے وقف کیا جانا چاہیئے۔

(۵) عائلی قوانین قرآن و سنت کے منافی ہیں انہیں منسوخ کر کے اسلامی ہدایات کی روشنی میں نیا خاندانی قانون بنایا جائے۔

مولانا مودودی کی تقریروں کو یہاں بڑے ذوق و شوق سے سنا یا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں کی وہ گھنڈیاں جو ایک آمرانہ نظام نے لگا رکھی تھیں وہ اب کھلنی شروع ہو گئی ہیں۔

دو مسلم لیگوں کا ظہور

سیاسی جماعتوں پر پابندی کا خاتمہ ہونے کے بعد ملک میں سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو صدر ایوب نے بھی اپنے اقتدار کے استحکام و بقا کے لئے کسی سیاسی جماعت کا سہارا لینا ضروری سمجھا۔ مسلم لیگ اگرچہ مشرقی پاکستان میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد اپنا پرانا بھرم قائم نہیں رکھ سکی تھی لیکن اب بھی اس کے نام میں اتنی کشش تھی کہ لوگوں کو اس کے جھنڈے تلے جمع کرنا مشکل نہ تھا۔ علاوہ ازیں اب تک ملک میں کوئی ایسی جماعت پیدا نہیں ہو سکی تھی جو مسلم لیگ کی طرح تابناک ماضی رکھتی ہو کم از کم اس کی تاریخی حیثیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اس بات کے امکانات موجود تھے کہ اگر اسے پھر قوت حاکمہ حاصل ہو جائے تو اس کا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال ہو سکتا ہے۔

ان امور کے پیش نظر صدر ایوب نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کر کے اس پر قبضہ جمانے کا پروگرام بنایا۔ اس غرض کے لئے کراچی میں مسلم لیگیوں کا ایک کنونشن منعقد کیا گیا۔ اس کنونشن میں ایسے لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔ جو صدر ایوب کے اس منصوبے کی راہ میں حائل نہ ہوں اور جن کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ وہ اسے صدر کی جیب میں جانے نہیں دیں گے۔ انہیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ جو مسلم لیگی لیڈر اس کنونشن میں شریک نہ ہوئے انہوں نے نہ صرف کنونشن کی آئینی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کر کے خواجہ ناظم الدین کو اس کا صدر منتخب

منتخب کرلیا۔ اس طرح بیک وقت دو مسلم لیگیں معرض وجود میں آ گئیں۔ ایک کنونشن لیگ کہلائی جسے صدر ایوب کی آشیرباد حاصل تھی اور دوسری کونسل مسلم لیگ کہلائی جس کے صدر خواجہ ناظم الدین تھے۔ کنونشن مسلم لیگ میں زیادہ تر وہ لیگی کارکن شامل ہوئے تھے جو حکومت کی شہ پر پہلے مسلم لیگ کو چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شمولیت کر چکے تھے اور جن کا مقصود نظر حکومت میں عہدے اور مراعات حاصل کرنا تھا۔ بہاولپور کے ری پبلکن ارکان کی غالب اکثریت نے بھی یہی راہ اختیار کی تھی۔ یہاں ان دو لوں ایبڈو کی زد میں آنے کی وجہ سے مخدوم زادہ حسن محمود تو پس منظر میں چلے گئے تھے۔ البتہ ان کے دست راست سید احمد نواز شاہ گردیزی منظر پر موجود تھے۔ اور کنونشن لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں سرگرم عمل تھے گردیزی صاحب کے علاوہ بہاولنگر میں ملک محمد قاسم کنونشن لیگ کے زبردست حامی تھے انہیں وزارت دفاع کا پارلیمنٹری سیکرٹری بنایا گیا تھا۔ ضلع رحیم یار خان میں مخدوم حمید الدین کنونشن لیگ سے وابستہ تھے اور وہ اپنے حلقۂ اثر میں اس کی تنظیم کے لئے کوشاں تھے۔

کنونشن مسلم لیگ کی طرح کونسل مسلم لیگ بھی بہاولپور میں اپنی تنظیم کی طرف سے غافل نہ تھی۔ اس میں چوہدری فرزند علی۔ میاں نظام الدین حیدر، سردار محمد ایوب اور دوسرے پرانے مسلم لیگی بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔

کونسل مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ آئندہ دو سال تک پارٹی کو مضبوط بنانے اور ملک میں سیاسی استحکام پیدا کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے اور حزب اختلاف میں بیٹھ کر حکومت کی خامیوں اور غلطیوں کو ظاہر کرنا چاہیئے بہاولپور میں جو لوگ کونسل مسلم لیگ سے وابستہ تھے وہ اسی پالیسی سے گامزن تھے۔

صوبائی کابینہ میں بہاولپور کی نمائندگی

صوبائی کابینہ کی تشکیل کے بعد برابر یہ مطالبہ ہو رہا تھا کہ بہاولپور سے بھی کابینہ میں کم از کم ایک نمائندہ لیا جائے جو صوبائی اسمبلی کے بہاولپوری ارکان نے ایک محضر نامہ کے ذریعہ بھی گورنر سے یہ درخواست کی تھی اور چند موزوں امیدواروں کے نام بھی پیش کئے تھے۔ لیکن اس وقت تو گورنر نے یہ بات کہہ کر ختم کر دی تھی کہ بہاولپور کے ارکان میں اس مسئلہ پر خاصی نااتفاقی ہے اس لئے سردست صوبائی کابینہ میں بہاولپور کے کسی نمائندہ کو لینا مشکل ہے۔ لیکن بعد میں سید احمد نواز شاہ گردیزی کو صوبائی کابینہ کے لئے چن لیا گیا تھا۔ انہیں سماجی بہبود، امداد باہمی اور محنت کے محکمے سپرد کئے گئے تھے۔ شاہ صاحب مارشل لاء سے پہلے مرکز کے وزیر مملکت بھی رہ چکے تھے۔ اور ایک مخلص سیاسی کارکن کی حیثیت سے اچھی شہرت کے مالک تھے۔ ان کے انتخاب سے اگرچہ ان لوگوں کو مایوسی ہوئی تھی۔ جنہوں نے محضر نامے میں کچھ اور لوگوں کے نام تجویز کئے تھے۔ تاہم کابینہ میں شاہ صاحب کی شمولیت کے بعد بہاولپور کی نمائندگی کا مطالبہ پورا ہو گیا۔

ڈسٹرکٹ کونسل بہاولنگر کا مطالبہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سیاسی جماعتوں پر پابندی ختم ہونے کے ساتھ ہی ملک میں سیاسی گہما گہمی شروع ہو گئی تھی۔ اور جو لوگ مارشل لاء

کے خوف سے مہر بلب تھے ان کی نہ صرف زبانیں کھل گئی تھیں بلکہ ان میں اظہار رائے کی جرأت بھی عود کر آئی تھی۔ اس جرأت اظہار کا ایک نمونہ ستمبر ۱۹۶۲ء میں ڈسٹرکٹ کونسل بہاولنگر کے ایک اجلاس میں دیکھنے میں آیا۔ اجلاس میں فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے نفاذ کا مسئلہ پیش ہوا تھا۔ مغربی پاکستان کے اکثر اضلاع میں یہ قانون نافذ تھا۔ ماد ہاں کی ضلعی کونسلوں نے اس کے نفاذ کی سفارش کی تھی۔ لیکن ڈسٹرکٹ کونسل بہاولنگر کے سامنے اس رسوائے زمانہ قانون کے نفاذ کا مسئلہ رکھا گیا تو غیر سرکاری ممبران کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی جس کی وجہ سے اسے منظور نہ کیا جا سکا۔ اس موقع پر جن ممبران نے مخالفانہ تقریریں کی تھیں۔ ان میں رانا محمد خاں۔ مرزا ثناء اللہ۔ مولوی شاہ محمد اور سید فضل الحسن شاہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

بلدیہ بہاولپور کے نئے وائس چیئرمین

سردار محمد ایوب صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کے بعد بلدیہ بہاولپور کی وائس چیئرمینی سے مستعفی ہو گئے۔ نئے وائس چیئرمین کے انتخاب کے لئے تاریخ مقرر ہوئی تو سیٹھ عبید الرحمٰن اور کرنل معتصم باللہ بطور امیدوار سامنے آئے دونوں کی طرف سے زبردست کنویسنگ ہوئی بعض لوگوں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا تھا۔ اور بعض سیاستدان اس انتخاب کے نتیجے پر بہاولپور شہر کی آئندہ سیاست کا دارومدار سمجھتے تھے۔ ان احساسات کے تحت دونوں امیدواروں کے حامیوں نے دن رات کام کیا۔ انتخاب ہوا تو دونوں کے ووٹ برابر نکلے آخر قرعہ اندازی ہوئی جس میں سیٹھ عبید الرحمٰن کا نام نکلا اور اس طرح وہ بلدیہ بہاولپور کے وائس چیئرمین منتخب ہو گئے۔

صوبائی اسمبلی کی رکنیت کا ضمنی انتخاب

نئے آئین کے تحت مرکز یا صوبے کا کوئی وزیر اسمبلیوں میں اپنی ممبری برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لئے جب سید احمد نواز شاہ گردیزی کو صوبائی کابینہ کا رکن نامزد کیا گیا تو وہ صوبائی اسمبلی کی رکنیت سے محروم ہو گئے۔ ان کی خالی نشست کے لئے حکومت نے ضمنی انتخاب کا اہتمام کیا۔ اب اس نشست کے امیدوار ایک تو شاہ صاحب کے بڑے بھائی سید محمد نواز شاہ تھے اور دوسرے میاں نظام الدین حیدر۔ شاہ صاحب کو کنونشن مسلم لیگ کی ارکان کی حمائت حاصل تھی۔ جبکہ میاں صاحب کونسل مسلم لیگ کی حمائت سے کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں امیدواروں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور سید محمد نواز شاہ گردیزی ۲۲ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔

کونسل لیگ کے لیڈروں کا دورۂ بہاولپور

بہاولپور میں کونسل مسلم لیگ خاصی فعال تھی۔ مقامی لیڈر کا قومی لیڈروں سے بھی برابر رابطہ تھا۔ جو وقتاً فوقتاً بہاولپور کے دورے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۱ جنوری ۱۹۶۳ء کو پاکستان کونسل مسلم لیگ کے سکرٹری جنرل سردار بہادر خاں بہاولپور آئے اور یہاں ایک جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس آرڈیننس پر سخت تنقید کی جسکے تحت صدر نے ایبڈو میں سیاستدانوں کے مقدمات پر نظرثانی کے اختیارات حاصل کئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا مقصد صرف

ایڈورڈ وزہ رکی بیگن لیڈروں کو معافی دے کر اس بناسپتی مسلم لیگ میں لاناہے جو حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے اور اس کی جا د بے جا پالیسیوں کی تائید کرنے کے لئے تشکیل دی جا رہی ہے۔ سردار بہادر خاں نے ملک کے نئے آئین پر بھی تنقید کی اور کہا کہ یہ سرتاپا غلط ہے۔ عوام اس کو بدل کر رہیں گے کیونکہ یہ قدم قدم پر حکومت کی طرف سے عوام کی رائے سے بیزاری کی غمازی کرتا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ہم اس جماعت کو ایک بار پھر عوام کی مقبول ترین جماعت بنانے کا عزم کر چکے ہیں عوام کو چاہیئے کہ وہ اس میں شامل ہو کر اسے مضبوط بنائیں تاکہ پاکستان کی سالمیت کو صحیح معنوں میں برقرار رکھا جا سکے۔ جلسہ میں سردار بہادر خاں کے علاوہ قاضی مرید احمد اور مسٹر ابوسعید انور نے بھی تقریریں کیں۔

۱۲ اپریل کو کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین بہاولپور تشریف لائے اور پبلک پارک میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کیا۔ اندازاً ۲۰ ہزار افراد اس جلسے میں شریک تھے خواجہ صاحب نے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے قومی جمہوری محاذ (جو سہروردی صاحب کے ایما پر ان دنوں بعض جماعتوں کے اشتراک عمل سے قائم ہوا تھا) کے متعلق کہا کہ یہ ملک گیر بنیاد پر کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے۔ اس لئے اس میں مسلم لیگ کی شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسلم لیگ کا اپنا پلیٹ فارم ہے اور اس نے بڑے واضح انداز میں اپنے مطالبات پیش کئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ جہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مسلم لیگ دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے۔ مثال کے طور پر قومی اسمبلی میں مسلم لیگ مخلوط حزب اختلاف میں شامل ہے اور اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ بنیادی حقوق کا بل عوام کی خواہشات کے مطابق پاس ہو اور اس میں جمہوری روح کارفرما ہو۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کا اس وقت سب سے بڑا مقصد ملک میں جمہوریت کی بحالی ہے اور اس وقت مسلم لیگ سب سے زیادہ توجہ اپنی تنظیم کی طرف دے رہی ہے۔ دو سال کے عرصہ میں ہم مسلم لیگ کی تنظیم کریں گے اور آئندہ انتخابات کی تیاریاں کریں گے۔ اگر ہم برسراقتدار آگئے تو ملک کی موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

دو خطرے

خواجہ صاحب نے کہا کہ اس وقت ملک کو دو بہت بڑے خطرے درپیش ہیں۔ انہیں خطروں کے پیش نظر میں دوبارہ سیاست کے میدان میں آیا ہوں۔ مجھے عہدے کا لالچ نہیں ہے"

انہوں نے کہا کہ پہلا خطرہ یہ ہے کہ بعض مغربی ذہن کے لوگ اسلام کو ترقی پسند بنانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن وسنت کے قوانین ناقص اور نامکمل ہیں۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ بعض طاقتیں ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ ہی وہ واحد جماعت ہے جو ان خطروں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اور دونوں صوبوں میں مساوی طور پر موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

خواجہ صاحب نے جلسہ عام میں لوگوں کے سوالوں کے جواب بھی دئے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ۱۹۵۲ء کے بعد سے ملک میں مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی بلکہ بعض اقتدار پسند لوگوں نے مسلم لیگ کا نام استعمال

کیا۔ بعد میں یہ لوگ ری پبلکن پارٹی میں چلے گئے تھے ۔ اس وقت حکومتیں محلاتی سازشوں سے ٹوٹتی اور بنتی تھیں۔

کنونشن مسلم لیگ اور صدر ایوب

ادھر کونسل مسلم لیگ منظم ہو رہی تھی اور ادھر کنونشن مسلم لیگ میں صدر ایوب کو شامل کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اصل کنونشن مسلم لیگ بنی ہی صدر ایوب کے لئے تھی ۔ اگرچہ شروع میں وہ اس لئے اس میں شامل نہیں ہوئے تھے کہ لوگ اسے صدر ایوب کی ساختہ پرداختہ جماعت نہ سمجھیں۔ ساتھ ہی وہ اس بات کے بھی منتظر تھے کہ یہ کچھ عوامی طاقت حاصل کر لے تو اس میں شمولیت کا اعلان کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ کافی لوگ اس میں آچکے ہیں تو انہوں نے اپریل ۱۹۶۳ء میں باقاعدہ اس کی رکنیت حاصل کرنے کا اعلان کر دیا۔ صدر ایوب کی باقاعدہ شمولیت کے بعد کنونشن مسلم لیگ موقع پرست لوگوں کے لئے اور پرکشش ہو گئی ۔ اور وہ دھڑا دھڑ اس میں شامل ہونے لگے دسمبر ۱۹۶۳ء کو ڈھاکہ میں کنونشن لیگ کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اور اس میں صدر ایوب کو جماعت کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ صدر کے علاوہ دو نائب صدر اور دو جائینٹ سکرٹریوں کا انتخاب بھی اسی اجلاس میں ہوا جس کے مطابق راجہ حسن اختر اور مسٹر عبدالجبار خاں نائب صدر اور مسٹر منظر عالم اور عبداللہ ظہیر الدین لال میاں جائینٹ سکرٹری بنے۔ سکرٹری جنرل کے انتخاب کے لئے کونسل نے صدر کو اختیار دیا تھا۔

شروع شروع میں صدر ایوب کے متعلق عام طور پر حسن ظن تھا کہ وہ محض ایک سپاہی کی طرح ملک کی بقاء تحفظ کا فریضہ انجام دیں گے ۔ اور جب ملک کے حالات درست ہو جائیں گے وہ ملک کا اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کر کے خود واپس فوج میں چلے جائیں گے ۔ لیکن اس خوش گمانی پر پہلی ضرب اس وقت لگی جب انہوں نے بنیادی جمہوریتوں کے ارکان سے اپنے حق میں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد اپنی صدارت کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اور اب جو رہی سہی کسر باقی رہ گئی تھی وہ مسلم لیگ میں ان کی شمولیت اور اس کی صدارت کا عہدہ قبول کرنے کے بعد پوری ہو گئی ۔ اگرچہ مسلم لیگ میں شمولیت کے وقت بھی انہوں نے یہ کہا تھا کہ

> "چونکہ لوگ میرے اصولوں پر چلنے کے بجائے یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کی خواہشات کے مطابق چلوں لہذا میں سیاسی جماعت میں شامل ہو گیا ہوں"

اس بیان کی حقیقت خود فریبی سے زیادہ نہ تھی ۔ اور اب یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ صدر ایوب ابتدا سے ہی اپنے اقتدار کو دوامی بنانے کا ساز و سامان کر رہے تھے ۔ اسی غرض کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم اپنے ڈھب پر کرائی تھی ۔ جس کے حسب ضرورت منظم ہونے پر انہوں نے نہ صرف اس میں ایک عام رکن کی حیثیت سے شمولیت کی بلکہ اس کے مختار کل بن گئے ۔ اس کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ وہ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کا پلیٹ فارم استعمال کرنا چاہتے تھے ۔ تاکہ بیرونی دنیا پر یہ ثابت کیا جا سکے کہ ملک کی سیاست پر ان کا پورا کنٹرول ہے ۔

انتخابات کی تیاریاں

ملک کے آئندہ انتخابات کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے ۱۹۶۵ء میں عام انتخابات کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس سے پہلے بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات ہونے تھے۔ جو ۱۹۶۴ء کے اواخر تک مکمل ہونے تھے۔ اس سلسلے میں جہاں اپوزیشن جماعتوں نے دوڑ دھوپ شروع کر رکھی تھی۔ وہاں صدر ایوب بھی اس طرف سے غافل نہ تھے۔ اور کوئی نہ کوئی موقع نکال کر مختلف علاقوں کا دورہ کرتے رہتے مقصد یہی ہوتا تھا کہ لوگوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ وہ ان کی فلاح وبہبود سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ بہاولپور جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کرنے کے لئے بھی وہ خود بہ نفس نفیس آئے یہاں انہوں نے ۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو شہریوں کے ایک عصرانے میں شرکت کی اور ۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کیا دونوں موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں ان میں سیاسی رنگ صاف جھلکتا تھا۔

شہری استقبالیہ میں جو بہاولپور اسٹیڈیم میں دیا گیا تھا۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ

"پاکستان ہندوستان کی جنگی تیاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے اگر وہ دوسرے ملکوں کو تباہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے تو اسے کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا جائے گا"

انہوں نے مزید کہا کہ

اگر ہندوستان نے حملہ کیا تو بہت بڑی جنگ شروع ہو جائے گی۔ کشمیر ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اسے ہر قیمت پر حل کیا جائے گا۔

صدر ایوب نے اپنی تقریر میں مقامی مسائل کا بھی ذکر کیا اور یہ یقین دلایا کہ ان کی حکومت بہاولپور کی ترقی کے لئے ہر ممکن قدم اٹھائے گی۔ انہوں نے مسلم لیگ میں اپنی شمولیت کے جواز میں کہا کہ

"وہ ملک میں سو فیصد جمہوری نظام چاہتے ہیں۔ لیکن ایسا نظام ملک میں نظم وضبط رکھنے اور ٹھوس بنیادوں پر منظم ہونے والی سیاسی جماعتوں کی غیر موجودگی میں بے حد مشکل ہے۔ جس سیاسی جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا میں نے فیصلہ کیا ہے اسے عنقریب ایک عوامی جماعت بنایا جائے گا۔"

انہوں نے آخر میں بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کو ہدایت کی کہ وہ آنے والے جماعتی انتخاب میں دیانتداری اور تنظیم سے کام لیں تاکہ ملک کی موجودہ سیاسی افراتفری ختم ہو جائے۔

بہاولپور کی شکایات کا ازالہ

انتخابات کے قریب آنے کے ساتھ ہی حکومت کو ان کوتاہیوں کی تلافی کی بھی فکر لاحق ہو گئی تھی جو چھوٹے یونٹوں کے ساتھ وحدت مغربی پاکستان میں ضم ہونے کے بعد ہوئی تھیں۔ چنانچہ بہاولپور کے دن بھی بدلنے شروع ہوئے۔ اور ۶۴-۱۹۶۳ء کا جو صوبائی ترقیاتی بجٹ بھی تیار ہوا تھا اس میں بہاولپور کیلئے ۳ کروڑ ۶۷ لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی اس سے پہلے صوبائی بجٹ میں کبھی

اتنی رقم نہیں رکھی گئی تھی۔ پچھلے سال بھی صرف ۵ء۶ لاکھ روپے بہاولپور کے لئے مختص تھے۔ ایک دم ۵۷ء۴ فیصد اخراجات کا اضافہ اس امر کا غماز تھا کہ حکومت اب بہاولپور کی شکایات کا ازالہ کرنا چاہتی ہے تاکہ یہاں کے نمائندگان آئندہ انتخابات میں خوشدلی کے ساتھ حصہ لے سکیں۔ اور کنونشن مسلم لیگ ان کی تائید و حمایت سے محروم نہ رہ جائے۔

ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں میں سیاست کی آمیزش

اب سے پہلے ڈویژنل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں میں سوائے ترقیاتی امور کے کوئی ایسی بات زیر بحث نہیں آئی تھی جس کا تعلق ملک کی سیاست سے ہو۔ لیکن صدر ایوب کے مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد یہ پابندی ختم ہوگئی۔ اور مختلف سیاسی امور بھی زیر غور آنے لگے۔ چنانچہ بالالتزام تمام ڈسٹرکٹ کونسلوں نے صدر ایوب پر اعتماد کی قرار دادیں منظور کیں اور پھر جب طریق انتخاب کا مسئلہ ملک کی توجہ کا مرکز بنا تو ان کونسلوں نے اس سلسلہ میں بھی قرار دادوں کے ذریعہ اپنی آراء کا اظہار کیا۔ جو حکومتی نقطہ نظر کے مطابق بالواسطہ طریق انتخاب کے حق میں تھیں۔

مخدوم زادہ حسن محمود کی سرگرمیاں

مخدوم زادہ سید حسن محمود اگرچہ مارشل لاء کے بعد سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایبڈو نے ان کی تمام سیاسی سرگرمیوں کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن جب سے صدر ایوب کو سیاسی قوت کی ضرورت پیدا ہوئی تھی انہوں نے ایسے سیاستدانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا جو ایبڈو کی پابندی کے باوجود ان کے لئے کام کر سکیں۔ مخدوم زادہ ان میں سرفہرست تھے ان کی اپنی ضرورت بھی اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ حکومت کا ساتھ دیں ان کے ذمہ مختلف بنکوں کا لاکھوں روپیہ قابل ادائیگی تھا۔ نیز انہیں اپنے کاروبار کے لئے مزید مراعات بھی درکار تھیں۔ لہٰذا انہوں نے صدر ایوب کے ایماء سے اپریل ۱۹۶۴ء میں اپنے پرانے رفقاء کو ساتھ لے کر بہاولپور ڈویژن کا دورہ کیا اور لوگوں کو کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ ان کا یہ دورہ خاصا کامیاب ثابت ہوا۔ یونین کونسلوں کے سینکڑوں اراکین انکی تحریک پر کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے بہت سے ایسے ارکان بھی جو کونسل مسلم لیگ سے وابستہ تھے انہیں مخدوم زادہ کھینچ کر کنونشن مسلم لیگ میں لے گئے۔ ان میں سردار محمد ایوب کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اپوزیشن کے ارکان نے مخدوم زادہ کی ان سیاسی سرگرمیوں کو غیر قانونی قرار دے کر حکومت کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن حکومت کی طرف سے یہ کہہ کر ان کا منہ بند کر دیا گیا کہ حزب اختلاف کو بھی تو بعض ایبڈو زدہ سیاستدانوں کی تائید و حمایت حاصل ہے اس لئے جب ان کے لئے کوئی ممانعت نہیں تو حکومت کے حامی ایبڈوڈین کو ان کی سرگرمیوں سے کیوں منع کیا جائے۔

صدارتی امیدوار

آئندہ انتخابات میں صدر ایوب تو صدارتی امیدوار تھے ہی کونسل مسلم لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں نے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو بھی صدارت کے انتخاب میں حصہ لینے پر آمادہ کر لیا۔ یہ صورت حال جہاں اپوزیشن پارٹیوں کے لئے بڑی نازک تھی وہاں حکومتی پارٹی بالخصوص صدر ایوب کے لئے

بھی تشویشناک تھی۔ مادر ملت بانی پاکستان حضرت قائد اعظم کی ہمشیرہ ہونے کی وجہ سے ہر پاکستانی کے لئے قابل احترام تھیں۔ جن لوگوں نے تحریک پاکستان کے دنوں میں انہیں قائد اعظم کے دوش بدوش مصروف عمل دیکھا تھا۔ وہ ان کی خدمات کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ حقیقت میں انہوں نے صدارتی امیدوار بننے کا فیصلہ کر کے پوری قوم کو ایک امتحان میں مبتلا کر دیا تھا۔ بہر حال دوسرے علاقوں کی طرح بہاولپور میں بھی صدارتی انتخاب کے لئے مادر ملت کی نامزدگی کا زبردست خیر مقدم کیا گیا اور صادق آباد سے فورٹ عباس تک جوش و جذبہ کی لہر دوڑ گئی۔ اسی جوش و جذبہ کو دیکھ کر مادر ملت نے مغربی پاکستان کے پہلے انتخابی دورے سے واپسی پر جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۶۴ء کے پہلے ہفتے میں کیا تھا یہ کہا تھا کہ

"یہ ایک حیرت انگیز تجربہ تھا ہر جگہ لوگوں نے دل سے میرا پرجوش استقبال کیا اگر انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں تو عوام میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں"

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی اس غیر معمولی مقبولیت کو دیکھ کر صدر ایوب کو بھی قبل از وقت انتخابی دورے کا پروگرام بنانا پڑا۔ چنانچہ اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں وہ بہاولپور بھی آئے۔ یہ دورہ طوفانی قسم کا تھا۔ ہر جگہ ریلوے اسٹیشن پر ہی ان کے خطاب کا انتظام کیا گیا تھا۔ بہاولپور کے ارکان بنیادی جمہوریت کو بھی اسٹیشن پر جمع کیا گیا تھا۔ یہیں انہوں نے چیدہ چیدہ شخصیتوں سے جنہیں قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ارکان بھی تھے ملاقات کی۔ ملاقات کرنے والوں میں دیگر اہم شخصیتوں کے علاوہ مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ بھی شامل تھے۔ اسی موقع پر انہوں نے ارکان بنیادی جمہوریت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"آئندہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں گے۔ آپ کو چاہیئے کہ موزوں امیدوار کا انتخاب کریں۔ تاکہ وہ ملک و قوم کی صحیح خدمت کر سکیں"

صدر ایوب کا خطاب عام

۲۱ اکتوبر کو بہاولپور اسٹیڈیم میں کنونشن مسلم لیگ کی طرف سے ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بہاولپور ڈویژنل کنونشن مسلم لیگ کے صدر مخدوم حمید الدین نے سپاسنامہ پیش کیا۔ اور پھر صوبائی کنونشن لیگ کے قائمقام صدر شیخ مسعود صادق اور مولانا بشیر احمد افگر نے تقریریں کیں ان کے بعد صدر ایوب نے عوام سے خطاب کیا انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

"آئندہ انتخابات میں دو قسم کے لوگ آپکے سامنے آ رہے ہیں ایک طرف مسلم لیگ کے وہ عناصر ہیں جو ملک کے دوست ہیں اور دوسری طرف جگتو فرنٹ ہے۔ آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔ کہ آپ مسلم لیگ (کنونشن) اور اس کے نظریہ کا ساتھ دیں یا جگتو فرنٹ کے معاون ہوں۔

"جگتو فرنٹ میں ایک عنصر ایسا ہے جس کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا قبلہ ہی کہیں اور ہے وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان پھلے پھولے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پاکستان کے قیام کے وقت سے ہی

اس کے دشمن ہیں یہ کبھی نہیں چاہتے کہ پاکستان مضبوط ہو۔ چند لوگ ایسے بھی ہیں جو پنجابی اور علاقائی تعصب پیدا کر رہے ہیں۔ لوگوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں تاکہ پاکستان کا مرکز کمزور ہو جائے۔

"یہ بات کتنی دلخراش ہے کہ جس قائداعظم نے پاکستان حاصل کیا تھا اس کی ہمشیرہ جگتو فرنٹ کی لیڈر بن گئی ہے۔ قائداعظم کے بعد جو حکومت بھی بنی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اس کی مخالفت کی اس کی وجہ قائداعظم کے جاننے والے یہ بتاتے ہیں کہ یہ پاکستان انہیں بطور میراث مل جانا چاہیئے اگر مس جناح یہ سمجھتی ہیں کہ پاکستان ان کی جاگیر ہے تو ان کی غلطی ہے۔ یہ ملک دس کروڑ پاکستانیوں کا ہے اور اس ورثہ میں ہر مرد اور عورت برابر کے شریک ہیں جو قائداعظم نے چھوڑا ہے۔

"صدر آپ کو ایسے آدمی کو چننا چاہیئے جو انتظامیہ کو سنبھال سکے۔ بیرونی ملکوں سے رابطہ رکھ سکے اور فوجوں کا نظام چلا سکے۔ محترمہ فاطمہ جناح کی عمر ۷۰ برس ہے اور اس عمر میں ملک کے مسائل کو سمجھنا مشکل ہے انہیں اب کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ سارا ملک مصیبت میں پڑ جائے"

بنیادی جمہوریتوں کا انتخاب

بنیادی جمہوریتوں کے انتخاب کے لئے پورے مغربی پاکستان میں ۳۱ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی تھی اس مرتبہ بہاولپور کے پڑھے لکھے اور باشعور لوگ ان انتخابات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ امیدواروں میں وکلاء، صحافی۔ ریٹائرڈ سرکاری ملازمین اور سابق ایم۔ پی۔ اے کی کافی تعداد تھی۔ کنونشن لیگ کے مقابلہ میں مختلف سیاسی جماعتوں نے مل کر ایک متحدہ محاذ بنا لیا تھا۔ یہ محاذ کم و بیش انہیں جماعتوں پر مشتمل تھا۔ جنہوں نے ملکی سطح پر اتحاد عمل کر رکھا تھا۔ بہاولپور کے متحدہ محاذ نے اگرچہ امیدواروں کو باقاعدہ ٹکٹ نہیں دیئے تھے لیکن جن امیدواروں کے متعلق انہیں یقین تھا کہ وہ آگے چل کر اس کا ساتھ دیں گے ان کی پوری پوری حمایت کی تھی۔ انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو کنونشن مسلم لیگ کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس نے ۸۵ فیصد نشستیں حاصل کی ہیں ان کے دعوے کے مطابق ضلع بہاولپور کے ۷۶۵ یونٹوں میں سے ۶۵۰ پر کنونشن لیگ اور ۵۷ پر متحدہ محاذ نے کامیابی حاصل کی ہے۔ باقی یونٹوں میں ایسے امیدوار کامیاب ہوئے جن کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس کا ساتھ دیں گے اسی طرح ضلع بہاولنگر کے ۴۷۰ یونٹوں میں ۵۳۰ پر کنونشن ۱۳۹ پر متحدہ محاذ اور ۴۳ پر آزاد امیدوار اور ضلع رحیم یار خاں کے ۸۳۵ یونٹوں میں سے ۷۸۰ پر کنونشن لیگ ۳۸ پر متحدہ محاذ اور ۷ پر آزاد امیدواروں کی کامیابی کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ لیکن متحدہ محاذ کا دعویٰ اس کے برعکس تھا۔ میاں نظام الدین حیدر صدر ڈویژنل کونسل مسلم لیگ نے دعویٰ کیا تھا کہ بہاولپور شہر کے ۸۰ فیصد یونٹوں پر اور پورے ڈویژن میں تقریباً پچاس فیصد نشستوں پر متحدہ حزب اختلاف نے کامیابی حاصل کی ہے۔

بہرحال ان انتخابات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ۷۵ فیصد تعلیم یافتہ امیدوار منتخب ہوئے تھے

شہروں میں گریجوایٹس اور وکلا کی خاصی تعداد کامیاب ہوئی تھی۔ سابق ممبران میں سے چالیس فیصد نے کامیابی حاصل کی۔ سیاسی جماعتوں کے جو عہدیدار ناکام ہوئے ان میں راجہ مختار احمد سکریٹری سٹی کنونشن لیگ، سید الطاف علی زیدی نائب صدر سٹی کنونشن لیگ اور مسٹر نور محمد محکانی صدر سٹی مسلم لیگ کونسل شامل تھے۔

جہاں تک انتخابی دھاندلیوں کا تعلق ہے وہ ہر دو طرف سے دیکھنے میں آئیں۔ کنونشن لیگ کے حامیوں نے دھونس، ڈپٹ اور دھاندلی کے حربے استعمال کئے تو متحدہ حزب اختلاف کے امیدواروں نے بھی اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور ووٹوں کی خرید و فروخت میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مادر ملت کی بہاولپور میں آمد

۴ دسمبر ۱۹۶۴ء کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح تیزگام میں کراچی سے بہاولپور پہنچیں۔ یہاں کا بہاولپور میں پہلا انتخابی دورہ تھا۔ ان کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا، جو بہاولپور ڈویژن کے مختلف حصوں سے جوق در جوق یہاں آئے تھے۔ میرزاہد حسین جو انکے معتمد خاص تھے خاص طور پر صادق آباد سے ورکرز کی ٹیم لیکر آئے تھے مادر ملت نے میاں نظام الدین حیدر کی کوٹھی "الحیدر" میں قیام کیا تھا۔

مادر ملت نے اس موقع پر عوام سے خطاب بھی کیا اور بڑے پرجوش انداز میں کہا کہ

"ملک اس لئے نہیں بنا کہ اس پر چند خاندان مسلط ہو جائیں اور دنیا کا ہر سکون عیش و راحت ان کے لئے مخصوص ہو جائے۔

"اس وقت عوام کو زندگی کی کوئی سہولت میسر نہیں ہے۔ غریبوں کو نہ دوا ملتی ہے نہ کھانے کو روٹی ان حالات میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ملک ترقی کر رہا ہے"۔

انہوں نے صدر ایوب کی حکومت پر بھی تنقید کی اور انہوں نے بھارت سے دریاؤں کے پانی کے سلسلہ میں جو معاہدہ کیا تھا اس کو بھی نہایت نقصان دہ بتایا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ

"عوام بیدار ہو چکے ہیں۔ اب وہ اپنی غصب شدہ آزادی اور جمہوری حقوق حاصل کر کے رہیں گے جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ پاکستان کے صدر کے لئے اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ البتہ اب دوسرا مرحلہ باقی ہے جس میں عوام کے منتخب ارکان کو اپنا ووٹ دینا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ عوام کی خواہش کے مطابق ہی ووٹ دیں گے۔

"صدر ایوب صدارتی انتخاب میں حکومت کی مشینری کے ذریعہ کھڑے ہوئے ہیں اور سرکاری مشینری سے لے کر ریڈیو اور اخبارات تک ان کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے برعکس مجھے عوام کی طاقت حاصل ہے جو ان تمام ذرائع سے زیادہ موثر ہے۔

"اگر صدر ایوب میں ہمت ہے تو میدان میں آئیں اور دیکھیں کہ عوام کس کے ساتھ ہیں"۔

انتخاب کی تیاری اور کنویسنگ کی مہم

بنیادی جمہوریتوں کے انتخاب کے فوراً بعد ہی کنونشن مسلم لیگ اور متحدہ حزب اختلاف نے اپنے اپنے صدارتی امیدواروں کے حق میں دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی۔ کونسل مسلم لیگ کے صدر میاں نظام الدین حیدر اپنے رفقا کے ہمراہ بہاولپور ڈویژن کا دورہ کر کے مادر ملت کے حق میں زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے تو منتخب ارکان بنیادی جمہوریت سے ملاقاتیں کر رہے تھے وہ بار بار اس یقین کا اظہار کرتے تھے کہ محترمہ فاطمہ جناح کو بہاولپور ڈویژن کے شہری حلقوں سے ۷۰ فیصدی اور دیہی علاقوں سے ۵۰ فیصدی ووٹ ملیں گے۔

دوسری طرف کنونشن مسلم لیگ کے لیڈر بھی صدارتی انتخابی مہم سر کرنے کے لئے شہر شہر اور قریہ قریہ پھر رہے تھے۔ مخدوم زادہ ایڈووکیٹ ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں سب سے زیادہ سرگرم عمل تھے انہوں نے سید احمد نواز شاہ گردیزی سے جو کچھ عرصہ قبل اختلاف پیدا ہو گیا تھا اسے بھی دور کر لیا تھا اور اب دونوں باہم شیر و شکر ہو کر صدر ایوب کی کامیابی کے لئے کوشاں تھے۔

صدر ایوب کے انتخابی دورے کا دوسرا مرحلہ بہاولپور میں ۶ر دسمبر سے شروع ہونے والا تھا۔ جس کے تمام تر انتظام کی ذمہ داری مخدوم زادہ حسن محمود نے سنبھالی ہوئی تھی چنانچہ صدر ایوب نے اپنے دورے کا آغاز ہی جمال دین والی سے کیا۔ یہاں ان کے اعزاز میں عالیشان ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا[1] یہیں تحصیل صادق آباد کے منتخب ارکان کو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مخدوم زادہ نے سردار محمد اسلم خاں جلوانہ اور سید احمد نواز شاہ گردیزی کو بھی ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا ان دونوں کے درمیان پہلے زبردست محاذ آرائی رہی تھی۔ لیکن اب چونکہ دونوں کا منتہائے مقصود صدر ایوب کی خوشنودی تھا۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر کام کر رہے تھے۔ مخدوم زادہ نے چشتیاں کے راجہ غلام نبی مہاروی اور ہارون آباد کے میاں فتح محمد لالیکا کو بھی رام کر لیا تھا۔ علاوہ ازیں نئی آبادی سے جاٹ برادری کی حمایت بھی صدر ایوب کے حق میں حاصل ہو گئی تھی۔

---

[1] یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس دورے میں صدر ایوب کو پروگرام کے مطابق امیر بہاولپور نواب سر صادق محمد خاں خامس کا مہمان ہونا تھا۔ لیکن جب نواب صاحب نے یہ سنا کہ صدر ایوب مخدوم الملک کی دعوت پر جمال دین والی چلے گئے ہیں تو انہوں نے میزبانی کا فریضہ انجام دینے سے معذرت کر لی۔ کیونکہ بقول کسے یہ ان کی توہین تھی۔ کہ جس شخص کو ان کی مہمانی کا شرف حاصل ہو وہ ان کی رعایا میں سے کسی کا مہمان بنے۔

متحدہ حزب اختلاف رابطہ عوام کی مہم کے علاوہ پبلسٹی کے دوسرے ذرائع سے کام لے کر بھی محترمہ فاطمہ جناح کے حق میں فضا ہموار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مثلاً شہر میں ایسی بہت سی سائیکلیں فراہم کی گئی تھیں جن پر لالٹین آویزاں کی گئی تھیں۔ واضح ہو کہ مادر ملت کا انتخابی نشان لالٹین تھا۔ یہ سائیکلیں شہر کے مختلف حصوں میں رات کے وقت گشت کرتی تھیں بعض موٹروں اور جیپوں پر بھی لالٹین آویزاں کی گئی تھیں۔

متحدہ محاذ میں جماعت اسلامی سب سے زیادہ متحرک تھی اور اس کے کارکن برابر دورے کر کے مادر ملت کے حق میں ووٹروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صدارتی انتخاب

پاکستان میں اپنی نوعیت کے پہلے صدارتی انتخاب کا معرکہ سر ہو گیا اور قرعہ فال پاکستان مسلم لیگ (کنونشن) کے امیدوار اور اکتوبر ۱۹۵۸ء کے فوجی انقلاب کے ہیرو فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے نام نکلا۔ ملک کے دونوں صوبوں کے تقریباً پچاس ہزار ووٹروں نے ان کے حق میں ووٹ دیئے متحدہ حزب اختلاف کی صدارتی امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو ۲۸ ہزار سے زائد ووٹ ملے انہیں اکثریت مشرقی پاکستان کے ووٹوں کی تھی صدر ایوب کو مغربی پاکستان میں ۱۷ ہزار سے زائد ووٹوں کی اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ لیکن مشرقی پاکستان میں صرف دو ہزار چار سو ووٹ زیادہ ملے تھے۔

حقیقت میں صدر ایوب کی یہ کامیابی ان کی حکومت کی مرہون منت تھی۔ انتخاب کے دوران سرکاری مشینری کا پوری طرح ان کے لئے مصروف عمل رہی۔ تحصیلدار، تھانیدار اور دوسرے افسران نے بنیادی جمہوریتوں کے ارکان سے زبردستی بھی صدر ایوب کے حق کے میں ووٹ ڈلوائے ان افسران نے ووٹروں پر ایسی گرفت کر رکھی تھی کہ کسی کا ان کے چنگل سے نکلنا آسان نہ تھا۔ بہاولپور کے بعض پولنگ اسٹیشنوں پر ان افسران نے ووٹروں کو زدوکوب بھی کیا۔ اور ان کے ووٹ اپنے ہاتھ سے ڈالنے کی بھی جسارت کی اس کے باوجود متحدہ حزب اختلاف نے بڑی جرأت کردار کا مظاہرہ کیا اور ان نامساعد حالات میں محترمہ

فاطمہ جناح کے حق میں ووٹ حاصل کرنے تک ملک کی جمہوری روایات کی نشاط ثانیہ کے لئے ناقابل فراموش کارنامہ سرانجام دیا۔ خود مادر ملت نے جمہوری اقدار کے احیاء میں جو کردار ادا کیا۔ وہ تاریخ پاکستان اور تاریخ جمہوریت کا ایک زریں باب ہے۔

انتخابی نتائج کے اعلان کے بعد محترمہ فاطمہ جناح نے ایک بیان میں فرمایا تھا۔

"مسٹر ایوب کی نام نہاد کامیابی ان کی زبردست شکست ہے۔ ہماری انتخابی مہم دراصل ملک کو آمرانہ نظام کے پنجے سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد کا محض آغاز ہے۔ اس لئے ہم نئے عزم کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کام جاری رکھیں گے اور بالآخر عوام کو ان کا اقتدار واپس

دلا کر رہیں گے۔

"سارے ملک میں پولنگ اسٹیشنوں پر جن بے قاعدگیوں اور دھاندلیوں کا ارتکاب کیا گیا ہے پوری قوم اس سے آگاہ ہے سارے انتخابات کے دوران سرکاری دباؤ استعمال ہوا ہے۔ پولیس زیادتی کرتی رہی ہے ان حالات میں یہ دعویٰ کہ انتخابات منصفانہ اور آزادانہ ہوئے ہیں بالکل بودا ہے۔ تاہم میں انتخابی ادارے کے ان تیس ہزار ارکان کا شکر گذار ہوں جن میں اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی جرأت ہے۔ اور جنہوں نے ہر قسم کے دباؤ کے باوجود اپنا ووٹ جمہور کی آواز کے مطابق دیا ہے"

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات

صدارتی انتخاب کی دھاندلیوں کو دیکھ کر ملک کا ایک سیاسی حلقہ یہ رائے رکھتا تھا کہ حزب اختلاف کو قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دینا چاہیئے کیونکہ ان میں بھی سابقہ طریقوں کو دہرایا جائے گا اور اس طرح جو انتخابات ہوں گے وہ عوامی امنگوں کے آئینہ دار نہیں ہوں گے۔ لیکن آخر طویل غور و خوض کے بعد متحدہ حزب اختلاف نے ان انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور یہ اعلان کیا کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی، شہری آزادیوں تحریر و تقریر کی آزادی اور آئین کو مکمل جمہوری بنانے کے لئے انتخابات میں حصہ لینا ضروری ہے۔

قومی اسمبلی کے انتخابات کے لئے ۲۱ مارچ ۱۹۶۵ء اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے لئے ۵ مئی ۱۹۶۵ء مقرر ہوئی تھی۔ ولیعہد بریگیڈیر محمد عباس عباسی لیاقت پور کی قومی نشست سے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے تھے ان کے علاوہ بہاولپور سے قومی اسمبلی کے کونشن لیگ کے امیدوار سردار محمد اسلم خاں جلوانہ۔ رحیم یار خاں سے مخدوم حمیدالدین حاکم اور مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور بہاولنگر سے ملک محمد قاسم تھے ان کے مقابلہ میں متحدہ حزب اختلاف کے امیدواروں میں میاں نظام الدین حیدر (بہاولپور) ڈاکٹر بشیر چوہدری (رحیم یار خاں) اور نواب زادہ معراج میاں (بہاولنگر) شامل تھے مقابلے سے چند دن پہلے قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر ۶۴ (رحیم یار خاں) کے امیدوار مخدوم حمیدالدین حاکم ایک سمجھوتہ کے مطابق مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ غالباً ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مخدوم حمیدالدین قومی اسمبلی کی نشست کی بجائے صوبائی اسمبلی کی نشست سے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو گئے تو انہیں کابینہ میں لے لیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے لئے اور میدان میں مخدوم الملک اور ڈاکٹر بشیر چوہدری رہ گئے۔ انتخابات ہوئے تو مخدوم الملک کے علاوہ دوسری نشستوں سے بھی تمام کونشن لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جتنی سربرآوردہ شخصیتیں متحدہ حزب اختلاف کی حمایت سے انتخاب میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ناکام ہو گئی تھیں۔ مغربی پاکستان میں میاں عبدالباری اور مشرقی پاکستان میں مولوی فرید احمد بھی کامیاب نہیں ہو سکے اور اسی طرح ملک میں ایک مضبوط اور سلجھی ہوئی حزب اختلاف کی جو ضرورت تھی وہ پوری نہ ہو سکی۔

صوبائی اسمبلی کے لئے بہاولپور ڈویژن کی بارہ نشستوں میں سے دو نشستوں پر رئیس شبیر احمد اور مخدوم حمید الدین بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے۔ باقی دس نشستوں پر تقریباً تیس امیدواروں کا مقابلہ ہوا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ متحارب امیدوار عموماً کنونشن مسلم لیگ سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ یعنی جن کو جماعت نے ٹکٹ دیا تھا وہ باقاعدہ امیدوار تھے اور جو ٹکٹ سے محروم رہ گئے تھے وہ پارٹی ڈسپلن کے خلاف خود کھڑے ہو گئے تھے۔ بہرحال کامیاب ہونے والوں میں غالب اکثریت کنونشنی امیدواروں کی ہی تھی۔

صوبائی کابینہ میں بہاولپور کی نمائندگی

صوبائی اسمبلی کے انتخابات مکمل ہو گئے تو صوبائی کابینہ تشکیل پائی۔ اس مرتبہ صوبائی کابینہ میں بہاولپور کی نمائندگی کے لئے مخدوم حمید الدین کو چنا گیا تھا یہ گویا اس وعدے کا ایفا تھا۔ جو ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان نے ان سے قومی اسمبلی کی نشست سے مخدوم الملک کے حق میں دستبردار ہونے کے وقت کیا تھا۔ مخدوم حمید الدین کو خوراک وزراعت کے محکمے سپرد کئے گئے تھے۔"

پاک بھارت جنگ

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب سے فارغ ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوجوں کی غیر معمولی نقل وحرکت نے ایک تشویشناک صورت حالات سے ملک کو دوچار کر دیا۔ بھارتی رہنما جن کی آنکھوں میں پاکستان ایک کانٹے کی طرح روز اول سے کھٹک رہا تھا اور جو مدت سے اس کی سالمیت پر ضرب لگانے کے لئے بہانہ تلاش کر رہے تھے آخر ان کی فوجوں نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی بھیانک رات کے تاریک سائے میں چوروں کی طرح پاکستان کی آزادی۔ اس کی سالمیت۔ اس کے بقاء واستحکام اور اس کی حریت واستقلال پر شب خون مارا۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان جیسا چھوٹا سا ملک اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے گا لیکن بے خبری کے عالم میں نہایت عیاری سے کئے گئے اس ناگہانی حملہ کو پاکستانی عوام اور اس کی شیر دل فوجوں نے جس بے مثال بہادری اور پامردی سے روکا اور انتہائی دلیری کے ساتھ مکار دشمن کے جارحانہ حملہ کو پسپا کیا اور اسے ہر محاذ پر جو عبرتناک شکست دی وہ ہماری تاریخ کا زریں باب ہے۔

یہ جنگ صرف ۱۷ روز رہی لیکن اس سترہ روزہ جنگ سے یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ پاکستان دنیا کی کسی بھی سامراجی قوت کا لقمہ تر نہیں بن سکتا۔ نیز پاکستان کے عوام جذبۂ سرفروشی وجاں سپاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ خیبر سے لے کر چاٹگام تک اور سلہٹ سے لیکر کراچی تک ہر جگہ کے مسلمانوں نے دشمنوں کا سر کچلنے اس کے دانت کھٹے کرنے اور اسے شکست فاش دینے کے لئے زبردست عزم وحوصلہ۔ بے مثال جرأت واستقامت اور بے نظیر جوش وخروش کا ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

بہاولپور ڈویژن کے عوام بھی غیرت قومی کے احساس اور جذبۂ حب الوطنی کے اظہار میں کسی دوسرے علاقہ

کے عوام سے پیچھے نہیں رہے انہوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بلند حوصلگی اور فراخدلی کا ثبوت دیا اور ایثار و قربانی کی صدیوں پرانی روایات سلف کو زندہ و تابندہ کر دیا۔

بہاولپور ڈویژن ایک سرحدی علاقہ ہے۔ اس کی تین سو میل لمبی سرحد ایک طرف جیسلمیر سے جا ملتی ہے جو ہندوستان کے صوبہ راجستھان کی ایک سرحدی ریاست ہے اور دوسری جانب اس کے ڈانڈے فروزپور سے ملے ہوئے ہیں جو مشرقی پاکستان کا ایک اہم ضلع اور بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے یہ سرزمین اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے پاکستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت جداگانہ نوعیت کی حامل ہے اس کے باشندے طبعاً امن پسند، عافیت کوش اور جنگ و جدال سے فطرتاً گریزاں ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں زندگی کی حرارت اعتدال سے بھی کم درجہ پر ہے اس علاقہ میں قتل و غارتگری اور سنگین جرائم کی دیگر واردات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ خطہ ہمیشہ سے عشق انگیز اور رومان پرور رہا ہے محبت کے ایک لافانی کردار سسی نے اسی سرزمین میں جنم لیا۔ یہاں کی آب و ہوا میں عشق کا سوز اور محبت کی چاشنی، حسن کا بانکپن اور فطرت کی رعنائی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کسی قوم کا ادب اس کی زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے اس خطہ کا ادبی اثاثہ افسانہ ہائے محبت کے سوا کچھ نہیں یہاں کی شاعری ہی تخیل کی رنگینی اور بزم کی ناز آفرینی خیال و فکر کی تمام لطافتوں کے ساتھ جلوہ پیرا ہے مگر اس میں وہ شکوہ نہیں ملتا جو تلواروں کی جھنکار اور ہتھیاروں کے ساز سے پیدا ہوتا ہے اس میں رزم کی شورانگیزی اور معرکۂ کارزار کی گھن گرج تقریباً ناپید ہے۔ عبدالحکیم اوچی کی یوسف زلیخا ہو یا لطف علی کی سیف الملوک سبھی کے ہاں عشق و محبت کے نغموں کا کیف آفریں زیر و بم ہے۔ خواجہ غلام فرید جو اپنے دور کے عظیم صوفی شاعر تھے انہوں نے بھی روہی کے ریگستان میں محبت کا ساز چھیڑا ہجر و وصال کے راگ الاپے اور ناز نیناں روہی کے حسن و جمال کے گیت گائے۔ گویا یہاں کے لوگ اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حافظ شیرازی کے اس شعر کے حقیقی مصداق وہی ہیں۔

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

لیکن ۶ ستمبر کی یہ صبح ایک انقلاب نو کی تمہید ثابت ہوئی اس دن یہاں ایک تازہ ولولہ کی نمود ہوئی۔ ایک نیا جذبہ ابھرا اور زندگی کی حرارت کی وہ لہر اٹھی جس کے سامنے باطل کی بڑی سے بڑی قوت خس و خاشاک کا ڈھیر بن جاتی ہے دفاعی سرگرمیوں میں ایک نے ایک سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غازی فورس کے نام سے پورے ڈویژن میں رضاکاروں کی ایک زبردست تنظیم قائم ہو گئی۔ مرد و زن، پیر و جوان یہاں تک کہ بچے بھی جذبہ جہاد سے سرشار تھے دفاعی فنڈ میں دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔ انفرادی ایثار و قربانی کے واقعات نے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ بہاولپور شہر میں ایک شخص نے اپنا رہائشی مکان جو اس کا واحد اثاثہ تھا۔ قومی دفاعی فنڈ میں دیدیا۔ ڈویژن کے دوسرے علاقوں سے بھی ایثار و قربانی کے ایسے بےشمار مظاہرے ہوتے۔

یہ اعزاز بھی بہاولپور ڈویژن کے حصہ میں آیا۔ کہ یہاں کے ادبی محاذ پر ایک عظیم الشان رزمیہ مشاعرہ منعقد ہوا پورے ملک میں یہ ایک نیا تجربہ تھا جس کی تقلید پورے ملک میں کی گئی۔ افسوس ہے یہ جنگ پاکستانیوں نے جس بے جگری اور عزم و حوصلہ کے ساتھ لڑی تھی وہ صدر ایوب نے تاشقند میں مذاکرات کی میز پر ہار دی۔

بنیادی جمہوریتوں کے چیئرمینوں کا انتخاب

بنیادی جمہوریتوں کے چیئرمینوں کے انتخاب کے لئے ۱۸ جنوری ۱۹۶۶ء مقرر تھی۔ بہاولپور ڈویژن میں ۲۵۳ یونین کونسلوں، ۱۴۱ یونین کمیٹیوں اور ۱۲ ٹاؤن کمیٹیوں کے چیئرمینوں کا انتخاب ہونا تھا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر انتخابات ہوئے اور اکثر نشستوں پر ایک سے زائد امیدواروں نے مقابلہ کیا۔

یہ انتخابات مہاجرین کے نقطۂ نظر سے خاصے مایوس کن تھے۔ بنیادی جمہوریتوں کی نئی حلقہ بندی اس ڈھب سے ہوئی تھی کہ کوئی مہاجر امیدوار بمشکل ہی منتخب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بعض علاقوں میں مہاجر طبقہ اپنی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ان انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مثال کے طور پر بہاولپور شہر سے جہاں کی ساٹھ ستر فیصد آبادی مہاجرین پر مشتمل ہے ایک بھی مہاجر چیئرمین کا عہدہ حاصل نہ کر سکا۔ دراصل یہ کارستانی بعض ایسے با اثر مقامی سیاستدانوں کی تھی۔ جو اپنے سیاسی یا ذاتی مخالفین کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ بہرحال ان کا منصوبہ کامیاب رہا۔ لیکن اس سے طبقہ وارانہ کشمکش کا بھی آغاز ہو گیا۔ جس کے غلط اثرات کافی دن تک بہاولپور کی سیاسی و سماجی زندگی پر مرتب ہوتے رہے

ڈسٹرکٹ کونسلوں اور ڈویژنل کونسل کے انتخابات

بنیادی جمہوریتوں کے نئے قانون کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ آئندہ ڈسٹرکٹ کونسلوں اور ڈویژنل کونسلوں کے ممبروں کا بھی انتخاب عمل میں آئے۔ یونین کونسلیں اور یونین کمیٹیاں اس غرض کے لئے انتخابی حلقے قرار پائی تھیں بہاولپور ڈویژن کی تینوں ڈسٹرکٹ کونسلوں کے مجموعی ممبروں کی تعداد ۱۹۵ تھی۔ جن میں سے ۷۵ ارکان نامزد اور ۱۲۰ منتخب تھے۔ یعنی ہر ڈسٹرکٹ کونسل میں ۴۰ ارکان منتخب اور ۲۵ نامزد تھے۔ فروری ۱۹۶۶ء کے اواخر میں ان تمام ارکان کا انتخاب عمل میں آیا اور اس کے بعد ۴ مارچ کو ڈسٹرکٹ کونسلوں کے وائس چیئرمینوں کو منتخب کیا گیا۔

کنونشن مسلم لیگ کے نئے سکریٹری جنرل

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے جو پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ اور جنہیں کنونشن مسلم لیگ کی جنرل کونسل نے سکریٹری جنرل کے انتخاب کا اختیار دیا تھا۔ اپنا پہلا سکریٹری جنرل مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وزیر خارجہ پاکستان کو مقرر کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی وزارتی مصروفیات کی بنا پر اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو ان کی جگہ صدر ایوب نے سردار محمد اسلم خاں جلوانہ کو سکریٹری جنرل مقرر کیا۔ سردار صاحب بہاولپور کے حلقہ سے قومی اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ یہ حقیقتاً مخدوم زادہ سید حسن محمود کی تخلیق تھے۔ وہی انہیں سیاست میں لائے۔ قومی اسمبلی کے انتخاب کا وقت آیا تو انہیں بہاولپور

کی نشست سے کامیاب کرانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کردیں۔ صدر ایوب سے انہیں متعارف کرانے والے اور ان کے قریب کرنے والے بھی مخدوم زادہ تھے۔ دراصل مخدوم زادہ خود تو ایبڈو کی پابندی کی وجہ سے مکمل کر سامنے نہیں آ سکتے تھے۔ حالانکہ خانبیہ انتخابات میں انہیں صدر ایوب کا اعتماد بھی حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ ابھی ایبڈو کا پردہ حائل تھا اس لئے انہوں نے سردار اسلم جلوانہ کو آگے کیا تاکہ ان کی آڑ میں اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔
چنانچہ جب تک سردار اسلم جلوانہ کنونشن مسلم لیگ کے سکریٹری جنرل رہے مخدوم زادہ کے اشارے پر ہی کام کرتے رہے

خاندان عباسیہ کا آخری چراغ گل ہو گیا

خاندان عباسی کے آخری فرمانروا نواب سر صادق محمد خاں عباسی ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء کو لندن میں انتقال فرما گئے ان کے ساتھ سابق ریاست بہاولپور کی ڈہائی سو سالہ تاریخ کا روشن باب ختم ہو گیا۔ انہوں نے ۲۱ سال کامل اختیارات کے ساتھ ریاست کے بیس لاکھ نفوس پر حکومت کی تھی۔ ان کا دور حکمرانی ترقی، خوشحالی اور اصلاحات کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے اسلامی روایات کے فروغ اور دینی تعلیم کا ترویج میں بطور خاص حصہ لیا۔ آزادی ہند کے بعد انہوں نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا۔ وحدت مغربی پاکستان وجود میں آئی تو قومی مفاد کے پیش نظر ریاست کو مغربی پاکستان میں مدغم کر دیا۔

نواب صاحب اگرچہ شخصی دور حکومت کی یادگار تھے لیکن جمہوریت کی صحتمند روایات ہمیشہ ان کے پیش نظر رہیں ۱۹۳۹ء میں انہوں نے ریاست میں لوکل سیلف گورنمنٹ کو رائج کیا۔ ۱۹۴۹ء میں سیاسی اصلاحات نافذ کیں۔ جس کے تحت ریاست میں ڈیارکی سسٹم رائج ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت قائم کیا اور اپنے جملہ اختیارات حکمرانی عوام کو منتقل کر کے خود ایک آئینی فرمانروا بن گئے۔

بہاولپور میں مہاجرین کی آبادکاری نواب صاحب مرحوم کی فراخ دلی اور قومی ہمدردی کے جذبہ کی آئینہ دار ہے تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے قافلے پاکستان میں آنے شروع ہوئے۔ تو انہوں نے ریاست کے دروازے مہاجرین کے لئے کھول دیئے۔ اور تقریباً ۴ لاکھ مہاجرین کی یہاں آبادکاری کی ذمہ داری قبول کی۔

نواب صاحب کے عہد میں سابق ریاست بہاولپور میں ستلج ویلی پراجیکٹ کے نام سے زرعی ترقی اور اقتصادی خوشحالی کا ایک جامع منصوبہ زیر عمل آیا۔ جس کے تحت ریاست کے تقریباً ۲۵ لاکھ ایکڑ رقبہ کو سیراب کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اسی اسکیم کے تحت پنجاب کے لاکھوں افراد کو بطور آبادکار یہاں آباد ہونے کا موقع ملا۔

نواب سر صادق محمد خاں اپنے والد ماجد نواب محمد بہاول خاں کے انتقال کے وقت ۴ سال کے تھے۔ اس عمر میں ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو خاندانی رسوم کے مطابق ان کی دستار بندی ہوئی۔ ان کی کم عمری کی وجہ سے ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے حکومت برطانیہ کی طرف سے کونسل آف ایجنسی قائم ہوئی۔ جو ۱۹۲۴ء کے آغاز تک قائم رہی۔ ۸ مارچ ۱۹۲۴ء کو ریاست کے کامل اختیارات حکمرانی انہیں تفویض ہوئے۔

نواب صاحب موسم گرما کے چھ ماہ لندن میں گذارتے تھے ان کے ہمراہ ان کی ایک یورپین بیوی رہتی تھی۔ ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء کو وہیں انہوں نے وفات پائی کچھ عرصہ سے وہ ذیابطیس کے مرض میں مبتلا تھے۔ آخر یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا آپ کی لاش بذریعہ ہوائی جہاز کراچی لائی گئی۔ کراچی سے ایک سپیشل ٹرین میں ڈیرہ نواب صاحب لائے گئے۔ یہاں نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی حکومت پاکستان کی نمائندگی صاحبزادہ فاروق علی خاں وزیر خوراک نے کی تھی پورے فوجی اعزاز کے ساتھ ان کو قلعہ ڈیراور کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

نواب صاحب کے جانشین

نواب سر صادق محمد خاں عباسی خامس کے بعد ان کے ولیعہد بریگیڈیر محمد عباس خاں عباسی کو تخت نشین ہونا تھا۔ لیکن چونکہ حکمرانی کی یہ بساط الٹ چکی تھی اور عملی طور پر ریاست کا وجود بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ولیعہد بہادر تاج سلطانی سے محروم رہے۔ تاہم امیر بہاولپور ہونے کا اعزاز انہیں حاصل رہا۔ صدر ایوب نے ۲۸ جون ۱۹۶۶ء کو ایوان صدر میں ایک خاص تقریب منعقد کر کے بطور امیر بہاولپور ان کی تقرری کا اعلان کیا اور اس طرح وہ اپنے والد گرامی کے جانشین قرار پائے حکومت پاکستان نے ان کے لئے بعض خصوصی مراعات کے علاوہ سالانہ وظیفہ بھی منظور کیا تھا جو تا ایں دم انہیں مل رہا ہے۔

بہاولپور کے ترقیاتی منصوبے

سابق ریاست بہاولپور کے ون یونٹ میں ادغام کے بعد کافی عرصہ تک اس علاقے کی رفتار ترقی سست رہی بلکہ ریاستی دور میں جن ترقیاتی منصوبوں کو شروع کیا گیا تھا۔ وہ بھی یکدم منقطع ہو گئے اس صورت حال نے اہل بہاولپور کو شکوے پر آمادہ کیا اور انہوں نے جس پلیٹ فارم سے ممکن ہوا اپنی محرومی کے خلاف آواز بلند کی۔ مارشل لا کے نفاذ سے کچھ تلافیٔ مافات کی امید پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خاں نے بہاولپور کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا فراخدلی کیساتھ اعتراف کر کے ۱۹۶۱ء میں پہلی بار ۲۴ کروڑ روپے بہاولپور کی تعمیر و ترقی کیلئے بجٹ میں مخصوص کئے گئے تھے لیکن نہ صرف یہ کہ یہ رقم مقررہ میعاد کے اندر بہاولپور میں صرف نہ کی گئی بلکہ آئندہ سالوں میں بہاولپور کا ترقیاتی بجٹ پھر کم ہو گیا۔ اس پر بہاولپور کے عوامی حلقوں کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ جن ذمہ دار افسروں کی نااہلی کی وجہ سے بہاولپور کے ترقیاتی منصوبوں کی رقم بروقت خرچ نہیں ہو سکی اس کی سزا اہل بہاولپور کو دینے کے بجائے ان افسروں کو دی جائے اور بہاولپور کو بلا وجہ ترقیاتی سرگرمیوں سے محروم نہ رکھا جائے

مسلم لیگ کی تنظیم جدید

انتخابات کے بعد بہاولپور میں دوسرے سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں تو تقریباً سرد پڑ چکی تھیں البتہ کنونشن مسلم لیگ جس کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار تھا خاصی فعال تھی۔ مرکزی قیادت نے جگہ جگہ آرگنائزر مقرر کر رکھے تھے۔ جو مسلم لیگ کی تنظیم جدید کے لئے کام کر رہے تھے لیکن یہ آرگنائزر جس نہج پر تنظیم کا کام کر رہے تھے اس سے لوگ مطمئن نہ تھے۔ سکرٹری جنرل نے بہاولپور میں ایسے لوگوں کو بھی مسلم

لیگ کا مدارالمہام بنا دیا تھا جو اخلاقی و معاشرتی اعتبار سے اچھی شہرت کے مالک نہ تھے انہوں نے ذاتی اغراض کے تحت بعض مخلص اور پرانے مسلم لیگیوں کو لیگ کی ابتدائی رکنیت سازی میں بھی شریک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی خاص طور پر ان نگہ بندوں میں سے تھے۔ انہیں لیگ کی رکنیت سازی کے لئے مطلوبہ فارم مہیا نہیں کئے گئے تھے۔

مخدوم زادہ کی سیاست میں واپسی

صدر ایوب خاں نے ۱۹۶۷ء کے اوائل میں مخدوم زادہ سید حسن محمود پر سے ایبڈو کی پابندیاں اٹھالی تھیں۔ یہ دراصل انعام تھا۔ ان خدمات کا جو انہوں نے انتخابات کے سلسلہ میں پچھلے دنوں انجام دی تھیں۔ بہرحال پابندیاں ختم ہونے کے بعد انہوں نے کنونشن مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ سیاست میں ان کی دوبارہ واپسی پر یہاں ملے جلے جذبات کا اظہار کیا گیا۔ وہ مسلم لیگی طبقہ جو نووارد انِ بساط ہوائے دل قسم کے مسلم لیگی رہنما کی اجارہ داری سے بددل تھا۔ اسے یہ توقع ہوگئی تھی کہ مخدوم زادہ انہیں مسلم لیگ کی تنظیم جدید میں نظر انداز نہیں ہونے دیں گے اور اس طرح وہ اپنا مقام دوبارہ مسلم لیگ میں حاصل کر سکیں گے۔ اس کے برعکس وہ مخالف عنصر جو بہاولپور کی سیاست میں پہلے ان کے ہاتھ دیکھ چکا تھا۔ سیاست میں دوبارہ ان کی آمد کو بہاولپور کے حق میں نیک فال نہیں سمجھتا تھا۔ بہرحال انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم میں حصہ لیا اور بہت سے پرانے مسلم لیگیوں کو کنونشن مسلم لیگ میں لے آئے۔

صدر ایوب کی بہاولپور میں آمد کے انتظامات

مارچ ۱۹۶۷ء کے وسط میں صدر ایوب نے بہاولپور کے دورے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس دورے کا سارا انتظام مقامی مسلم لیگ (کنونشن) کے ہاتھ میں تھا۔ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل خود بنفس نفیس ان انتظامات پر مامور تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس موقع پر بہاولپور کی طرف سے صدر ایوب کی ایسی آؤ بھگت ہو کہ وہ ان کے دل میں اتر جائیں اور زیادہ سے زیادہ خود کو انعام و اکرام کا سزاوار ٹھہرا سکیں۔ اس سلسلے میں صدر کی تفریح طبع کے لئے بھی خصوصی انتظامات کئے گئے تھے اور اس کام کے لئے ماہرین کی ایک جماعت کو باہر سے بلایا گیا تھا۔ جو صدر کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ضروری انتظامات میں مدد دے سکے۔ ایک اطلاع کے مطابق ارباب نشاط کے طائفے بھی آئے تھے۔ لیکن عین وقت پر صدر ایوب نے اپنا دورہ منسوخ کر دیا اور یہ سب پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا۔

گورنر محمد موسیٰ کی بہاولپور میں آمد

جنوری ۱۹۶۸ء میں مغربی پاکستان کے نئے گورنر محمد موسیٰ بہاولپور آئے انہوں نے یہاں گلزار صادق میں ممبران بنیادی جمہوریت کے اجتماع سے خطاب کیا۔ اس سے پہلے ممبران بنیادی جمہوریت کی طرف سے ان کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں بہاولپور ڈویژن کی پسماندگی کی طرف ان کی توجہ دلائی گئی تھی اور یہاں کی ترقیاتی اسکیموں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم

مختص کرتے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ جنرل محمد موسیٰ نے سپاسنامہ کے جواب میں بہاولپور سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا

"بہاولپور کی تعمیر و ترقی کے لئے پچھلے سال کے میزانیہ میں ایک کروڑ نناوے لاکھ روپے کی رقم رکھی گئی تھی۔ لیکن اس سال دو کروڑ تیس لاکھ روپے ترقیاتی پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دیئے گئے ہیں۔

"یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ آپ کا علاقہ صنعتی لحاظ سے بھی آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ چشتیاں میں شکر سازی کا ایک کارخانہ اور بہاولپور میں کپڑے کی ایک مل کے قیام سے آپ کے علاقہ کی صنعتی ترقی کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بہاولپور میں ایک گھی کا کارخانہ اور کپڑے کے ایک اور مل کے قیام کی بھی منظوری دی ہے۔ نیز فورٹ عباس میں ایک اون کے کارخانے۔ ہارون آباد میں آٹے کی ایک مل۔ بہاولنگر میں گھی کے کارخانہ اور صادق آباد میں ایک مل کے قیام کی تجویز زیر غور ہے۔"

صدر ایوب کے نوکر

گورنر محمد موسیٰ نے اپنے دورۂ بہاولپور کے موقع پر ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا تھا کانفرنس میں ان کی گفتگو کا موضوع صدر ایوب کے دس سالہ دور حکومت کی کامیابیاں تھا۔ ان کو صدر ایوب کا بے حد مدح خواں پا کر ایک اخبار نویس نے ان سے سوال کیا۔ کہ آپ گورنر کے عہدے سے فارغ ہونے کے بعد کیا سیاست میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟ جنرل موسیٰ نے جواب دیا کہ

"میں تو صدر ایوب کا نوکر ہوں۔ جیسا وہ چاہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔"

تابعداری کے اس اظہار کے بعد اخبار نویسوں نے ان سے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور پریس کانفرنس ختم ہو گئی۔

دس سالہ ترقی کا جشن

صدر ایوب نے اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فوجی انقلابی حکومت قائم کی تھی اس کے بعد انہوں نے مختلف اصلاحی اقدامات کیے۔ صدارتی نظام حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ بنیادی جمہوریتوں کا نظام قائم کیا اور اپنے مرتب کردہ نئے آئین کے تحت ملک میں انتخابات کرائے ان کی حکومت کے قیام کو دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھے کہ انہوں نے یہ طویل مدت نہایت خیر و خوبی اور خوش اسلوبی سے طے کر لی چنانچہ اسی اظہار مسرت کے طور پر حکومت نے ملک میں دس سالہ ترقی کا جشن منانے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر حکومت کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے بڑے پیمانہ پر پبلسٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر محکمے کی طرف سے اپنی دس سالہ کارگذاریوں کے متعلق کتابچے اور پمفلٹ وغیرہ شائع کئے گئے تھے۔ مختلف مقامات پر ایسی تقاریب بھی منعقد کی گئی تھیں جن میں حکومت کے دس سالہ دور کی کامیابیاں پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بہاولپور میں جشن رد ہی کی بنا تو پڑ ہی چکی تھی چنانچہ اس سال جشن رد ہا کی تقریبات کو دس سالہ ترقی کے جشن کے ساتھ ملا کر اس میں مزید رنگ دلنوا بھرنے کی کوشش کی گئی اخبارات نے خصوصی نمبر شائع کئے۔ مسلم لیگ نے جلسے منعقد کر کے صدر ایوب کی قیادت کو خراج تحسین پیش کیا اور قرار دادوں

کے ذریعہ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ آئندہ بھی پاکستان کی صدارت کے لئے انتخاب لڑیں کیونکہ ملک کو ابھی ان کی قیادت کی ضرورت ہے۔

مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری

معاہدۂ تاشقند کے بعد سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے اختلافات صدر ایوب سے پیدا ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دے کر اپنی علیحدہ جماعت پیپلز پارٹی کے نام سے بنالی تھی۔ اب تک جتنی سیاسی جماعتیں صدر ایوب اور ان کی حکومت کے خلاف برسر پیکار تھیں۔ ان میں پیپلز پارٹی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اور مسٹر بھٹو اس سلسلے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ جگہ جگہ جلسے کر کے وہ صدر ایوب کی خارجہ پالیسی بالمخصوص معاہدۂ تاشقند پر تنقید کر رہے تھے۔ ان کی مخالفانہ مہم اتنی زور دار تھی کہ حکومت بوکھلا اٹھی اور اس نے مسٹر بھٹو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

ان گرفتاریوں کے خلاف ملک کے گوشہ گوشہ سے آواز اٹھی یہاں تک کہ ایئر مارشل اصغر خاں جو اب تک سیاست سے الگ تھے عملی سیاست میں داخل ہو گئے انہوں نے مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی فوری رہائی کا مطالبہ بھی کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ وہ تمام محب وطن پاکستانیوں کو متحد و منظم کر کے پاکستان میں صحیح جمہوریت کی بحالی کی کوشش کریں گے

بہاولپور میں تحریک جمہوریت کے نام سے جو تنظیم قائم ہو گئی تھی اس نے بھی اپنے ایک خصوصی اجلاس میں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی مذمت کی اور حکومت کے اس اقدام کو شہریوں کے بنیادی حقوق کے منافی قرار دیا۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ گرفتار شدگان کو یا تو رہا کیا جائے یا ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے ساتھ ہی طلباء بھی میدان میں نکل آئے تھے۔ اور وہ یونیورسٹی آرڈیننس کی منسوخی طلبا کے خلاف مقدمات کی واپسی اور فیسوں کی کمی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طلباء میں بے چینی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو دیکھ کر ڈائریکٹر تعلیمات لاہور ریجن نے بہاولپور ڈویژن کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت تک کے لئے بند کر دیئے۔ لیکن ابھی تعلیمی اداروں کو بند ہوئے دو ہفتہ ہوئے تھے کہ چشتیاں کے طلبا نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہاں تقریباً دو ہزار طلباء نے جن میں میونسپل کالج کے علاوہ مڈل اور ہائی اسکول کے طلباء بھی شامل تھے ایک جلوس نکالا اور ایک سٹوڈنگ سینما کو آگ لگادی اس خبر نے بہاولپور کے طلباء میں جلتی پر تیل کا کام دیا۔ کالج کے طلباء نے اسکولوں کے طلبا کو ساتھ لے کر شہر میں جلوس نکالا اور جو چیز راستے میں آئی اسے روند ڈالا۔ افضل اینڈ کو کے پٹرول پمپ پر پتھراؤ کیا کنونشن مسلم لیگ کے مقامی دفتر کو آگ لگادی۔ بمشکل پولیس نے موقع پر پہنچ کر صورت حالات پر قابو پایا اور کچھ طلبا گرفتار بھی کر لئے گئے۔

دکلا کا مظاہرہ

بہاولپور طلباء کے ملک گیر ہنگاموں کی لپیٹ میں تو آہی چکا تھا جس کے نتیجے میں توڑ پھوڑ اور گرد پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ ۱۴ دسمبر ۱۹۶۸ء کو دکلا بھی سڑکوں پر نکل آئے انہوں نے احتجاجی کتبے اٹھائے ہوئے تھے۔ جن پر تحریر تھا کہ "ہنگامی قوانین ختم کرو۔ سیاسی قیدیوں کو رہا کرو۔ پریس کو آزاد کرو۔ جلوس کی قیادت

بار ایسوسی ایشن کے صدر چوہدری فرزند علی نے کی تھی۔ جلوس جب فرید گیٹ پہنچا تو سڑک کے دورویہ کھڑے ہوئے تماشائیوں نے تالیاں بجا کر جلوس کا خیر مقدم کیا۔ بازاروں میں لوگوں نے جلوس پر پھول نچھاور کئے۔

صادق پبلک اسکول اب تک ہنگاموں سے بچا ہوا تھا اور سارے ڈویژن میں وہ واحد اسکول تھا جو کھلا ہوا تھا۔ لیکن آخر فساد کے شعلے وہاں بھی پہنچ گئے اور طلباء نے غم و غصہ میں کمروں کے شیشے توڑ دیئے اور حکومت کی زیادتیوں کے خلاف نعرے لگائے۔

تحریک جمہوریت کا جلوس

۱۵ دسمبر ۱۹۶۸ء کو تحریک جمہوریت ضلع بہاولپور کے زیر اہتمام ایک پرامن جلوس نکالا گیا۔ جس کی قیادت سابق وزیراعظم پاکستان چوہدری محمد علی نے کی۔ جلوس میں میاں نظام الدین حیدر، شہزادہ مامون الرشید اور دوسرے مقامی رہنما بھی شامل تھے۔ چوہدری محمد علی نے شرکائے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت عوام موجودہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اب اس کا قائم رہنا ناممکن ہے"۔

انہوں نے کہا۔

"پاکستان نے ۱۹۶۵ء کی جنگ اسلام کے نام پر جیتی تھی اور عوام نے اس جنگ میں ایثار و قربانی کا مثالی مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن صدر ایوب نے انہیں اس کا یہ انعام دیا کہ ملک میں ہنگامی قوانین نافذ کر دیئے اور اس طرح ۱۹۶۲ء میں عوام کو جو جمہوری حقوق دیئے گئے تھے وہ سلب کر لئے گئے"۔

انہوں نے طلباء کے مطالبات سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا

"انگریز کے دور میں بھی ایسی پابندیاں نہیں لگائی گئیں جیسی اپنی حکومت نے ان پر لگا رکھی ہیں۔ اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ جب طلباء نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے مظاہرے کئے تو انہیں گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ان کے سروں پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔

"اس وقت ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے جو جدوجہد شروع ہوئی ہے وہ ضرور کامیاب ہو رہے گی۔

جمہوری مجلس عمل کا احتجاج

۱۷ جنوری ۱۹۶۹ء کو بہاولپور میں جمہوری مجلس عمل میں شامل جماعتوں کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ جس کی قیادت ضلعی تحریک جمہوریت کے صدر شہزادہ مامون الرشید اور سابق ممبر اسمبلی علامہ رحمت اللہ ارشد نے کی جلوس میں کونسل مسلم لیگ۔ جماعت اسلامی نظام اسلام پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کے رکن بھی شامل تھے۔ اور کارکنوں نے مختلف کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر

درج تھا۔

"ہنگامی حالات ختم کرو۔ سیاسی قیدیوں کو رہا کرو۔ ملک میں غیر اسلامی قوانین ختم کرو۔ شہری آزادیاں بحال کرو۔"

فریدگیٹ پر پہنچ کر جلوس نے جلسہ کی شکل اختیار کر لی۔ جس سے علامہ ارشد۔ مولانا عبدالستار آزاد۔ مولانا غلام مصطفےٰ۔ ندیم ہاشمی اور شہزادہ مامون الرشید نے خطاب کیا۔ علامہ ارشد نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔

"اس ملک کے عوام نے کامل دس سال تک ہر اقدام کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا ہے لیکن جب تمام زیادتیوں پر عوامی ردعمل کے اظہار کی باری آئی ہے تو حکومت صبر و تحمل کا دامن نہیں سنبھال سکی۔

"صورت حال یہ ہے کہ طلباء۔ وکلاء۔ عوام۔ مزدور اور محنت کش طبقہ سبھی موجودہ حکومت سے نالاں ہیں اور متحد ہو کر حکومت کی زیادتیوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ حکومت کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اب اس ملک پر حکومت براہ راست ووٹوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ عوام کی مرضی کے خلاف قائم ہونے والی حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔"

۱۲ فروری کو جمہوری مجلس عمل نے پورے ملک میں ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ہڑتال بڑی کامیاب رہی۔ بہاولپور ڈویژن میں بھی تمام کاروبار بند رہا۔ اس کے بعد جمہوری مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق ممبران بنیادی جمہوریت نے مستعفی ہونے کی مہم چلائی۔ بہاولپور سے بھی بہت سے بی۔ ڈی ممبروں نے استعفے دیدیئے۔ استعفوں میں لکھا گیا تھا کہ "بنیادی جمہوریتوں کا نظام قومی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا ہے اس لیے ہم اس کی رکنیت سے مستعفی ہوتے ہیں۔"

صدر ایوب لیگ کے دوبارہ صدر چن لئے گئے

ایک طرف تو صدر ایوب اور ان کی حکومت کے خلاف پورے ملک میں شور برپا تھا۔ ہر طرف مظاہرے۔ جلوس اور جلسوں کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف مسلم لیگ (کنونشن) سے وابستہ لوگ اسے اپنے طور پر مضبوط و مستحکم بنانے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۹۶۹ء کو ڈھاکہ میں مسلم لیگ کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں صدر ایوب کو دوبارہ مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے اراکین مسلم لیگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"پاکستان مسلم لیگ اپنی قوم کے شاندار اور تابناک مستقبل پر یقین رکھتی ہے اور اس نے اپنے آپ کو اسلام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اسلام ایک ترقی پسند طاقت کا نام ہے یہ ایک انقلابی مذہب ہے۔ مسلم لیگی کارکنوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ حالات بڑی تیزی سے

بدل رہے ہیں اور ان بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں انہیں نئی نسل کی رہنمائی کرنی چاہیئے"۔

گول میز کانفرنس

جب حکومت کے خلاف مخالفت نے زیادہ شدت اختیار کی تو صدر ایوب نے تمام مخالف رہنماؤں کو ایک گول میز کانفرنس میں مدعو کرنے کی تجویز پیش کی اور اس غرض کے لئے جمہوری مجلس عمل کے کنوینر نواب زادہ نصر اللہ سے کہا کہ وہ مجوزہ کانفرنس کے لئے جن لیڈروں کو مناسب سمجھیں مدعو کرلیں انہوں نے ایک بیان میں کہا تھا۔ کہ ملک میں امن وامان قائم کرنے اور سیاسی حالات بہتر بنانے میں جو کوئی ان کی مدد کرے گا۔ وہ اس کا خیر مقدم کریں گے اس سلسلے میں اگر تلہ سازش کیس حائل تھا۔ بعض لیڈروں کی خواہش تھی کہ ملک کے دوسرے مسائل کو طے کرنے سے پہلے اس مقام میں ملوث افراد کو رہا کیا جائے۔ چنانچہ اس سیاسی دباؤ کے نتیجے میں ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو یہ مقدمہ واپس لے لیا گیا اور تمام ملزمان جنھیں شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ ۳۴ دیگر افراد شامل تھے۔ جن پر بھارتی اسلحہ اور روپیہ کی مدد سے مشرقی پاکستان کو مرکز سے علیحدہ کرنے کی سازش کا الزام تھا رہا کر دیئے گئے۔

حقیقت میں صدر ایوب کی حکومت کو مخالفوں نے اتنا متزلزل کر دیا تھا۔ کہ وہ کسی مخالفت کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ چنانچہ ابھی گول میز کانفرنس منعقد نہیں ہوئی تھی کہ صدر ایوب کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ وہ آئندہ صدارتی انتخاب میں حصہ نہیں لیں گے۔ اور ان کا یہ فیصلہ آخری اور قطعی ہے انہوں نے یہ اعلان ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء کو اپنی ایک نشری تقریر میں کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ملک کے سیاسی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ

"میں نے جو سیاسی نظام دیا تھا اس کا مقصد ملکی استحکام اور عوام کی ترقی کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ یہ خیال تو میرے ذہن میں بھی کبھی نہیں آیا کہ اس نظام کی بدولت میں اپنے آپ کو ساری عمر صدارت کے عہدے پر قائم رکھوں۔ ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات کے بعد میں نے اپنے قریبی ساتھیوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ میں صدارت کی موجودہ مدت کے بعد صدر بننا نہیں چاہتا۔ بلکہ اب کسی اور کو آئندہ انتخابات کے بعد صدارت کا عہدہ سنبھالنا چاہیئے۔

"ملک میں موجودہ انتخابی نظام سے بے اطمینانی پائی جاتی ہے جس کا مجھے پورا احساس ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ یہ محسوس کرتا ہے کہ انہیں ملکی سیاست میں شرکت کا زیادہ موقع نہیں ملتا۔ مشرقی پاکستان کے عوام سمجھتے ہیں کہ موجودہ نظام میں وہ برابر کے شریک نہیں ہیں۔ اور یہ کہ انہیں صوبائی امور میں زیادہ عمل دخل نہیں ہے۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جمہوری مجلس عمل نے میری دعوت قبول کرلی ہے لیکن ابھی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں کچھ مشکلات درپیش ہیں جنہیں میں دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تاکہ تمام سیاسی جماعتیں اور رہنما کانفرنس میں شرکت کر سکیں"۔

اس کے بعد صدر ایوب نے مسلم لیگ (کنونشن) کے ممبران قومی و صوبائی اسمبلی اور دیگر لیگی لیڈروں کا اجلاس طلب کر کے انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔

ون یونٹ ختم کرنے کا مطالبہ

ون یونٹ کو یوں تو چھوٹے یونٹوں نے پہلے دن سے ہی دل سے تسلیم نہیں کیا تھا اور اس کے خلاف سندھ۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں شروع سے ہی ناپسندیدگی کے جذبات کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ لیکن جب صدر ایوب کی مخالفت میں پورا ملک ایک ہو گیا تو وہ مسائل بھی پوری شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آ گئے۔ جو وقتی مصلحت کی وجہ سے دبے ہوئے تھے۔ ان میں ون یونٹ کو توڑنے کا مطالبہ بھی شامل تھا اور اب یہ بڑے زور شور سے کہا جا رہا تھا کہ ون یونٹ کو توڑ کر پرانے صوبے بحال کیے جائیں۔ چنانچہ صدر ایوب کی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں بھی اکثر و بیشتر سیاسی لیڈروں نے ون یونٹ کو توڑنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اور اب بات یقینی ہو گئی تھی۔ کہ ون یونٹ آج نہیں تو کل ٹوٹ کر رہے گا۔

بہاولپور کی سابقہ حیثیت کی بحالی کا مطالبہ

اس کے باوجود کہ ون یونٹ میں شامل ہونے کے بعد سے بہاولپور محرومیوں کا شکار تھا۔ اہل بہاولپور ون یونٹ کے خلاف نہیں تھے۔ وہ اسے قومی و ملی استحکام کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اب اس کے قائم رہنے کا امکان معدوم ہوتا جا رہا ہے تو ان کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ون یونٹ ٹوٹنے کی صورت میں دوسرے صوبوں کی طرح بہاولپور کی سابقہ حیثیت بھی بحال کی جائے۔ اس سلسلہ میں مختلف سیاسی رہنماؤں نے اخباری بیانات جاری کئے۔ علامہ ارشد نے اپنے بیان میں مرکزی جمہوری مجلس عمل کی خاص کمیٹی کے ارکان پر زور دیا۔ کہ وہ ون یونٹ کے مستقبل کے بارے میں کسی قسم کا متفقہ فیصلہ کرتے وقت بہاولپور کی علیحدہ حیثیت کو مدنظر رکھیں انہوں نے ان ارکان کو ٹیلیگرام بھی دیئے جن میں ان پر واضح کیا کہ اگر سب کمیٹی ون یونٹ توڑنے کے متعلق کوئی فارمولا مرتب کرے تو اس میں سابق ریاست بہاولپور کو علیحدہ صوبے کی حیثیت دی جائے۔ وہ کسی دوسرے صوبہ کا تتمہ بننا پسند نہیں کریں گے۔

شہزادہ سعید الرشید عباسی ممبر ڈسٹرکٹ کونسل نے بہاولپور کے سیاستدانوں۔ مدبروں۔ دانشوروں۔ مشائخ علما اور نوجوان طبقہ سے اپیل کی کہ وہ مناسب طریق پر حکومت کو اس بات پر آمادہ کریں کہ اگر ون یونٹ توڑا جائے تو بہاولپور کو ایک الگ خود مختار یونٹ کی حیثیت دی جائے۔ بہاولپور کے عوام کسی دوسرے صوبہ کا تتمہ بننا پسند نہیں کریں گے۔ اور نہ وہ سابق بہاولپور کے حصے بخرے ہونے دیں گے۔

سید محمد چراغ شاہ سابق ممبر اسمبلی بہاولپور نے ایک طویل بیان میں ون یونٹ کے دوران بہاولپور کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں کا ذکر کیا۔ لیکن ساتھ ہی کہا کہ اسے ملکی سالمیت اور قومی یکجہتی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر اسے توڑنا ناگزیر ہو گیا ہے تو حکومت کو سابق ریاست بہاولپور کو صوبائی حیثیت سے بحال کرنا ہو گا ورنہ

سابق ریاست بہاولپور کو سالم طور پر پنجاب میں یا اس کا کچھ حصہ پنجاب میں اور کچھ سندھ میں شامل کیا گیا تو اس علاقہ کے عوام اس شمولیت یا بندر بانٹ کو کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ مسٹر ایوب کھوڑو نے مطالبہ کیا تھا کہ ون یونٹ توڑنے کے بعد بہاولپور ڈویژن کے ضلع رحیم یار خاں کو سندھ میں شامل کر دیا جائے کیونکہ اس علاقہ میں سندھی بولنے والے افراد کی اکثریت ہے۔ مسٹر کھوڑو کے اس بیان کا بہاولپور میں شدید ردعمل ہوا۔ کونسل مسلم لیگ بہاولپور کی مجلس عاملہ کے رکن میرزا بد حسین نے اس بیان کی سخت مذمت کی اور اس سلسلہ میں ایک زوردار بیان جاری کیا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا تھا۔

"مسٹر کھوڑو کا یہ بیان احمقانہ اور ملکی حالات سے قطعی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہاولپور ڈویژن کے اضلاع رحیم یار خاں۔ بہاولپور اور بہاونگر میں سندھی بولنے والوں کا تناسب صرف ۵ فیصد ہے۔ جب کہ سندھ کے ضلع سکھر میں مہاجروں اور آبادکاروں کی تعداد پچاس فیصد ہے۔

"ان حالات میں ضلع سکھر کو بہاولپور کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور بہاونگر۔ بہاولپور اور رحیم یار خاں اور سکھر اضلاع پر مشتمل ایک نیا صوبہ بنایا جائے۔

"مسٹر کھوڑو کی تجویز شرانگیز اور ملکی سالمیت کے لئے مہلک ہے۔ بہاولپور پاکستان کا دل ہے اور اس کے ٹکڑے کرنے والے لوگ پاکستان کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں۔

"مسٹر کھوڑو کا کردار ہمیشہ ناقابل رشک رہا ہے خاص طور پر آبادکاروں اور مہاجروں کے دلوں پر ان کے لگائے ہوئے زخم ابھی تازہ ہیں۔ اسی وجہ سے قائداعظمؒ نے انہیں وزارت سے علیحدہ کیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر کھوڑو قائداعظمؒ کی روح سے انتقام لے رہے ہیں۔

"بہاولپور کی سرزمین لولوں۔ لنگڑوں اور اپاہجوں کا مسکن نہیں ہے بلکہ تیس لاکھ شیروں کی کچھار ہے اس ڈویژن کے باشندے ایک وحدت بن کر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

یہاں کے عوام ون یونٹ توڑنے کے مخالف ہیں لیکن اگر ون یونٹ توڑا جائے تو عوام برداشت نہیں کریں گے۔ کہ بہاولپور کے حصے بخرے کر دیئے جائیں بلکہ وہ الگ صوبہ بنانے کی جدوجہد تیز کر دیں گے۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بنیان مرصوص بن جائیں گے۔

"بہاولپور کے عوام کے حقوق کی نگہداشت کے لئے تمام سیاسی کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر جدوجہد کرنی چاہیئے۔"

۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو گلستان اطفال میں طلبائے بہاولپور کے زیراہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مختلف

مقررین نے ون یونٹ توڑنے کی صورت میں بہاولپور کی سابقہ حیثیت کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے سابق سپیکر بہاولپور چوہدری فرزند علی نے کہا کہ ون یونٹ کے بعد سے بہاولپور کی ترقی رک گئی ہے اور اس کی آمدنی میں سے جو بارہ کروڑ روپے سے کم نہیں صرف ۴ کروڑ روپے سالانہ بہاولپور پر خرچ کیا جاتا ہے اور بقیہ ۸ کروڑ روپے حکومت ان علاقوں پر خرچ کر دیتی ہے۔ جن کی آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے انہوں نے کہا کہ بلوچستان اور سرحد پر حکومت جتنا روپیہ ہر سال صرف کرتی ہے اس کے مقابلہ میں ان کی آمدنی بہت کم ہے یہ سخت ناانصافی ہے کہ بہاولپور کا روپیہ دوسرے علاقوں پر صرف کر دیا جائے۔ اور بہاولپور جہاں ترقیاتی کاموں کی انتہائی ضرورت ہے وہ مسلسل محرومیوں کا شکار رہے انہوں نے کہا کہ ون یونٹ سے قبل بہاولپور کو ایک صوبائی درجہ حاصل تھا۔ اور وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا۔ آج بھی اگر اس کی سابقہ حیثیت بحال کر دی جائے تو گذشتہ ۱۴ سال کی محرومیوں کی تلافی ہو سکتی ہے۔

جلسۂ عام سے وائس چیئرمین بلدیہ سیٹھ عبید الرحمٰن۔ برگیڈیئر سید نذیر علی شاہ اور ملک محمد حیات نے بھی خطاب کیا۔ جلسہ میں ایک قرارداد بھی منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ون یونٹ ٹوٹنے کی صورت میں بہاولپور کے حصے بخرے کرنے کے بجائے اس کی سابقہ حیثیت بحال کی جائے۔

مسٹر بھٹو کا دورۂ بہاولپور

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے رہائی کے بعد ملک گیر دوروں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ مارچ کے اوائل میں انہوں نے صادق آباد اور بہاولپور وغیرہ کا دورہ کیا تھا۔ لیکن یہاں انہیں جیسی پذیرائی کی توقع تھی وہ نہ ہوئی۔ صادق آباد میں وہ ایک قاتلانہ حملے سے بچے۔ بہاولپور میں کوئی شخص ان کی میزبانی کا فرض ادا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ نہ یہاں ان کے شایان شان کوئی ایسا ہوٹل تھا جس میں انہیں ٹھہرایا جا سکتا بہر حال ملک حبیب اللہ اور قاضی شاہد نے مل کر اس مشکل کو حل کر دیا اور ان کے لئے ایک جلسہ کا بھی اہتمام کیا۔ جلسے کا رنگ بھی عجیب تھا۔ لوگ جلسہ گاہ میں موجود تھے لیکن کوئی ان کی تقریر سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ کافی دیر تک بے ہنگم شور برپا ہوتا رہا۔ لوگ ان سے اعلان تاشقند کے راز کو فاش کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ بعض گوشوں سے یہ نعرے بھی لگ رہے تھے کہ "پاکستان میں صرف اسلامی نظام قائم ہوگا"۔ مسٹر بھٹو اس صورت حالات کو دیکھ کر جوش میں آگئے اور غصہ میں اپنا کوٹ اتار پھینکا۔ بمشکل مجمع پرسکون ہوا۔ تو انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو جائیں تاکہ انہیں خواہش کے مطابق آئین مل سکے انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ملک میں اسلامی سوشلزم لائیں گے۔ اور عوام کی سربلندی اور خوشحالی کے لئے کام کریں گے۔

مسٹر بھٹو کی تقریر کا ردعمل

بہاولپور ان روایتی شہروں میں سے ہے جہاں اسلامی اقدار کی چھاپ بڑی گہری ہے یہاں کے لوگ اپنے خاص مذہبی رجحانات کی وجہ سے کبھی اس بات کے روادار نہیں رہے۔ کہ یہاں کوئی ایسی تحریک پنپنے پائے جو اسلامی نظام حیات سے متصادم ہو۔ چنانچہ وہ مسٹر بھٹو کے اسلامی

اسلامی سوشلزم کے نعرے سے خوش ہونے کے بجائے خاصے بدکے اور ایسے لوگ بھی اپنے حجروں سے باہر نکل آئے. جو مدت سے دینوی معاملات سے بیگانہ ہو کر گوشۂ تنہائی اختیار کر چکے تھے. مولانا فاروق احمد سابق شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور ایسے ہی لوگوں میں سے تھے. انہوں نے اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے گذشتہ بیس سال سے کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا. لیکن جونہی ان کے کان میں سوشلزم کی آواز پڑی وہ بے چین ہو گئے اور اپنے حجرے سے نکل کر سٹیج پر پہنچ گئے اور ببانگ دہل اس عزم کا اظہار کیا. کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے. ہم پاکستان میں اسلام کے علاوہ کسی ازم کو نہیں آنے دیں گے.

اگلے روز طلبا کی ایک انجمن کی طرف سے جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا. جس میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے شیخ الحدیث مولانا شمس الحق افغانی نے تقریر کی. اور کہا کہ پاکستان میں اسلام کے علاوہ کوئی اور نظام قائم کیا گیا. تو عوام اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے.

ملک میں پھر مارشل لاء

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو صدر ایوب پاکستان کی صدارت سے الگ ہو گئے اور اپنے اختیارات پاکستانی افواج کے سربراہ جنرل اے ایم یحییٰ کے حوالے کر دیئے. انہوں نے ریڈیو پاکستان سے قوم کے نام ایک خصوصی پیغام میں کہا تھا کہ

"ملک میں نظم و نسق حکومت کے قابو سے باہر ہو گیا تھا اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اسے مسلح افواج کے حوالہ کر دیا جائے.

"میں اپنی قوم سے صدر کی حیثیت سے آخری بار خطاب کر رہا ہوں ملک میں نظم و نسق کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے. انتظامی ادارے مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں خود غرضی کا دور دورہ ہے. ہجوم گھیراؤ ڈالنے پر عمل کر رہے ہیں اور اپنے مطالبات زبردستی منوا رہے ہیں. اور کسی شخص میں اب یہ جرأت نہیں رہی کہ وہ سچ کا اعلان کرے. وہ لوگ جو ملک کی خدمت کے لئے آگے بڑھے تھے ہجوم نے انہیں پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا. اور اب انمیں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس جنون کی مخالفت کرے. ملکی معیشت تباہ ہو گئی ہے. اور کارخانے بند کئے جا رہے ہیں. جس کی وجہ سے پیداوار روز بروز گھٹ رہی ہے.

"توقع ہے کہ جنرل یحییٰ خاں اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوں گے اور بری افواج کو فضائیہ اور بحریہ کا تعاون حاصل ہو گا. پاکستانی عوام سے یہ میری آخری اپیل ہے. کہ وہ فوجی بھائیوں کے ساتھ تعاون کریں."

اس اعلان کے فوراً بعد جنرل یحییٰ خاں نے ملک کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا اور صدر پاکستان کے عہدے

پر متمکن ہو گئے ۔ اس سلسلہ میں ۲۵ مارچ کو جو پریس نوٹ جاری کیا گیا تھا، اس میں بیان کیا گیا تھا۔ کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر عوام کے منتخب نمائندوں کے بنائے ہوئے آئین کے نفاذ تک پاکستان کے سربراہ مملکت اور حکومت کی ذمہ داریاں نبھائیں گے "۔

بہاولپور میں مارشل لاء کا خیر مقدم

بہاولپور میں پچھلے مارشل لاء کی طرح اس مارشل لاء کا بھی خیر مقدم کیا گیا۔ لائیرز سرکل بہاولپور نے اس پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے کہا کہ ملک جس افراتفری کا شکار ہو رہا تھا۔ اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے جس طرح اخلاقی قانون اور مذہبی قدروں کا خون کیا جا رہا تھا اس کا تقاضا تھا کہ پاکستان کو مزید تباہی سے بچانے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا جائے۔ لائیرز سرکل نے اپنے ایک مشترکہ اخباری بیان میں مشرقی پاکستان اور کراچی میں تشدد اور غارتگری کے واقعات پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان حالات میں مارشل لاء کے علاوہ اور کوئی مؤثر ذریعہ نہیں جو ملک کی اصلاح کے لئے بروئے کار لایا جائے لہذا لائیرز سرکل کے تمام ارکان جنرل آغا محمد یحییٰ خاں چیف ایڈمنسٹریٹر مارشل لاء کو ان کی عظیم ذمہ داریوں سے کامیابیوں کے ساتھ عہدہ برآ ہونے میں اپنے مکمل تعاون اور حمایت کا یقین دلاتے ہیں۔ لائیرز سرکل کے اس بیان پر دستخط کرنے والوں میں مسٹر محمود بھٹی ایڈووکیٹ۔ شیخ نثار احمد ایڈووکیٹ۔ راجہ خورشید ناصر۔ مہر قادر بخش۔ اطہر عثمانی۔ عبدالرحمٰن۔ مولوی عبدالحمید۔ فضل الٰہی عثمانی۔ چوہدری محمد سعید۔ ایس ایم اسلم خاں۔ انعام کریم۔ محمد آصف۔ پیرزادہ محمد جمیل اسلم۔ محمد ایوب پراچہ۔ سجاد احمد۔ گلزار احمد منظہر علی واسطی۔ شاہ محمد۔ شیخ عبدالحمید اور ملک محمد حسین ایڈووکیٹ شامل تھے۔

سید محمد چراغ شاہ سابق ممبر مجلس بہاولپور نے ایک اخباری بیان میں مارشل لاء کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا

> "ملک نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی قیادت میں ان کی اعلیٰ صلاحیتوں، انتھک محنت اور عظیم حب الوطنی کے جذبہ سے کام ہے کر جو قابل رشک ترقی کی تھی۔ اور ان کی وضع کردہ خارجہ پالیسی کے باعث پاکستان غیر ممالک میں نیک نامی اور شہرت کے معراج تک پہنچا تھا۔ وہ سب کچھ چار یا پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں اپوزیشن لیڈروں کی ہوس اقتدار کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اپوزیشن جسے لوگ رحمت سمجھ رہے تھے۔ زحمت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اپوزیشن کے چند عاقبت نا اندیش رہنماؤں کے غلط اقدام سے فائدہ اٹھا کر غیر پسندیدہ عناصر نے جو تماشا ملک میں رچایا اس پر انسانیت نے شرم سے سر جھکا لیا بے گناہ اور بے بس لوگ زندہ جلا دیئے گئے اور کئی سنگسار کر دیئے گئے نہ صرف امیر بلکہ غریبوں کے گھر بھی جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔

> "اقتدار کی تبدیلی کے لئے ملک میں جو حالات پیدا کر دیئے گئے تھے۔ وہ اگر کچھ عرصہ اور قائم رہتے تو ملک بالکل تباہ ہو جاتا۔ ایسے حالات میں ملک کو بچانے کی خاطر صدر ایوب نے صدارت سے دستبردار

ہو کر ایک عظیم محب وطن ہونے کا ثبوت دیا ہے ۔ تاریخ ہمیشہ انہیں وطن کے جانثار سپاہی کی حیثیت سے یاد رکھے گی؟

ایک ملک گیر نئی سیاسی جماعت کی ضرورت

بعض سیاستدان ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ایک ایسی ملک گیر نئی سیاسی جماعت بنانے کی خواہش رکھتے تھے جو معتدل مزاج ہو اور ملکی سالمیت اور قومی اتحاد کے اصولوں کی روشنی میں عوامی خوشحالی اور ترقی کے لئے اقتصادی پروگرام پیش کر سکے چنانچہ مشرقی پاکستان کے سابق وزیر اعلیٰ مسٹر عطاالرحمٰن اس سلسلہ میں خاص طور پر کوشاں تھے انہوں نے ہم خیال لیڈروں اور کارکنوں کا ایک کنونشن منعقد کرنے کا بھی اعلان کیا تھا ۔ انہوں نے توقع ظاہر کی تھی کہ قومی جمہوری محاذ ۔ عوامی لیگ (نصراللہ خاں گروپ) نظام اسلام پارٹی اور جسٹس پارٹی کے لیڈروں میں بہت سے مسائل کے بارے میں اتفاق رائے ہے اس لئے اس اتفاق کی بنیاد پر نئی جماعت کے قیام کے امکانات روشن ہیں ۔

مسٹر عطاالرحمٰن کے علاوہ مسلم لیگی حلقوں کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ مسلم لیگ نام کی تمام جماعتیں جن میں کنونشن لیگ ۔ کونسل لیگ ۔ اور قائداعظم مسلم لیگ شامل ہیں ایک ہو جانی چاہئیں کیونکہ ان میں نظریاتی ہم آہنگی موجود ہے ۔

ہم خیال جماعتوں کے اتحاد کی ضرورت اس وجہ سے بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ملک میں نظریاتی کشمکش کا آغاز ہو چکا تھا خاص طور پر جب سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی منظر عام پر آئی تھی اور اس نے اپنے ایسے منشور کا اعلان کیا تھا جس کی بنیاد سوشلزم پر تھی اسلامی نظریات کے حامل سیاسی حلقے اسے ایک خطرے کی گھنٹی سمجھ رہے تھے ۔ اور یہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر اس کا مقابلہ متحد ہو کر نہ کیا گیا تو سوشلزم کے سیلاب کو نہیں روکا جا سکے گا ۔ اور اس طرح نظریہ پاکستان جن نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا تھا وہ متزلزل ہو جائیں گی ۔

انجمن تحفظ نظریہ پاکستان

ان خطرات کے احساس سے بہاولپور بھی محروم نہ رہا تھا ۔ چنانچہ یہاں چند محب وطن افراد نے انجمن تحفظ نظریہ پاکستان کے نام سے ایک جماعت تشکیل کی اس جماعت میں شرکت کی ہر اس شخص کو دعوت دی گئی تھی جو نظریہ پاکستان سے محبت رکھتا ہو ۔ اس نو تشکیل جماعت کی پہلی میٹنگ چوہدری حشمت علی صاحب وکیل انکم ٹیکس کے مکان پر ماڈل ٹاؤن اے میں منعقد ہوئی جس میں مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی ۔ اور سابق شیخ الجامعہ ۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور جناب مولانا محمد ناظم ندوی کو متفقہ طور پر اس کا صدر اور ندیم ہاشمی صاحب کو سیکرٹری منتخب کیا ۔

انجمن تحفظ نظریہ پاکستان کا پروگرام یہ تھا کہ اس کے ارکان بہاولپور ڈویژن کے ہر شہر اور قریہ کا دورہ کر کے ایک ایک فرد کو یہ بتائیں گے ۔ کہ پاکستان جس نظریہ کے تحت معرض وجود میں آیا ہے اس کا تحفظ کتنا ضروری ہے ۔ انجمن نے نظریہ پاکستان کے تحفظ اور دینی و اخلاقی اقدار کے فروغ کے علاوہ رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لینے کا بھی فیصلہ کیا تھا چنانچہ

چنانچہ آغاز کار کے طور پر انجمن نے مہاجر کالونی بہاولپور میں ایک فری ڈسپنسری قائم کی جس کا افتتاح ڈی۔آئی۔جی پولیس سے کرایا گیا۔

پاکستان لیگرز گروپ

انہی دنوں یہاں چند پرانے مسلم لیگیوں نے نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور مسلم لیگ کو ایک با مقصد جماعت بنانے کے لئے بہاولپور میں لیگرز گروپ قائم کیا۔ اس کا ایک پروگرام یہ بھی تھا۔ کہ مسلم لیگ کے تمام دھڑوں کو ایک مرکز پر لایا جائے اور ملک میں مسلم لیگ نام کی صرف ایک جماعت ہو جس کی عوامی سطح پر از سر نو تنظیم کی جائے۔ لیگرز گروپ کے کنوینر سید محمد چراغ شاہ سابق ممبر مجلس بہاولپور اور اراکین میں منشی عبدالحمید۔ حافظ احمدیار۔ عبدالحمید صحرائی۔ شیخ بشیر احمد اور راقم الحروف شامل تھے۔

لیگرز گروپ کے کنوینر سید محمد چراغ شاہ نے ۸ دسمبر ۱۹۶۹ء کو ایک پریس کانفرنس میں جماعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کے ساتھ حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ

"چونکہ مسلم لیگ اسلامیان پاکستان کے ایک مشترکہ ورثہ کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے حکومت جس کے اپنے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں اسے تشتت و افتراق سے بچانے کے لئے کوئی ایسا مثبت قدم اٹھائے جس سے اس کی رنگ برنگی شکلیں ختم ہو کر ملک میں مسلم لیگ نام کی صرف ایک جماعت کا قیام ممکن ہو جائے"

انھوں نے کہا تھا کہ

"ہماری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ مختلف النوع نظریات کی کشمکش کے اس نازک دور میں جس سے آج پاکستان دو چار ہے۔ ایسی تنظیم ہی نشوونما ہو سکتی ہے جس پر عوام کو بھی اعتماد ہو اور وہ خالص اسلامی حکومت کے قیام پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہو۔

" چونکہ پاکستان اس نظریہ کی اساس پر قائم ہوا تھا۔ اور اس کی داعی بلا شرکت غیرے مسلم لیگ ہے اس لئے یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ جماعت مفاد پرستوں کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنے نظریات کو لے کر دوبارہ عوام کے سامنے آئے تو تعمیر پاکستان کا کارنامہ انجام دینے والی یہی جماعت استحکام پاکستان کا حق بھی نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر سکے گی۔

" یہ خیالات صرف ہمارے ہی نہیں بلکہ پاکستان کے لاکھوں مسلم لیگی کارکن یہی جذبات رکھتے ہیں اور وہ اس مطالبہ میں ہمارے ساتھ ہم آواز ہیں کہ مسلم لیگ کے موجودہ تمام دھڑوں کو ختم کر کے صحیح بنیادوں پر مسلم لیگ کی از سر نو تشکیل عمل میں لائی جائے"۔

باب سیزدہم

بہاولپور کے علیحدہ صوبے کا مطالبہ

۱۹۶۹ء کا سال یوں تو پورے پاکستان کے لئے ایک انقلابی سال تھا۔ جس میں صدر ایوب کا دس سالہ دور حکومت ختم ہوا تھا۔ اور ملک ایک بار پھر مارشل لا کی زد میں آیا تھا۔ لیکن اہل بہاولپور کے لئے اس اعتبار سے بھی اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی کہ اس میں بہاولپور کے مستقبل کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اخبارات میں یہ خبریں چھپ رہی تھیں کہ حکومت ون یونٹ کو توڑنے اور پرانے صوبوں کو نئی حدود کے ساتھ بحال کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ چنانچہ جب ۲۰ نومبر کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ون یونٹ کو توڑنے کا عنقریب اعلان کیا جانے والا ہے اور مغربی پاکستان کے مجوزہ چار صوبوں (پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد) میں بہاولپور کا جداگانہ صوبہ شامل نہیں ہے۔ تو سید احمد نواز شاہ گردیزی سابق وزیر مغربی پاکستان نے فوری طور پر ایک پریس کانفرنس بلا کر اس پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ وہ ان دنوں وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور میں صاحب فراش تھے۔ لیکن اس خبر نے انہیں بے چین کر دیا اور انہوں نے بستر پر لیٹے لیٹے ہی پریس کانفرنس کر ڈالی۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ۔

> "وحدت مغربی پاکستان کو اہل بہاولپور نے ملی مفاد کے تحت قبول کیا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں نے اپنی حدود کی توسیع کے لئے یہ سازش کی تھی۔ کیونکہ اگر یہ سازش نہ ہوتی تو ون یونٹ کو توڑنے کے بعد بہاولپور کو ایک الگ صوبہ بنانے سے اغماض نہ برتا جاتا۔ بہرحال بہاولپور کے عوام اس سازش کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

سیاسی پارٹیوں کا مشترکہ اجلاس

۲۴ نومبر کو علامہ ارشد نے مختلف الخیال سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس اپنی قیام گاہ "آزاد منزل" میں طلب کیا۔ جس میں کونسل لیگ، کنونشن لیگ، ڈیموکریٹک پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت علمائے اسلام، پیپلز پارٹی، چیمبر آف کامرس، بار ایسوسی ایشن، مجلس احرار

اور جماعت اسلامی کے نمائندوں نے شرکت کی۔ چوہدری فرزند علی ایڈووکیٹ نے اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی۔

"بہاولپور کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے ذمہ دار ارکان کا یہ اجتماع ان خبروں پر گہری تشویش و اضطراب کا اظہار کرتا ہے۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ عنقریب وحدت مغربی پاکستان کو ختم کر کے پرانے صوبے نئی حدود کے ساتھ بحال کر دیئے جائیں گے۔ اور بہاولپور کو سابق پنجاب میں مدغم کر دیا جائے گا۔

"بہاولپور کے مستقبل کے بارے میں کسی ناخوشگوار فیصلے کے اعلان سے قبل ہم حکومت کے کارپردازوں کو اہالیان بہاولپور کے اس متفقہ مطالبہ سے ایک بار پھر آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ چونکہ وحدت مغربی پاکستان کا ختم ہونا اس ملک کی سیاسی تقدیر ہو چکی ہے اس لئے بہاولپور کو ایک صوبے کی حیثیت سے بحال کیا جائے۔ لیکن اگر بہاولپور کی انفرادیت کو ختم کر کے اسے کسی ملحقہ صوبے کا تابع مہمل بنا دیا گیا تو اسے بہاولپور کے سیاسی حقوق کی پامالی۔ بہاولپور کے ساتھ صریح ظلم اور اہالیان بہاولپور کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تصور کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں بہاولپوری عوام اپنے جائز سیاسی حق کی بازیابی کی خاطر عوامی تحریک چلا کر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوں گے۔ تاکہ بڑے صوبوں کے توسیع پسندانہ عزائم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ اہل بہاولپور حسب ذیل وجوہ کی بنا پر بہاولپور کو الگ صوبہ کی حیثیت سے بحال کرنے کے مطالبہ میں حق بجانب ہیں۔

۱۔ ۱۹۵۵ء میں بہاولپور کسی ملحقہ صوبے میں نہیں بلکہ ون یونٹ میں شامل ہوا تھا۔ اس لئے اگر ون یونٹ ختم ہو جاتا ہے تو سیاسی منطقی قانونی اور اخلاقی اعتبار سے بہاولپور کی انفرادیت کی بحالی میں کسی فرد یا گروہ کو مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ ون یونٹ کو توڑ کر سابق صوبوں کی بحالی کی شریفانہ اور منصفانہ تعبیر پرانے صوبوں کو پرانی حدود کے ساتھ بحال کرنا ہے۔ ان کی حدود میں توسیع ہرگز نہیں۔

۳۔ یونٹ کے قیام سے قبل بہاولپور کو مکمل صوبائی حیثیت حاصل تھی۔ اور یہاں باقی صوبوں کی طرح اسمبلی قائم تھی۔ ۱۹۵۶ء کے ون یونٹ اسمبلی کے انتخابات میں بہاولپور اسمبلی کو ہی انتخابی ادارہ قرار دیا گیا تھا اس لئے یونٹ کی تحلیل کی صورت میں یہ حیثیت ریاستی نہیں صوبائی از خود بحال ہو جانی چاہیئے۔

۴۔ بہاولپور مالی اور اقتصادی اعتبار سے نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ صوبائی بجٹ کے اعداد و شمار اس بات کے شاہد ہیں کہ گذشتہ پندرہ سال میں بہاولپور کی آمدنی دوسرے علاقوں کی تعمیر و ترقی پر صرف ہوتی رہی ہے۔

۵۔ وحدت مغربی پاکستان میں بہاولپور جس خلوص نیت اور محبت و عقیدت کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اس کا صلہ اہل بہاولپور کو مایوسی اور محرومی کی صورت میں ملا ہے۔ اس سلسلہ میں صوبائی وزرائے خزانہ۔ گورنروں اور سابق صدر مملکت کے دو بیانات بطور ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں اعتراف کیا گیا ہے کہ بہاولپور ایک علاقہ ہے کہ جس کی تعمیر و ترقی پر اس کی آمدنی کی نسبت بہت کم خرچ ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اہل بہاولپور ون یونٹ توڑنے کی صورت میں اپنے سیاسی وجود سے محروم ہو کر اور کسی ملحقہ صوبے کا تتمہ بن کر مزید تجربات کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

۶۔ بہاولپور کو صوبائی حیثیت میں بحال کرنے کا مطالبہ نہ صرف اہل بہاولپور کا متفقہ مطالبہ ہے بلکہ ملک کی بیشتر سیاسی پارٹیاں اور سیاسی زعما بھی اس مطالبہ کی حمایت کر چکے ہیں۔ ڈیموکریٹک پارٹی۔ کونسل مسلم لیگ۔ مجلس احرار۔ جماعت اسلامی۔ قائد اعظم مسلم لیگ اور ان کے عمائدین کے بیانات اور قرار دادیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اس لئے جمہوریت کامل کی بحالی کے انتظامات کی موجودگی میں ملک کی سیاسی پارٹیوں کے عزائم کو نظر انداز کر کے کوئی فیصلہ کرنا انتہائی نامناسب ہو گا۔

۷۔ اگر پاکستان کی سب سے بڑی سابق ریاست کے معاملہ میں اس کے باشندوں اور ملک کی سیاسی پارٹیوں کے مبنی برحق مطالبے کو مسترد کر دیا گیا۔ تو مسئلہ کشمیر پر بھی اس کا انتہائی ناخوشگوار اثر مرتب ہو گا۔ اس لئے جلدبازی میں کسی صوبے کے توسیع پسندانہ عزائم کے سامنے جھکنا وسیع ترقومی و ملی مفاد کے سراسر خلاف ہے۔

۸۔ ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کا قیام سیاسی پارٹیوں اور نمائندہ اسمبلیوں کے مطالبہ و حمایت کے بعد عمل میں لایا گیا تھا۔ اس لئے اسے توڑتے وقت عوام کی خواہشات اور سیاسی جماعتوں کے مطالبات کو پس پشت ڈالنے کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

۹۔ بہاولپور آبادی میں بلوچستان اور آمدنی میں سرحد و بلوچستان دونوں سے بڑا ہے۔ اس لئے یہ ایک خود مختار صوبے کی حیثیت سے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کی پوری صلاحیت اور استحقاق رکھتا ہے۔

۱۰۔ ون یونٹ کو اگر صرف چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا تو اس کا مطلب سابق ناموں کے ساتھ ان صوبوں کی تشکیل نو ہو گی۔ اس لئے صوبوں کی جدید حد بندی میں عوام کی مرضی کے خلاف بہاولپور کسی ملحقہ صوبے کو بطور تحفہ پیش کرنا انصاف اور آئین کی کھلی خلاف ورزی ہو گی۔

ان وجوہات کی بنا پر ہم صدر مملکت اور گورنر مغربی پاکستان سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ کوئی

ایسی کارروائی نہ ہونے دیں جس سے اہل بہاولپور کی جمہوری امنگوں کا خون ہو۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں کے جائز مطالبات کی تحقیر ہو اور کشمیر کے معاملہ میں پاکستان کے بین الاقوامی موقف کو کوئی گزند پہنچے۔ اگر بہاولپور کے اس عوامی مطالبے کو قبول نہ کیا گیا تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وحدت مغربی پاکستان کی تحلیل کے بعد بھی مطالبات بدستور الجھے رہیں اور عوام کا باہمی تصادم موجود رہے۔

کل جماعتی مجلس عمل کا قیام

اجلاس میں بہاولپور کو بطور صوبہ بحال کرانے کے لئے ایک کل جماعتی ایکشن کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اور یہ طے پایا کہ بہاولپور کے مستقبل کے سوال پر غور کرنے کے لئے ۱۴ دسمبر کو آل پارٹیز کنونشن طلب کیا جائے۔ مجلس عمل کا کنوینر چوہدری فرزند علی کو منتخب کیا گیا۔ جب کہ سکرٹری سید چراغ شاہ بخاری اور خازن چوہدری برکت اللہ منتخب ہوئے ایکشن کمیٹی کے ارکان حسب ذیل چنے گئے تھے۔

(۱) میاں نظام الدین حیدر (کونسل مسلم لیگ) (۲) میر انوار الحسن ایڈووکیٹ (کونسل مسلم لیگ)
(۳) سیٹھ عبید الرحمٰن (کنونشن مسلم لیگ) (۴) الطاف حسین قریشی (کنونشن مسلم لیگ)
(۵) سید مہربان شاہ (نیشنل عوامی پارٹی) (۶) رشید احمد چوہدری (نیشنل عوامی پارٹی)
(۷) مولوی خیر محمد (پیپلز پارٹی) (۸) عبداللہ یوسف بھٹہ ایڈووکیٹ (پیپلز پارٹی)
(۹) مولانا غلام مصطفےٰ (جمعیتہ علمائے اسلام) (۱۰) عبدالمجید (جمعیتہ علمائے اسلام)
(۱۱) چوہدری حشمت علی (ڈیموکریٹک پارٹی) (۱۲) ملک محمد بخش (ڈیموکریٹک پارٹی)
(۱۳) راجہ مختار علی (بار ایسوسی ایشن) (۱۴) اعجاز احمد انصاری (بار ایسوسی ایشن)
(۱۵) چوہدری برکت اللہ (چیمبر آف کامرس) (۱۶) علامہ ارشد (آزاد)
(۱۷) میاں محمد قاسم (آزاد) (۱۸) سید چراغ شاہ (آزاد)
(۱۹) حکیم محمد عمران (جماعت اسلامی) (۲۰) منشی محمد حسن چغتائی (مجلس احرار)

متذکرہ بالا قرارداد پر بھی انہیں حضرات نے دستخط کئے تھے۔

اس سے پہلے بہاولپور بار ایسوسی ایشن نے بھی ایک قرارداد منظور کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ

"اگر بہاولپور کو ایک علیحدہ صوبہ نہ بنایا گیا تو وہ اپنا مطالبہ منوانے کے لئے راست اقدام کریں گے"

اس کے علاوہ جمعہ کی نماز کے وقت مسجد الصادق بہاولپور میں بھی اسی قسم کی ایک قرارداد منظور کی گئی تھی۔

آل پارٹیز کنونشن بہاولپور متحدہ محاذ کا قیام

۱۴ دسمبر ۱۹۶۹ء کو کل جماعتی مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق "الحیدر" میں آل پارٹیز کنونشن منعقد ہوا

جمیں پورے ڈویژن سے سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ کنونشن کی کاروائی کے دوران بعض مندوبین کو کنونشن کے منتظمین سے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ انہیں اظہار خیال کا موقع نہیں دیا گیا۔ دراصل یہ وہ لوگ تھے جو بہاولپور کے علیحدہ صوبے کے حق میں نہیں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ وہ اس موقع پر اپنے اختلاف کو ظاہر کریں۔ منتظمین ان کی نیتوں کو بھانپ گئے تھے۔ اس لئے انہیں اسٹیج پر نہیں آنے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بطور احتجاج کنونشن کا بائیکاٹ کر کے مخالفانہ نعرے لگاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ اگرچہ کنونشن کی کاروائی اس کے باوجود جاری رہی لیکن جس جوش و خروش کی توقع تھی وہ پیدا نہ ہو سکا اور کنونشن رسمی سی کاروائی کے بعد ختم ہو گیا۔ بہرحال اس میں ایک قرارداد بحالی صوبہ بہاولپور کے سلسلہ میں منظور ہوئی اور یہ طے پایا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے اشتراک عمل سے بہاولپور متحدہ محاذ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جائے جو بہاولپور کو ایک جداگانہ صوبے کے طور پر بحال کرانے کی جدوجہد کرے۔ اس کے صدر چوہدری فرزند علی نائب صدر عمر حیات جاوید اور سکریٹری میاں اللہ نواز منتخب ہوئے۔

انجمن الحاق پنجاب

کنونشن کے بعد وہ عنصر جو ناراض ہو کر کاروائی کے دوران چلا گیا تھا۔ اس نے انجمن الحاق پنجاب کے نام سے ایک علیحدہ تنظیم قائم کر لی۔ جس کا مقصد بہاولپور کو صوبہ پنجاب میں شامل کرانا تھا۔ اس انجمن میں اکثریت پنجابی بولنے والے آبادکاروں کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر بہاولپور کو ایک علیحدہ صوبے کی حیثیت سے بحال کیا گیا تو بہاولپور کے زمینداروں کا وہی رجعت پسند طبقہ برسر اقتدار آ جائے گا۔ جن کے طرز عمل سے معاشرتی و سیاسی زندگی میں وہ ہمیشہ شاکی رہے ہیں۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ بہاولپور کو پنجاب کے ساتھ شامل کیا جائے۔ چنانچہ مذکرہ کنونشن کے فوراً بعد انہوں نے آبادکاروں کا ایک کنونشن بلا کر انجمن الحاق پنجاب کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس طرح دو متحارب گروپ معرض وجود میں آ گئے ایک بہاولپور کی سابقہ حیثیت کی بحالی کا طالب اور دوسرا بہاولپور کے پنجاب سے الحاق کا خواہاں ان دونوں میں جو چیز مابہ الامتیاز تھی وہ یہ کہ متحدہ محاذ کو ریاستی آبادی کے علاوہ مہاجرین اور آبادکاروں کی بھی حمایت حاصل تھی اور انجمن الحاق پنجاب میں آبادکاروں کے علاوہ صرف پنجابی بولنے والے مہاجرین شامل تھے گویا بہاولپور کے مستقبل پر بہاولپور کی آبادی کا اس طرح تقسیم ہو گئی تھی کہ ایک طرف سرائیکی اور اردو بولنے والے تھے اور دوسری طرف پنجابی بولنے والے۔ یہ تقسیم انتخابات تک اسی طرح قائم رہی اور دونوں گروپ اپنی اپنی جگہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

بہاولپور متحدہ محاذ کی سرگرمیاں

چونکہ بہاولپور متحدہ محاذ میں مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل تھے اس لئے قدرتی طور پر اسے کم و بیش تمام سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل تھی۔ جو جماعتیں متحدہ محاذ کے مطالبے کے حق میں نہ تھیں وہ اپنے مقامی کارکنوں کی دل آزاری کے خیال سے اس کی مخالفت نہیں کر رہی تھیں چنانچہ جب بہاولپور متحدہ محاذ نے حصول مقصد کے لیے اپنی سرگرمیاں کا باقاعدہ

آغاز کیا تو اکثر سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے بیانات اپنے مطالبے کے حق میں حاصل کر کے اخبارات میں شائع کرائے۔ جن سیاسی جماعتوں نے بہاولپور کا علیحدہ صوبہ بنانے کی حمایت کی تھی ان میں کونسل مسلم لیگ۔ کونسل مسلم لیگ۔ جماعت اسلامی پاکستان جمہوری پارٹی۔ جمعیت العلمائے اسلام اور تحریک استقلال شامل تھیں۔ بعد میں متحدہ محاذ نے اپنی شاخیں پورے ڈویژن میں قائم کر دیں اور ہر تحصیل میں الگ الگ کنوینیر مقرر کر دیئے۔ جنہوں نے تحریک کو آگے بڑھانے میں بھرپور حصہ لیا۔

مطالبے کی ہمہ گیری

بہاولپور متحدہ محاذ کی سرگرمیوں کا مرکز اگرچہ بہاولپور شہر تھا۔ لیکن اس کے ہمنوا پورے ڈویژن میں پھیلے ہوئے تھے اور اپنے اپنے دوائر میں صوبائی بحالی کے مطالبے کے حق میں کام رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بنیادی جمہوری اداروں کی تائید کرائی۔ کہیں کہیں مخالف عناصر کی طرف سے اس کی مخالفت بھی ہوئی۔ لیکن پھر بھی اکثر اداروں نے مطلوبہ قراردادیں منظور کر دیں ان میں ڈویژنل کونسل بہاولپور کے علاوہ ڈسٹرکٹ کونسل بہاولپور۔ ڈسٹرکٹ کونسل رحیم یار خاں۔ تحصیل کونسل لیاقت پور۔ تحصیل کونسل رحیم یار خاں۔ بلدیہ بہاولپور اور بلدیہ رحیم یار خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈویژنل کونسل کے اجلاس میں قرارداد منظور ہوئی تو ایوان تالیوں سے گونج اٹھا۔ اور ممبران نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی یہ قرارداد ملک عظیم بخش چیئرمین نے پیش کی تھی اور اس پر ۲۸ ارکان نے دستخط کئے تھے۔

جنوری ۱۹۷۰ء کے دوسرے ہفتے میں بہاولپور بار ایسوسی ایشن نے وکلا کا ڈویژنل کنونشن طلب کر کے متحدہ محاذ کے مطالبے کے حق میں قرارداد منظور کرائی بہاولنگر کے تین اور حاصل پور کے صرف ایک وکیل نے قرارداد کی مخالفت کی تھی۔

ڈویژن کے مقتدر رہنماؤں نے بھی بہاولپور کو علیحدہ صوبہ بنانے کے حق میں بیانات کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا۔ چوہدری فرزند علی۔ میاں نظام الدین حیدر اور علامہ ارشد تو اس معاملے میں پہلے سے کافی سرگرم تھے۔ ان کے علاوہ مختلف اوقات میں شہزادہ سعید الرشید عباسی۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی۔ میرزا ہد حسین۔ مخدوم حمید الدین حاکم۔ میجر کانجو ملک محمد قاسم۔ مخدوم سلطان احمد۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری۔ مرزا ثناء اللہ اور ایسے ہی دیگر متعدد حضرات نے بھی بڑے زوردار بیانات دئے۔ مختلف سماجی۔ تجارتی اور دینی تنظیموں نے بھی بہاولپور کو علیحدہ صوبہ بنانے کے حق میں قراردادیں منظور کیں

تحریک تحفظ حقوق بہاولپور

پرانے سیاستدانوں کے دوش بدوش بہاولپور کا نوجوان طبقہ بھی بہاولپور کے مستقبل کے معاملے میں بہت متفکر تھا۔ کیونکہ پچھلے ادوار میں جن سماجی ناانصافیوں اور معاشی ناہمواریوں سے بہاولپور دوچار رہا تھا۔ اس کا شکار سب سے زیادہ یہ نوجوان طبقہ ہی تھا۔ خیال تھا کہ اگر بہاولپور کو الگ صوبہ بنا دیا گیا تو گذشتہ تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی اور انہیں ہر شعبۂ حیات میں ترقی کا موقع مل سکے گا۔ چنانچہ چند تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تحریک تحفظ حقوق بہاولپور کی نام سے ایک باقاعدہ تنظیم کی داغ بیل ڈالی اور عوامی سطح پر کام کا

آغاز کیا۔ نوجوانوں کی تنظیم نے بہت جلد بہاولپور کی سیاسی فضا میں ایک ہلچل مچا دی اور عام لوگ اس سے متاثر نظر آنے لگے اس کے بعد انہوں نے بھوک ہڑتال کا پروگرام بنایا۔ فریدگیٹ کے باہر کیمپ لگا اور اس میں نوجوان بھوک ہڑتالی جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اس غیر معمولی اقدام نے بہاولپور کے ان سیاستدانوں کو بھی خاصا الجھن میں ڈال دیا جو متحدہ محاذ کے نام سے ایک سیاسی تنظیم قائم کر چکے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر نوجوانوں کی تحریک کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ان کے محاذ کی حیثیت بالکل ثانوی ہو کر رہ جائے گی۔ انہوں نے پہلے تو نوجوانوں کو ہڑتال کا پروگرام ختم کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن وہ زمانے تو متحدہ محاذ کے بعض لیڈروں نے بھی نوجوانوں کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کیا اور ۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو فریدگیٹ کے ہڑتالی کیمپ میں بیک وقت دس سیاسی لیڈر آ بیٹھے جن میں صاحبزادہ منصور احمد عباسی لال میاں۔ سردار محمد اسلم خاں ایڈوکیٹ۔ سیٹھ عبید الرحمٰن وائس چیئرمین بلدیہ بہاولپور۔ سید چراغ شاہ بخاری۔ ممتاز احمد خاں۔ انوار الرب گلزار کریمی۔ چوہدری عمر حیات جاوید۔ مستری عبد الرحمٰن شیخ خدا بخش اور ملک فیض محمد شامل تھے۔

بھوک ہڑتال کا سلسلہ ڈویژن کے دوسرے مقامات پر بھی جاری تھا۔ چنانچہ خانپور میں انجمن تحفظ حقوق بہاولپور کے صدر مرید حسین جتوئی اور سیکرٹری غلام رسول نے بھی ۴۸ گھنٹے کی ہڑتال کی۔ رحیم یار خاں میں بھی ہڑتالی کیمپ لگا تھا جہاں ۴۸ ۴۸ گھنٹے کے لئے باری باری رضاکار آ کر بیٹھتے تھے۔

بھوک ہڑتالیوں میں روزانہ نئے کارکنوں کا اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ مقامی انتظامیہ کیلئے صورتحال بڑی تشویشناک تھی۔ کیونکہ عام لوگوں کی ہمدردیاں اب ہڑتالیوں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھیں۔ ان دنوں ڈویژنل کمشنر مسٹر ضیاءالدین خاں تھے جو طبعاً بڑے مرنجاں مرنج اور صلح کل تھے۔ انہوں نے ابتداء میں تو ہڑتال کے پروگرام کو نظرانداز کیا اور اس سلسلے میں کسی کارروائی کی ضرورت نہ سمجھی لیکن جب یہ محسوس کیا کہ اب حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں نے مقامی رہنماؤں کو بلا کر کہا کہ بھوک ہڑتال مارشل لاء کے ضابطے کے خلاف ہے لہٰذا اسے فوراً بند کر دیا جائے ورنہ مجبوراً حسب ضابطہ ایسے لوگوں کے خلاف کارروائی کی جائے گی جو بھوک ہڑتال کر رہے ہیں یا بھوک ہڑتال پر لوگوں کو اکسا رہے ہیں۔ انہوں نے ۲۴ گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ لیکن اس میعاد کے ختم ہونے سے پہلے ہی قانون کے احترام میں یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا اور فریدگیٹ کے باہر جو خیمے لگے ہوئے تھے اکھاڑ لئے گئے۔ اسی طرح رحیم یار خاں اور خانپور کے ہڑتالی کیمپ بھی ختم کر دیئے گئے۔

متحدہ محاذ کا عزم

مارچ میں گورنر مغربی پاکستان جنرل عتیق الرحمٰن کی بہاولپور میں آمد متوقع تھی۔ بہاولپور متحدہ محاذ نے اس موقع پر بہاولپوری عوام کا مطالبہ گورنر کے سامنے پیش کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں ڈویژن کے چالیس سرکردہ افراد کی ایک فہرست ڈویژنل کمشنر کو بھجوائی گئی۔ ساتھ ہی محاذ کے ایک اجلاس میں جو مسٹر اسلم افغان کی کوٹھی پر منعقد ہوا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ بحالی صوبہ کی تحریک ۱۵ مارچ تک آئینی حدود میں جاری رہے گی۔ اس عرصہ میں صدر مملکت اور گورنر مغربی پاکستان سے محاذ کے نمائندہ افراد ملاقات کر کے انہیں بہاولپور کا

عوام کے مطالبے سے آگاہ کریں گے اس کے بعد محاذ اپنا مطالبہ منوانے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کرنے پر غور کرے گا۔

اس اجلاس میں تقریباً ایک سو کارکنوں نے جو مختلف جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے شرکت کی۔ اور میاں نظام الدین حیدر۔ علامہ ارشد۔ سیٹھ عبید الرحمٰن۔ مولوی غلام مصطفےٰ۔ مولوی عبدالخالق۔ ملک اللہ یار۔ محمد حسن چغتائی۔ میاں اللہ نواز اور سید چراغ شاہ بخاری نے خطاب کیا۔

پُرامن جلوس

۲۱ فروری ۱۹۷۰ء کو بعد نماز جمعہ بہاولپور متحدہ محاذ کے زیر اہتمام ایک پرامن جلوس نکالا گیا جلوس میں شامل لوگوں نے مختلف کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر "بہاولپور کو علیحدہ صوبہ بناؤ" اور "بہاولپور کی صوبائی حیثیت بحال کرو" کے نعرے درج تھے۔ جلوس کی قیادت چوہدری فرزند علی۔ میاں نظام الدین حیدر۔ علامہ ارشد اور سیٹھ عبید الرحمٰن نے کی تھی۔ جلوس سے چوہدری فرزند علی نے خطاب بھی کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ

> "بہاولپور آئینی۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے بالکل جداگانہ یونٹ رہا ہے اسے کسی دوسرے صوبے کا تتمہ یا ضمیمہ نہیں بنایا جا سکتا۔ حکومت اس مسئلہ پر ذمہ دار حکام اور وزراء کی گول میز کانفرنس بلائے جس میں بہاولپوری عوام کے نمائندوں کو بھی شریک کیا جائے اس کانفرنس میں اگر ہم حکومت کو اپنے موقف کا قائل نہ کر سکے تو ہم اپنے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں گے۔"

آخر میں چوہدری فرزند علی نے عوام سے پرامن جدوجہد جاری رکھنے کی اپیل کی۔

تحریری محاذ

بہاولپور کو علیحدہ صوبہ بنانے کی تحریک محض تقریروں۔ جلسوں۔ جلوسوں اور بیانات تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا تحریری محاذ بھی بڑا مضبوط تھا۔ مختلف ادارے متواتر ایسے کتابچے اور پمفلٹ شائع کر رہے تھے جن میں اس مطالبے کی حمایت میں دلائل و براہین پیش کئے جاتے تھے سب سے پہلے تنظیم اصلاح معاشرہ بہاولپور نے "ہماری امانت ہمیں واپس دو" کے زیر عنوان ایک پمفلٹ شائع کیا۔ یہ پمفلٹ تنظیم کے صدر ملک محمد دین ایڈووکیٹ کے ایک مضمون پر مشتمل تھا۔ جس میں ون یونٹ سے قبل اور ون یونٹ کے بعد کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ ون یونٹ میں بہاولپور کو سراسر نقصان پہنچا ہے اس میں مسئلے کے آئینی پہلو کو بھی اجاگر کیا گیا تھا۔ اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ معاہدۂ الحاق میں امیر بہاولپور کو یہ ضمانت دی گئی تھی کہ بہاولپور کی سالمیت برقرار رکھی جائے گی۔ ملک صاحب نے ایک اور پمفلٹ تحریک تحفظ حقوق بہاولپور کی فرمائش پر بھی لکھا تھا جسے تحریک کے منتظمین نے چھپوا کر تقسیم کرایا عیدالاضحیٰ کے موقع پر فرزندان بہاولپور کی جانب سے ایک کتابچہ تقسیم کیا گیا۔ جس کا عنوان تھا۔ "صوبہ بہاولپور کا مقدمہ" اس کتابچہ میں ان محرومیوں کو گنوایا گیا تھا جن سے بہاولپور ون یونٹ کے بعد دوچار ہوا۔ ایک پمفلٹ پاکستان تکمیر زگر دیپنے بعنوان "بہاولپور کا علیحدہ صوبہ کیوں نہیں" شائع کیا۔ اس میں اعداد و شمار سے واضح کیا گیا تھا کہ بہاولپور ایک جداگانہ صوبے کے طور پر قائم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ولی اللہ اوحد اور سیٹھ عبید الرحمٰن نے بھی علیحدہ علیحدہ دو پمفلٹ

شائع کئے جن میں بہاولپور کے علیحدہ صوبے کے مطالبے کی بڑی موثر وکالت کی گئی تھی۔ چوہدری فرزند علی نے انگریزی میں (THE CHOICE OF BAHAWAL PUR) لکھ کر بہاولپور کے صوبے کی وکالت کا حق ادا کیا مسٹر ریاض ہاشمی ایڈوکیٹ کی کتاب —— (BRIEF FOR BAHAWAL PUR PROVINCE) بڑی جامع اور سب سے زیادہ ضخیم تھی۔

بہاولپور کے بحالی صوبہ کی تحریک کے اس تحریری محاذ کو مقامی اخبارات نے بھی بڑی تقویت پہنچائی۔ بہاولپور سے شائع ہونے والے اخبارات کا کوئی شمارہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ جس میں خبروں اور بیانات کے علاوہ بہاولپور کے علیحدہ صوبے کے حق میں اداریے اور مضمون شائع نہ ہوتے ہوں۔ قومی اخبارات کے نمائندے بھی تحریک میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے تھے۔ باوجود یہ کہ قومی اخبارات کی پالیسی بحالی صوبہ بہاولپور کے حق میں نہیں تھی۔ لیکن وہ تحریک سے متعلق ادنیٰ سی ادنیٰ خبر کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے

تحریک سرد پڑ گئی

بہاولپور متحدہ محاذ نے اس عزم کا اظہار کیا تھا۔ کہ اگر حکومت کی جانب سے ۱۵ مارچ تک بہاولپور کو صوبہ بنانے کا اعلان نہ کیا گیا۔ تو وہ پرامن جدوجہد کے بجائے دوسرے ذرائع اختیار کرنے پر غور کرے گا۔ یہ اشارہ سول نافرمانی کی تحریک کی طرف تھا۔ لیکن محاذ کے رہنما مقررہ تاریخ کے آنے سے قبل ہی راولپنڈی روانہ ہو گئے اور ان کے جانے کے کئی دن بعد محاذ کی جانب سے یہ بیان اخبارات کو دیا گیا کہ محاذ کا وفد صدر پاکستان سے ملاقات کا وقت لینے راولپنڈی گیا ہوا ہے تاکہ عوام کے جذبات و احساسات ان تک پہنچائے جا سکیں۔ لہٰذا اب محاذ اس ملاقات کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل مرتب کرے گا۔ اس بیان سے وہ گرما گرمی جو چند دن پہلے دیکھنے میں آئی تھی ختم ہو گئی اور ادھر جنرل عتیق الرحمٰن گورنر مغربی پاکستان بہاولپور کے دورے پر آئے تو جو وفود ان سے ملے انہیں گورنر نے یہ تاثر دیا کہ حکومت ان کے موقف سے ہمدردی رکھتی ہے اور اب انہیں مزید جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب محاذ کا وفد صدر پاکستان سے ملاقات کا وقت لینے راولپنڈی گیا تھا تو صدر اردن کے شاہ حسین کے دورے کی وجہ سے بے انتہا مصروف تھے۔ اور ان سے ملاقات تقریباً ناممکن تھی۔ علاوہ ازیں صدر کے خصوصی اعلان کے لئے جس میں بہاولپور کی آئندہ حیثیت کا بھی فیصلہ ہونا تھا۔ ۱۳ مارچ مقرر تھی۔ جو بہت قریب تھی مگر تبھی بہاولپور کے علیحدہ صوبہ کے مخالفین کی طرف سے یہ خبر پھیلائی گئی تھی۔ کہ حکومت نے بہاولپور کو پنجاب کا ذیلی صوبہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کا نظم و نسق ایک لیفٹیننٹ گورنر کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور ہائیکورٹ کا ایک مستقل بنچ۔ بورڈ آف ریونیو کا ایک ممبر اور ایسی ہی دوسری انتظامی سہولتیں فراہم کر دی جائیں گی جن سے بہاولپور کے باشندوں کی تشکیات کا ازالہ ہو جائے گا۔

ان تمام باتوں نے مل جل کر یہاں ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ تحریک کی شورا شوری ایکدم دب کر رہ گئی اور لوگ گومگو کے عالم میں خاموشی سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

گرفتاریوں کے لئے خود کو پیش کرنے کا پروگرام

یہ فضا چند روز ہی قائم رہ سکی تھی کہ وہ نوجوان جنہوں نے "تحریک تحفظ حقوق بہاولپور" کے نام سے اپنی تنظیم قائم کرکے بھوک ہڑتال سے اپنے پروگرام کا آغاز کیا تھا پھر ہنگامہ آرائی کے لئے پر تولتے نظر آئے۔ محاذ کے جو لیڈر راولپنڈی صدر سے ملاقات کا وقت لینے گئے تھے۔ وہ بھی واپس آچکے تھے۔ انہوں نے کچھ تو اپنی ناکامی کی جھنجھلاہٹ میں اور کچھ نوجوانوں کے تیور بھانپ کر ایک جلسہ عام منعقد کرکے اس میں یہ اعلان کیا کہ

"اگر ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد بہاولپور کو پنجاب میں شامل کیا گیا۔ تو وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے"۔

اس اعلان نے بہاولپور کے سکوت و جمود کو پھر توڑ دیا۔ اور ہر طرف ایک جوش و خروش کی لہر دوبارہ دوڑ گئی۔

بہاولپور کو پنجاب میں ضم کرنے کا فیصلہ

۲۸ مارچ ۱۹۷۰ء کو صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد یحییٰ خاں نے دستوری ڈھانچے کے حکم کا اعلان کیا کہا گیا تھا کہ یہ اعلان ۳۰ مارچ سے نافذ العمل ہوگا۔ اعلان کے مطابق مغربی پاکستان کو چار صوبوں۔ سندھ۔ پنجاب۔ بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جب کہ مشرقی پاکستان کو ایک صوبہ قرار دیا گیا تھا۔ بہاولپور کو پنجاب میں اور کراچی کو سندھ میں ضم کر دیا گیا تھا۔

اس اعلان نے بہاولپور میں جلتی پر تیل کا کام دیا۔ وہ آگ جو پچھلے چار ماہ سے لوگوں کے سینوں میں دبی ہوئی تھی۔ ایکدم بھڑک اٹھی بہاولپور کے در و دیوار سے غم و غصہ ٹپک رہا تھا۔ ہر شخص سراپا احتجاج نظر آتا تھا۔ متحدہ محاذ بھی فوری طور پر حرکت میں آیا اور اس نے اپنے اعلان کے مطابق خود کو گرفتاریوں کے لئے پیش کرنے کا پروگرام بنایا۔

بہاولپور کے پہلے اسیر

بہاولپور متحدہ محاذ کے لیڈروں نے خود کو گرفتاریوں کے لئے پیش کرنے کے لئے ۳۰ مارچ مقرر کی تھی پروگرام یہ تھا کہ لیڈران عصر کے وقت مسجد الصادق بہاولپور کے باہر جمع ہوں گے۔ اس پروگرام کے اعلان کی ڈیوٹی سیٹھ عبید الرحمٰن صاحب کے ایک نوجوان فرزند محمد اقبال الرحمٰن کے سپرد تھی وہ یہ اعلان کر رہا تھا کہ پولیس نے اسے پکڑ لیا اور اس طرح تحریک بحالی صوبہ میں سب سے پہلے اسیر ہونے کا اعزاز اس بچے کو حاصل ہوا۔ بہرحال محاذ کے لیڈر جن میں چوہدری فرزند علی۔ میاں نظام الدین۔ محمد اسلم خاں افغان۔ میاں اللہ نواز سردار محمود خاں اور سیٹھ عبید الرحمٰن شامل تھے۔ حسب پروگرام مسجد الصادق کے باہر جمع ہو گئے لیکن وہاں ان کو کسی نے گرفتار نہ کیا۔ اس کے بعد یہ صاحبان فرید گیٹ پہنچے۔ خیال تھا کہ پولیس یہاں ضرور گرفتار کرے گی لیکن یہاں بھی ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ اگلے روز پھر یہ مقررہ وقت پر مسجد الصادق پہنچے۔ اب کے متذکرہ لیڈروں میں ۶ مزید لیڈروں سید چراغ شاہ۔ ملک فیض محمد۔ مستری عبد الرحمٰن اور صدیق سکندر کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن شام کے وقت تو انہیں گرفتار نہ کیا گیا

البتہ رات کی تاریکی میں ایک ایک کو گھر سے جا کر گرفتار کر لیا گیا۔

متحدہ محاذ کے ان لیڈروں کی گرفتاری کے بعد بھی روزانہ جلوس نکلتے رہے اور مختلف سیاسی و سماجی رہنما اور کارکن خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے رہے۔

گرفتاریوں کا یہ سلسلہ ۳۱ مارچ سے ۲۴ اپریل تک جاری رہا۔ گرفتار ہونے والوں میں سیاسی رہنما بھی تھے سماجی کارکن بھی تھے۔ دینی و علمی شخصیتیں بھی تھیں اور طلبا بھی۔ ان کے علاوہ معمولی دوکانداروں سے لے کر عام شہریوں نے بھی بہاولپور کے صوبہ کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں قبول کی تھیں۔ مجموعی طور پر ان تمام اسیروں کی تعداد ۹۰۰ تھی۔

خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آئیں

تحریک بحالی صوبہ بہاولپور کے رہنما اور کارکن جب محبوس زندان ہو گئے تو بہاولپور کی خواتین بھی اپنی صدیوں پرانی روایات کو خیرباد کہہ کر گھروں سے باہر نکل آئیں۔ یہ خواتین وہ تھیں جن کا گھروں سے نکلنا انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لمبی سفید چادروں میں لپٹی ہوئی کسی عورت کو اگر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانا ہوتا تو گلی کے دونوں سروں پر پردے تن جاتے تھے۔ حیا و شرم کی ان پتلیوں کو جو جوش و جذبہ سڑکوں پر لایا تھا وہ ایک تو اپنی سرزمین کا عشق تھا اور دوسرے اپنے خاوندوں، بھائیوں اور عزیزوں کا درد جنہیں ان کے حب وطن کے جرم میں قید کر دیا گیا تھا۔

خواتین کے اس جوش و جذبہ کو ابھارنے میں طاہرہ مسعود نے سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنے والد میاں نظام الدین حیدر کی گرفتاری کی خبر سن کر لاہور سے بہاولپور آئی تھیں اور ان کا ارادہ جیل میں اپنے والد سے ملاقات کرنے کے بعد واپس جانے کا تھا۔ لیکن جب انہوں نے یہاں فضا میں رنج و غم کا دھواں اور درد و کرب کی کسک محسوس کی تو لاہور کی واپسی کا ارادہ ترک کر کے ان سینکڑوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ مل کر بہاولپور کے حقوق کی بازیابی کے لئے جدوجہد کا فیصلہ کیا۔ جو سراپا احتجاج بنی ہوئی تھیں انہوں نے منظم طور پر عورتوں کے جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا روزانہ عورتوں کے جتھے مختلف اطراف سے آکر سیٹھ عبید الرحمٰن کی کوٹھی پر جمع ہوتے اور وہاں سے جلوس کی شکل میں فرید گیٹ تک پہنچتے فرید گیٹ کے باہر کا چورستہ سٹیج کا کام دیتا۔ یہاں پہنچ کر خواتین خطاب کرتیں اور پھر جلوس منتشر ہو جاتا۔

طاہرہ مسعود نے عورتوں میں ایک ایسی روح پھونک دی تھی کہ دن دن بھر اور رات رات بھر وہ اگلے دن کے جلوس کی تیاری کرتیں انہوں نے گھر کا کام کاج بھی فراموش کر دیا تھا۔ مائیں بچوں کے بلکنے اور رونے کی پرواہ نہ کرتیں۔ یا پھر روتے بلکتے بچوں کو چھاتی سے لگائے جلوس میں شرکت کے لئے پہنچ جاتیں۔ طاہرہ مسعود کے ساتھ بیگم جمیلہ الطاف اور بیگم سردار محمود بھی بڑی سرگرم تھیں لیکن طاہرہ مسعود کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا۔ کہ ان کے خطاب کا انداز بڑا پُر تاثیر تھا۔ ان کی شعلہ نوائی نے عورتوں میں ہی نہیں مردوں میں بھی تحریک کے لئے بجلیاں بھر دی تھیں۔ ایک مرحلے پر جب یہ محسوس ہوا کہ مردوں کی طرف سے تحریک میں زیادہ جوش نظر نہیں آتا تو خواتین نے اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ کر مردوں پر پھینکیں اور

اس طرح ان کی غیرت و حمیت کو للکارا۔ خواتین کا یہ احتجاج بہاولپور شہر تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ ان کے شعلوں کی لپک ڈویژن کے دوسرے علاقوں میں بھی پہنچی تھی۔ چنانچہ اوچ شریف۔ احمد پور شرقیہ۔ خانپور اور رحیم یار خاں میں بھی خواتین نے احتجاجی جلوس نکالے۔ رحیم یار خاں میں پیپلز پارٹی کے ایم این اے۔ میجر عبدالغنی کانجو کی بیگم اور خانپور میں رانا عبدالرحمن کی بیگم نے عورتوں کو منظم کرکے تحریک کو آگے بڑھانے میں خاص حصہ لیا۔

مہاجرین کا جلوس

جب سے تحریک بحالی صوبہ بہاولپور کے سلسلے میں جلوس نکلنے شروع ہوئے تھے ان میں مقامی آبادی کے افراد زیادہ شرکت کرتے تھے۔ پنجابی صاحبان ویسے ہی بہت کم اس تحریک کے حامی تھے اس لئے وہ خال خال ہی ان جلوسوں میں نظر آتے تھے البتہ مہاجرین جن کے سرکردہ لیڈر بہاولپور کے جداگانہ صوبے کی حمایت کر چکے تھے۔ برابر جلوسوں میں شریک ہو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی یہ جلوس اتنے بڑے نہیں ہوتے تھے جن سے بھرپور تاثر کا اظہار ہو سکے عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ بحالی صوبہ کی تحریک میں مہاجرین کی شرکت برائے نام ہے چنانچہ مہاجر لیڈروں نے اپنا اجلاس طلب کرکے یہ فیصلہ کیا کہ ایک جلوس صرف مہاجرین کا نکالا جائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ مہاجرین بھی اس تحریک میں پوری طرح شریک ہیں۔ ۱۷ اپریل مہاجرین کے جلوس کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ مہاجر لیڈروں نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مہاجرین کی ایک بھاری جمعیت اکٹھی کر کے شاندار اور عظیم جلوس نکالا۔ اب تک جتنے جلوس نکل چکے تھے۔ یہ جلوس ان سب سے بڑا تھا۔ شیخ عبدالرحمن ایڈووکیٹ نے جلوس کی قیادت کی تھی۔ جلوس بازاروں سے ہوتا ہوا فرید گیٹ پہنچا تو فرید گیٹ کے بیرونی حصے میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ تمام راستے مسدود ہو کر رہ گئے تھے۔ انڈسٹریل شوروم کے سامنے ایک اونچا سٹیج بنائی گئی تھی۔ لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام تھا۔ فضا نعروں سے گونج رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی بہت بڑا معرکہ کارزار ہونے والا ہے اس عالم میں مہاجر لیڈروں نے مجمع سے خطاب کیا۔ خطاب کرنے والوں میں مسٹر حمید اللہ مسٹر غفور احمد۔ مسٹر سعید احمد خاں۔ مسٹر اشفاق زیدی۔ شیخ عبدالرحمن اور شہاب دہلوی شامل تھے ان کے علاوہ بطور مہمان بیگم طاہرہ مسعود۔ بیگم جمیلہ الطاف۔ علامہ ارشد اور سید محمد چراغ شاہ نے بھی خطاب کیا اور مہاجرین کے جذبے کو سراہا۔

مسٹر اشفاق زیدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ

"بحالی صوبہ کی تحریک ان سماجی ناانصافیوں کا نتیجہ ہے جو وحدت مغربی پاکستان کے قیام کے وقت سے اب تک بہاولپوری عوام کے ساتھ روا رکھی گئی ہیں"

انہوں نے یہ بھی کہا کہ

"سندھ میں بسنے والا مہاجر سندھی ہے اور پنجاب میں بسنے والا مہاجر پنجابی کی طرح بہاولپور میں بسنے والا مہاجر بہاولپوری ہے اور بہاولپور ہی ہمارا وطن ہے اور بہاولپور کے مفادات ہمارے

مفادات ہیں"

شیخ عبدالرحمٰن نے کہا کہ

"بہاولپور میں آباد مہاجرین ایک بار پھر ۱۹۴۷ء کی سی گردشی آزمائش سے دوچار ہیں۔ بہاولپور کو الگ صوبہ بنوانے کے سلسلہ میں مہاجرین کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے"

شہاب دہلوی نے کہا کہ

"بہاولپور رنج و غم کی جس آگ میں جل رہا ہے اس کی تپش ہر شخص محسوس کر سکتا ہے جب ساری بستی آگ کی لپیٹ میں ہو تو کوئی گھر محفوظ نہیں رہ سکتا۔

"آج مہاجرین کا جلوس اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ غم کے شعلوں نے ان کے دامن صبر و سکون کو بھی پھونک دیا ہے اور شدت غم سے مجبور ہو کر وہ بھی سڑکوں پر آ گئے ہیں۔

"نئے اور قدیم باشندے ایک خاندان کے مختلف افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں آپس میں اختلافات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اختلافات گھریلو تنازعہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور دو بھائیوں کا باہمی اختلاف گھر کی تباہی کا باعث ہرگز نہیں ہو سکتا۔

"اس وقت مسئلہ گھر کی حفاظت اور خاندان کی ترقی کا ہے اس فرض سے عہدہ برآ ہونے میں مہاجرین کسی سے پیچھے نہیں اور وہ اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

"بہاولپور کو صوبہ بنانے کا مطالبہ آبادی کی اکثریت کا مطالبہ ہے جسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ صوبہ بننے کے بعد یہ علاقہ پاکستان کے استحکام اور ترقی میں زیادہ دلچسپی سے حصہ لے سکے گا"

مہاجرین کے جلوس اور مہاجر لیڈروں کی تقریروں نے بہاولپور میں ایک عجیب فضا پیدا کر دی۔ بہاولپور کے قدیم باشندے مہاجروں سے اس طرح گلے مل رہے تھے جیسے عید الفطر پر لوگ آپس میں گلے ملا کرتے ہیں۔ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ مہاجرین نے بہاولپور کی لاج رکھ لی اور انہوں نے اس سرزمین کا حق ادا کر دیا۔

الحاق پنجاب کے حامیوں کا جلوس

یہ طرفہ تماشہ بھی قابل دید تھا کہ تحریک بحالی صوبہ کے جلوسوں کو دیکھ کر الحاق پنجاب کے حامیوں کو بھی جلوس نکالنے کا شوق ہوا۔ بظاہر ان کے جلوس کا کوئی جواز نہ تھا۔ کیونکہ جس فیصلے کے خلاف جلوس نکالے جا رہے تھے وہ ان کی تو مین خواہش کے مطابق تھا دراصل وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ان جلوسوں کو دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ سارا بہاولپور ہی علیحدہ صوبہ بنوانا چاہتا ہے بلکہ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کے حق میں نہیں ہیں۔ بہرحال انہوں نے بھی ایک جلوس اپریل کے تیسرے ہفتے میں نکالا اگر چہ اس میں شرکاء کی تعداد بہت کم تھی لیکن جو نعرے ان کی طرف سے لگائے جا رہے تھے وہ ما سوائے اشتعال انگیز نعروں کی وجہ

سے دو ایک مقامات پر فساد بھی ہوتے ہوتے رہ گیا۔

گورنر پنجاب کے ایلچی کی بہاولپور میں آمد

جلوس نکلتے ہوئے ۲۲ دن ہو چکے تھے کافی گرفتاریوں کے باوجود جلوسوں کا سلسلہ جاری تھا ایک آدھ بار جلوسوں پر پولیس کا لاٹھی چارج بھی ہوا تھا لیکن ابھی تک حالات ایسے نہیں ہوئے تھے کہ پولیس کے ذریعہ مظاہرین پر کسی قسم کی تشدد کی ضرورت پیش آتی۔ اسی اثنا میں ۲۲ اپریل کو گورنر پنجاب اور ڈپٹی سب ایڈمنسٹریٹر مارشل لا لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمن کے خصوصی ایلچی بریگیڈیر طارق میر کی بہاولپور میں آمد کی اطلاع ملی۔ بتایا گیا تھا کہ وہ بہاولپور کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بطور خاص یہاں بھیجے گئے ہیں چنانچہ مقامی انتظامیہ کے ایما پر ان سے ملاقات کے لئے بحالی صوبہ کے حامیوں کا ایک وفد بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ لیکن جب وقت مقررہ پر یہ وفد سرکٹ ہاؤس میں بریگیڈیر طارق میر سے ملاقات کے لئے پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ وہ وفد سے بہاولپور کے صوبہ کے مسئلہ پر کوئی بات نہیں کریں گے۔ یہ سن کر وفد کے اراکین جن میں علامہ ارشد۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی۔ کرنل کرامت علی۔ سردار محمد ایوب خاں اور طاہرہ مسعود شامل تھیں واپس آگئے۔

یہ خبر جب عام لوگوں تک پہنچی تو اس سے عوام کے جذبات پر بڑے ناملائم اثرات مرتب ہوئے۔ انہیں خیال تھا کہ شائد حکومت نے اپنے نمائندے کو باشندگان بہاولپور کے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے بھیجا ہے لیکن جب یہ پتہ چلا کہ حکومت کے فرستادہ افسر نے ان کے نمائندوں سے بات کرنی بھی گوارا نہ کی تو ان کے دل غم و غصہ کے سمندر میں ڈوب گئے

تحریک کا خونیں انجام

تحریک بحالی صوبہ بہاولپور کی تاریخ میں ۲۴ اپریل ۱۹۷۰ء کا دن بڑا خونی آشام تھا مسلسل احتجاجی مظاہروں کے باوجود حکومت کی سرد مہری نے عوام کے جذبات میں درد و غم کے ساتھ نفرت اور غصے کی آمیزش بھی کر دی تھی معلوم ہوتا تھا کہ آج کوئی فیصلہ کن قدم اٹھایا جانے والا ہے۔ صبح سے شہر پر ایک سکوت و جمود کا عالم طاری تھا۔ جو کسی طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہوتا تھا۔ سارے بازار بند تھے۔ سڑکوں پر آمد و رفت موقوف تھی۔ شام ہوئی تو حسب سابق جلوس نکلنے شروع ہوئے۔ مردوں کا جلوس الگ اور عورتوں کا جلوس الگ تھا۔ جمیعت علمائے اسلام کے زیر اہتمام بھی ایک علیحدہ جلوس نکلنے والا تھا۔ جس کی قیادت مولانا غوث ہزاروی کو کرنی تھی۔ وہ گذشتہ شب سے بہاولپور آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک جلسہ سے بھی خطاب کیا تھا۔ جس میں بہاولپور کو صوبہ بنانے کے مطالبے کی حمایت کی تھی۔ لیکن جمیعت کا یہ جلوس بعد میں متحدہ محاذ کے جلوس کے ساتھ مل گیا۔ ادھر انجمن اصلاح داؤد پوتر گان نے بھی شہزادہ مامون الرشید کی قیادت میں ایک جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ فرید گیٹ کے باہر پہلے سے کافی لوگ جمع ہو چکے تھے اور جلوسوں کی آمد کے منتظر تھے۔ قریبی بستی۔ گلزار محل۔ اور غنی گوٹھ سے علیحدہ علیحدہ جلوس نکلے تھے۔ ریڈیمی بالونٹ بھی اپنا جلوس الگ نکالا تھا۔ یہ سب جلوس آہستہ آہستہ فرید گیٹ پر پہنچنے شروع ہوئے۔ ابھی متحدہ محاذ کا جلوس نہیں پہنچا تھا۔ انجمن اصلاح داؤد پوتر گان کا جلوس بھی گلزار صادق سے برآمد

ہو کر ابھی راہ میں تھا۔ اس جلوس میں شریک لوگوں نے سیاہ پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ شہزادہ مامون الرشید جلوس کے آگے آگے تھے۔ جب یہ جلوس شکارپوری گیٹ کے اندر داخل ہوا تو کسی پولیس آفیسر نے درمیان میں آ کر شہزادہ مامون الرشید سے کچھ تلخ کلامی کی جس پر شہزادے نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ دوسرے لوگ بھی اس صورت حالات سے برہم تھے لیکن بات یہیں پر ختم ہو گئی اور جلوس آگے بڑھ گیا۔ چوک پر علامہ ارشد اور سید احمد نواز شاہ گردیزی متحدہ محاذ کے جلوس کے انتظار میں کھڑے تھے تاکہ یہاں سے وہ اس میں شریک ہو جائیں۔ لیکن انہوں نے جب یہ جلوس آتے دیکھا تو وہ اس میں شریک ہو گئے۔ شہزادہ مامون الرشید نے اپنے جلوس میں ان صاحبان کی شرکت پر ناپسندیدگی کا بھی اظہار کیا۔ کیونکہ انہیں متحدہ محاذ سے کئی امور میں شکایات تھی لیکن جلوس کی دھکم پیل میں وہ جلوس سے باہر نہ نکل سکے اور اس کے ساتھ فرید گیٹ تک چلتے رہے۔

فرید گیٹ پر پولیس کی طرف سے بھی آج خصوصی انتظامات تھے۔ مسلح دستوں نے اپنے مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔ بنک آف بہاولپور کی عمارت پولیس اور انتظامیہ کے دوسرے افسران کا مرکز بنی ہوئی تھی ایک درخت پر پولیس نے لاؤڈ سپیکر بھی نصب کر رکھا تھا۔ ٹیکنیکل ہائی سکول کے دروازے کے سامنے رینجرز کا ایک مسلح دستہ تعینات تھا۔ حمائتیاں بستی کے عوام کا ایک جلوس ایس۔ ڈی۔ ہائی سکول کے قریب پہنچا تو رینجرز کے سپاہیوں نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ تحریک کے سرگرم کارکن اور فرید گیٹ کے عوامی اسٹیج کے سکرٹری اشفاق زیدی نے مائیک کے ذریعہ پولیس سے اپیل کی کہ جلوس کو آگے آنے دیا جائے لیکن اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مجمع بے چین ہو گیا۔ اور اس نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

اسی اثناء میں انجمن داؤد پوترگان کا جلوس فرید گیٹ پر پہنچ گیا۔ اس جلوس کے پہنچنے کی دیر تھی کہ یکا یک بنک آف بہاولپور کے قریب جو ہجوم جمع تھا۔ اس پر پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا۔ پھر آنسو گیس کے بموں کے دھماکے ہونے لگے۔ ایک بم عین اسٹیج پر آ کر گرا۔ خواتین کا ہجوم اسٹیج کے ہی گرد تھا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ تتر بتر ہو گئے اسی عالم میں بھی بم کے گولوں کی بارش اور لاٹھی چارج کا سلسلہ جاری تھا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق عوام بھی بپھر گئے۔ انہوں نے پتھر اٹھا اٹھا کر پولیس پر مارنے شروع کر دیئے۔ انڈسٹریل شوروم کے گراؤنڈ سے جہاں لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی پتھراؤ ہو رہا تھا۔ جو مجمع اسٹیڈیم روڈ کی طرف ہٹ گیا تھا۔ اس نے راستہ میں پولیس چوکی پر ہلہ بول دیا۔ شہزادہ مامون الرشید اور ان کے جلوس کے ساتھی ابھی تک فرید گیٹ کے چوک پر تھے کچھ پولیس والے شہزادے کی طرف بڑھنے لگے۔ اور ان پر لاٹھیاں برسانے لگے۔ وہ سنبھلنے نہ پائے تھے کہ بندوق کی گولیوں کی سنسناہٹ سنائی دی۔ سب سے پہلے ایک نوجوان جس کا نام حافظ شفیق تھا۔ ایک پولیس افسر کے ریوالور کی گولی کا نشانہ بنا۔ حافظ شفیق کے بعد عظیم خاں داؤد پوترہ جس کے ہاتھ میں انجمن اصلاح داؤد پوترگان کا پرچم تھا۔ گولی کی زد میں آیا۔ وہ گولی کھا کر زمین پر گر پڑا لیکن پرچم کو اس نے آخر دم تک گرنے

نہ دیا۔

اس کے بعد بھی گولیاں چلتی رہیں اور لوگ ادھر ادھر دبکتے نظر آتے رہے۔ پھر لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ "لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں ورنہ پھر گولی چلا دی جائے گی" یہ بہاولپور کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا کہ لوگوں کو اشک آور گیس اور بندوق کی گولیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کی ہمت اور حوصلہ قابل داد ہے کہ وہ اس خونیں تجربہ سے بھی خوف زدہ نہ تھے۔ چوک فرید گیٹ کے ارد گرد لوگ بدستور موجود تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔ اتنے میں پاک فوج کے مسلح دستے آن پہنچے۔ ان کو دیکھ کر لوگوں نے "محافظ وطن زندہ آباد" کے نعرے لگائے اور قدرے اطمینان کا سانس لیا۔ فوج نے اعلان کیا کہ "اب ہم نے چارج سنبھال لیا ہے۔ امن وامان کی ذمہ داری ہماری ہے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ اب آپ گھروں کو چلے جائیں" یہ اعلان سن کر جو بچے کھچے لوگ فرید گیٹ کے ارد گرد جمع تھے۔ وہاں سے ہٹ گئے اور جلوس کی شکل میں شہر کی طرف چل دئے ان کی زبان سے نکلنے والے یہ نعرے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

"ظالمو! جواب دو۔ خون کا حساب دو!"

اب شہر فوج کے حوالے تھا۔ رات کو دس بجے سے صبح سات بجے تک کرفیو لگ چکا تھا۔ یہ سلسلہ تین روز تک جاری رہا۔ فوج بھی شہر کے بازاروں میں گشت کرتی رہی اس کے بعد شہر میں دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ ہر قسم کے جلسہ جلوس اور مظاہروں پر پابندی لگا دی گئی۔ ۲۴ اور ۲۵ اپریل کی درمیانی شب کو علامہ ارشد، احمد نواز شاہ گردیزی اور دوسرے کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

تحریک کا رخ دوسرے شہروں کی طرف

چونکہ اس سانحے کے بعد داروگیر کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور بہاولپور میں تحریک کا جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے نوجوانوں نے جن کے جذبات ابھی سرد نہیں پڑے تھے پاکستان کے دوسرے شہروں کا رخ کیا تاکہ کسی نہ کسی انداز میں تحریک کو زندہ رکھا جائے اس غرض کے لئے مسٹر اشفاق زیدی کا نے ۲۹ اپریل کو لاہور کے لئے رخت سفر باندھا۔ طاہرہ مسعود خونیں حادثے کے بعد لاہور میں اپنے خاوند کے پاس چلی گئی تھی۔ زیدی صاحب نے ان سے وہاں ملاقات کی اور کہا کہ کراچی میں چل کر جلسوں سے خطاب کرنے کا پروگرام بنایا جائے[1] دوران گفتگو طاہرہ مسعود نے دریافت کیا کہ

"اگر بحالی صوبہ کے سوال پر آئندہ انتخابات میں حصہ لیا جائے تو کیا ہمیں کامیابی ہوگی؟"

مسٹر اشفاق زیدی نے کہا کہ اگر انتخابات کے بجائے استصواب رائے عامہ کا اہتمام ہو تو ہم اکثریت کی حمایت حاصل کر سکتے ہیں۔ چونکہ انتخابات میں کئی اور عوامل بھی کار فرما ہوتے ہیں۔ مثلاً امیدوار کی شخصیت۔ ذاتی مفادات۔ جماعتی

---

[1] اس تمام گفتگو کے راوی خود اشفاق زیدی صاحب ہیں۔

اثرات۔ برادریوں کا گٹھ جوڑ وغیرہ۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ انتخابات کا فیصلہ ہماری تحریک کے حق میں نہ ہو۔
اس استدلال کے جواب میں طاہر مسعود نے کہا کہ

"انہوں نے اس سلسلہ میں مسٹر ممتاز دولتانہ سے تبادلۂ خیالات کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم انتخابات میں اکثریت حاصل کر لیں تو پھر وہ بحالی صوبہ بہاولپور کی تحریک کی حمایت کر سکیں گے۔"

اس گفتگو کے بعد مسٹر اشفاق زیدی کراچی گئے اور وہاں تحریک "تحفظ حقوق بہاولپور اسٹوڈنٹس کراچی" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اس تنظیم کی جانب سے ۱۱ مئی ۱۹۷۰ء کو خالقدینا ہال میں بحالی صوبہ کی حمایت میں جلسہ کیا گیا۔ دیگر مقررین کے علاوہ جسٹس ظہیر الحسن لاری نے بھی خطاب کیا جس میں بہاولپور کے مطالبۂ بحالی صوبہ پر استصواب رائے عامہ کے اصول کی وکالت کی لیکن تیسرے روز غالباً مسٹر دولتانہ کے ایما پر انہوں نے اپنے بیان کی تردید کر دی یہاں یہ بات بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گی۔ کہ مذکورہ جلسہ سے کچھ دن قبل کراچی میں شہزادی عابدہ سلطانہ کی کوٹھی پر ایک تقریب میں مسٹر دولتانہ یہ کہہ چکے تھے کہ "تحریک بحالی صوبہ بہاولپور" ایک حماقت ہے اور بہاولپور کے سیاسی راہنماؤں نے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ دراصل مسٹر دولتانہ کی اس تحریک سے صرف اس قدر دلچسپی تھی کہ اس میں ان کی جماعت سے وابستہ کچھ لوگ شامل تھے جن میں میاں نظام الدین کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کسی نہ کسی طرح یہ لوگ آئندہ انتخابات میں کامیاب ہو گئے تو کونسل لیگ کو اکثریت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں بہاولپور کا دورہ بھی کیا اور یہاں جلسہ عام سے خطاب بھی کیا لیکن لوگوں نے جب ان سے بہاولپور کے صوبہ کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنا چاہی تو وہ بات کو "اگر مگر" میں ٹال گئے۔ اسکے کچھ دن بعد اشفاق زیدی کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ شہزادہ مامون الرشید نے بھی جو فائرنگ کے واقعہ کے بعد سے لاپتہ تھے اور پولیس ان کی تلاش میں سرگرداں تھی خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

بہاولپور کے مسئلے پر حکومت کا موقف

بہاولپور کے خونی حادثے کے بعد گورنر مغربی پاکستان لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن نے لاہور میں پریس کانفرنس بلائی جس میں بہاولپور کے حالیہ فائرنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس فائرنگ کی وجہ سے دو افراد کی جانیں گئیں۔ بعض عناصر آپے سے باہر ہو چکے تھے اور انہوں نے قانونی حدود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور وہ قانونی پابندیوں کے مدمقابل آ چکے تھے۔ اگر یہ لوگ قانون کی حدود میں رہتے تو یہ ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آتا۔" انہوں نے کہا کہ

"بہاولپور کے پنجاب میں ادغام کا فیصلہ آخری اور قطعی ہے یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے کہ آج ایک فیصلہ کیا جائے اور کل اسے بدل دیا جائے میں پورے خلوص کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ بہاولپور کے سوال پر احتجاج کر رہے ہیں وہ نہ تو خود اپنے ساتھ بھلائی کر رہے ہیں اور نہ بہاولپور کے ساتھ بھلائی کر رہے ہیں۔"

اسیروں کے خلاف مقدمات اور سزائیں

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے تحریک بحالی صوبہ میں گرفتار ہونے والوں کی مجموعی تعداد ۹۰ تھی جن پر فوجی عدالت میں مقدمے چلے اور انہیں سزائیں سنا کر ملک کی مختلف جیلوں میں بھیج دیا گیا۔ یہاں چند اسیروں کی فوجی عدالت سے سزا یابی کا حال جسے چوہدری امجد[1] خاں ایڈووکیٹ نے قلمبند کیا ہے درج کیا جاتا ہے۔

"میں اس مضمون میں بہاولپور کے سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف مارشل لاء کے تحت قائم کئے جانے والے مقدمات کی سماعت کرنے والی عدالتوں کے واقعات قلمبند کروں گا۔ جن کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ملوث رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف مقدمات کی سماعت مختلف النوع فوجی عدالتوں نے کی جب کہ ان کی تشکیل مختلف حالات کے تحت کی جاتی ہے پہلے گروپ جس میں سید احمد نواز شاہ گردیزی، علامہ رحمت ارشد۔ مولانا غلام مصطفےٰ، مولانا عبدالخالق، حسن بخش عباسی اور منشی محمد حسن چغتائی شامل تھے کے مقدمات کی سماعت سرسری فوجی عدالت نے کی۔ جب کہ شہزادہ مامون الرشید عباسی کے خلاف مقدمہ کی سماعت کے لئے خصوصی فوجی عدالت قائم کی گئی۔ حالانکہ وہ بھی ۲۴ اپریل کے واقعہ میں۔ مبینہ طور پر ملوث تھے دونوں عدالتوں کی تشکیل اور طریقہ کار کی نوعیت قطعی مختلف ہوتی ہے نیز وکلاء کی خدمات حاصل کرنے اور گواہوں پر جرح کرنے کے اصول و ضوابط بھی یکساں نہیں ہوتے سرسری فوجی عدالت میں وکیل بحیثیت کونسل پیش نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ملزم کے NEXT FRIEND کی حیثیت سے کارروائی میں شریک ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے گواہوں پر بھی جرح کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا وہ صرف ملزم کو سمجھا سکتا ہے کہ گواہ سے فلاں فلاں سوال پوچھا جائے۔ جب کہ فوجی عدالت کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے اس میں وکیل باضابطہ طور پر بحیثیت کونسل پیش ہو کر گواہوں پر جرح کر سکتا ہے۔ ان حالات میں استغاثہ نے ایک ہی وقوعہ کے ملزموں کو علیحدہ علیحدہ نوعیت کی عدالتوں میں پیش کر کے قانون کی نظر میں برابری EQUALITY BEFORE LAW کے اصول کو یکسر پس پشت ڈال دیا۔ مجھے ہر دو مقدمات کے ایک کٹھن دشوار اور صبر آزما دور میں اپنی پیشہ ورانہ خدمات پیش کرنے کا موقع حاصل ہوا اس وقت ان مقدمات کی پیروی کی جرأت متعدد خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ قانون دان کے لئے قانون کی بالادستی کے لئے جدوجہد کرنا اور شہری آزادی کی بحالی کے لئے تگ و دو ایک ایسا فریضہ ہے جس کی انجام دہی میں تکالیف اور ابتلا کو گلے سے لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے علامہ ارشد اور شہزادہ مامون الرشید کے مقدمات کی پیروی کی۔

علامہ ارشد اور دیگر اکابرین و کارکنوں کو ۲۴ اور ۲۵ اپریل کی درمیانی شب کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں مذہبی رہنما، وکلاء، تاجر، شعراء، مزدور، غرضیکہ ہر مکتب فکر کے لوگ شامل تھے۔ مقدمہ کی سماعت بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں سرسری فوجی عدالت میں شروع ہوئی۔ کمرہ عدالت میں نشستوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے تھی کہ کرنل صاحب (عدالت کے سربراہ) کے سامنے ملزمان کے

---

[1] چوہدری امجد خاں ایڈووکیٹ نے جو آج کل سیشن جج کے عہدے پر فائز ہیں بعض اسیروں کے مقدمات کی پیروی کی تھی۔

لئے چھ چھ کی قطاروں میں کرسیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آخری لائن ملزمان کے وکلاء یعنی NEXT FRIEND کے لئے مخصوص کی گئی۔ مسٹر ارشد خاں ایڈووکیٹ سید احمد نواز شاہ گردیزی کی پیروی کر رہے تھے۔ علامہ ارشد اور گردیزی صاحب پہلی لائن میں تھے جب کہ ہم آخری لائن میں بیٹھے ان کی "پیروی" کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ گواہ جب اپنا بیان قلمبند کرانے کے بعد رخصت ہو جاتا تو بتایا جاتا کہ اب فلاں گواہ بلایا جائے گا۔ اس کی آمد سے قبل ملزمان ہم سے جو صلاح مشورہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں ظاہر ہے کہ بیان سے قبل اس پر کی جانے والی جرح کس طرح ملزمان کو بتائی جا سکتی؟ اصولی طور پر بیان ختم ہونے کے بعد ہی اس کے تنقیدی پہلو سامنے آ سکتے ہیں۔ عدالت سے اس طریقہ "کار کو تبدیل کرنے کی استدعا کی تو اسے "یہ عام سول عدالت نہیں ہے" کہہ کر ٹھکرا دیا گیا۔ ناچار حسب سابق مقدمات کی پیروی جاری رکھی اس کے باوجود ضرورت کے وقت کاغذ کے "پرزوں" پر سوالات لکھ کر بھجوائے جاتے لیکن جواب کے نتیجہ میں مزید سوالات تشنہ رہ جاتے کیونکہ پرزوں کی آمد و رفت زیادہ دیر تک ناممکن تھی۔ ہم نے استدعا کی کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے وکلاء کو اپنے موکلوں کے قریب بیٹھنے کی اجازت دی جائے لیکن جگہ کی کمی کو بہانہ بنا کر اسے شرف قبولیت نہ بخشا گیا میں نے علامہ ارشد صاحب کو پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ آپ سے دوری کے باعث میری خدمات بیکار ثابت ہوں گی۔ علامہ صاحب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سماعت کے دوران چند روزہ ملاقات تو ہوتی رہے گی۔ فیصلہ کے بعد شاید کافی عرصہ تک ملاقات نہ ہو سکے۔ ملزمان کے خلاف الزام تھا کہ انہوں نے خلاف قانون جلوس نکالا لوگوں کو پولیس کے خلاف اکسایا آمادہ فساد کیا۔ اور پولیس پر پتھراؤ کیا دونوں رہنما اس انوکھے الزام سے خوب محظوظ ہوئے ملک چوہدری احمد حسن ایس ایچ او نے دونوں اصحاب پر متذکرہ بالا الزام عائد کیا تو علامہ صاحب نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ تھانیدار کے بیان سے دوسرے گواہوں کی شہادت رد ہو جائے گی۔ جرح کے دوران تھانیدار سے پوچھا کہ "میں اور احمد نواز کیا کر رہے تھے" تو ایس ایچ او نے جواب دیا کہ وہی جو دوسرے گواہان پہلے کہہ چکے ہیں۔ عدالت کے فیصلے کی نقل مجھے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن ملزمان کی زبانی پتہ چلا کہ ان پر پتھراؤ کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔ بہاولپور کے نوجوان وکیل مسٹر حسن بخش عباسی بھی اسی مقدمہ میں ملوث تھے چنانچہ انہوں نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی پوری تیاری کی ہوئی تھی ان کی جرح کے انداز سے محسوس ہوا کہ وہ اپنے ساتھ دوسرے ملزمان کو بھی بے قصور ثابت کر کے شہادت استغاثہ کو من گھڑت اور بے بنیاد ظاہر کرنا چاہتے ہیں ان کے اکثر سوالات عدالت کی جانب سے ان ریمارکس کے ساتھ رد کر دیئے جاتے کہا جاتا "مسٹر آپ وکیلوں والی باتیں کرتے ہیں:

"DON,T CONSIDER THIS COURT AS
AN ORDINARY CIVIL COURT MIND IT,
THIS IS SUMMERY MILITARY COURT"

(یعنی اس عدالت کو عام سول عدالت نہ سمجھیں یہ بات ذہن میں رکھیں یہ سمری ملٹری کورٹ ہے) لیکن مسٹر عباسی ہر گواہ پر تفصیل سے جرح کرتے مگر ان کے سوالات رد کر دیئے جاتے رہے ایک بار جب عدالت کی جانب سے یہ کہا گیا "مسٹر آپ وکیلوں والی بات کرتے

ہیں۔ تو حسن بخش نے جواب دیا۔

"SIR I AM PROUD TO TALK LIKE A LAWYER BEACAUSE A LAWYER ALWYS TALKS ABOUT LAW."

جناب والا میں وکیل کی زبان میں بات کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ وکیل ہمیشہ قانون کی بات کرتا ہے۔

مقدمات کی سماعت اکثر شام تک جاری رہتی اور ملزمان عصر اور مغرب کی نماز بریگیڈیئر ہیڈکوارٹر کے وسیع پلاٹ میں مولانا غلام مصطفیٰ کی امامت میں ادا کرتے۔

ملزمان کی جانب سے کارکن صحافی جن میں امجد قریشی (مشرق) مجید گل (امروز) انیس قمر (جسارت) اور گلزار نسیم (مغربی پاکستان) شامل ہیں۔ بطور گواہ پیش ہوئے۔ استغاثہ کی طرف سے سیکورٹی برانچ کے ملازمین کو یہ کہہ کر پیش کیا گیا۔ کہ ان کی شہادت حقیقی ہوگی کیونکہ یہ لوگ جلوسوں کی رپورٹنگ کے لئے جلوسوں کے ساتھ موجود ہوتے۔ صحافیوں کو بھی اسی مقصد کے لئے پیش کیا گیا کیونکہ وہ پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے لئے جلوسوں کے ساتھ موجود ہوتے۔ اور انہوں نے اپنے اخبارات کو مفصل رپورٹیں ارسال کی تھیں صحافیوں کے اخبارات بھی صفائی کے طور پر پیش کر دیئے گئے انہوں نے جلوس کا پر امن ہونا اور انتظامیہ کی زیادتی ثابت کرنے کی سعی کی۔ صحافیوں کے بیانات کے بعد عدالت نے خود ان پر طویل جرح کی حالانکہ استغاثہ کے گواہوں پر جرح کی اجازت چند سوالوں سے زیادہ نہیں ہوتی اور سوالات یہ کہہ کر رد کر دیئے جاتے کہ مقدمہ کو طول نہ دیا جائے۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ علامہ ارشد کا ایک سوال ایسے ہی ریمارکس کے ساتھ رد کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ انسان کے لئے آزادی اور انصاف سے کوئی چیز زیادہ اہم نہیں ہوتی۔ علامہ صاحب کے جواب کو نہایت خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال دیا گیا۔ کہ آپ یہ کیوں نہیں احساس کرتے کہ گواہ استغاثہ نے حلف اٹھایا ہے۔ یعنی عدالت کا نظریہ یہ تھا۔ چونکہ گواہان استغاثہ "باقرار صالح" شہادت دے رہے تھے اس لئے وہ جرح سے مستثنیٰ ہیں جب صحافی اصحاب پر عدالت کے سوالات نے طول کھینچا تو گردیزی صاحب اور علامہ صاحب نے عدالت سے یہ پوچھ لیا کہ

جناب والا! کیا گواہان صفائی نے حلف نہیں اٹھایا؟ یا انہوں نے گواہان استغاثہ سے مختلف حلف اٹھایا ہے جو آپ خود ان کو مشکوک تصور کرتے ہوئے "طویل جرح" کر رہے ہیں لیکن ملزمان کی یہ خوبصورت دلیل عدالتی جرح کو مختصر کرنے میں قطعاً" کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اخبار نویس حضرات کی شہادت اس قدر فطری اور مربوط تھی کہ اسے آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق کے نمائندہ خصوصی مقیم بہاولپور مسٹر امجد قریشی نے فرید گیٹ چوک سے اس وقت تصاویر اتاریں جب جلوس ابھی چوک میں نہ پہنچا تھا بعد ازاں انہوں نے حبیب ہوٹل کی چھت سے مزید تصاویر لیں جو ان کے اخبار مشرق میں شائع ہوئیں۔ مقدمات کی سماعت کے دوران قومی اخبارات کی فائلیں عدالت میں پیش کی گئیں ملزموں کی جانب سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی

گئی کہ امجد قریشی کی فریڈ گیٹ پر موجودگی ان کے پیشہ وارانہ فرائض کا تقاضا تھی علاوہ ازیں جس وقت پولیس نے تشدد کیا اس وقت جلوس بمشکل ہی فریڈ گیٹ سے باہر آیا تھا۔ مسٹر مجید گل (امروز) اور مسٹر گلزار نسیم نے (مغربی پاکستان) امجد قریشی کی تائید کرتے ہوئے بتایا کہ گذشتہ تین ہفتوں کے دوران پولیس نے کبھی جلوس کا راستہ نہیں روکا تھا۔ ۲۴ اپریل کو پہلی بار انہوں (گواہان) نے بنک آف بہاولپور کے پاس پولیس کی بھاری جمعیت کی موجودگی اور لاؤڈ سپیکر کی تنصیب سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ اقدامات کسی کاروائی کا پیش خیمہ ہیں۔ ڈپٹی مجسٹریٹ اور پولیس افسران نے بھی تسلیم کیا کہ ۲۴ اپریل کو پہلی دفعہ پولیس نے بنک آف بہاولپور کی عمارت کے قریب جلوس کا راستہ روکا تھا اور لاؤڈ سپیکر پہلی ہی بار نصب کیا گیا تھا۔ ملزمان کی جانب سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ تشدد کا اصولی طور پر فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے پولیس نے بغیر کسی اشتعال اور وارننگ کے گولی چلا دی۔ ملزمان کی جانب سے یہ بھی کہا گیا کہ مامون الرشید کے جلوس کی فریڈ گیٹ سے باہر جانے کی پیشگی اجازت حسب ضابطہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے حاصل کر لی گئی تھی اس لئے فریڈ گیٹ کے مجمع کو غیر قانونی تصور کر کے کاروائی نہ کی جا سکتی تھی یہ اخبار نویس بعد میں شہزادہ مامون الرشید کے مقدمہ میں بطور گواہ پیش ہوئے اور متذکرہ بالا بیانات دہرائے۔

بشیر کلاتھ ہاؤس کے مالک حاجی بشیر احمد نے اپنی صفائی میں دستاویزی ثبوت پیش کیا کہ وہ دو قوعہ کے روز بہاولپور میں موجود نہ تھے۔ بلکہ اپنے کسی عزیز کی شادی میں شرکت کے لئے احمد پور شرقیہ گئے ہوئے تھے اس موقعہ پر انہوں نے نکاح نامہ پیش کیا لیکن ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے سمری کورٹ نے سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو مجرم ٹھہراتے ہوئے سزائیں دیں۔ فوجی عدالت میں شہادت قلمبند کرنے کا عجیب و غریب معیار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس گواہ کی گواہی استغاثہ کی کہانی سے سر مو مختلف ہوتی یا جس سے ملزموں کو کوئی فائدہ پہنچنے کا امکان ہوتا اسے ریکارڈ تک نہیں کیا جاتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ کرنل صاحب پہلے گواہ سے اس کی گواہی دریافت کرتے اور اس کے نوٹ لیتے رہتے اس کے بعد خود بولتے جاتے اور سٹینو ٹائپ کرتا جاتا۔ پی ایس آئی عبدالرزاق جب شہادت کے لئے آئے تو ان کا بیان کرنل صاحب نے سن لیا لیکن ریکارڈ نہ کیا اور انہیں رخصت کر دیا گیا۔ اسسٹنٹ کمشنر میاں فضل کریم کی شہادت کا معاملہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے ان کا بیان سن کر کرنل صاحب اپنے قلم سے نوٹ کرتے رہے جب انہوں نے اپنا بیان ختم کر لیا تو عدالت نے انہیں رخصت کر دیا اور ان کے بیانات کے نکات جس کاغذ پر نوٹ کئے تھے اسے غصہ کے عالم میں بھرے مجمع میں پھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اس مقدمہ کے کچھ عرصہ بعد مجھے شہزادہ مامون الرشید کی جانب سے ان کے مقدمہ کی پیروی کا پیغام ملا۔ بعد میں لاہور کے نامور وکیل اور بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر محمد اسلم حیات شہزادہ صاحب سے جیل میں ملاقات کے بعد میرے پاس آئے اور انہوں نے شہزادہ صاحب کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ میں ملک اسلم حیات کی معاونت پر تیار ہو گیا انہیں پہلے مقدمے کی تفصیلی کاروائی اور مقامی حالات کی تفصیل سے آگاہ کیا ان کے پاس چارج شیٹ اور گواہان استغاثہ کی سمری تھی وہ بہت پُر امید تھے۔ چنانچہ انہوں نے مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شہزادہ صاحب کے خلاف

مقدمہ بہت کمزور ہے اور ان کی بریت یقینی ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے لئے پہلے روز ملک اسلم حیات لاہور سے بہاولپور نہ پہنچ سکے چنانچہ میں اور سردار محمود خاں جو اپنی سزا بسر کر کے رہا ہو چکے تھے پیروی کے لئے پہنچے خصوصی فوجی عدالت کے سربراہ ایک کرنل تھے جب کہ اراکین میں مقامی مجسٹریٹ شفیق احمد اور کرکٹ کے ممتاز کھلاڑی میجر شجاع الدین شامل تھے۔ مقدمہ کی کاروائی کا آغاز کرتے ہوئے پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر نے سردار محمود خاں کو بھی موردالزام ٹھہرایا ظاہر ہے کہ جس شخص کے بارے میں ریمارکس دیئے جائیں وہ مقدمہ کی پیروی کس طرح کر سکتا ہے؟ پراسیکوٹنگ سب انسپکٹر کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ چنانچہ سردار محمود خاں کو مقدمہ کی پیروی سے دستبردار ہونا پڑا دوسرے روز مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو عدالت نے بعض دلچسپ اعتراضات کئے گرمیوں کی وجہ سے میں نے چپل پہن رکھی تھی عدالت کا پہلا حیران کن اعتراض یہ تھا کہ کہ آپ نے PROPER DRESS نہیں پہن رکھا؟ میں وکلاء کے مخصوص لباس میں تھا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب عدالت نے کہا کہ میں نے جرابیں نہیں پہنی ہوئیں۔ اس لئے مقدمہ کی پیروی نہ کر سکوں گا۔ کافی دیر تک اس اعتراض پر بحث ہوتی رہی عدالت کی رولنگ کے مطابق دوسرے روز موسم گرما میں جرابوں کا لطف بھی اٹھانا پڑا دوسرا اعتراض کیا گیا کہ میں ننگے سر ہوں۔ جس پر میں نے جواب دیا کہ ننگے سر مقدمہ کی پیروی کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ شیخ شفیق مجسٹریٹ نے معاملہ طے کرایا۔ ملک اسلم حیات صاحب جب لاہور سے آئے تو انہیں یہ روئیداد سنائی وہ ان دلچسپ اعتراضات سے بے حد محظوظ ہوئے لیکن جب وہ عدالت میں آئے تو انہیں بھی ان ہی اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک صاحب مصر تھے کہ ایسے اعتراض سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ نے بھی نہیں اٹھایا۔ لیکن یہاں تو بات قانون کی نہ تھی چنانچہ انہوں نے بھی عدالت کے حکم پر سر تسلیم خم کیا۔

شہزادہ مامون الرشید پر الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے پولیس چوکی فرید گیٹ میں موجود ایک اے ایس آئی پر ریوالور سے فائر کئے اور نشانہ خطا ہو جانے پر اسکے بٹ سے اسے زخمی کر دیا۔ شہزادہ صاحب کو شہادت کے اس حصہ پر زبردست اعتراضات تھے وہ نشانہ خطا ہونے کے الزام پر سخت مضطرب ہوئے انہوں نے اصرار کیا کہ وہ اس بیان کی تردید کے لئے ان سے کسی چھوٹی چیز پر بھی نشانہ لگوا کر دیکھیں شہزادہ صاحب کے خلاف شہادت ملاں صاحب اور گردیزی صاحب کے خلاف پیش کی گئی جو شہادت سے ملتی جلتی تھی۔ جو اخبار نویس طاہر صاحب اور سید احمد نواز شاہ گردیزی کی جانب سے پیش ہوئے تھے وہ پھر پیش ہوئے چنانچہ مسٹر گلزار نسیم عدالت کے ایک سوال کا تسلی بخش جواب نہ دینے کی وجہ سے عدالت کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتے بنتے بچے۔ فوٹو پبلیس کے مسٹر اقبال انصاری نے فائرنگ کے وقوعہ کی اہم تصاویر پیش کیں اور بیان دیا کہ یہ تصاویر انہوں نے جان پر کھیل کر اتاری ہیں۔ یہ تصاویر واقعات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ فرید گیٹ چوک پر پہنچتے ہی جلوس پر تشدد شروع ہو گیا تھا جبکہ شہادت استغاثہ میں کہا گیا تھا کہ شہزادہ صاحب نے بنک آف بہاولپور کے قریب پہنچ کر لوگوں کو اکسایا اور خود بھی پولیس سے فساد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جس پر پہلے لاٹھی چارج اور پھر فائرنگ کا حکم دے دیا گیا۔ ان تصاویر کی روشنی میں صفائی

کی جانب سے یہ استدلال پیش کیا گیا کہ شہزادہ صاحب ابھی گیٹ سے باہر بھی نہ نکلے تھے کہ آنسو گیس کے گولوں کی بارش شروع ہو گئی۔

سماعت کے آخری دن جو حادثہ رونما ہوا اس کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ ہم نے زبانی بحث کے علاوہ تحریری بحث بھی پیش کی تھی۔ ملک محمد اسلم حیات اہم مصروفیت کی بنا پر لاہور چلے گئے اور تحریری بحث میں نے عدالت میں پیش کی۔ شہزادہ صاحب کے خلاف مارشل لا کے ضابطہ نمبر ۱۶ کے تحت مقدمات قائم کئے گئے تھے۔ چنانچہ تحریری بحث میں ٹائپ کی غلطی کی بنا پر دفعہ ۱۶ کی جگہ دفعہ ۶۰ ٹائپ ہو گیا جس پر عدالت کے سربراہ برہم ہو گئے میں نے جواب دیا کہ رات گئے تک تحریری بحث ٹائپ کی جاتی رہی ہے اس لئے غلطی درست نہ کی جا سکی اب میں یہ تصحیح کئے دیتا ہوں لیکن کرنل صاحب چراغ پا ہو گئے اور کہنے لگے "وجہ بیان کریں۔ کیوں نہ تمہارا وکالت کا لائسنس منسوخ کر دیا جائے۔" میں نے عرض کیا اس صورت میں آپ کو معاملہ بار کونسل میں بھیجنا ہو گا۔

وہ بہت سٹپٹائے اور کہنے لگے کہ ہم خود سزا دینے پر قادر ہیں۔ جس پر میں نے جواب دیا عدالت اپنے دائرہ کار میں ہر قسم کا حکم صادر کر سکتی ہے۔ لیکن لائسنس کی منسوخی کا اسے اختیار حاصل نہیں۔

شیخ شفیق مجسٹریٹ معاملہ کی نزاکت کو سمجھ گئے کہ سردار محمود خاں پہلے ہی دستبردار ہو چکے ہیں اور معاملہ کی بنیادی نوعیت کے پیش نظر تعطل پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ ان کی مداخلت پر یہ معاملہ رفع ہوا۔ یہ ان عدالتوں کی کارگزاری کی ایک جھلک ہے جو انصاف کے نام پر قائم کی گئی تھیں۔

طاہرہ مسعود کو ضلع بدر کر دیا گیا

فرید گیٹ کے سانحہ کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہاولپور نے طاہرہ مسعود کو ایک ماہ کے لئے ضلع بدر کر دیا تھا۔ یہ حکم ۲۳ مئی تک موثر تھا لیکن ۱۲ مئی کو یہ حکم واپس لے لیا اور اس کے بجائے مغربی پاکستان پبلک سیفٹی آرڈیننس کے تحت ایک نیا حکم جاری کیا گیا جس کے مطابق طاہرہ مسعود کے ضلع بہاولپور میں داخل ہونے۔ رہائش رکھنے یا موجود ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس حکم کی رو سے ان پر یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی تھی کہ وہ ضلع کے باہر سے بھی علاقہ میں ایسا کوئی اقدام نہیں کر سکیں گی۔ جس سے لوگوں کے مختلف گروہوں میں خاصمت اور منافرت پیدا ہو سکتی ہو۔ یہ حکم دو ماہ کے لئے جاری کیا گیا تھا۔

طاہرہ مسعود پہلے حکم کے بعد ہی بہاولپور سے لاہور چلی گئی تھیں۔ اب تازہ حکم کے بعد انہیں مزید دو ماہ لاہور میں رہ کر پابندی ختم ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ اب ان کے پیش نظر دو ہی سوال تھے۔ ایک ان کے والد میاں نظام الدین حیدر کی رہائی اور دوسرے آئندہ انتخابات میں متحدہ محاذ کے امیدواروں کی کامیابی۔ چنانچہ اپنی پابندی کے ایام میں وہ قومی سطح کے بعض سیاستدانوں سے ملاقات کر کے ان مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتی رہیں۔

فائرنگ کے واقعہ کی سرکاری تحقیقات

حکومت نے حسب روایت ۲۴ اپریل کے واقعہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم صادر کیا۔ اور اس غرض کے لئے لیاقت پور کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر مخلص الرحمٰن کو مقرر کیا۔ مسٹر مخلص الرحمٰن مشرقی پاکستان کے رہنے والے تھے اس لئے ان کی تقرری سے یہ توقع تھی کہ تحقیقات

غیر جانبدارانہ ہوگی۔

اس کے باوجود عوام شکوک میں مبتلا تھے کیونکہ ان کی نظر میں ایک ماتحت افسر کے لئے انتظامیہ کے خلاف اپنے فرائض غیر جانبداری کا سے انجام دینا انتہائی دشوار تھا چنانچہ بہاولپور کے عوام اس تحقیقات میں حصہ لے کر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے تھے۔

تحقیقات شروع ہونے سے قبل امیر بہاولپور بریگیڈیئر محمد عباس عباسی نے اس وقت کے گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن کو ایک خط تحریر کیا جس میں عدالتی تحقیقات پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس مقصد کے لئے عدلیہ کے جج کو تعینات کرنے کا مطالبہ کیا۔ پروگرام کے مطابق مسٹر مخلص الرحمٰن نے ۳۰ اپریل کو اس خونیں واقعہ کی تحقیقات کا آغاز کرنا تھا۔ چنانچہ ۲۰ اپریل کو بہاولپور متحدہ محاذ کے رہنما سردار الیوب خاں سابق ایم پی اے اور کرنل (ریٹائرڈ) کرامت علی شاہ نے ایک پریس کانفرنس میں عدالتی تحقیقات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے تحقیقات میں حصہ لینے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط پیش کیں

(۱) فائرنگ میں ملوث افسروں کو فی الفور تبدیل کیا جائے۔

(۲) ریکارڈ فراہم کرنے کے لئے تین دن کی مدت بڑھا کر پندرہ دن کی جائے۔

(۳) تحقیقات کے لئے عدلیہ کے جج کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

ان رہنماؤں نے یہ اعلان کیا کہ متذکرہ بالا شرائط پوری کئے بغیر اگر تحقیقات کرائی گئی تو وہ محض نمائشی ہوگی۔ بہاولپور متحدہ محاذ کے ان رہنماؤں نے جو موقف اختیار کیا وہ حالات کے مطابق حقائق پر مبنی تھا۔ کیونکہ فائرنگ کے ذمہ دار افسران تحقیقات پر اثر انداز ہو سکتے تھے چنانچہ ان کی تائید میں جمعیت العلمائے اسلام کونسل مسلم لیگ کونسل مسلم لیگ قیوم لیگ تبلیغ یوتھ سرکل انجمن تحفظ حقوق بہاولپور اور انجمن اصلاح داد ولوتر گانڈ (عباسی) نے بھی تحقیقات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

۳۰ اپریل کو پروگرام کے مطابق جب اخبار نویس تحقیقات کی رپورٹنگ کے لئے عدالت پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ ۲ مئی تک تحقیقات میں حصہ لینے والے خواہش مند حضرات کے ناموں کے اندراج کے بعد ۴ مئی کو باقاعدہ تحقیقات کا آغاز ہو گا جس پر اخبار نویس واپس چلے آئے لیکن اسی دن مخلص الرحمٰن نے تحقیقات کا آغاز کر دیا۔ اخبار نویسوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ پھر عدالت پہنچ گئے انہیں کارروائی میں شریک ہونے سے روک دیا گیا۔ انہیں بتایا کہ تحقیقات کھلی عدالت میں ہونے کی بجائے بند کمرے میں ہوگی۔

جس وقت سرکاری گواہوں کے بیانات شروع ہوئے اس وقت کوئی عوامی نمائندہ یا وکیل موجود نہیں تھا۔ جو ان پر جرح کر سکتا۔ اس صورت حالات سے قانون دان شش و پنج میں پڑ گئے یکم مئی کو بہاولپور بار ایسوسی ایشن نے تحقیقات کو ڈھونگ قرار دے کر بائیکاٹ کر دیا۔ بار کی قرارداد میں کہا گیا کہ وکلاء اور عوامی نمائندوں کو گواہوں پر جرح کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس لئے تحقیقات بے اثر ثابت ہوگی۔ بار نے مطالبہ کیا کہ فائرنگ کے ذمہ دار افسروں کو تبدیل کر کے تحقیقات پر عدلیہ کے جج کو مامور

کیا جائے۔ لیکن عوام کے عدم اعتماد اور رہنماؤں کی بے چینی کو نظر انداز کر کے عدالتی تحقیقات اسی ماحول میں ہوتی رہی۔

تحقیقاتی مجسٹریٹ کے روبرو ۸۴ افراد نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا جن میں ۱۱ سرکاری گواہ تھے جب کہ شہزادہ مامون الرشید عباسی۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی علامہ ارشد حسن بخش عباسی ایڈووکیٹ سید اشفاق حسین زیدی اور علامہ عبدالخالق کو مختلف اوقات میں تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کر کے بیانات قلمبند کئے گئے یہ رہنما ان دنوں پابند سلاسل تھے۔ ان کے بیانات جیل میں جا کر سنے گئے۔

مخلص الرحمٰن نے ۲۴ اپریل کے سانحہ کے بارے میں جو رپورٹ حکام بالا کو پیش کی اسے منظر عام پر نہیں لایا گیا۔

بہاولپور کے اسیروں کی رہائی

تحریک بحالی صوبہ میں گرفتار ہونے والوں کی رہائی کا مطالبہ تو شروع سے ہی کیا جا رہا تھا۔ جو سیاسی کارکن جیل سے باہر تھے وہ برابر بیانات کے ذریعہ اس مطالبے کو دہراتے رہتے تھے لیکن اب جوں جوں انتخابات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ یہ مطالبہ ہمہ گیر بھی ہوتا جا رہا تھا اور اس میں ملکی سیاسی جماعتیں اور ان کے رہنما بھی شریک ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ کونسل مسلم لیگ کے قائم مقام صدر مسٹر فضل القادر چوہدری۔ پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر نواب زادہ نصر اللہ اور جنرل سکریٹری خواجہ محمد رفیق نے بھی الگ الگ بیانات میں حکومت پر زور دیا کہ وہ بہاولپور کے حالیہ ایجی ٹیشن میں گرفتار ہونے والے سیاسی لیڈروں اور ورکروں کو فی الفور رہا کرے۔ تاکہ وہ انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں۔ اس سلسلہ میں بعض سرکردہ سیاسی رہنماؤں کا ایک وفد بھی گورنر مغربی پاکستان سے ملا اور ان سے کہا کہ جب تک یہ سیاسی قیدی رہا نہیں ہوں گے اس وقت تک بہاولپور میں انتخابی سرگرمیاں بحال نہیں ہو سکیں گی اور یہ صورتحال آئندہ انتخابات پر بری طرح اثر انداز ہوگی۔

ان مطالبات کا فوری اثر یہ ہوا کہ سردار محمود خاں ایڈووکیٹ جنہیں تین ماہ قید کی سزا ہوئی تھی اور وہ دو ماہ جیل میں گذار چکے تھے انہیں قبل از وقت رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد حکومت کی طرف سے یہ تحریک ہوئی کہ جو لوگ معافی مانگتے جائیں انہیں رہا کر دیا جائے چنانچہ کچھ لوگوں نے تو معافی نامے داخل کر کے رہائی حاصل کر لی۔ لیکن کچھ لوگ اڑے رہے کہ وہ معافی نہیں مانگیں گے تاہم کچھ عرصے بعد سب قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ البتہ شہزادہ مامون الرشید کی رہائی انتخابات کے بعد دسمبر کے اواخر میں ہوئی۔ انہیں دس سال قید بامشقت اور ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی تھی اور وہ ساہیوال جیل میں ایام قید گذار رہے تھے۔

بہاولپور کی اہم شخصیتوں کو اپنی رہائی کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے اور کونسے عوامل ان کی رہائی کا موجب بنے عوام اس سے بالکل بے خبر ہیں انہیں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حکومت نے ان کی اپیلیں منظور کر کے انہیں رہا کر دیا تھا لیکن

ل ماخوذ از "گولی نمبر" کائنات بہاولپور

اس سلسلے میں مسٹر اشفاق زیدی نے جو خود بھی تحریک بحالی صوبہ کے اسیروں میں شامل تھے۔ بڑی دلچسپ روداد سنائی ہے جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ

"جب میاں نظام الدین حیدر۔ چوہدری فرزند علی۔ سیٹھ عبید الرحمٰن اور سید چراغ شاہ رہا ہوئے تو انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر دوسرے اسیر رہا نہ ہوئے تو لوگوں کا یہ شبہ پختہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ معافی مانگ کر رہا ہوئے ہیں لہٰذا انہوں نے چوہدری فرزند علی کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ جیل میں دوسرے اسیروں سے رابطہ پیدا کر کے نگرانی کی درخواستیں لکھوائیں۔ سیاسی اسیران درخواستوں کو معافی نامہ تصور کرتے تھے اور کسی طرح کوئی درخواست لکھنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس پر چوہدری صاحب نے کہا کہ نگرانی کی درخواست دینا آپ لوگوں کا قانونی حق ہے۔ اگر آپ نے اپنا یہ قانونی حق ادا نہ کیا تو میں متحدہ محاذ کو توڑنے کا اعلان کر کے ایبٹ آباد چلا جاؤں گا۔ اس دھمکی پر اسیروں نے درخواستیں لکھنی شروع کر دی۔ لیکن ابھی بہت سے اسیر ایسے تھے جو نگرانی کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ لہٰذا چوہدری صاحب بارک نمبر ۱۹ میں گئے اور وہاں بحالی صوبہ کی تحریک کے تمام اسیران کو جمع کیا وہاں اشفاق زیدی بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ شہزادہ مامون الرشید کو ہم سب سے پہلے رہا ہونا چاہیئے۔ پہلے وہ رہا ہوں گے اور بعد میں ہم۔ علامہ ارشد جو چوہدری صاحب کے ہمراہ آئے تھے۔ چمک کر بولے کہ ہم شہزادہ مامون الرشید کی رہائی کی کوشش کے پابند نہیں کیونکہ وہ متحدہ محاذ کے رکن نہیں ہیں۔ مسٹر اشفاق نے کہا کہ متحدہ محاذ کے رکن تو ہم بھی نہیں ہیں لیکن چونکہ ہم سب ایک ہی مقصد کیلئے سزا بھگت رہے ہیں اسلئے سب ساتھی ہمدردی کے مستحق ہیں اس پر علامہ صاحب نے جھنجھلا کر کہا کہ اشفاق تم اس سمجھتے ہو کہ حکومت جیل میں ہے اور تم حاکم ہو۔ مسٹر اشفاق نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے کہ ہم حاکم نہیں لیکن یہ بھی تو شرافت اور اصول سے بعید ہے کہ ہم تو جیل سے باہر آجائیں اور ہماری تحریک کا ایک عظیم مجاہد بدستور محبوس زنداں رہے۔ بغرض ان سیاسی رہنماؤں نے سیاسی اسیروں کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی کوششیں جاری رکھیں۔"

متحدہ محاذ کا انتخابی جلسہ

تحریک بحالی صوبہ کے اسیروں کی رہائی کے بعد پہلا جلسۂ عام جسے انتخابی جلسہ کہنا چاہیئے ۷ر جولائی ۱۹۷۰ء کو بہاولپور متحدہ محاذ کے زیر اہتمام گلزار صادق میں منعقد ہوا اب محاذ کے رہنماؤں کی تمام تر توجہ آئندہ انتخابات پر تھی۔ انہوں نے تحریک بحالی صوبہ کے سلسلے میں جو فضا پیدا کر دی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کا یہ بہترین موقع تھا۔ چنانچہ اس موقع پر جو تقریریں ہوئیں ان میں انتخابی مہم کی جھلک صاف نمایاں تھی۔ چنانچہ چوہدری فرزند علی کنوینر بہاولپور متحدہ محاذ نے کہا کہ

"بحالی صوبہ بہاولپور کی تحریک کامیاب ہو کر رہے گی ۔ البتہ اس کے لئے جمہوری حکومت کے قیام کا انتظار کرنا پڑے گا ۔

پاکستان میں عوامی حکومت کے قیام کی منزل اب بہت قریب آگئی ہے سارے ملک میں انتخابات کی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ مرحلہ خیر و خوبی کے ساتھ طے ہو جائے اور عوامی نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آئے جب حکومت کی باگ ڈور عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں آجائے گی تو وہ ہمارے مطالبے کو ہرگز نہیں ٹھکرا سکیں گے ۔"

سردار محمود نے اپنی تقریر میں کہا کہ "

"بہاولپور کے حالات اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ یہاں انتخابات آزادانہ اور منصفانہ نہیں ہو سکیں گے ۔ بعض سیاسی عناصر اور نوکر شاہی کے کل پرزے انتخابات میں دھونس ۔ دھاندلی اور جھپڑلوں کے آزمودہ نسخے استعمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں اگر اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو حالات خطرناک ہو جائیں گے"

میاں نظام الدین حیدر نے کہا

مخدوم زادہ حسن محمود کی محفلوں میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ انھیں حکومت کی حمایت حاصل ہے ۔ وہ بہاولپوری قوم کے لئے اپنا خون بہانے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ لیکن جب بہاولپور کی سرزمین شہدا کے خون سے لالہ زار بنی تو ان کی پیشانی پر ندامت کا ایک قطرہ بھی نمودار نہ ہوا ۔"

طاہرہ مسعود نے کہا

"ہماری منزل صوبہ بہاولپور کی بحالی ہے ۔ اور بس ! عوام نے تحریک کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے کر لیا ہے اور اب دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے آئندہ انتخابات کے نتائج تحریک بحالی صوبہ میں اہم کردار ادا کریں گے لہٰذا عوام کو چاہیئے کہ وہ صرف ان لوگوں کو منتخب کریں جو بحالی صوبہ کے سو فیصد حامی ہوں ۔"

یہ جلسہ بہاولپور کی تاریخ کا بہت بڑا جلسہ تھا ۔ گلزار صادق کا وسیع و عریض میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا تل دھرنے کو کہیں جگہ نہ تھی ۔ رات گئے تک جلسہ کی کارروائی جاری رہی ۔ تقریباً ایک درجن مقررین نے خطاب کیا ۔ چوہدری فرزند علی ۔ میاں نظام الدین حیدر ۔ سردار محمود خاں اور طاہرہ مسعود کے علاوہ بلدیہ بہاولپور کے وائس چیئرمین سیٹھ عبید الرحمٰن ۔ محاذ کے سیکرٹری سید چراغ شاہ ۔ جماعت اسلامی بہاولپور کے امیر ڈاکٹر خورشید علی ۔ شیخ عبد الرحمٰن ایڈوکیٹ اور بہاولپور متحدہ محاذ کے صدر مسعود حسن شہاب نے بھی خطاب کیا تھا ۔ عوام نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ تمام تقریریں سنیں اور خیر و خوبی کے ساتھ جلسہ ختم ہوا ۔

محاذ کا ڈویژنل کنونشن

۱۹ اگست ۱۹۷۰ء کو متحدہ محاذ کا ایک ڈویژنل کنونشن "المیدر" میں زیر صدارت سردار محمود خاں قائم مقام کنوینر بہاولپور متحدہ محاذ منعقد ہوا۔ (چوہدری فرزند علی بغرض علاج ہسپتال میں داخل تھے اس لئے ان کی جگہ سردار محمود خاں کو قائم مقام کنوینر منتخب کر لیا گیا تھا) یہ کنونشن اس مقصد کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ تاکہ قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے کوئی جامع پروگرام مرتب کیا جا سکے کنونشن میں طے کیا گیا کہ انتخابات میں ایسے لوگوں کو کامیاب کرنے کی کوشش کی جائے گی جو بحالی صوبہ کے حامی ہیں اس غرض کے لئے جائزہ کمیٹیاں بھی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو ہر سہ اضلاع کا دورہ کر کے مقامی حالات کا جائزہ لیں اور موزوں امیدواروں کے متعلق سفارشات کریں تاکہ ان کی روشنی میں محاذ اپنے امیدوار نامزد کر سکے۔

جائزہ کمیٹیاں مقرر کرنے کا اختیار قائم مقام کنوینر سردار محمود خاں کو دیا گیا تھا۔ جنہوں نے تینوں اضلاع کے لئے جائزہ کمیٹیوں کے مندرجہ ذیل ارکان کے ناموں کا اعلان کیا۔

ضلع بہاولپور:- (۱) سید احمد نواز شاہ گردیزی (۲) میاں اللہ بخش (۳) میر انوار الحسن ایڈووکیٹ (۴) ملک اللہ وسایا (۵) سردار محمد اسلم خاں ایڈووکیٹ (۶) غلام محمد خاں نمبردار موضع سنجر پور۔

ضلع بہاولنگر:- (۱) میاں نظام الدین حیدر (۲) غلام مصطفیٰ خاں بودلا ایڈووکیٹ (۳) سیٹھ عبید الرحمٰن۔ (۴) سید چراغ شاہ (۵) چوہدری محمد خاں ایڈووکیٹ (۶) شیخ عزیز الرحمٰن ایڈووکیٹ۔

ضلع رحیم یار خاں:- (۱) مخدوم سلطان احمد شاہ (۲) سردار اکمل خاں لغاری۔ (۳) سردار محمد حسین خاں (۴) سید عظیم شاہ (۵) میر زاہد حسین۔

مہاجرین کے لئے صوبائی نشست کی تخصیص

بہاولپور متحدہ محاذ کے ڈویژنل کنونشن میں راقم الحروف (شہاب دہلوی) نے جو مہاجر متحدہ محاذ کے صدر کی حیثیت سے شریک ہوا تھا یہ مطالبہ کیا تھا کہ محاذ بہاولپور کی صوبائی اسمبلی کی شہری نشست مہاجرین کیلئے مخصوص کرنے کا اعلان کرے تقریر میں کہا گیا تھا کہ سابقہ ادوار میں سیاستدانوں نے مہاجرین کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ حالانکہ انہوں نے مقامی آبادی کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔ اس دفعہ بھی اگر انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ تو ہم آہنگی اور یگانگت کی جو فضا اب پیدا ہوئی ہے۔ وہ مسموم ہو کر رہ جائے گی۔

محاذ میں شریک اکثر رہنما جو بہاولپور کی شہری نشست سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کے سنہری خواب دیکھ رہے تھے انہیں یہ مطالبہ بڑا شاق گزرا لیکن جس ماحول میں اور جس پس منظر کے ساتھ یہ مطالبہ کیا گیا تھا اسے مسترد کرنا آسان نہ تھا۔ اسی لئے محاذ نے بادل ناخواستہ یہ مطالبہ منظور کر لیا اور یہ اعلان کر دیا کہ۔

"محاذ نے مہاجرین کے مطالبے پر بہاولپور شہر کی صوبائی اسمبلی کی نشست مہاجرین کے لئے

مختص کر دی ہے۔ اس نشست پر سوائے مہاجر امیدوار کے وہ کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر کوئی غیر مہاجر امیدوار کھڑا ہوا تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا۔"

فیصلے کا ردعمل

اس فیصلے کا مہاجر حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا۔ اور اس پر مسرت و طمانیت کا اظہار کیا گیا۔ لیکن وہ لوگ جو اسے اپنی حق تلفی پر محمول کر رہے تھے۔ اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ محاذ کے لیڈروں نے مہاجروں سے ہمدردی کی آڑ میں دراصل انہیں اس نشست پر انتخاب لڑنے کے حق سے محروم کیا ہے۔ غرض انہوں نے اس فیصلے کو تسلیم نہ کیا۔ اور بطور امیدوار اپنی انتخابی مہم جاری رکھی۔

مہاجروں کو آپس میں لڑانے کی حکمت عملی

متحدہ محاذ کرنے کو تو یہ فیصلہ کر بیٹھا تھا۔ کہ بہاولپور شہر کی صوبائی نشست مہاجروں کے لئے مختص ہے لیکن محاذ کے مقامی لیڈروں کی ناراضگی مول لینی بھی اس کے لئے بہت مشکل تھی اس لئے اس نے درپردہ ان لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ مہاجر امیدوار کی برائے نام مدد کرے گا۔ وہ اپنی انتخابی مہم جاری رکھیں۔ ادھر مہاجروں سے یہ کہا کہ وہ متفقہ طور پر اپنا امیدوار تجویز کریں۔ تاکہ محاذ اس کو اپنا امیدوار ماننے کا فیصلہ کر سکے۔ یہ بات اس لئے کہی گئی تھی کہ نہ مہاجر کسی ایک امیدوار پر متفق ہو سکیں گے۔ اور نہ محاذ پر کسی مہاجر امیدوار کی کامیابی کی ذمہ داری باقی رہے گی۔ اس طرح مہاجر آپس میں الجھتے رہیں گے اور مقامی امیدوار کامیاب ہو جائے گا اگر اس سلسلے میں محاذ کے لیڈروں کی نیت صاف ہوتی تو جس طرح انہوں نے دوسری نشستوں کے لئے امیدواروں کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی طرح کسی ایک مہاجر امیدوار کے متعلق بھی فیصلہ کرنا مشکل نہ تھا۔ بہرحال ان کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور مہاجر کسی ایک امیدوار پر متفق نہ ہو سکے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ مہاجر، متحدہ محاذ کی جائزہ کمیٹی کو درخواستیں دیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک امیدوار کو منتخب کر لے گی۔ چنانچہ حسب قرارداد چند درخواستیں جائزہ کمیٹی کو موصول ہوئیں۔ جنہیں منجملہ دیگر درخواستوں کے راقم الحروف کے ساتھ عزیزی تابش الوری کی بھی درخواست شامل تھی۔ میرا تابش الوری کے ساتھ جو تعلق خاطر رہا تھا۔ وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ ان کا ایکا یک امیدوار بن کر سامنے آنا میرے لئے ہی نہیں بلکہ دوسرے مہاجرین اور مقامی حضرات کے لئے بھی حیران کن تھا۔ تاہم میں جو سیاسی پس منظر رکھتا تھا۔ اور تحریک بحالیٔ صوبہ کے سلسلے میں مہاجرین کو متحدہ محاذ کا ہمنوا بنانے میں جو مؤثر کردار میں نے ادا کیا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ آسان نہ تھا۔ کہ مجھے نظرانداز کیا جاتا۔ لیکن محاذ کے بعض مؤثر لیڈر مجھے اپنے لئے مفید مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایسے حالات پیدا کئے ہیں کہ میں بددل ہو کر راستے سے خود بخود ہٹ جاؤں۔

اس سلسلے میں ان کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ شہاب بہت کمزور امیدوار ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اسے مجبور کیا تو وہ کسی دوسرے امیدوار کے حق میں دستبردار ہو جائے گا۔ اور اس طرح یہ نشست محاذ کے پاس سے چلی جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ کیا کہ فیصلے سے پہلے ہی تابش کے حق میں کنویسنگ شروع کر دی۔ چنانچہ میں نے احتجاجاً

متحدہ محاذ کی جائزہ کمیٹی سے اپنی درخواست واپس لے لی۔ میرے احتجاج پر سردار محمود خاں اور چوہدری فرزند علی نے مجھے یقین دلایا کہ میرے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی۔ پھر یہ بھی بتایا گیا کہ محاذ میرے متعلق فیصلہ کر چکا ہے۔ اور چند روز تک اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔ ان دنوں میرے بیوی بچے کراچی گئے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ انہیں جا کر لے آؤں۔ چنانچہ فرزند علی صاحب سے کہہ کر میں اپنے بچوں کو لینے کراچی چلا گیا۔ دو تین روز بعد میری واپسی کا پروگرام تھا۔ لیکن میرے جانے کے دوسرے روز متحدہ محاذ نے تابش کو ٹکٹ دینے کا اعلان کر دیا۔ مجھے اس کی اطلاع کراچی میں میرے ایک بچے نے ٹیلیفون پر دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ شہاب انتخابات میں حصہ لینے کا ارادہ ترک کر کے کراچی چلا گیا ہے۔

تابش کو ٹکٹ ملنے کا مجھے کوئی دکھ نہ تھا۔ اس کے ساتھ میرے جس نوعیت کے تعلقات رہے تھے اس کے تحت وہ اگر چاہتا تو میں خود اپنے بجائے اسے آگے کر دیتا۔ اس کی ترقی و خوشحالی مجھ سے زیادہ کسے عزیز ہو سکتی تھی۔ لیکن نہ جانے اسے کیا پٹی پڑھائی گئی تھی کہ اس نے یہ راستہ اختیار کرنے کے بجائے میرے مقابل آنا ضروری سمجھا۔ بہرحال میں نے کراچی سے واپس آ کر حالات کا جائزہ لیا۔ تو [illegible] شاید محاذ نے تابش کو برائے نام اپنا امیدوار بنایا ہے کیونکہ جس نشست پر تابش کو الیکشن لڑنا تھا۔ اس کے امیدواروں میں محاذ کے سرگرم رکن سیٹھ عبدالرحمٰن اور سردار محمد ایوب خاں بھی تھے اور محاذ میں ان دونوں کی بڑی موثر لابی تھی۔ میرے دوستوں کا خیال تھا۔ کہ محاذ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کام کرے گا۔ اور تابش کو محض دھوکے میں رکھا جائے گا۔ لہٰذا مجھے مجبور کیا گیا کہ محاذ کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے میں کھڑا ہوں۔ میرے کھڑے ہونے سے جہاں محاذ کو چوکنا ہونا پڑے گا وہاں میرے خلاف اس پروپیگنڈے کا توڑ بھی ہو سکے گا۔ کہ میں ایک کمزور امیدوار تھا۔

ان حالات میں مجھے مجبوراً مقابلے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ میری انتخابی مہم کا ایک ہی نقطہ تھا۔ جس پر میں نے سارا زور صرف کیا اور وہ یہ کہ متحدہ محاذ مہاجرین کے ساتھ مخلص نہیں۔ اس نے برائے نام مہاجر کو ٹکٹ دیا ہے ورنہ اس کا امیدوار تو کوئی اور ہے۔ میرا یہ الزام بے وجہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ متحدہ محاذ کے لیڈر جب میاں نظام الدین حیدر کی کنویسنگ کے لئے نکلتے تھے تو اس کے باوجود کہ تابش ان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ ان کا نام کبھی نہیں لیتے تھے حالانکہ حق ووٹروں سے میاں نظام الدین حیدر کے لئے ووٹ مانگے جاتے تھے۔ انہیں صوبائی اسمبلی کے لئے بھی ووٹ دینے تھے۔ طاہرہ مسعود کا بھی یہی عالم تھا۔ کہ اپنے والد کے لئے تو انہوں نے ایک ایک دہلیز کی مٹی لے لی تھی لیکن تابش کا نام ان کی زبان پر کبھی نہیں آتا تھا۔

میری طرف سے جب اس الزام نے شدت اختیار کی کہ متحدہ محاذ مہاجرین کو دھوکا دے رہا ہے اور خود ووٹروں میں اس اعتراض پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو محاذ کے لیڈروں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اور انہوں نے اس اندیشے سے کہ کہیں اس کشمکش میں وہ قومی اسمبلی کی نشست بھی نہ گنوا بیٹھیں اپنے دوستوں کو ٹھکرا کر تابش کے لئے کھل کر

کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں میاں نظام الدین حیدر کو قومی اسمبلی کی نشست کے لئے زیادہ سے زیادہ ووٹ ملے وہاں تابش بھی ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ مقامی لوگوں نے مہاجر سیٹ کو اپنی عزت کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ اگر مہاجر کامیاب نہ ہوا تو ہم مہاجروں کو کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ انہوں نے قرآن شریف پر آپس میں یہ حلف لئے تھے کہ وہ محاذ کے مہاجر امیدوار کو ووٹ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس عہد کو پورا کیا اور اس طرح تابش صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔

انتخابات اور مخدوم زادہ حسن محمود

مخدوم زادہ حسن محمود کافی عرصہ سے بہاولپور کی سیاست سے بے تعلق تھے صدر ایوب کے زوال کے بعد وہ مستقل کراچی میں گوشہ نشین تھے۔ لیکن انتخابات کے دن قریب آئے تو کیل کانٹے سے لیس ہو کر وہ بھی بہاولپور آ براجمان ہوئے ان دنوں وہ قیوم خاں کی مسلم لیگ میں شامل تھے اور کہا جاتا تھا کہ قیوم لیگ کے روح رواں وہی ہیں۔ انہوں نے سردار محمد اسلم خاں جلوانہ کے مکان پر قیام کیا اور اپنے پرانے رفیقوں کو طلب کر کے انتخابی مہم میں انہیں شریک کرنے پر آمادہ کیا۔ یہاں چونکہ بحالیٔ صوبہ بہاولپور کا مسئلہ بڑا جذباتی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ اور وہ اپنی کئی تقریروں میں اس تحریک کی مخالفت کر چکے تھے اس لئے انہیں اپنے دوستوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ بہاولپور کی قومی اسمبلی کی نشست سے ان کے امیدوار سردار اسلم جلوانہ تھے اور بھی کئی نشستوں سے انہوں نے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے خود دو جگہ سے قومی اسمبلی کے لئے اور ایک جگہ سے صوبائی اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔ لیکن قومی اسمبلی کی دونوں نشستوں سے ہارنے کے بعد بمشکل ایک صوبائی نشست حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو سکے قومی اسمبلی کے لئے انہوں نے حلقہ نمبر ۱۰۶ (بہاولنگر) سے اور حلقہ نمبر ۱۰۷ (رحیم یار خاں) سے الیکشن لڑا تھا لیکن اول الذکر مقابلے میں پیپلز پارٹی کے امیدوار ڈاکٹر محمد شفیع کامیاب ہوئے موخر الذکر مقابلے میں متحدہ محاذ کے امیدوار مخدوم نور محمد ہاشمی کامیاب ہوئے یہ مقابلہ پہلے مقابلے کی نسبت زیادہ سخت تھا۔ یہ مخدوم زادہ صاحب کا اپنا حلقہ تھا۔ اور انہوں نے اس پر اپنا پورا زور صرف کیا تھا۔ لیکن مخدوم نور محمد بھی اپنے خاندانی اثر و رسوخ میں کم نہ تھے پھر بہاولپور کے صوبے کی تحریک نے جو سابق ریاست کی پرانی آبادی میں وارفتگی کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس کا فائدہ بھی قدرتی طور پر ان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس لئے مخدوم زادہ کی کوئی ترکیب کارگر نہ ہو سکی اور مخدوم نور محمد انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ بہاولپور متحدہ محاذ نے اس کامیابی کو اپنی عظیم فتح سے تعبیر کیا کیونکہ صوبے کی تحریک کے سلسلہ میں وہ مخدوم زادہ کو اپنا سب سے بڑا حریف تصور کرتا تھا۔

متحدہ محاذ کے کامیاب امیدوار

مجموعی طور پر متحدہ محاذ کو قومی اسمبلی کے لیے بہاولپور ڈویژن کی آٹھ نشستوں میں سے چار نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی کامیاب امیدواروں کے نام یہ تھے

(۱) میاں نظام الدین حیدر (۲) شہزادہ سعید الرشید (۳) خواجہ جمال احمد کوریجہ (۴) مخدوم نور محمد ہاشمی

کامیاب امیدواروں میں شہزادہ سعید الرشید نے نہ صرف بہاولپور ڈویژن بلکہ پورے پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے تھے۔

آگے چل کر ان چار کے علاوہ بہاولنگر کے سید رفیق شاہ نے بھی جو قیوم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ بہاولپور متحدہ محاذ کی تحریک بحالی صوبہ کی حمایت کر دی۔ جس سے قومی اسمبلی کے بہاولپوری ممبروں میں متحدہ محاذ کو اکثریت حاصل ہو گئی۔

صوبائی اسمبلی میں متحدہ محاذ کی نمائندگی

متحدہ محاذ نے صوبائی اسمبلی کی مختلف نشستوں کے لیے جن امیدواروں کی حمایت کا فیصلہ کیا تھا۔ ان میں تابش الوری کے علاوہ۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی۔ علامہ ارشد۔ میاں سردار احمد اویسی۔ حاجی سیف اللہ۔ اور مخدوم حمید الدین شامل تھے یہ چھ کے چھ امیدوار اپنے حریفوں کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے علاوہ جب صوبائی اسمبلی میں بہاولپور کے صوبے کی تحریک کی ضرورت پیش آئی تو مندرجہ ذیل حضرات نے بھی متحدہ محاذ کے مؤقف کی تائید کی۔

(۱) راؤ مراتب علی خاں (۲) محمد اقبال خاں گدھوکا۔ (۳) چوہدری کلیم اللہ (۴) میاں محمد اسلام۔

اس طرح صوبائی اسمبلی میں بہاولپور ڈویژن کے ۱۸ ممبروں میں سے دس ارکان نے بحالی صوبہ کے مطالبے کی حمایت کی۔ چنانچہ بہاولپور متحدہ محاذ کی طرف سے بحالی صوبہ کے سلسلے میں ایک میمورنڈم حکومت کو پیش کیا گیا تو اس پر متذکرہ قومی و صوبائی اسمبلی کے تمام ممبران نے دستخط کیے۔

محضر نامہ انگریزی میں تھا۔ یہاں اس کا اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

بہاولپور کو الگ صوبہ بنایا جائے

مسٹر بھٹو کی خدمت میں بہاولپور کے اراکین قومی و صوبائی اسمبلی کا محضر نامہ

"ہم دستخط کنندگانِ ذیل جو گذشتہ انتخابات میں بہاولپور سے قومی و صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں ایک بار پھر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ بہاولپوری عوام کے سامنے انتخابات کے دوران سوال یہ تھا کہ آیا ان کی اکثریت بہاولپور کی سابقہ صوبائی حیثیت کی بحالی چاہتی ہے؟

چودھری فرزند علی ایڈووکیٹ

شہزادہ مامون الرشید

شہزادہ سعید الرشید

ملک محمد قاسم

علامہ ارشد

تابش الوری
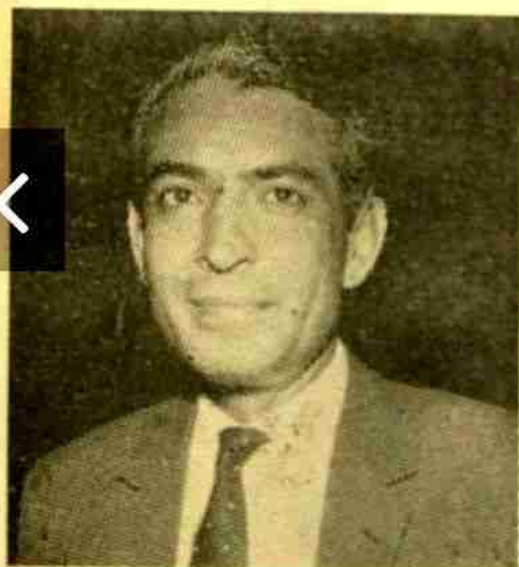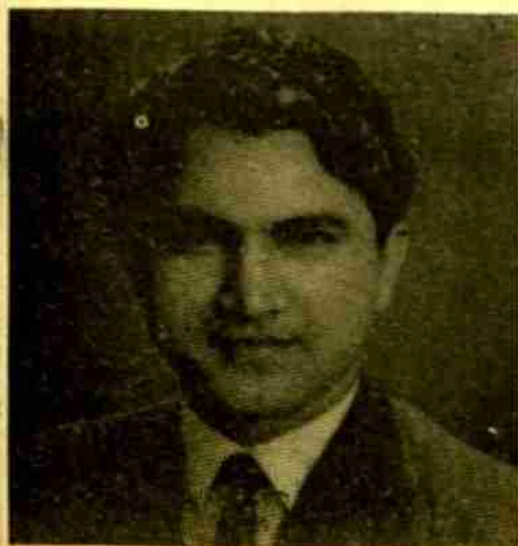
اب اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ گذشتہ انتخابات بہاول پور کے مسئلہ پر ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انتخابات کے نتائج سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ اکثر نشستیں ان امیدواروں نے حاصل کیں جو بہاول پور کو علیحدہ صوبہ بنانے کے حامی تھے۔ پنجاب سے بہاول پور کے الحاق کے حامی امیدوار قومی اسمبلی کی ایک نشست بھی حاصل نہ کر سکے۔

"قومی اسمبلی کی آٹھ نشستوں میں سے تین نشستیں پیپلز پارٹی نے حاصل کیں۔ پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم عوام کی سماجی اور اقتصادی فلاح و بہبود کے پروگرام تک محدود تھی۔ بہاول پور کے بارے میں اس کا کوئی واضح موقف نہ تھا۔ حتیٰ کہ پیپلز پارٹی کا انتخابی منشور بھی اس معاملے میں بالکل خاموش تھا۔ نتیجۃً بہاول پوری عوام کے دوٹوک فیصلے نے خود ساختہ لیڈروں کے اس دعویٰ کی تکذیب کر دی ہے کہ بہاول پوری عوام انضمام کے فیصلے سے مطمئن ہیں۔

" یہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ پنجاب کے ساتھ بہاولپور کا انضمام موجودہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ جس سے ہماری تین سو سالہ انفرادیت خود کفالت اور صوبائی امور کی انجام دہی کی اہلیت کو کلیتہً نظر انداز کر دیا گیا بلکہ انضمام کے فیصلے سے بہاولپوری عوام حق خود اختیاری سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

• مقصد کے حصول تک عوام کی زبردست تائید و حمایت سے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ موجودہ حالات میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے "جمہوریت پسند" صدر پاکستان اور تمام سیاسی جماعتوں کے سرکردہ راہنماؤں سے اپیل کریں کہ بہاولپوری عوام کا مزید امتحان نہ لیا جائے بلکہ عوام کی جمہوری تمناؤں اور جائز سیاسی حقوق کا احترام کیا جائے۔

"اس مقصد کے لئے پاکستان کے مجوزہ دستور میں بہاولپور کو مغربی پاکستان کا پانچواں صوبہ قرار دینے کا اہتمام کریں۔"

اس محضر نامے پر جن صاحبان نے دستخط کئے تھے ان کے نام یہ ہیں :۔

میاں نظام الدین حیدر ایم۔ این۔ اے

مخدوم نور محمد ہاشمی۔ ایم۔ این۔ اے

شہزادہ سعید الرشید عباسی ایم۔ این۔ اے

خواجہ محمد جمال کوریجہ ایم۔ این۔ اے

سید محمد رفیق شاہ۔ ایم۔ این۔ اے

سردار محمد اقبال خان گدھوکا ایم پی اے مخدوم حمید الدین ایم۔ پی۔ اے چوہدری کلیم اللہ ایم پی اے خواجہ سیف اللہ خان ایم پی اے علامہ رحمت اللہ ارشد ایم۔ پی۔ اے۔ میاں سردار احمد اویسی ایم پی اے سید تابش الوری ایم۔ پی۔ اے مخدوم احمد نواز شاہ گردیزی ایم پی اے میاں محمد اسلام ایم پی اے راؤ مراتب علی ایم۔ پی۔ اے۔

تحریک سے بیوفائی اور اس کا انجام

بہاولپوری ممبران کی اس اٹھان کو دیکھتے ہوئے یہ توقع تھی کہ ان کے مطالبے کی گھن گرج سے قومی وصوبائی اسمبلیوں کے ایوان گونج اٹھیں گے اور جب تک حکومت ان کے مطالبے کو تسلیم نہیں کریگی یہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ بعض ممبران نے تو اس عزم کا بھی اظہار کیا تھا کہ اگر وہ بہاولپور کا علیحدہ صوبہ بنوانے میں کامیاب نہ ہوئے تو اپنی ممبری سے استعفٰے دے دیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ جوش وجذبہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔ مصلحتوں کی چکا چوند نے انہیں بہت جلد اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ سب سے پہلے شہزادہ سعید الرشید عباسی نے اپنے موقف سے بے وفائی کر کے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور اس کے صلہ میں وزیر مملکت بنا دیئے گئے۔ اس کے بعد خواجہ محمد جمال کوریجہ اور سید محمد رفیق شاہ بھی اسی ریلے میں بہہ گئے۔ یہی صورت صوبائی اسمبلی میں پیش آئی۔ کچھ ممبران وزارت کی امید پر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اور کچھ نے قومی سطح کے لیڈر بننے کے شوق میں پنجاب کی مخالفت کو خلاف مصلحت سمجھتے ہوئے بہاولپور کے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کرنے کے بجائے بہاولپور کے لئے حقوق و مراعات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ بہر حال اس کا اتنا فائدہ

ضرور ہوا کہ گذشتہ دس بارہ سال سے بہاولپور کا جو استحصال ہو رہا تھا وہ رک گیا اور یہاں ترقیاتی و تعمیراتی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ علامہ ارشد کا صوبائی اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف بنایا جانا بھی غالباً تلافی مافات کی کوششوں کا ہی ایک مظہر تھا۔ صوبائی اسمبلی میں حاجی سیف اللہ اور تابش الوری علامہ کے دست و بازو سمجھے جاتے تھے۔ بہاولپور کی حق تلفیوں کے سلسلے میں یہ دونوں صاحبان خوب بولتے تھے لیکن ایک دن حاجی سیف اللہ بھی علامہ صاحب کو داغِ مفارقت دے گئے اور حزبِ اقتدار سے جا ملے۔ تابش اور علامہ آخر تک آزاد رکن کی حیثیت سے اپوزیشن کی بنچوں پر بیٹھتے رہے۔ یہ بہاولپور کا صوبہ تو نہ بنوا سکے۔ لیکن باشندگان بہاولپور کے نجی و عمومی مسائل حل کرانے میں ان کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

قومی اسمبلی میں مخدوم نور محمد اور میاں نظام الدین حیدر نے بڑی استقامت کا مظاہرہ کیا۔

میاں نظام الدین تو بعض کڑی آزمائشوں سے بھی گذرے۔ ان کی بیٹی کا گھر اجڑا[1] ذہنی اور روحانی کرب نے ان کی صحت کو انگ متاثر کیا لیکن انہوں نے اپوزیشن کا دامن

---

[1] میاں نظام الدین حیدر کی صاحبزادی طاہرہ مسعود بہاولپور صوبہ کی تحریک میں نام حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں وہ تحریک استقلال کے شعبۂ خواتین کی انچارج تھیں اور اس سلسلے میں ایر مارشل اصغر خاں سے ان کا براہ راست رابطہ تھا۔ موصوف بھی اکثر جماعتی امور میں تبادلۂ خیالات کی غرض سے طاہرہ مسعود کے گھر (لاہور میں) آتے جاتے رہتے تھے۔ طاہرہ مسعود کے خاوند فرید الدین مسعود کو جو میاں نظام کے بھتیجے بھی تھے اصغر خان کا ان کے گھر پر آنا اور طاہرہ سے بے تکلف ہونا پسند نہ تھا۔ ویسے بھی وہ طاہرہ کی سیاسی سرگرمیوں سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر اعتراض کیا تو معاملہ درست ہونے کی بجائے خراب ہوتا گیا۔ بعض سیاسی طالع آزماؤں نے میاں بیوی کی اس شکر رنجی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے اصغر خاں کے کردار کو داغدار کرنے کی بھی کوشش کی۔ بہر صورت اس واقعہ نے ایسی سنگین صورت اختیار کی کہ میاں بیوی کا ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور ایک بھرا پرا گھر ویران اور برباد ہو کر رہ گیا۔

نہ چھوڑا اور جو موقف لیکر اسمبلی میں گئے تھے اس پر آخر تک ڈٹ رہے۔ اگر دوسرے ممبران ان کا ساتھ نہ چھوڑتے تو ممکن ہے کہ یہ کوئی مؤثر کردار ادا کر سکتے لیکن اب یہ دو ماموں بھانجے[1] اسمبلی میں اکیلے رہ گئے تھے ظاہر ہے کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے چنانچہ ان کی مساعی بھی رائیگاں گئیں اور اس طرح بہاولپور کے علیحدہ صوبے کا خواب تشنۂ تعبیر رہا۔

---

[1] میاں نظام الدین حیدر کی دو بہنیں میانوالی قریشیاں (ضلع رحیم یار خان) میں بیاہی ہوئی تھیں ان میں سے ایک بہن مخدوم نور محمد کی والدہ ہیں۔

کتابیات

الف

اغراض و مقاصد و دستور العمل جمعیۃ المسلمین بہاول پور

انکشافِ حقیقت از صدر مرکزیہ جمعیۃ المسلمین بہاول پور

آوازِ حق منجانب اراکین جمعیۃ المسلمین مرکزیہ بہاول پور

آوازِ حق نمبر ۳ منجانب جمعیۃ المسلمین بہاولپور

اظہارِ حقائق نمبر ۱ منجانب صدر مجلس مرکزیہ حزب اللہ بہاول پور

ایک غلط فہمی کا ازالہ (جماعت حزب اللہ اور ریاست بہاول پور)

اغیار کی نظر میں میرے جرائم از فیض محمد

ایکٹ دستور عبوری حکومت بہاولپور ۱۹۵۲ء

العزیز (ماہنامہ) بہاولپور ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۴ء

انصاف (ہفت روزہ) بہاولپور مکمل فائل

الہام (ہفت روزہ) بہاولپور مکمل فائل

الہام۔ بہاولپور نمبر ۲۸ جون ۱۹۵۲ء

الامام (ہفت روزہ) بہاولپور۔ مکمل فائل

آئین و ضوابط بہاول پور مسلم لیگ

اسلام کے سوداگر (مخلوط انتخاب کے مخالفین کیلئے لمحۂ فکریہ) از سٹی عوامی لیگ بہاول پور

A NATION IS BORN BY MAKHDUMZADA HASSAN MAHMUD.

ایک تحریک ایک حقیقت، مرتبہ تابش الوری

الزبیر بہاول پور (تحریک آزادی نمبر)

احوال واقعی، از سیکرٹری نشر و اشاعت پاکستان مسلم لیگ بہاولپور

ب

بہاولپور گزیٹیئر

بہاولپور ریویو

برادرانِ یوسف ، از حیات ترین خالد ہاشمی
علی اکبر تکانی

بہاولپور مسلم لیگ کا انتخابی منشور

بہاولپور کی سالمیت ، از شہاب دہلوی

بہاولپور کی سالمیت (۲) 〃

BRIEF FOR BAHAWALPUR
PROVINCE by
Riaz Hashmi

بہاول پور کے علیحدہ صوبے کا مطالبہ
(حقائق کے آئینہ میں)

بہاول پور واپس دو
منجانب تحریک تحفظ حقوق بہاول پور

بہاول پور کا علیحدہ صوبہ کیوں نہیں
از پاکستان پیلز گروپ بہاول پور

بہاول پور کا صوبہ کیوں اور کس لئے
از ولی اللہ اوحد مدیر کائنات

بہاول پور کا اقتصادی استحصال
از شیخ صلاح الدین

پ

پبلک کیا چاہتی ہے نمبر ۲
منجانب صدر جمعیۃ المسلمین بہاول پور

PAKISTAN — THE CONSOLIDA-
-TION OF A NATION by
W.A. WILCOX.

پاکستان ٹائمز (مکمل فائل)

ت

تاریخ اوچ از مولوی حفیظ الرحمٰن

تاریخ سندھ

تاریخ الوزراء

تاریخ احرار از چوہدری فضل الحق

تقریر مخدوم زادہ حسن محمود بموقعہ اجلاس
میزانیہ اسمبلی بہاولپور (۴-۵-۱۹۵۳ء)

تبلیغی ٹریکٹ نمبر ۵
منجانب فیض محمد صدر مجلس مرکزیہ حزب اللہ بہاولپور

تمدن بہاول پور (دو مختلف تصویریں)
از حفیظ الرحمٰن

ترجمان اہلسنت (جنگ آزادی نمبر) جولائی ۱۹۵۷ء

ٹ

TOWN PLANNING
SCHEME OF BAWALPUR
By
M. Faiyuzuddin.

ج

جغرافیہ اور تاریخ بہاول پور
از کرنل سعید ہاشمی

جذبات پبلک ریاست بہاولپور
منجانب مرکزیہ انجمن اشاعت سیرۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم، بہاولپور

ح

حیات نواب بہاول خان

حج صادق

خ

خطبۂ استقبالیہ بخدمت جناب غلام محمد صاحب
گورنر جنرل پاکستان
منجانب مخدوم زادہ حسن محمود وزیر اعلیٰ بہاولپور

دی ہسٹری آف بہاول پور
از شہامت علی

خطۂ پاک اوچ از شہاب دہلوی

THE GLORY OF SADIQ RULER
by GHAUS MOHAMMAD SHAH

THE OVER_EXPLOITED BAHAWALPUR
by HAYAT TAREEN, KHALID HASHMI
A.A. NUTKANI.

THE FORGOTTEN, BAHAWAL PUR.
by ALI AHMAD RIFAT

THE CHOICE OF BAHAWAL PUR.
by Ch. FARZAND ALI

دلستان بہاولپور از ماجد قریشی

ڈ

ڈان روزنامہ۔ کراچی فائل ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۰ء

DIVIDE AND QUIT
by E.P. MOON.

س

سالانہ رپورٹ اجلاس انجمن رفیق الطلبا نومبر ۹۳۶

سالانہ رپورٹ بارونیہ مدرسہ تعلیم القرآن سال ۱۹۳۸

ستلج ویلی پراجیکٹ

سندھ گزیٹیئر از سورلے

ستلج (ہفت روزہ) مکمل فائل

ص

صادق التواریخ

صبح صادق

صادق الاخبار (مکمل فائل)

صادق نامہ
از بریگیڈیر نذیر علی شاہ

صوبہ بہاولپور کا مقدمہ
از فرزندانِ بہاولپور

ع

عرضداشت بمعہ فتویٰ علماء کرام
بحضور سرکار عالی دام اقبالہٗ
منجانب مسلم رعایائے ریاست بہاول پو

ف

فیصلہ مقدمہ بہاولپور (بابت قادیانیت)

ق

قواعد و ضوابط انتخابات پاکستان مسلم لیگ بہاولپور

ک

کائنات (ہفت روزہ) مکمل فائل
" دھاندلی نمبر (۴ر اگست ۱۹۵۲ء)
" گولی نمبر (۳ر جولائی ۱۹۷۲ء)

گ

گزٹ صادق الاخبار (۱۴ر جولائی ۱۹۳۸ء)
گندم نما جو فروش از ابورفعت بہاولپوری

م

مرقع ملتان
مخزن پنجاب
MEMOIR OF PIR IBRAHIM KHAN
مسلمان ہفت روزہ بہاول پور
مغربی پاکستان کو ایک یونٹ بنایا جائے
(ریاستوں کا وجود پاکستان کے جسم پر ناسور)
از عزیز اختر
متفقہ فتویٰ مطبوعہ
بتجانب اراکین جمعیۃ علمائے ہند

ن

نوائے وقت لاہور
نوائے مسلم بہاول پور
نقوشِ رفتگان
از حیات میرٹھی

و

وقائع بیکانیر

ھ

ہسٹری آف سندھ
ہسٹری آف اریگیشن ان بہاول پور
از دیوان رادھالال
ہسٹری آف سکھ
از کننگھم

ہماری امانت ہمیں واپس دو
منجانب تنظیم اصلاح معاشرہ

مصنّف کی دوسری کتابیں

خِطّۂ پاک اوچ

اوچ شریف کی قدیم تاریخ اور بزرگانِ اوچ کے مفصّل حالات

قیمت ۲۵ روپے

خواجہ غلام فریدؒ

خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے سوانح اور شاعری پر جامع تبصرہ

قیمت ۲۰ روپے

اولیائے بہاول پور

اس کتاب میں اُن تمام اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے جن کا تعلّق
سرزمینِ بہاول پور سے رہا ہے اور جن کے مدفن بہاولپور میں ہیں

قیمت ۲۰ روپے

شعری مجموعے

نقوشِ شہاب (غزلیں اور نظمیں) جنگ نامہ (۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ پر
ایک طویل رزمیہ نظم) موجِ نُور (نعتیں، منقبتیں اور مرثیے)

ملنے کا پتہ: مکتبہ الہام، بہاولپور